حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ سو پینتیس (۱۴۳۵)
ملفوظات وارشادات کا قابل قدر مجموعہ

ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ان ملفوظات کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ خاص میں بیٹھے سُن رہے ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور ہزاروں کا تجربہ ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے ملفوظات ومواعظ پڑھنے والوں کی زندگی میں عظیم الشان تغیر پیدا ہوجاتا ہے اور ایمان میں تازگی اور اعمالِ صالحہ کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ

مکتبۂ تھانوی
مولوی مسافر خانہ
ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر ۱
فون ۹۴۰۰۔۷۷۷۷۶۲۰، ۷۷۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب

ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔

ملفوظات

کمالاتِ اشرفیہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ان ملفوظات سے ایسے ایسے مسائل حل ہوئے ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں اور بڑے بڑے عالموں سے بھی حل ہونا مشکل ہے اس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس خاص میں بیٹھے سُن رہے ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور ہزاروں کا تجربہ ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے ملفوظات و مواعظ پڑھنے والوں کی زندگی میں عظیم الشان تغیر پیدا ہوجاتا ہے اور ایمان میں تازگی اور اعمال صالحہ کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اپنے گناہوں اور غفلت کے تدارک کے لئے بہت ہی آسان صورت نظر آنے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کی امیدیں قوی تر ہوجاتی ہیں۔ یہ بات ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر طالب خود محسوس کریگا

بانی ادارہ: حافظ عبد المنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قرآن کریم اور اسلامی کتب کا مرکز

مکتبہ تھانوی

مولوی مسافر خانہ ایم اے جناح روڈ کراچی نمبرا

فون ۷۷۷۰۰۹۴، ۷۷۷۶۲۰۱

فہرست مضامین کمالات اشرفیہ

مقدّمہ

بعد الحمد و الصلوٰۃ یہ تراب اقدام نعال رجال عرض گذار ہے کہ مقبولان الٰہی کے ذکر احوال کے محمود و مفید ہونے کے اثبات میں ان آیات کا جابجا منتشر ہونا، واذکر فی الکتاب مریم۔ واذکر فی الکتاب ابراھیم۔ واذکر فی الکتاب موسیٰ۔ واذکر فی الکتاب اسمٰعیل واذکر فی الکتاب ادریس۔ واذکر عبدنا داود ذا الاید۔ واذکر عبدنا ایوب۔ واذکر عبدنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الاید ی والابصار۔ واذکر اسمٰعیل والیسع وذا الکفل کل من الاخیار وغیرہا اجمالاً دلیل کافی ہے۔ موقع پر یاد آجانے سے غوائل نفس سے بچ جانا۔ ملفوظات و مقولات کے جاننے سے بہت سے غلط خیالات کا رفع ہوجانا۔ بہت سے دستورالعمل اور طرق سلوک کے معلوم ہوجانا۔ بہت سی علمی پیچیدگیاں حل ہوجانا جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے تفصیلاً برہان وافی ہے۔ اسی لئے اس کی تدوین ہمیشہ اکابر کا معمول رہا ہے۔ اور اکثر اپنے خاص خاص بزرگوں کے حالات کو تدوین کے لئے اختیار کرتے رہے ہیں اور اس میں ایک خاص نفع یہ بھی ہے کہ ان خاص حضرات کے زمانہ کے قریب کے لوگوں کے طبائع و مذاق و استعداد کے اعتبار سے یہ حالات خاصہ اصلاح قلب وتہذیب نفس میں بوجہ تناسب زیادہ معین ہوتے ہیں اسی طرح اس چودھویں صدی میں چونکہ یہ امر بفضلہ تعالیٰ محتاج دلیل نہیں رہا کہ حضرت اقدس قطب العارفین مجدد الملۃ والدین حکیم الامۃ بالیقین مولانا و مقتدانا مرشدی و مولائی و سیلۃ یومی و غدی جناب مولوی حاجی حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب حنفی چشتی امدادی تھانوی لازالت شموس فیوضہم بازغۃ و شآبیب رحمۃ اللہ علیہم فائضۃ حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث و جانشین ہیں۔ نیز حضرت کا وجود باجود مرکز رشد و ہدایت و سرچشمۂ علم و حکمت ہے بالخصوص امراض روحانی کی تشخیص اور ان کے معالجہ میں تو وہ خداداد ملکہ اور دست شفا حاصل ہے کہ حضرت حق کے جانب سے

حکیم الامۃ کا لقب عام طور سے قلب میں القا فرمادیا گیا ہے ۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء بنا بریں احقر نے چاہا کہ حضرت ممدوح الذکر کے چند ایسے واقعات وحالات وملفوظات کو اختصار کے ساتھ بطور نمونہ از خروارے یکجا جمع کردیئے جاویں جن سے سالکین کو طریق میں خاص طور پر اور عوام کو معاشرت میں عام طور پر اعانت ہو اور جو فی الحقیقت حضرت والا کے سوانح کا جزو اعظم بن سکیں۔

اس تالیف میں ہر واقعہ کو ترتیبی نمبر سے شروع کیا ہے اور چونکہ شان علم وتربیت وتحقیق وحکمت حضرت والا طال عمرہ کے کمالات کا خاص جزو ہے اور سالکین کے استفادہ کے لئے خاص چیز ہے اس لئے اس کمال کا ایک خاص باب اول ہی میں رکھا گیا ہے اور ہر ہر واقعہ کی فہرست بھی علیحدہ دی گئی ہے اور دوسرا باب دیگر کمالات کا جدا قائم کیا گیا ہے۔ اور اس کے ختم پر ف بڑھا کر وہ واقعہ کلیات کمال میں سے جس کلی کی جزئی معلوم ہوئی اس کی تصریح کردی کہ رہروان طریق کو اقتصار د استفادہ سیر میں جو مقصود اصلی تدوین سے ہے سہولت ہو اور اس مجموعہ کا نام کمالات اشرفیہ رکھتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع ومقبول فرماویں ۔

اور حضرت والا کے وجود باجود کو بایں فیوض وبرکات تا مدت مدید بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھیں اور ہم لوگوں کو اخذ فیوض کی توفیق دیں آمین ثم آمین واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۔

ماخذان ملفوظات کا حسب ذیل رسالے ہیں ۔

مواعظ مختلفہ۔ حسن العزیز۔ التشرف۔ تربیت السالک ۔ الافاضات الیومیہ ۔ اشرف المعمولات ۔ امداد الفتاوی۔ کمالات امدادیہ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

شان تربیت و علم و تحقیق و حکمت

(۱) فرمایا کہ حقیقت محبت کی میلان قلب ہے اور یہ درجہ طبعی اور غیر ماموربہ ہے مگر نعمت اور وہبی ہے۔ پھر اس میلان کے آثار میں سے رضائے محبوب کو رضائے غیر محبوب پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی اور ماموربہ ہے پھر اس ترجیح کے اقسام ہیں باعتبار محل ترجیح کے۔ چنانچہ ایک قسم ہے ایمان کو ترجیح دینا کفر پر اور یہ ادنی درجہ ہے محبت کا بدون اس کے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو ترجیح دینا غیر احکام پر اور ان احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں کوئی اوسط اور واجب کوئی اعلیٰ و مستحب۔

(۲) ایک صاحب نے کہا کہ جس زمانہ میں کوئی تکلیف نہ ہو اس وقت تو طبعی محبت بھی اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اور تکالیف کی حالت میں چونکہ ان کا صدور منجانب اللہ متیقن ہے اس لئے عقلی محبت رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات تو ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا اظہار کفر ہے۔ فرمایا۔ کہ ایسے تغیرات لوازم قطع مسافت سے ہیں جیسے سفر میں تعب بھی ہوتا ہے۔ آبلے بھی پڑتے ہیں۔ ٹانگوں میں درد بھی ہوتا ہے مگر بعد وصول منزل مقصود کے سب کا تدارک کردیا جاتا ہے۔

(۳) ایک شخص نے دریافت کیا کہ کوئی بیعت تو ایک شیخ سے ہے اور تعلیم دوسرے شیخ سے باجازت یا بلا اجازت شیخ اول کے حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے لئے افید و انفع و افضل

ہونے کا اعتقاد کس کے ساتھ رکھے فرمایا ثانی کے ساتھ مگر اول کو اس نفع کا سبب بعید یعنی سبب السبب سمجھے اور اس کے ساتھ گستاخی نہ کرے۔

(۴) فرمایا کہ طبعی آمادگی اور رضا جہاد کے لئے واجب نہیں کیونکہ یہ اختیار میں نہیں صرف عقلی رضا واجب ہے جو اختیاری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر شریعت کا حکم ہو کہ موقع قتال میں حاضر رہے خواہ کیسی ہی وحشت اور دہشت ہو تب بھی وہاں سے نہ ہٹیں گے خواہ جان ہی جاتی رہے تو بس ادائے واجب کے لئے اتنا عزم کافی ہے۔

(۵) فرمایا کہ میرے نزدیک بجائے قنوت نازلہ کے یہی بہتر ہے کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد دعا کیا کریں یہ عجیب وغریب طریق ہے نیز اسلم واسہل۔ اس میں خفا بھی ہے اور قنوت نازلہ میں تو دوسروں کو یاد دلانا بھی ہے کہ ہمیں فکر و اندیشہ ہے۔

(۶) فرمایا کہ اصل تدبیر مصائب و تکالیف کی تو اصلاح اعمال ہے اگر ایسا کریں تو چند روز میں انشاءاللہ اس کی برکت سے دشمن خائف ہو جاویں۔

(۷) مخترع طریقوں کے متعلق فرمایا کہ ایسے وقت میں شریعت میں دو ہی صورتیں ہیں توت کے وقت مقابلہ اور عجز کے وقت صبر و دعا۔ خدا معلوم یہ تیسری صورت بخوشی گرفتار ہو جانے کی کہاں سے نکالی۔ بس یورپ ہی سے سبق لیا ہے۔

(۸) فرمایا کہ جو خدا کے بندے ہیں اور مقبولان حق ہیں ان کو جو طاعت حق میں لطف حاصل ہوا ہے تو ان کو ان ممالک دنیا کی پرواہ نہیں رہی اور اگر یہ ممالک ان کو ملتے بھی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ بس وہ ذوق طاعت عطا فرمادے اور جاہ وحشم دنیا کی ہمیں ضرورت نہیں اسی لئے وہ فقر وفاقہ میں بالاختیار رہتے ہیں اور بزبان قال وحال یہ اشعار پڑھتے ہیں ؂

لیک ذوق سجدۂ پیش خدا — خوشتر آید از دو صد دولت ترا
بس بنالی کہ نخواہم ملکہا — ملک آں سجدہ مسلم کن مرا
بادشاہان جہاں از بدرگی — بو نہ بردند از شراب بندگی
ورنہ او ہم وار سرگرداں و دنگ — ملک را برہم زدندے بیدرنگ

(۹) فرمایا کہ جس کو اکثر جھوٹ بولنے کی عادت ہو بہت بڑا علاج اس کا یہ ہے کہ جب کذب صادر ہو فوراً اپنی تکذیب مخاطب کے سامنے کرے کہ یہ بات میری کذب ہے۔ جھوٹ

(۱۰) فرمایا کہ غیبت کرنے سے بُرا بھلا کہنے سے جو نفرت اس غیبت کرنے والے سے ہو جاتی ہے

اور جو انقباض اس سے ہو جاتا ہے وہ قابل ملامت نہیں کیونکہ طبعی و غیر اختیاری ہے لیکن بتکلف سلام و کلام کرتے رہنے سے چند روز میں وہ اثر دل میں بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

(۱۱) فرمایا کہ اگر اس کا التزام کرلیں کہ جب کسی پر غصہ آجاوے تو مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار ہو تو زیادہ نفع ہو۔

(۱۲) فرمایا کہ امور غیر اختیاریہ کے مقتضا پر عمل کرنا بعض اوقات مذموم ہوتا ہے اور اختیاری ہوتا ہے اس کا ترک بالاختیار واجب ہے (مثلاً بدنظری کا میلان)

(۱۳) اگر اپنی خوبی اور دوسرے کی زشتی پر نظر پڑے تو یہ سمجھنا واجب ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خوبی ہو اور مجھ میں کوئی ایسی زشتی ہو کہ اس کی وجہ سے یہ شخص مجھ سے عند اللہ اچھا ہو بس کبر سے خارج ہونے کے لئے اتنا کافی ہے۔

(۱۴) فرمایا کہ بارادہ استعانت و استغاثہ یا باعتقاد حاضر ناظر ہونے کے یا رسول اللہ کہنا منہی عنہ ہے اور بدون اس اعتقاد کے محض شوقاً و استلذاذاً ماذون فیہ ہے۔

(۱۵) فرمایا کہ بڑی ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے عوام میں بھی خواص میں بھی کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اور اپنی خبر نہیں۔ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت اپنی گٹھری اٹھوا دینا کیسی حماقت ہے۔

(۱۶) فرمایا کہ میں تو اس کو بہت ہی بڑا فضل خداوندی سمجھتا ہوں کہ جس کو اپنوں کی معیت نصیب ہو جاوے ورنہ یہ زمانہ بہت ہی پُر فتن ہے دوسری جگہ جا کر وہ حالت رہتی ہی نہیں۔ اکثر تجربہ ہو رہا ہے۔

(۱۷) فرمایا کہ مقصود سلوک رضائے حق ہے اس کے بعد دو چیزیں ہیں طریق کا علم اور اس پر عمل سو طریق صرف ایک ہی ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی اور اس طریق کا معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر جس پر دوام ہو سکے دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو۔ اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے۔ اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں معاصی اور فضول میں مشغولی اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے جسب اختلاف استعداد مقصود میں اور یا زود یا دیر ہوتی ہے۔ یہ خلاصہ ہے سارے طریق کا۔

(۱۸) فرمایا کہ غصہ کا ایک مجرب علاج یہ ہے کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جاوے یا اس کے پاس سے خود جدا ہو جاوے اور فوراً کسی شغل میں لگ جاوے۔

(۱۹) فرمایا کہ علاج بدنگاہی کا یہ ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا ہے اس کو سوچا کرو۔ اور سوء معصیت کے وقت بھی ایسی ہی استحضار کی تجدید کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہیگا اور اگر خفیف میلان ہو تو اس کا مقابلہ ہمت سے کرو۔ بدون ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں۔

(۲۰) فرمایا کہ رسوخ سے مقصود عمل ہے عمل سے رسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رسوخ ہوتا ہے مقصود حاصل ہے۔ اس لئے کسی محمود کیفیت کے راسخ نہ ہوتے پر رنج نہ کرے ہاں عمل میں کوتاہی نہ ہونے پاوے۔

(۲۱) فرمایا کہ جب کوئی مرض یاد آجاوے اس کو فوراً نوٹ کر لیا اور ایک ہفتہ تک دیکھا کہ وہ زائل ہوا یا نہیں۔ اگر زائل نہ ہوا ہو تو نفس کو اور مہلت نہ دے بلکہ مصلح کو اطلاع کر دے

(۲۲) فرمایا کہ اعتقاد کبر کا علاج یہ ہے کہ اس احتمال کو مستحضر کرے کہ ہم کو عند اللہ کسی کے رتبہ کا کیا پتہ ہے اور اپنے عیوب کو بھی پیش نظر کرے۔ ممکن ہے کہ ان میں کوئی خوبی ایسی بھی ہو جس کا مجھ کو علم نہیں اور وہ حق تعالیٰ کو پسند ہو۔ اور اپنے اندر ایسے عیوب ہوں جن پر مواخذہ ہو جاوے اور عمل کبر یہ ہے کہ برتاؤ تحقیر کا ہو اس کا علاج یہ ہے کہ ان میں جو اہل حق ہیں ان کی مدح زبان سے اور اکرام برتاؤ سے کیا جاوے۔ اور جو اہل باطل ہیں ان کی بلا ضرورت محض مشغلہ کے طور پر غیبت وغیرہ بالکل نہ کی جاوے۔

(۲۳) فرمایا کہ اخلاق رذیلہ کا مختصر علاج یہ ہے کہ تامل و تحمل یعنی جو کام کرے سوچ کے کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے۔ یا اطلاع و اتباع یعنی اپنے احوال و اعمال سے شیخ کو مطلع کرتے رہیں اور اس کی تجویز پر عمل کرے یا انقیاد و اعتماد یعنی اپنے شیخ کی اطاعت کاملہ کرے اور وہ جو کچھ کہے اس پر اعتماد کرے۔

(۲۴) فرمایا کہ امام راتب جب تک معزول نہ ہو اس سے افضل کو بھی حق امامت نہیں ہاں اس کے اذن سے جائز ہے۔

(۲۵) فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدہ اختیاریہ سے اس کو قاصر و عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرما دیتے ہیں جس سے اس کے

امراضِ نفسانیہ حب جاہ وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے مثلاً اس پر کوئی مرض مسلط ہو جاتا ہے یا کوئی عدو مسلط ہو جاتا ہے جو اس کو ایذائیں خصوص بدنامی کی ایذا پہونچاتا ہے جس کی روایات کو اگر کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ رسوا ہو جاتا ہے جو اول اول نفس کو بہت ناگوار ہوتا ہے مگر جب وہ صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو پھر تو اس میں ایسی قوت تحمل کی ہو جاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے ؎

ساقیا برخیز در دِہ جام را　　　خاک بر سر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں　　　مانمی خواہیم ننگ و نام را

پھر ان مع العسر یسرا کے موافق اس کو قبول عام و عزت نصیب فرماتے ہیں جس میں اس کو ناز نہیں ہوتا جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیاز میں ترقی ہوتی جاتی ہے بس جاہ عظیم میسر ہوتی ہے اور جاہ پسندی فنا ہو جاتی ہے۔

(۲۶) فرمایا کہ صاحب مقام مشاہدہ مسمّٰی کے ساتھ اس کو بھی جمع کرتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ محبوب کو یہی پسند ہے کہ دیکھتے بھی جاؤ اور ہمارا نام بھی لیتے رہو اس لئے وہ دونوں کو جمع کرتا ہے۔ دوسرا راز اتفاقاً ابو نواس شاعر کے منہ سے نکل گیا تھا ؎

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر　　　ولا تسقنی سرا ومتی امکن الجھر

یعنی مجھ کو شراب پلاتا جا اور یہ بھی کہتا جا کہ یہ شراب ہے شراب۔ اس کہنے کی یہ ضرورت تھی تاکہ نام سن کر کانوں کے ذریعہ سے لذت حاصل ہو اور دیکھ کر آنکھ کے ذریعہ لذت حاصل ہو اور پیکر زبان کے واسطے سے لذت حاصل ہو۔

(۲۷) فرمایا کہ کسی امر کی پیشینگوئی وارد ہونے سے اس کا خارج از اختیار ہونا لازم نہیں آتا اور جب وہ اختیار سے خارج نہیں تو اسکی تدابیر کرنا فضول نہیں۔ ورنہ اگر پیشینگوئی مانع تدبیر ہو تو چاہئے کہ آج سے حفظ قرآن کو ترک کر دیا جاوے کیونکہ قرآن میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

(۲۸) فرمایا کہ صوفی بیچارے ہر زمانہ میں بدنام رہے ہیں کیونکہ وہ خاموش اور صابر ہوتے ہیں مگر معلوم بھی ہے کہ وہ صبر کیوں کرتے ہیں۔ وہ صبر کر کے حق تعالیٰ کو اپنے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو حق تعالیٰ معاملہ کو اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور جو صبر کرتا ہے اس کی طرف سے حق تعالیٰ خود انتقام لیتے ہیں۔ پھر وہ انتقام کیسا ہوگا

اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لئے ایسا غضبناک ہوتے ہیں جیسے شیر اپنے بچوں کے لئے غضبناک ہوا کرتا ہے پھر کبھی دنیا میں بھی مزا چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت پر پوری سزا کو ملتوی رکھتے ہیں اور دنیا میں کبھی تو ایسی سزا دیتے ہیں جس کو یہ شخص بھی سزا سمجھتا ہے اور کبھی اس طرح میٹھی مار مارتے ہیں کہ یہ اس کو انعام سمجھتا ہے جیسا کہ ایک مجذوب نے ایک سپاہی کو جس نے انہیں ہنٹر مار دیا تھا بددعا دی تھی کہ اے اللہ اس کو تھانہ دار کردے اور وہ چند ہی روز میں تھانہ دار ہو گیا تھا۔

(۲۹) فرمایا کہ نااتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں چنانچہ ایک نااتفاقی وہ بھی ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تومنوا باللہ وحدہٗ کیا اس نااتفاقی کو کوئی مذموم کہہ سکتا ہے۔ اور ایک اتفاق وہ تھا کہ جس کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا وما ولکم النار۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں باہم اتفاق و اتحاد کامل تھا مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اس اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں کیونکہ یہ اتفاق خلاف حق پر تھا۔ پس خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت مطلوب و محمود ہے جبکہ دین کو مفید ہو ورنہ نااتفاقی بھی مذموم ہے کہ دین کو مضر ہو اور اگر اتفاق دین کو مضر ہو اور نااتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نااتفاقی ہی مطلوب ہو گی۔

(۳۰) فرمایا کہ قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے۔

(۳۱) فرمایا کہ مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جاوے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون جب حق متعین ہو جاوے تو

صاحب حق سے کچھ نہ کہا جاوے بلکہ اس کا ساتھ دیا جاوے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جاوے چنانچہ نص ہے فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ۔

(۳۲) فرمایا کہ فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے بھی فساد ہوتا ہے پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

(۳۳) فرمایا کہ شہرت سے دینی و دنیوی دونوں ضرر ہوتا ہے مگر یہ وہ شہرت ہے جو اختیار و طلب سے حاصل ہو اور جو شہرت غیر اختیاری ہو وہ نعمت ہے۔

(۳۴) فرمایا کہ غیبت عداوت کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی یعنی کبھی عداوت سے غیبت پیدا ہوتی ہے اور کبھی غیبت سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نسب ایسا بیہودہ ہو اس کی بیہودگی کے لئے یہی بات کافی ہے۔ پھر جب کوئی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو مشاہدہ ہے کہ دین کا خیال بالکل نہیں رہتا۔ نہ ایذا سے دریغ ہے نہ جھوٹ اور فریب سے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ دشمن کو ضرر پہونچ جاوے چاہے اس کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ کیوں نہ ہو جاوے۔

(۳۵) فرمایا کہ اگر انسان میں دین بھی نہ ہو مگر شرافت ہو تو جب بھی بہت سے بیہودہ کاموں سے بچا رہتا ہے اور جب نہ دین ہو نہ شرافت تو اب اس سے کسی بے حیائی کے کام سے رکنے کی امید نہیں آجکل شرافت نسب گو باقی ہے مگر شرافت اخلاق نہیں رہی۔ اسی لئے آجکل دشمنی میں انسان کسی قسم کی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔

(۳۶) فرمایا کہ پردہ کے متعلق ایک موٹی بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جن کو مجنوں بنایا ہے ان کو آپ خود قید کر دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نقص عقل موجب قید ہے۔ جب یہ بات مسلّم ہوگئی تو عورتوں کے لئے بھی اسی وجہ سے قید پردہ کی ضرورت ہے کیونکہ انکا بھی ناقص العقل ہونا مسلّم ہے ہاں یہ فرق ضرور ہونا چاہیے کہ جیسا نقص ہو ویسا ہی قید ہو مجنوں کامل کے لئے قید بھی کامل ہوتی ہے کہ ایک کوٹھری میں بند کر دیتے ہیں۔ ہاتھ پیر باندھ دیتے ہیں۔ اور مجنوں ناقص کیلئے قید ناقص ہونا چاہیئے کہ اس کو بلا اجازت گھر سے نکلنے کا اختیار نہ دیا جاوے۔

(۳۷) فرمایا کہ خانگی مفسدات سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکٹھے نہ رہا کریں کیونکہ چند عورتوں کا ایک مکان میں رہنا ہی زیادہ فساد کا سبب ہے۔

(۳۸) فرمایا کہ جو کام تنہا ہو سکے وہ مجمع کے ساتھ ہرگز نہ کرو اکثر دیکھا ہے کہ مجمع میں کام بگڑ جاتا ہے۔ دنیوی کامیابی بھی اکثر نہیں ہوتی اور کبھی کچھ دنیا مل بھی گئی تو دین کا تو ستیاناس ہی ہو جاتا ہے

اور جو کام تنہا نہ ہو سکے مجمع ہی کے ساتھ ہو سکے اس کے لئے اگر دینداروں کو مجمع میسر ہو جاوے تو کرو بشرطیکہ سب دیندار ہوں یا دینداروں کو غلبہ ہو۔ اور اگر غلبہ دنیا داروں کو ہو اور دیندار مغلوب یا تابع ہوں تو ایسے مجمع کے ساتھ مل کر کام کرنا واجب نہیں۔ اس وقت آپ اس کام کے مکلف ہی نہ رہیں گے کیونکہ یہ مجمع بظاہر مجمع ہے اور حقیقت میں یہاں تشتت ہے۔ وہی حال ہو گا تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتّٰی۔

(۳۹) فرمایا کہ جو اعمال کا دواماً ہم سے صدور ہوتا ہے یہ محض موہبت ہے حق تعالیٰ نے ایک داعیہ آپ کے اندر پیدا کر دیا ہے جو کشاں کشاں آپ کو عمل کی طرف لے جاتا ہے اس لئے ہم کو اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ شکر و نیاز چاہئے۔

(۴۰) فرمایا کہ بیشک شوق وہبی ہے مگر شوق پیدا کرنے کے اسباب تو اختیاری بھی ہیں۔ اگر کسی میں بطور وہب کے شوق نہیں ہے تو اس کے اسباب اختیار کر کے کسب کے شوق کو حاصل کرے گو اس وقت بھی وہ حاصل ہو گا وہب ہی سے مگر حق تعالیٰ نے وہب کے لئے بھی کچھ اسباب کسبیہ ایسے بنا دیئے ہیں جن کے اختیار کر لینے پر وہب مرتب ہو جاتا ہے اور مقصود حصول وہب ہے خواہ خود بخود ہو جاوے یا تمہارے کسب پر مرتب ہو جاوے۔ پس خود بخود شوق پیدا ہو جاوے تو کیا اور اسباب اختیار کرنے پر مرتب ہو جاوے تو کیا ہر حالت میں مقصود حاصل ہے (اس کی ایک مثال آئندہ ملفوظ میں ہے)

(۴۱) فرمایا کہ دخول جنت و حصول مغفرت گو فی نفسہ وہبی ہیں اور بالذات اختیاری نہیں مگر عادۃً جن اسباب پر اس موہبت کا ترتب ہو جاتا ہے وہ اسباب اختیاری ہیں اس لئے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو اختیارات کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کی تحصیل کا امر ہے اور ان کی طرف مسارعت نہ کرنے پر شکایت ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ لایدخل الجنۃ احد بعملہ لکن بالایمان ارشاد ہے سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء والارض۔

(۴۲) فرمایا کہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ محنت کا نتیجہ راحت ہے اور مشقت کا ثمرہ سہولت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان مع العسر یسرا۔

(۴۳) فرمایا کہ حدیث میں ہے اذا خرجہ امر فزع الی الصلوٰۃ یعنی جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی بڑی فکر پیش آتی تو آپ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتے تاکہ حق تعالےٰ سے باتیں کر کے دل بہلائیں اور تسلی و سکون حاصل کریں۔ واقعی تجربہ و مشاہدہ ہے کہ رنج و فکر

کی حالت میں نماز میں مشغول ہو جانے سے رنج بہت کم ہو جاتا ہے۔

(۴۴) فرمایا کہ بعض فقہا نے صوت عورت کو عورت کہا ہے گو بدن مستور ہی ہو کیونکہ گفتگو اور کلام سے بھی عشق اور میلان ہو جاتا ہے۔

(۴۵) فرمایا کہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ اس کے سب ارکان اعتدال وتسویہ کے ساتھ ادا کئے جاویں۔

(۴۶) فرمایا کہ جو رطوبت جسم جنین کے ساتھ لگی رہتی ہے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک طاہر ہے۔

(۴۷) فرمایا کہ عرفاً نابینائی سبب عار وہ ہے جو خلقی ہو اور کسی عارض سے نابینا ہو جانا سبب عار نہیں جیسے پیدائشی لنجا ہو جانا عیب ہے اور لڑائی وغیرہ میں ہاتھ کٹنے سے لنجا ہو جاوے تو عرفاً یہ عیب نہیں۔

(۴۸) فرمایا کہ ہمارے امام صاحب کے نزدیک اشتغال بالنکاح افضل ہے اشتغال بالطاعات سے بشرطیکہ مہر ونفقہ پر حلال طریقہ سے قادر ہو۔ امام شافعیؒ اشتغال بالطاعات کو افضل کہتے ہیں۔

(۴۹) فرمایا کہ کمال مقصود یہ ہے کہ اقتضاعات بشریہ سب بدرجۂ کمال موجود ہو پھر مستقل رہے کہ شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

(۵۰) فرمایا کہ شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں۔ ٹاٹ کا پردہ زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے۔ اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حسن کا ادراک اور اس کی طرف طبیعت میں میلان بھی ہو پھر بھی نامحرم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔

(۵۱) فرمایا کہ حکمت تابع فعل حق سبحانہ کے یعنی وہ کچھ اپنے اختیار مطلق سے کرے وہی حکمت ہے اور اس کا فعل حکمت کا پابند نہیں کہ مفوت اختیار مطلق ہے۔

(۵۲) جہاد اشاعت اسلام کے لئے مقرر نہیں ہوا بلکہ حکومت اسلام قائم کرنے کیلئے مشروع ہوا۔ (اس کی مدلل تقریر باب دوم نمبر ۲۳۲ میں ہے)

(۵۳) فرمایا کہ صوفیہ ہر مسلمان سے دعا طلب کرتے ہیں جس کی سند یہ حدیث ہے۔

استکثر من الناس من دعاء الخیر لك فان العبد لا یدری علی لسان من یستجاب لہ

اور حو یعنی لوگوں سے دعائے خیر کثرت سے طلب کیا کرو کیونکہ بندہ کو معلوم نہیں کس کی زبان کر

اس کے لئے دعا قبول ہو جاوے یا اُس پر رحمت ہو جاوے۔

(۵۴) فرمایا کہ بعض مشائخ قبول بیعت میں توسیع کرتے ہیں جس کی سند یہ حدیث ہے استکثروا من الاخوان فان لکل مؤمن شفاعۃ یوم القیامۃ بہت سے بھائی بناؤ کیونکہ ہر مومن کے لئے قیامت کے روز ایک شفاعۃ ہوگی (شاید وہ شفاعت تمہارے ہی حق میں ہو جاوے اور بعض مشائخ اس میں تنگی فرماتے ہیں غیرت فی الدین اور امتحان طالبین کے لئے۔

(۵۵) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ سب میں بڑا اجر اس عیادت کا ہے جو ہلکی پھلکی ہو اور تعزیت ایک بار ہونا چاہئے۔ اس حدیث میں سہولت معاشرت کی کس قدر رعایت ہے۔

(۵۶) فرمایا کہ ایسا کوئی کام مت کرو جس سے دین کی سُبکی ہو چنانچہ حدیث میں اعزامر اللہ یعزک اللہ ——— یعنی اللہ کے دین کو غالب کرو اللہ تعالیٰ تم کو غالب (ومعزز) بنائیں گے۔

(۵۷) فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو دھو کر ان میں پانی پیا کرو اس لئے کہ کوئی برتن ہاتھ سے زیادہ پاکیزہ نہیں ہے۔ یہ حدیث کا مضمون ہے اس میں توسط بین التکلف والتوسع کا امر ہے

(۵۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ گناہ کم کر یعنی مت کر تجھ پر موت آسان ہو جاوے گی اور قرض کم کر یعنی مت کر تو آزادی کی زندگی بسر کرے گا یعنی کسی کے سامنے تذلل نہ اختیار کرنا پڑے گا۔

(۵۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے اقیلوا ذوی الھیئات عثراتھم الا الحدود یعنی اہل وجاہت کی لغزشیں معاف کر دیا کرو بجز حدود کے۔

(۶۰) فرمایا کہ حدیث میں ہے اکبر امتی الذین لم یعطوا فیبطروا ولم یقتر علیھم فلیسألوا یعنی میری امت میں سب سے بڑے درجہ میں وہ لوگ ہیں جن کو نہ اتنا مال ملا ہو جس سے وہ اترانے لگیں اور نہ ان پر اتنی تنگی کی گئی ہو جس سے وہ لوگوں سے مانگنے لگیں (یہ مانگنا عام ہے خواہ صریح طور پر ہو خواہ ترکیبوں سے ہو)۔

(۶۱) فرمایا کہ حدیث میں ہے اکثر من اکلۃٍ کل یوم سرف یعنی ایک دن میں ایک بار سے زیادہ کھانا اسراف ہے۔ چونکہ "اسراف" حاجت اور راحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اس لئے حدیث اس صورت پر محمول ہوگی کہ جب دوسری بار بدون بھوک کے کھائے جیسا اہل تنعم خادمان شکم کی عادت ہے کہ محض ادائے حق وقت کے لئے کھاتے ہیں۔

(۶۲) فرمایا کہ میت میں مطلق ادراک تو احادیث سوال منکرین سے باجماع اہل حق

ثابت ہے۔ ادراک مسموعات بھی باختلاف میں اہل حق بعض احادیث کا منطوق ہے۔ چنانچہ سماع موتی کی روایات اور ان کی توجیح میں اختلاف مشہور ہے اور غیر مسموعات کا ادراک اور ان کی طرف توجہ اور ان کے متعلق کوئی قصداً اثباتاً یا نفیاً نصوص میں مسکوت عنہ ہے اور مسکوت عنہ فی النصوص پر اگر کوئی دلیل صحیح قطعی یا ظنی۔ دلالت کرے تو اس کے ثبوت کا اسی درجہ میں قائل ہونا جائز ہوگا۔ اور کشف صلحا کا۔ دلیل صحیح ظنی ہے۔ ایسے ہی کشف سے بعض موتی کا علم بالمستفیض اور قصداً افاضہ ثابت ہے۔ پس اس افاضہ کا بدرجہ ظن قائل ہونا جائز ہوگا اور چونکہ دلیل ظنی دوسروں پر حجت نہیں۔ اس لئے اس کا مطلقاً انکار بھی جائز ہے لیکن امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ ارواح سے ایسا استفادہ مستفید میں بعض شرائط پر موقوف ہے اس واسطے عام طور پر اس میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے

(۶۳) فرمایا کہ اجر مطلق نیت پر موعود نہیں بلکہ عمل کا ماذون فیہ ہونا بھی شرط ہے مثلاً کوئی ناچ اس لئے کرائے کہ لوگ جمع ہوں تو وعظ کہلاؤں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶۴) فرمایا کہ عام طور قلوب میں اعتقاداً حزب البحر کی ایسی وقعت ہے کہ ادعیہ ماثورہ کی وہ وقعت نہیں اور اس کا غلو ہونا ظاہر ہے پس اس کا ورد قابل ترک و منع ہے۔

(۶۵) فرمایا کہ اسرار کے تلاش میں کاوش نہ کرے اور جو بے ساختہ کوئی بات قلب میں آجائے اور قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو اس کو بیان کردے۔

(۶۶) فرمایا کہ اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے جو نعمت "صحت مذاق وسلامت فہم" کی علامت ہے اس لئے قابل شکر و مسرت ہے۔

(۶۷) فرمایا کہ محقق ہونے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی بات سے اطمینان اور قلب کو قرار ہوجائے۔

(۶۸) فرمایا کہ شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں مقبول ہونا ضروری نہیں۔ ہاں فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کہ اس کا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں۔ فن کا جاننا البتہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اعمال صالحہ ہوں۔ تقویٰ ہو۔ ولایت حاصل ہوجائیگی گو شیخ نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(۶۹) فرمایا کہ حزن سے جس قدر جلد مراتب سلوک کے طے ہوتے ہیں مجاہدہ سے اسقدر جلد طے نہیں ہوتے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

(۷۰) فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت زبان سے نکلے مجمع میں اس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہئے کیونکہ کوئی نہ کوئی خوبی تو ہوہی گی۔

(۷۱) فرمایا کہ امراض روحانی کا ایک علاج جیسا کہ اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی ضرورت ہے۔ دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی سقم۔ یا ہم وغم۔ اگرچہ طاعات غیر واجبہ میں کماً یا طاعات واجبہ میں کیفاً کچھ نقص یا خلل ہی واقع ہو جاوے تب بھی باطنی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے۔

(۷۲) فرمایا کہ ایک درجہ محبوبیت کا یہ ہے کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مواخذہ ہوتا ہے۔ محبوب معاف بھی کردے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا۔

(۷۳) فرمایا کہ ایسے امور دنیویہ کے انتظام کا اہتمام جن کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے (مثلاً آرائش کمرہ کی) بعض اوقات مفضی ہو جاتا ہے قلت اہتمام کی طرف امور دینیہ میں۔ اس لئے ان میں تلون اور عدم پابندی کا مضائقہ نہیں۔ البتہ جن امور دنیویہ کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے ان میں تلون سبب ہو جاتا ہے ان کی اذیت کا ان میں انتظام کا اہتمام ضروری اور عین دین ہے۔ (مثلاً اپنے آمد کی خبر دینا پھر رائے بدل دینا بدون اطلاع)

(۷۴) فرمایا کہ ظاہری جسم کے (خلاف شریعت) مقتضیات پر عمل مت کرو اس کو ترک کرو تب تم کو عروج روحانی حاصل ہوگا۔

(۷۵) فرمایا کہ مجذوب کی نظر کبھی تو چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سی بڑی بات پر نہیں ہوتی اس لئے کہ جذب کی وجہ سے استغراقی کیفیت ان حضرات پر غالب رہتی ہے اسی لئے ان کا فعل حجت نہیں۔

(۷۶) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جمعہ کے روز جو مرجاتا ہے اس کا حساب قیامت تک فرشتے نہیں لیتے اس کی وجہ یوم جمعہ کی فضیلت ہے۔ نماز جمعہ سے قبل یا بعد کو کوئی دخل نہیں۔ اس لئے جنازہ کے لئے نماز جمعہ کا انتظار خلاف شریعت و عبث ہے۔

(۷۷) فرمایا کہ شمائل ترمذی میں مروی ہے کہ کان لہ عتاد فی کل شیء یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امر میں ایک ضابطہ مقرر تھا۔ اس لئے ہر امر میں ایک ضابطہ ہونا چاہئے۔

(۷۸) فرمایا کہ عارفین زیادت شکر کے لئے لذائذ میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۷۹) فرمایا کہ مشاہدہ جمال صانع کے لئے حرام محل اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ حرام

ہیں مشاہدہ جمال صانع ہوتا ہی نہیں۔ وہاں محض نفسانیت اور بہیمیت ہی ہوتی ہے۔ پس جو لوگ امردوں اور نامحرم عورتوں کو گھورتے ہیں اور دعویٰ مشاہدہ جمال حق کا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹے ہیں۔

(۸۰) فرمایا کہ عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے حق تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا یہ غلط ہے۔ کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے مثلاً حکم دیا ہے کہ مظلوم کی امداد کرو۔ کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو۔ کسی کو ایذا نہ دو۔ تو جب ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دی جاوے گی تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا ایسے ہی خدا تعالیٰ کا بھی حق فوت کیا۔ کہ ان کے حکم کی مخالفت کی۔ اس لئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ و استغفار کرنا چاہیئے۔ گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اکثر اپنا حق بھی معاف کر دیتے ہیں۔ مگر بعض اوقات محبوبان خاص کی حق تلفی میں ان کی معافی کے بعد بھی حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے۔ بلکہ مؤاخذہ ضرور ہوتا ہے۔

(۸۱) فرمایا کہ ایک ضد کبھی دوسرے ضد کے حصول کا سبب ہو جاتی ہے۔ جیسے قبض سبب ہو جاتا ہے بسط کا۔ بوجہ مجاہدہ حزن و غم کے جو مورث ہے عجز و انکسار کا اور قاطع ہے عجب و خود بینی کا۔ یا غنا سبب ہو جاتا ہے افلاس کا کیونکہ غنا سے بیفکری ہوتی ہے اور بیفکری سے فضول خرچی ہوتی ہے جس سے افلاس تک نوبت پہنچتی ہے یا افلاس سبب ہو جاتا ہے غنا کا اس طرح کہ بوجہ عسرت و تنگی محنت و جانفشانی کے ساتھ تحصیل رزق میں سعی کرتا ہے اور بعد چندے افلاس دور ہو کر غنا نصیب ہو جاتا ہے یا وساوس کا ہجوم سبب ہو جاتا ہے حضور و دلجمعی کا اس طرح سوچنے سے کہ خدا تعالیٰ کی کیا قدرت ہے کہ میرے دل میں ایک دریا خیالات و وساوس کا بہا دیا جس کے بند کرنے سے بندہ عاجز ہے

(۸۲) فرمایا کہ توجہ مرشد کی اس وقت نافع ہوتی ہے جبکہ اس کی اطاعت کی جاوے اور اس کے بتلانے کے موافق عمل کیا جاوے اور اپنے کو اس کے ہاتھ میں "مردہ بدست زندہ" کر دیا جاوے کہ وہ جس طرح چاہے تم میں تصرف کرے۔ اس کے بعد جو توجہ مرشد کی ہوتی ہے وہ واقعی کیمیا ہوتی ہے۔

(۸۳) فرمایا کہ فہم سلیم اور تفقہ فی الدین اس کو حاصل ہوتا ہے جس نے توجہ سے پڑھا ہو اور اساتذ کو راضی رکھا ہو جس طالب علم نے محض محنت ہی محنت کی ہو مگر اساتذہ کو راضی نہ رکھا ہو تجربہ کر لیا جائے کہ اس کو حقیقی علم ہرگز حاصل نہ ہوگا۔

(۸۴) فرمایا کہ عاشق کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ میرے عمل پر کچھ ثمرہ مرتب ہوا یا نہیں اور عمل سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں وہ تو محض محبت کی وجہ سے محبوب کی خدمت میں لگا رہتا ہے چاہے

کامیابی ہو یا ناکامی۔

(۸۵) فرمایا کہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق۔ اور قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بصورت عروج ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اور کبھی بصورت نزول جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو بطن حوت میں ہوا۔

(۸۶) عسر کو یسر میں خاص دخل ہے کیونکہ عسر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز و فنا مشاہدہ ہوتا ہے نیز صبر جمیل اور رضا بالقضا حاصل ہوتا ہے یہ سب یسر و فرح کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ جب وہ حدیث ملالی جاوے کہ انبیاء پر تکالیف و شدائد اس لئے زیادہ آتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عسر کے سبب یسر ہوئے اور کوئی بھی اشکال نہ رہے گا۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عسر یسر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے۔ کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یسر ظاہری کا بھی سبب بنجاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا الخ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض الخ

(۸۷) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کے بعد ترک صوم کا اس لئے حکم دیا ہے کہ رمضان سے پہلے ترک صوم سے صوم رمضان پر قوت زیادہ ہو گی اور انتظار و اشتیاق کی شان پیدا ہو کر رمضان کے روزوں میں نشاط زیادہ ہو گا گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ضد دوسرے ضد کے لئے معین بنایا ہے۔ اسی طرح نصف شعبان کا روزہ رمضان کے نمونہ کیلئے مسنون فرمایا تاکہ رمضان سے وحشت وہیبت نہ ہو اور اس تاریخ میں رات کو عبادت بھی تراویح رمضان کا نمونہ ہے۔ اس سے تراویح کے لئے حوصلہ بڑھتا ہے کہ جب زیادہ رات تک جاگنا کچھ بھی نہ معلوم ہوا تو تراویح کے لئے ایک گھنٹہ جاگنا کیا معلوم ہو گا پس اس میں اعانت بالمثل علی المثل سے کام لیا گیا ہے۔

(۸۸) فرمایا کہ طلب کے بعد ترک طلب اشد ہے کیونکہ یہ اعراض ہے۔

(۸۹) فرمایا کہ واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین کا مطلب یہ ہے کہ موت تک عمل سے استغنا نہیں ہو سکتا۔

(۹۰) فرمایا کہ امید و رجا وہی ہے جو عمل کے ساتھ ہو ورنہ غرور ہے۔

(۹۱) فرمایا کہ عقائد فی نفسہٖ بھی مقصود ہیں اور عمل کے واسطے بھی مقصود ہیں۔ مثلاً مسئلہ

تقدیر کی تعلیم سے صرف اعتقاد کرلینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل بھی مقصود ہے کہ مصائب میں مستقل رہے ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر پریشان نہ ہو اسی طرح نعمتوں پر بطر و تکبر نہ ہو ان کو اپنا کمال نہ سمجھے۔ مثلاً توحید کے عقیدہ سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف اور اس کی طمع نہ رہے۔

(۹۲) فرمایا کہ جب عمل خلاف مقتضائے علم ہوتا ہے تو علم کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ جیسے کوئی لڑکا باپ سے گستاخی کرتا ہو تو ایسے کہتے ہیں باپ ہے باپ یعنی گویا منکر ابوت سمجھ کر خطاب کرتے ہیں۔

(۹۳) فرمایا کہ اسلام نہ ترک تعلقات کی تعلیم کرتا ہے نہ انہماک فی الدنیا کی اجازت دیتا ہے بلکہ تعلقات میں اختصار کی تعلیم دیتا ہے۔

(۹۴) فرمایا کہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ درپے نہ ہو پس یہ زہد ہے اور اگر بدون طلب وانہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالےٰ عطا فرما دیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں۔ اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھے نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالےٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو ان ہی کی عطا سمجھے۔ اس کے لئے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔

(۹۵) فرمایا کہ معرفت اس کا نام ہے کہ دنیا کی قدر دل میں نہ ہو اور اس سے دل کو خالی رکھے بے ضرورت سامان جمع نہ کرے ؎

چیست تقویٰ ترک شبہات و حرام — از لباس و از شراب و از طعام
ہر چہ افزوں است اگر باشد حلال — نزد اصحاب ورع باشد وبال

(۹۶) فرمایا کہ نمازیوں کو زجر و تنبیہ تو کرو محض شفقت کی وجہ سے لیکن ان کو ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھو اور اپنے کو ان سے افضل نہ سمجھو۔ بس زجر و تنبیہ تو اس بنا پر کرو کہ یہ اپنی قوت ارادیہ سے کام کیوں نہیں لیتے اور اپنے کو ان سے افضل اس لئے نہ سمجھو کہ یہ مومیت ہمارے ساتھ نہ ہوئی تو ہم بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے یہ ہیں۔ تو دیکھئے زجر و تنبیہ عدم تحقیر کے ساتھ کس طرح جمع ہوگئی۔

(۹۷) فرمایا کہ ریا حابط عمل ہے گو فرض سر سے اتر جاتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے۔

(۹۸) فرمایا کہ طریق قلندر کے دو جزو ہیں ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی

اور دوسرا محبت طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا۔ اصلاح متقدمین میں طریق قلندر وہ ہے جس میں اعمال ظاہرہ مستحبہ کی تو تقلیل ہو لیکن محبت کی خاص رعایت ہو یعنی تفکر و مراقبہ زیادہ ہو۔ اور متاخرین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ خواہ ان اعمال کی تکثیر بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو لیکن آزادی خلق سے نہ کہ خالق سے یعنی قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم اور دنیوں مصلحتوں کی پروا نہیں ہوتی۔

(۹۹) فرمایا کہ کامل مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جس کا باطن ہو مثل باطن پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یعنی ہر امر اور ہر حال میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں۔

(۱۰۰) فرمایا کہ خواجہ عبید اللہ انصاری فرماتے ہیں ؎

بر ہوا پری مگسے باشی ٭ بر آب روی خسے باشی دل (خود) بدست آر کہ کسے باشی۔

(۱۰۱) فرمایا کہ فنا کا درجہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا۔ یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے لا الٰہ الا اللہ کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً اور نہ سالک کی نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے کل شیء ھالک الا وجہہ کا۔

(۱۰۲) فرمایا کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اس کے افعال عقل معاش اور دنیوی مصلحت کے خلاف ہونے لگتے ہیں اسی لئے دنیا دار ان کو پاگل و مجنوں کا لقب دینے لگتے ہیں چنانچہ کفار مکہ نے صحابہؓ کو السفہاء کہا تھا کیونکہ وہ حضرات سب اعزہ واقربا کو چھوڑ کر اور مال و متاع کو خیرباد کہہ کر ایمان لائے تھے۔

(۱۰۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے۔

(۱۰۴) فرمایا کہ اندھے مادرزاد کو کیا خبر کہ نظر کسے کہتے ہیں اور روشنی کیسی ہوتی ہے عنین کیا جانے کہ نکاح میں کیا مزہ ہے اور منکوحہ کیسی قابل قدر چیز ہے۔ اسی طرح جن کی باطنی آنکھیں پٹ ہیں وہ باطنی دولت کی حقیقت کیا سمجھیں۔

(۱۰۵) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالےٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہمشکل ہے پس یہ وصول کا سب سے اقرب طریق ہے۔

(۱۰۶) فرمایا کہ ایسی شان کے شخص کو قلندر کہتے ہیں جو خدا سے کامل محبت رکھتا ہو۔ خدمت اور طاعت میں پوری مشقت اٹھاتا ہو۔ اور کسی کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو۔

(۱۰۷) فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب اور محب بننا چاہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو۔ اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔

(۱۰۸) فرمایا کہ یہ تین حق مرشد کے ہیں رکھ ان کو یاد ؛ اعتقاد و اعتماد و انقیاد

(۱۰۹) فرمایا کہ شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو۔ کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جاوے اور حق تعالےٰ کی محبت بڑھتی جاوے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جاوے اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جاوے۔

(۱۱۰) فرمایا کہ تمام اخراجات اور سامانوں میں اختصار کرو یعنی قدر ضرورت پر اکتفا کرو۔ پھر ضرورت کے بھی درجے ہیں ایک یہ کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے یہ تو مباح کیا واجب ہے دوسرے یہ کہ ایک چیز کے بغیر کام تو چل سکتا ہے مگر اس کے ہونے سے راحت ملتی ہے اگر نہ ہو تو تکلیف ہو گی گو کام چل جائے گا مگر دقت سے چلے گا ایسے سامان رکھنے کی بھی اجازت ہے ایک سامان اس قسم کا ہے جس پر کوئی کام نہیں اٹکتا نہ اس کے بغیر تکلیف ہو گی مگر اس کے ہونے سے اپنا دل خوش ہو گا تو اپنا جی خوش کرنے کے واسطے بھی کسی سامان کے رکھنے کا بشرط وسعت مضائقہ نہیں یہ بھی جائز ہے۔ ایک یہ کہ دوسروں کو دکھلاوے اور ان کی نگاہ میں بڑا بننے کے لئے کچھ سامان رکھا جاوے یہ حرام ہے پس جو عورتیں اپنی راحت کے لئے یا اپنا یا اپنے خاوند کا جی خوش کرنے کے لئے قیمتی کپڑا یا زیور پہنتی ہیں ان کو تو بشرط مذکور گناہ نہیں ہوتا اور جو محض دکھلاوے کے لئے پہنتی ہیں وہ گنہگار رہیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ اپنے گھر میں تو ذلیل و خوار بھنگیوں کی طرح رہتی ہیں اور جب کہیں تقریب میں نکلیں گی تو نواب کی بچی بن کر

جائیں گی۔ یہ تاویل کرنا عورتوں کا کہ ہم تو اپنے خاوند کی عزت کے لئے عمدہ کپڑا پہن کر جاتی ہیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ پہلی دفعہ جو ایک جوڑا تقریب کے لئے نکالا گیا تھا خاوند کی عزت کے لئے کافی تھا پھر ہر دن نیا جوڑا یا کم از کم دوپٹہ کا بدل کر جانا ان کی ریا کی بین دلیل ہے۔ یہ مذکورہ بالا درجے ہر چیز میں ہیں۔ مکان میں بھی اور برتنوں میں بھی۔ کہ جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔ اب اگر اس میں اپنا دل خوش کرنے کی نیت ہے تو مباح ہے اور اگر دوسروں کی نظروں میں بڑا بننے کی نیت ہو تو حرام ہے۔

(۱۱۱) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہٗ نے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ حضرت میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا مولوی صاحب ابھی تو پوچھ ہی رہے ہو۔ پوچھنا دلیل تردد کی ہے اور تردد دلیل خامی کی ہے اور خامی میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں۔

(۱۱۲) فرمایا کہ حال پیدا ہوتا ہے دوام عمل سے اور کسی قدر ذکر او رمعیّت کاملین سے۔

(۱۱۳) فرمایا کہ مبتدی متوسط اور منتہی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے تو شراب کبھی پی ہی نہ ہو اس لئے ہوش میں ہے یہ تو مبتدی ہے۔ ایک شخص نے ابھی شراب پینا شروع کیا ہے اس لئے مست ہے یہ متوسط ہے۔ اور ایک شخص برسوں سے پینے کا عادی ہے اس کو کسی قدر تو نشہ ہوتا ہے مگر زیادہ نہیں یہ منتہی ہے۔

(۱۱۴) فرمایا کہ کن فی الدنیا کانک غریب (یعنی دنیا میں اس طرح رہ کہ گویا تو مسافر ہے) کا حال جس پر طاری ہوگا اس کے یہ علامات ہوں گے کہ غیر ضروری سامان میں اس کو انہماک نہ ہوگا۔ نیز وہ کسی سے لڑے گا بھڑے گا نہیں۔ کیونکہ مسافر کو اگر کوئی بُرا بھلا کہہ دے تو وہ اس کی وجہ سے منزل کھوٹی نہیں کیا کرتا۔ چنانچہ اسٹیشن اور سرائے میں کسی کو اگر کسی سے تکلیف پہونچے تو رپٹ نہیں لکھواتا۔ یہاں غریب سے مراد وہی مسافر ہے جو بیکس و بے مددگار ہو پردیس میں۔

(۱۱۵) فرمایا کہ بزرگوں میں جو ملامتی ہوتے ہیں وہ ڈاکوؤں سے بچنے کے لئے اپنے اعمال چھپاتے ہیں اور رندوں کی سی وضع بنائے رہتے ہیں۔ کیونکہ ہجوم عوام سے ان کے معمولات میں خلل پڑتا ہے اس لئے عوام کو وہ ڈاکو سمجھتے ہیں۔

(۱۱۶) فرمایا کہ جو لوگ بدوں حال یا علم کے علوم غامضہ کا اظہار کرتے ہیں اور تصوف کے مسائل اور اہل حال کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر نقل کرتے ہیں وہ اپنا اور دوسروں کا ایمان ضائع

کرتے ہیں اس دریا میں تو وہ شخص آئے جس کے پاس کشتی ہو (یعنی علم) یا اسے تیرنا آتا ہو (یعنی صاحب حال ہو)

(۱۱۷) فرمایا کہ ذکر بے لذت پر بھی مداومت کرنے سے معیت حق کا انکشاف اور قلب کی صحت حاصل ہوتی ہے جس کے سامنے ساری لذتیں گرد ہیں۔

(۱۱۸) فرمایا کہ بہت لوگ حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھ لیتے ہیں ان کو بڑھاپے میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حرارت غریزیہ کم ہو جاتی ہے۔ اور جس کو جوانی میں روحانی لذت حاصل ہو چکی ہے بڑھاپے میں اس کی لذت کم نہیں ہوتی۔ جیسے پرانی جورو سے انس میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۱۱۹) فرمایا کہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ کو ہمارے ساتھ غایت شفقت و رافت ہے کہ ہمارے پیسہ کا نقصان بھی گوارا نہیں کرتے تو جان کا نقصان کب گوارا ہوگا۔ پھر وہ جنت سے محروم کرکے دوزخ میں کب ڈالنا چاہیں گے۔ جب تک کہ تم خود نہ گھسو (معاصی کرکے) چنانچہ ارشاد ہے مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و امنتم۔

(۱۲۰) فرمایا کہ غذا کے بعد جو شکر کا حکم کیا گیا ہے تو درحقیقت اسی غذا کے ہضم کے واسطے چورن بتلایا گیا ہے تاکہ پھر بھی غذا کھا سکے کیونکہ شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں جس طرح چورن سے دوسرے وقت زیادہ کھا سکے گا اور ناشکری سے سلب ہو جاتی ہے۔

(۱۲۱) فرمایا کہ بواسطہ دیدار کی صورت یہ ہے کہ مخلوقات و مصنوعات میں حق تعالیٰ کی صفات قدرت کا مشاہدہ کرے کیونکہ مصنوع سے بھی صانع کا دیدار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ زیب النساء کا شعر ہے

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ‌‌‌ ‌ ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(۱۲۲) فرمایا کہ جن حضرات میں اتباع سنت غالب ہے وہ جنت سے استغنا ظاہر نہیں کرتے کیونکہ وہ بھی ایک آئینہ جمال الٰہی ہے۔ ؎ عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

(۱۲۳) فرمایا کہ غلامی کا راز یہ ہے کہ اس نے عبد اللہ بننے سے انکار کیا تھا اس لئے سزا کے طور پر عبد اللہ کا عبد بنایا گیا جو کہ بالکل عقل کے موافق ہے چنانچہ سلاطین بھی جب کوئی بادشاہ بغاوت کرتا ہے تو اس کو قید کرکے ایک معمولی جیلر کی سپردگی میں دیدیتے ہیں۔

(۱۲۴) فرمایا کہ احوال صادقہ عمل ہی کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں اس کے بغیر محض تکلف و

تصنع ہے چنانچہ رافضیوں کا رونا محض تکلف ہی سے ہوتا ہے ورنہ جس کو واقعی رنج کی وجہ سے رونا آتا ہو کیا وہ کہیں رونے کے بعد مٹھائی تقسیم کرتا ہے۔

(۱۲۵) فرمایا کہ اہل عرس جو ہم کو خشک کہتے ہیں حالانکہ وہ قوالی سن کر دل کا بھاپ نکال لیتے ہیں اور یہاں یہ حالت ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتے ہیں۔ دل کا بھرا اس کبھی نہیں نکلتا جتنی بھاپ پیدا ہوتی ہے سب اندر ہی اندر رہ جاتی ہے پھر ہم خشک کیونکر ہو گئے۔

(۱۲۶) فرمایا کہ سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے۔ ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریا ہے۔ اور ایک یہ کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہوگا اور تطییب قلب مسلم بھی مطلوب ہے یہ یقینی عبادت ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سن کر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر داؤد یعنی خدا تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے تم کو حصہ عطا کیا ہے اور حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا لو علمت بك یا رسول الله لحبرته لك تحبیرا (یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے یہ خبر ہو جاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کے خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا) تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس قول پر مطلق نکیر نہیں فرمایا۔

(۱۲۷) فرمایا کہ بندہ رسوخ کا مکلف نہیں صرف عمل کا مکلف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں۔ کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہو گی بشرطیکہ عمل میں کمی نہ کرے۔

(۱۲۸) فرمایا کہ طریق طلب میں تحمل اور بردباری کرنا ہی اس طریق کا ادب ہے۔

(۱۲۹) فرمایا اگر کوئی شخص کسی کی بدخوئی کی شکایت کرے تو سمجھ لو کہ یہ شاکی صاحب بھی بدخو ہیں اس لئے کہ اگر خوشخو ہوتے تو یہ اس کے بدخوئی کا تحمل کرتے شکایت نہ کرتے پھرتے۔

(۱۳۰) فرمایا کہ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاق کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی کو دوسرے سے تکلیف نہ پہونچے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی لکڑی نہ اٹھا دے کیونکہ وہ پریشان ہوگا (لا لاعبا ولا جادا) یعنی نہ ہنسی میں اور نہ بقصد۔ ایسی ہنسی سے ممانعت کی علت وہی اذیت ہے۔

(۱۳۱) فرمایا کہ اگرچہ ہمارے گھر پر بہت سے آدمی اور بہت سے کام نہیں ہیں تاہم ایک تنخواہ دار خادم رکھ لیا ہے تاکہ ہمارے کام کا کسی پر بار نہ ہو اور اس کا لحاظ ہر امر میں رکھنا ضروری ہے۔ فرائض کے بعد ان ہی امور کا مرتبہ ہے۔ میں ان کا زیادہ لحاظ رکھتا ہوں اور

اذکار کا مرتبہ ان کے بعد سمجھتا ہوں۔

(۱۳۲) فرمایا کہ بات کا جواب نہ دینا سخت بے ادبی ہے اسی طرح دیر میں جواب دیکر انتظار کی تکلیف پہونچانا بھی بے ادبی ہے۔

(۱۳۳) فرمایا کہ اتفاق کا راز یہ ہے کہ کسی کا بار دوسرے پر نہ ہوحتی کہ بھائی کے نوکروں سے کبھی کام نہ لے کہ ممکن ہے کبھی تنگدلی پیدا ہو۔ اور کوئی چیز حقیر مثلاً سوختہ کی لکڑی بھی لے تو قیمتاً لے۔ چنانچہ حکمائے عرب کا قول ہے۔ تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب۔ باہم رہو سہو تو بھائیوں کی طرح اور معاملہ کرو اجنبیوں کی طرح۔

(۱۳۴) فرمایا کہ جن لوگوں کو مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا میں ان سے کچھ نہیں کہتا کیونکہ ایسے موقع پر کہنے سے سوائے ناگواری کے اور کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ آئندہ کے لئے اور وحشت ہوجاتی ہے جس سے نفع اور بعید ہوجاتا ہے۔ میری نظر ملاقاتیوں کے تو ہنر پر ہوتی ہے اور متعلقین کے عیوب پر۔

(۱۳۵) فرمایا کہ صوفیہ کا مقولہ ہے زلات المقربین رفعۃ لمقامھم یعنی مقربین کی لغزشیں رفع درجات کے لئے ہوتی ہے۔

(۱۳۶) فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض۔ جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا تو اس کا علاج ہے جوش کا فرو کرنا۔ اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکروغم سے مغلوب کرنا۔ اور سب سے زیادہ فکروغم کی چیز موت واحوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ و محشر و صراط و عقوبات معاصی پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کرلیا جاوے۔ اگر ویسے استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لے کر مطالعہ شروع کردیا جاوے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جاکر مراقبہ یا مطالعہ کیا جاوے۔ اس کا علاج تو فوراً ہوجاوے گا۔ پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت و رجا کی حدیثوں کو مستحضر کرلیا جاوے بس اعتدال ہوجاوے گا اور اصل خوشی رہ جاوے گی جو مامور بہ ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا اور فضول خوشی کا زائل ہوجائے گا جو منہی عنہ ہے لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین۔

(۱۳۷) فرمایا کہ ہدیہ دینے والا قاری کو مجلس قرأت میں ہدیہ نہ دے اور اگر وہ مجلس قرأت ہی میں دے تو قاری کو اس مجلس میں ہدیہ قبول نہ کرنا چاہیے۔

(۱۳۸) فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسی پرندہ اور سایہ۔ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ ہے۔ تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آوے گا نہ یہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس مال بہت آجاتا ہے نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیتے ہیں اور ایسی راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ نہ ہو مگر اطمینان اور انشراح قلب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۳۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے بندے کو چاہتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ تم استسقا کے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔ کیونکہ زیادہ مال و دولت جمع ہونے سے وہ جمعیت باطن فوت ہو جاتی ہے جس پر راحت کا مدار ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے۔

(۱۴۰) فرمایا کہ فیض دو ہیں ایک تعلیم کا۔ ایک تقویت نسبت کا۔ پھر ایک فیض ہے ایک فیض کا ادراک۔ پھر ادراک ایک فوری ہے ایک متدرج۔ پس فیض تعلیم تو اہل کشف کے ساتھ خاص ہے مگر وہ تعلیم تربیت کے لئے کافی نہیں۔ اور فیض تقویت نسبت اہل کشف کے ساتھ خاص نہیں غیر اہل کشف کو بھی ہوتا ہے اتنا فرق ہے کہ اہل کشف کو اس کا ادراک فوری ہوتا ہے اور غیر اہل کشف کو بتدریج لیکن بعض اس فیض کو بھی نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کی بقا کا اہتمام اعمال سے نہ کیا جاوے۔ پھر اس تدریج میں تفاوت ہے بعض کو فطرۃً یا مزاولت اشغال سے اجتماع خواطر و قطع افکار حاصل ہو جاتا ہے جو معین تعجیل ادراک ہوتا ہے اور بعض پر تشتت و تفرق غالب ہوتا ہے جو مانع تعجیل ادراک ہوتا ہے اور طریقہ استفاضہ کا سب کے لئے یہ ہے کہ قبر کے قریب بیٹھکر اپنی اور میت کی روح کا تصور کرے اور دونوں میں اتصال کا تصور کرلے اور یہ تصور کرے کہ اس اتصال سے فلاں کیفیت مثلاً محبت یا خشیت وغیرہ میت کی روح سے میری روح پر فائض ہو رہی ہے اگر اول جی نہ لگے تنگ نہ ہو۔

(۱۴۱) فرمایا کہ جس طرح نماز کے اندر قرأت عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا بھی امر تعبدی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے خطبہ کو ذکر اللہ فرمایا ہے نہ کہ تذکیر فاسعوا الی ذکر اللہ۔ عیدین کے خطبہ عربی زبان کے بعد اگر ترجمہ یا تذکیر

مناسب سمجھے تو ہیئت اوفق بالسنتہ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کرے۔

(۱۴۲) فرمایا کہ ہمارے بھائیوں کی تباہی اور بربادی کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اتباع کا مادّہ نہیں۔ اگر دین کامل نہ ہو تو یہ مادّہ تو ہو کہ کسی کا اتباع کریں۔

(۱۴۳) فرمایا کہ خدا کے لئے جان کیا چیز ہے مگر یہ تو اطمینان ہو کہ یہ یقیناً خدا کے واسطے صرف ہوئی تذبذب کی حالت میں جان دینا تو کیونکر جائز ہوگا ہم کو تو حکم ہے کہ تذبذب کی حالت میں جبکہ ان کی اباحت دم میں تردد ہو کفار کی جان بھی نہ لیں۔

(۱۴۴) فرمایا کہ بے موقع ذکر اللہ تک کو فقہاء نے منع لکھا ہے بلکہ بعض مقامات پر کفر کہا ہے جیسے حرام طعام پر بسم اللہ کہنا۔

(۱۴۵) فرمایا کہ کفر سے سلطنت کو زوال نہیں ہوتا ظلم سے زوال ہوتا ہے۔

(۱۴۶) فرمایا کہ مجذوبین پر عقل گو نہیں ہوتی لیکن جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اس میں عقل کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں کیونکہ ان کاموں کے انجام دہی کے لئے سلامت حواس کافی ہے۔ ان مجذوبین کی حالت مشابہ بچوں کے ہے جن میں حواس تو سلیم ہوتے ہیں لیکن عقل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ سالکین مراتب میں مجذوبین سے افضل ہیں۔

(۱۴۷) فرمایا کہ غم سے نفس کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن روح میں نور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ مجاہدہ ہے گو اضطراری سہی۔ اور مجاہدہ اضطراری بھی موجب اجر ہے۔ حدیثیں اس میں صریح ہیں چنانچہ مرض، فکر اور بلا پر بشارتیں وارد ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے دعا و تدبیر کا بھی امر ہے پس دعا و تدبیر بھی کرنا چاہئے اور غم کے فضائل و بشارت پر نظر کر کے صبر و رضا بھی اختیار کرنا چاہئے۔

(۱۴۸) اصلاح نفس کے لئے صرف دعا کافی نہیں بلکہ تدابیر کی بھی ضرورت ہے۔ جیسے بچہ پیدا ہونے کے لئے نری دعا کافی نہیں بلکہ زوجین کی بھی ضرورت ہے۔

(۱۴۹) فرمایا کہ امراض جسمانی میں امراض نفسانی اضطراراً مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور موروث آثار نہیں ہوتے اور آثار ہی قابل ازالہ ہوتے ہیں۔

(۱۵۰) فرمایا کہ خواب پر عزم بیعت کو مبنی کرنا سنگین عمارت کو ریگ پر تعمیر کرنا ہے پس

جب تک اس کا خواب کا اثر قلب سے نہ ڈھل جائے مقتضائے خواب پر عمل کرنا مناسب نہیں۔

(۱۵۱) فرمایا کہ بجز استحضار قبل الوقت و ہمت در عین وقت و تدارک بعد وقت ایچ علاج غیبت نیست۔

(۱۵۲) فرمایا رضا کا درجہ ہر شخص کے لئے جدا جدا ہے۔ عوام کی رضا کا جو درجہ ہے "دنیا کے حصول کے لئے وظائف پڑھنا" اس کے خلاف نہیں۔

(۱۵۳) فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو۔ اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جاوے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بات نہیں۔

(۱۵۴) فرمایا کہ اگر اپنے علم کو کسی دوسرے سے زیادہ سمجھنے کے وقت اس کا بھی استحضار ہو کہ یہ عطائے حق ہے جب چاہیں سلب کر لیں۔ نیز اگر میرے اندر ایک کمال ہو تو دوسرے میں ممکن ہے کہ اس سے زیادہ دوسرا کمال ہو جس کے سبب یہ عند اللہ مجھ سے افضل ہو تو یہ تکبر نہیں۔

(۱۵۵) فرمایا کہ ہمت سے اگر انسان کام لے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں اور یہ ہمت پیدا ہوتی ہے کسی کامل کی صحبت میں رہنے سے یا اس سے تعلق پیدا کرنے سے۔

(۱۵۶) فرمایا کہ طریقت میں اصل مقصود نفس کی اصلاح اور اعمال کی خبر گیری ہے۔

(۱۵۷) فرمایا کہ اس طریق میں دشواری اسی وقت تک ہے جب تک اس کی حقیقت سے بیخبری ہے حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد پھر اس سے زیادہ سہل اور آسان کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لوگوں نے فن نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو ہوّا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ تصوف صرف ایک مسئلہ پر ختم ہے عمل ایک اختیاری ہے اور ایک غیر اختیاری۔ اختیاری کو لے لو اور غیر اختیاری کے درپے نہ ہو۔

(۱۵۸) فرمایا کہ اگر مسلمان اپنی اصلاح کر لیں اور دین ان میں راسخ ہو جاوے تو دنیوی مصائب کا بھی انشاء اللہ چند ہی روز میں کایا پلٹ ہو جاوے۔

(۱۵۹) فرمایا کہ تقریبات میں عورتوں کے جانے کے انسداد کا طریقہ سہل یہ ہے کہ جانے کو منع نہ کریں مگر اس پر مجبور کریں کہ کپڑے زیور وغیرہ کچھ نہ پہنیں جس حیثیت سے اپنے گھر میں رہتی ہیں اسی طرح چلی جاویں۔ خود بخود جانا بند ہو جاوے گا۔

(۱۶۰) فرمایا کہ حدیث میں جو اجابۃ الداعی آیا ہے خطوں کا جواب دینا بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ اس لئے خطوط کا جواب دینا حتی القدور جلد ضروری ہے۔

(۱۶۱) فرمایا کہ اصلاحیں مسہل ہیں اور ذکر وشغل مسمن ہیں۔ اگر اصلاح نہ ہو تو ذکر و شغل بیکار ہیں۔

(۱۶۲) فرمایا کہ محقق ہمیشہ ضرورت وحالت مخاطب کے لحاظ سے مضمون اختیار کرتا ہے بیان کے لئے چاہے مکرر ہو یا پرانا ہو۔

(۱۶۳) فرمایا کہ کثرت گناہ سے دل کا حس خراب ہو جاتا ہے تو گناہ کی پریشانی اور ظلمت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

(۱۶۴) فرمایا کہ کامل یکسوئی کا انتظار فضول ہے یہ تو دنیا میں پھنس کر ہو نہیں سکتا۔ اس کے حصول کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اسی پریشانی کی حالت میں تعلق مع اللہ کا سلسلہ شروع کر دے پھر رفتہ رفتہ اطمینان کلی نصیب ہو جائے گا۔ ورنہ عمر یوں ہی ختم ہو جاوے گی۔ اور یکسوئی نصیب نہ ہو گی۔

(۱۶۵) فرمایا کہ روح اعتکاف انتظار صلوٰۃ ہی ہے معتکف کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ نماز جماعت ہی کی پابندی کے لئے معتکف ہوا ہے اسی لئے اعتکاف کے لئے مسجد جماعت شرط ہے جس مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف جائز نہیں۔

(۱۶۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ دو شخص کو ہجرت سے منع فرماتے تھے۔ ایک تو کثیر دنیا داروں کو کیونکہ یہ لوگ مکہ کے حقوق کیا ادا کریں گے۔ دوسرے علماء و مقتداؤں کو کیونکہ ان کی ہجرت سے ہندوستان بے پولیس ہو جاوے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ دل بمکہ و جسم بہ ہندستان بہ از آنکہ جسم بمکہ و دل بہ ہندوستاں۔

(۱۶۷) فرمایا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کو دوسرا شیطان نہیں آیا تھا بلکہ یہی نفس تھا جس نے اس کو ابلیس بنا دیا ورنہ وہ تو عزازیل تھا۔ پس نفس کا مغلوب کرنا کفار کے مغلوب کرنے سے اہم ہے اسی واسطے مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

(۱۶۸) فرمایا کہ جہاں حق متعین ہو تو اہل باطل کو اتفاق پر مجبور کرنا چاہئے کہ تم اہل حق سے نزاع نہ کرو۔

(۱۶۹) فرمایا کہ لطف زندگانی کا مدار مال نہیں ہے بلکہ نشاط طبیعت و روح پر ہے اور

روحانی نشاط کا مدار دین و تعلق مع اللہ پر ہے۔ پس دین کے ساتھ دنیا گو کم ہے مگر پر لطف ہوتی ہے۔ اور بدون دین کے خود دنیا بے لطف ہے۔ اگر کسی دنیا دار کو لطف میں دیکھو تو وہ یا تو اس کے حصہ دین کا اثر ہے۔ یا دیکھنے والے کو اس کی ظاہری حالت سے دھوکا ہو گیا ہے اگر اندرونی حالت کی تفتیش کی جاوے تو پریشانی ہی ثابت ہوگی یا اس نے حقیقی لطف دیکھا ہی نہیں۔ وہ صورت لطف کو لطف سمجھ گیا ہے۔ اور راز اس کا وہی ہے کہ لطف و راحت اور چیز ہے اور سامان لطف و راحت اور چیز ہے۔ جن اسباب دنیا کو لوگ سامان راحت سمجھتے ہیں اگر حقیقی راحت نہ ہو تو حقیقت میں وہ عذاب ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں۔ ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا الخ۔ پس یہ ضرور نہیں کہ جس کے پاس سامان راحت ہو اس کو راحت بھی حاصل ہو۔ اور نہ یہ ضرور ہے کہ جس کے پاس سامان راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہ ہو خود اللہ تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ مسلمان تارک دین کو راحت سے محروم کر دیتے ہیں۔ پس دین کا ضرر ایسا ضرر ہے جس سے دنیا کی راحت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

(۱۷۰) فرمایا کہ میاں بی بی کا فساد سب فسادوں کی مرغی ہے یعنی سیکڑوں فساد کو پیدا کرتی ہے۔

(۱۷۱) فرمایا کہ کسی پر تشدد یا قطع تعلق کرنے میں مفسدہ کا اندیشہ ہو اور اس کی طرف سے اضرار کا خوف ہو اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو اس کو امر بالمعروف سے سکوت کی اجازت ہے باقی جس کو ہمت ہو اس کو سکوت کی اجازت نہیں۔

(۱۷۲) فرمایا کہ اپنے گنہگار بھائیوں سے ملو مگر ان کو سمجھاؤ۔ یعنی ملنے کا حق بھی ادا کرو۔ تو ملو۔

(۱۷۳) فرمایا کہ عورت مرتدہ (جو نکاح توڑنے کے لئے مرتد ہو جاوے) ارتداد کے بعد کسی اور مرد سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ شوہر اول ہی سے نکاح پر مجبور کی جاوے گی حکومت سے ورنہ محبوس کی جاوے گی اور اسلام لانے پر مجبور کی جاوے گی۔

(۱۷۴) فرمایا کہ رضا بالکفر کفر ہے۔ خواہ اپنے کفر سے رضا ہو۔ یا غیر کے کفر سے یعنی اگر کوئی شخص اپنے لئے تو کفر پسند نہ کرے مگر دوسرے کے کافر ہونے سے راضی ہو۔ تو خواہ دوسرا کافر ہوا ہو۔ مگر یہ راضی ہونے والا فوراً ہی کافر ہو گیا۔

(۱۷۵) فرمایا کہ تجدید ایمان کے لئے صرف دو چار آدمیوں کے سامنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ زور سے کہدیا اور اپنی غلطی پر اظہار ندامت کافی ہے اور تجدید نکاح میں اعلان عام کی بھی ضرورت نہیں نہ خطبہ کی ضرورت ہے نہ قاضی کی۔ نہ پانچوں کلموں کی بلکہ کسی خاص مجلس میں دو آدمیوں کے سامنے ایجاب قبول کر لیا جاوے

(۱۷۶) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا بعد نماز کے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وضو اچھی طرح کر کے نہیں آتے جس سے امام کو نماز میں سہو ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کے گناہ کا اثر بے گناہوں پر بھی پہونچتا ہے۔

(۱۷۷) فرمایا کہ یہ اللہ تعالےٰ کی حکمت ہے کہ جب انسان کسب کرتا ہے تو اسمیں اللہ تعالےٰ اثر دیدیتے ہیں ورنہ اس کے کسب کو بالذات کوئی دخل نہیں۔

(۱۷۸) فرمایا کہ جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم دیتے ہو وہ تو مجازاً خدا کا حق کہلاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ تمہارے ہی نفع کے واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو اور آخرت میں تم کو ثواب ملے۔

(۱۷۹) فرمایا کہ (۱) جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کرتے ہیں چونکہ یہ بیع باطل ہے کہ جس سے نہ بائع کی ملک زائل ہوتی ہے نہ مشتری کی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ خود بھی حرام کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی حرام کھلاتے ہیں۔ اس میں تبدیل ملک سے تبدل عین کا حکم نہیں اس لئے جہاں تک بیع و شرا کا سلسلہ چلے گا سب حرام کھانے میں مبتلا ہوں گے (۲) جو لوگ جان بوجھ کر کھاتے ہیں وہ تو حرام کھانے کے ساتھ گنہگار بھی ہوتے ہیں (۳) جو لوگ بغیر علم کے کھاتے ہیں ان کو گناہ تو نہیں ہوتا مگر ایسا نقصان ہوتا ہے کہ ہمیشہ کو یاد رہتا ہے جیسے زہر بے خبری میں کھا جائے تو گناہ تو نہ ہو گا مگر نقصان ضرور پہنچے گا اور وہ نقصان قلب کی ظلمت ہے (۴) وہ لوگ جن کو یہ علم ہے کہ اس شہر میں باغ کثرت سے پھل نمودار ہونے کے پہلے فروخت ہوتے ہیں مگر یہ علم نہیں کہ بازار میں جو پھل بک رہا ہے وہ کس باغ کا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان پر تحقیق واجب ہے۔

(۱۸۰) فرمایا کہ جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اسے اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے

بلکہ جانوروں کو بھی کھلانا حرام ہے۔ جانوروں کو خود نہ کھلاؤ بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آکر کھالیں یاد رکھو کہ اپنی اولاد کو جو حرام مال کھلاتا ہے وہ اون کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

(۱۸۱) فرمایا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ فروخت کر چکے ہیں وہ اب پھل آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں تو اصلاح ہو جاوے گی۔ بائع یہ کہہ دے کہ میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل بیچتا ہوں اور مشتری یہ کہہ دے کہ میں خریدتا ہوں۔

(۱۸۲) فرمایا کہ مسائل عشر حسب ذیل یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) کھیتوں کی بیع میں عشر کی یہ تفصیل ہے کہ تیاری سے پہلے بیچے تو عشر مشتری کے ذمہ ہے اور تیاری کے بعد بیچے تو بائع کے ذمے۔ بخلاف پھلوں کے کہ وہ چونکہ مع درختوں کے نہیں بکتے اس لئے جب تک پھل درختوں پر نہ آجادیں بیع معدوم کی لازم آوے گی اس لئے ناجائز ہے اور عشر بائع کے ذمہ ہے مشتری کے ذمہ نہیں پھل باغ والے ہی کا ہے اس لئے اس کے ذمہ فقراء کا حق ہے (۲) اگر کھیت پر آفت آگئی یا باغ کا پھل پھول برباد ہو گیا تو عشر واجب نہیں۔ (۳) عشر کاشتکار پر ہے خواہ زمین خود کاشتکار کی ہے یا دوسرے پر کرایہ پر لی ہو۔ (۴) اگر زمیندار زمین کاشتکار کو بٹائی پر دے تو اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے (۵) اگر زمیندار زمین ٹھیکہ پر دے مثلاً فی بیگہ من بھر غلہ پر یا فی بیگہ دو روپیہ پر۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے مگر علماء دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ عشر کاشتکار کے ذمہ ہے کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے (۶) بارانی زمین عشری پر دسواں حصہ اور غیر بارانی پر یعنی جو کنوئیں یا نہر سے سینچی جاتی ہو) اس پر بیسواں حصہ (۷) عشر عشری زمین پر ہے۔ اور عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانو نے اس کو فتح کیا ہے تو وہ کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔ اب زمین کی تین حالتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتی رہی ہے۔ اس میں عشر کا وجوب ظاہر ہے (۲) دوسرے یہ کہ معلوم ہو کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے (۳) یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کافروں کے پاس سے آئی ہے مگر اس وقت وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یہ بھی باستصحاب حال قسم اوّل کے حکم میں ہے۔

(۸) عشر تمام پیداوار پر ہوگا۔ زکوٰۃ کی طرح قرض متہا نہ ہوگا۔

(۱۸۳) فرمایا کہ عشر سے مال میں کمی نہیں آتی۔ انشاء اللہ برکت ہوگی۔ اور اس کی برکت سے

آئندہ پیداوار میں ترقی ہوگی جو لوگ عشر ادا کرتے ہیں اس کی برکت کا حال ان سے پوچھ لو کہ خدا نے ان کو کس قدر ترقی دی ہے۔

(۱۸۴) فرمایا کہ "اٰتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا" کا مطلب یہ ہے کہ فقراء کا حق ادا کرو اور سارا کا سارا خود ہی نہ کھا جاؤ کہ مسکینوں کا حق بھی کھا لو کیونکہ یہ اسراف ہے اور اسراف کی حقیقت تجاوز عن الحد ہے۔

(۱۸۵) فرمایا کہ جبتک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق ہی نہیں ہوا

(۱۸۶) فرمایا کہ یاد رکھو کہ خدا کی نافرمانی کے ساتھ مشاہدہ جمال حق کبھی نہیں ہوسکتا دل اور روح کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب نفس کی شہوت ولذت کو حرام جگہ سے روکا جائے

(۱۸۷) فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی بجز اس آنکھ کے جو اللہ کے حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے رد کی گئی اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا اور وہ آنکھ جس میں سے خوف الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا۔

(۱۸۸) مولانا رومی فرماتے ہیں کہ قوت شہواتی ایک ایسی قوت ہے کہ اس کو اگر اپنے اندر جمع رکھا جائے اور اس سے کام لیا جائے تو وہی قوت موصل الی الحق ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس کے رہنے سے ایک جوش اور ہمت رہتی ہے اور کام جوش اور ہمت ہی سے ہوتا ہے۔ تو بس اس کو اندر رکھ کر کام کرے تو کام خوب ہوتا ہے اور اگر اس کو نکال دیا تو سمجھو کہ اس سے کسل ہوگا اور ایسا ہوگا کہ گویا تم نے اپنا پَر اکھاڑ دیا۔ لہذا چاہئے کہ اس میں افراط نہ کرو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ افراط شہوت رانی سے باطنی نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ؎

برنگہدار وچنیں شہوت مراں تا پر میلت برد سوئے جناں

خلق پندارند عشرت می کنند برخیالے پر خود برمی کنند

(۱۸۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے "ان اللہ تعالےٰ انزل الداء والدواء وجعل لکل داءٍ دواءً فتداووا ولا تداووا بالحرام" یعنی بیشک اللہ تعالےٰ نے مرض و دوا دونوں اتارا ہے اور ہر مرض کے لئے دوا رکھی ہے۔ بس دوا تو کرو لیکن حرام سے علاج نہ کرو۔ اس میں ترغیب ہے دوا کرنے پر غالب عادت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہی تھی سو مسنون طریقہ یہی ہوا

؎ یہ ملفوظ اصل میں مولانا رومی کا ہے مفید سالکین ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا۔

لیکن امر چونکہ ارشادی ہے اس لئے ترک تداوی بھی جائز ہے اور قابل ملامت نہیں خصوص اگر غلبہ توکل سے ہو تو یہ بھی ایک درجہ کا توکل ہے یعنی ترک اسباب ظنیہ اور اس درجہ سے اعلیٰ درجہ وہ توکل ہے جو مباشرت اسباب کے ساتھ ہو کیونکہ اسباب کو استعمال کرتے ہوئے اسباب پر اعتماد نہ کرنا بہ نسبت اس کے زیادہ عجیب ہے کہ اسباب کو استعمال نہ کیا جاوے اور پھر اس پر نظر نہ ہو

(۱۹۰) فرمایا کہ متقدمین حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ نہ حرام خالص سے تداوی سے جائز اور نہ ایسی چیز سے جائز ہے جس میں کوئی حرام جزء ہو جیسے گدھی کا دودھ اور حرام گوشت اور تریاق (جو سانپوں سے تیار ہوتا ہے) اور متاخرین حنفیہ نے ضرورت شدیدہ کے وقت تداوی بالحرام کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔

(۱۹۱) فرمایا کہ عقیقہ میں پوری گائے یا پورا اونٹ کا ذبح کرنا جائز ہے۔

(۱۹۲) فرمایا کہ اب تک حدیث لولاک الخ کی اصل معلوم نہ تھی مگر اب معلوم ہوگئی چنانچہ ارشاد ہے فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا

(۱۹۳) فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جاوے اور یہی حالت پیدا ہو جاوے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس اہتمام سے پریشانی اور بڑھے گی۔ اور ہمیشہ کے لئے ایک مستقل شغل ہو جاوے گا۔ بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پروا نہ کرو۔ البتہ دعا و تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ بہت جلد طبیعت صاف ہو جاوے گی۔ اور جب یہی عادت ہو جاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا۔

(۱۹۴) فرمایا کہ مقرض اگر یہ کہدے کہ قرض کو ہم نہ دنیا میں لیں گے نہ آخرت میں یہ شرعاً لغو ہے (جب تک یہ نہ کہدے کہ ہم نے معاف کیا) دنیا میں بھی اس کو مطالبہ کا حق ہے۔ اور اگر مطالبہ نہ بھی کیا اور مر گیا تو اضطراراً وہ قرض ان کے ورثہ کی ملک ہو جاوے گا اور ان کو مطالبہ کا حق ہوگا مورث کا وہ کہنا کہ ہم نہ لیں گے ورثہ پر حجت نہ ہوگا۔ اسی طرح اس وعدہ کا اثر آخرت میں کچھ نہیں ہو سکتا وہاں کیا حال ہو اور کیا خیال ہو۔ ممکن ہے کہ جب مدیوں کی نیکیاں ملتی ہوئی یا اپنے گناہ مدیون پر

پڑتے ہوئے دیکھے تو معاف نہ کرے۔

(۱۹۵) فرمایا کہ حدیث میں ہے اعظم النکاح برکۃً الیسرہ مؤنتہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جتنا زیادہ نکاح میں خرچ کیا جاوے گا برکت کم ہو گی۔

(۱۹۶) فرمایا کہ شادی بیاہ میں قرض دینا بھی جس سے رسومات ادا کئے جاویں یا اسراف کیا جاوے ممنوع ہے کیونکہ گو اس مقرض کی نیت اتلاف مال کی نہ ہو مگر تلف کا وقوع تو ہوا جسکا سبب اس شخص کا فعل ہے اور امر منکر کا مباشر ہونا جس طرح منکر ہے اسی طرح سبب بننا بھی۔ دلیلہ قولہ تعالٰے۔ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ الخ

(۱۹۷) فرمایا کہ ایسے کو مرید کرنا مناسب نہیں جس کا ادب شیخ کو کرنا پڑے بلکہ ایسے کو کرنا چاہئے کہ جس کو جو چاہے کہہ سکے۔

(۱۹۸) فرمایا کہ ایذائے شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے افراط فی الشفقت مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت زیادہ شیخ کو ہو گی اتنی ہی مرید کی بے تمیزیوں سے زیادہ ایذا ہو گی

(۱۹۹) فرمایا کہ جو جس کام کے لئے آوے اس میں لگا رہے۔ اور جو خدمت چاہے مجھ سے لیوے تو مجھ کو اس میں راحت ہوتی ہے۔

(۲۰۰) فرمایا کہ مسجد کا لوٹا چونکہ وقف ہوتا ہے اس لئے کسی کا اس لوٹے کو اپنے قبضہ میں محبوس کر لینا گو تھوڑے ہی دیر ہو کہ جس سے دوسرا کام نہ لے سکے ممنوع ہے۔

(۲۰۱) فرمایا کہ صاحبو اس عقل سے جو کام لینے کا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالٰے پر اعتماد و انقیاد کا اپنے کو مکلف سمجھ لے اور وحی کا اتباع کرے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ بعض اکابر کا قول ہے کہ قیامت میں ہر عمل کی ہیئت مشاہدہ ہو گی۔ مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبیہ سے زنا کیا تھا۔ تو ویسا زنا کرتا ہوا قیامت میں نظر آئے گا۔

(۲۰۳) فرمایا کہ واردات کی مخالفت معصیت تو نہیں مگر دنیاوی ضرر ضرور ہو جاتا ہے اور یہ ضرر اضطراراً تو نہیں مگر اختیاراً کبھی مفضی ہو جاتا ہے ضرر دینی کی طرف اور وہ ضرر دینی اس طرح پر ہوتا ہے کہ کسی معصیت کا وسوسہ ہوا اور اس سے بچنے کے لئے رکہ ہمت سے اس کی مقاومت ہو سکتی تھی مگر طبعاً کسل ہو گیا اور اس سے غباوت ہو گئی اس لئے اعمال میں کمی ہو گئی۔ اب اس میں دو ہی صورتیں ہیں کہ پھر وہ عمل اگر واجب تھا تو خسران ہوا اور اگر واجب نہ تھا تو حرمان ہوا ہے یہ بڑا نازک راستہ بڑے ہی سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے۔

(۲۰۴) فرمایا کہ روزہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے خود بخود غذا کم ہو جاتی ہے روزہ دار زیادہ کھا نہیں سکتا۔ عاشق کو محبوب کی یاد سے ایسی تسلی اور خوشی ہوتی ہے کہ اس خوشی کی وجہ سے بھوک اڑ جاتی ہے۔

( ) فرمایا کہ ذکر اللہ سے لطافت کے ساتھ بشاشت بھی قلب میں بڑھ جاتی ہے اس لئے اہل اللہ زندہ دل ہوتے ہیں۔ مردہ دل نہیں ہوتے۔

(۲۰۶) فرمایا کہ معصیت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول ہمت خود کرے اور اس کے ساتھ خدا تعالےٰ سے ہمت طلب کرے اور خاصان خدا سے بھی دعا کرائے۔ انشاء اللہ گناہوں سے بچنے کی ضرور ہمت ہوگی۔ صاحبو کامیابی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک اپنی ہمت دوسرے بزرگوں کی دعا۔ ان دونوں پہیوں سے گاڑی کو چلاؤ ایک پہیا کافی نہیں۔

(۲۰۷) فرمایا کہ حدیث ہے کان اذا دخل العشر الاخر من رمضان شد میزرہ و ایقظ اھلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ اخیرہ میں لنگی مضبوط باندھ لیتے تھے یعنی عبادت کیلئے مستعد ہو جاتے تھے یا بیویوں کے پاس جانے سے بچتے تھے۔

(۲۰۸) فرمایا کہ نقل میں بعض دفعہ اصل سے بھی زیادہ انعام ملتا ہے۔ چنانچہ ایک رئیس کے یہاں ایک شخص خربوزہ لایا۔ اس کو تو خربوزہ کی بازاری قیمت دی گئی۔ دوسرا شخص مٹی کا خربوزہ لایا اس کو بہت روپیہ انعام دیا گیا۔

(۲۰۹) فرمایا کہ جو شخص عشا اور صبح دونوں کی نماز جماعت سے ادا کرے اس کو لیلۃ القدر سے حصہ مل جائیگا یعنی یہ بھی جاگنے والوں میں شمار ہوگا گو اس رات میں عشار کے بعد صبح تک سوتا رہا ہو مگر اس کا جاگنے والوں میں شمار ہونا ایسا ہے جیسا چاندی کے چمچوں میں گلٹ کا چمچہ چاندی کی قلعی کر کے رکھ دیا جاوے۔ ابن المسیبؒ کا ارشاد ہے کہ عشار کی نماز جماعت سے پڑھ لینا بھی فضیلت لیلۃ القدر کے لئے کافی ہے کیونکہ فوت جماعت فجر غیر اختیاری ہے اس لئے یہ فوت منقص ثواب لیلۃ القدر نہ ہوگا۔

(۲۱۰) فرمایا کہ اگر تقریر کرنے والے کو آمد مضامین کی نہ ہو اور تکلف کر کے گھیر گھار کر کے مضامین کو لاوے یعنی تکلف سے بلاغت کا جلب کرے تاکہ سننے والے سمجھیں کہ اس کو قوت ہے بیان میں۔ تو یہ غلو فی البلاغۃ مبغوض ہے ان اللہ یبغض البلیغ من الرجال کا مصداق ہے اور ایک غلو سننے والوں کے لئے ہے وہ یہ ہے کہ اگر بیان میں کوئی خاص رنگ نہ ہو تو اس بیان سے

منتفع ہی نہ ہوں بلکہ منتظر رہیں دوسرے رنگ کے ۔

(۲۱۱) فرمایا کہ جس قدر نافرمانی ہوتی جاتی ہے حق سبحانہ تعالےٰ سے بندہ کا تعلق گھٹتا چلا جاتا ہے۔ اور اس دوسرے ضرر کا مقتضا یہ ہے کہ اگر گناہوں پر عقوبت اور سزا کا اندیشہ نہ بھی ہوتا تب بھی گناہ نہ کرنا چاہیے۔

(۲۱۲) فرمایا کہ مسلمان کو اپنی اولاد سے چاہے کتنی ہی محبت ہو لیکن اگر وہی اولاد خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر بیٹھے تو پھر دیکھئے باپ کو کس قدر غصہ آئے گا کہ اتنا اپنے ساتھ گستاخی کرنے پر ہرگز نہ آتا تو دیکھئے اگر اس باپ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت نہ تھی تو اتنا غصہ کیوں آیا

(۲۱۳) فرمایا کہ محبت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عوام تو سب کچھ کر گزرتے ہیں اور خواص دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی نظر میں تو صرف ایک چیز ہوتی ہے یعنی محبت لہٰذا وہ اس کے مقتضا پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور خواص کی نظر محبت کے ساتھ حکمت پر بھی ہوتی ہے مثلاً وہ مواقع پر دیکھتے ہیں کہ اگر مقتضائے محبت پر عمل کیا گیا تو اس سے مسلمانوں کو بمقابلہ نفع کے ضرر زیادہ پہنچے گا۔ خواص کی نظروں میں یہ چیزیں ہوتی ہیں جو عوام کی طرح جوش ظاہر کرنے سے ان کو روکتی ہیں کیونکہ تنہا جوش کافی نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا بھی ضروری ہے۔

(۲۱۴) فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اسی میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت واختیار کو تسلیم کر کے اس کو مشیت حق کا تابع سمجھے۔ اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں کہ اپنی مشیت و اختیار کی بالکل نفی کر دے اور جبر کا قائل ہو جاوے کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں۔ ہاں اگر کوئی نواب حیدرآباد اپنے کو کسی قدر با اختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کا تابع بنا دے یہ کمال عبدیت ہے اسی سے اہل سنت کا مذہب عبدیت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کے عقیدہ میں عبدیت اہل جبر سے زیادہ ہے۔

(۲۱۵) فرمایا کہ کوئی شخص کسی کے پاس ایسے وقت نہ جاوے جس میں اس نے خلوت کا قصد کیا ہو کیونکہ اس پر گرانی ہوگی۔

(۲۱۶) فرمایا کہ حدت اور ہے اور شدت اور حدت لوازم ایمان سے ہے۔ مؤمن بہت غیرتمند ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے۔ اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ

یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ کمبخت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے اسی طرح دیندار کو خلاف دین پر تحمل نہیں ہوتا۔

(۲۱۷) فرمایا کہ قرآن و حدیث کا مدلول جو بے تکلف باہر کے ذہن میں آجاوے وہ صحیح ہے اور اس کے بعد اپنے اہوار کی نصرت ہے۔

(۲۱۸) فرمایا کہ چندہ مانگو تو غریبوں سے مانگو۔ کچھ ذلت نہیں۔ وہ جو کچھ بھی دیں گے نہایت خلوص اور تواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی اور اُمرا تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دیتے ہیں اس لئے اس میں ذلت بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تو بیچارے رحم کے قابل ہیں کہ ان کا خرچ آمدنی سے بڑھا ہوتا ہے اس لئے پریشان رہتے ہیں۔

(۲۱۹) فرمایا کہ ذکر کرنے کا جس قدر شوق ہو اس سے کچھ کم کرنا چاہیے یعنی شوق کو کچھ باقی چھوڑ دے دیکھو جب چکی پر تھوڑا آٹا گارہ جاتا ہے تو پھر لوٹ آتی ہے اور جب بالکل نہیں رہتا تو نہیں لوٹتی۔

(۲۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔

(۲۲۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے (یعنی تم جھوٹے ہو)

(۲۲۲) فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے۔

(۲۲۳) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں قبر میں ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

(۲۲۴) فرمایا کہ صوفیہ مجوزین پر مولد شریف پر حسن ظن غالب ہے اور مانعین پر حزم و انتظام غالب ہے اور یہ اختلاف مسئلہ میں ایسا ہے جیسے حنفیہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں الم تنزیل السجدہ کی قرارت کے التزام کو باوجود نقل کے ایہام عوام کے سبب مکروہ کہتے ہیں اور شافعیہ مستحب کہتے ہیں اور ایہام کا علاج اصلاح بالقول کو کہتے ہیں۔

(۲۲۵) درمنضود میں ہے کہ دل میں ایسا احتمال پیدا ہونا جس میں اپنے معتقد فیہ کے مغلوب

ہونے کا احتمال ہو دعوئ محبت و عقیدت و رجا من اللہ کے خلاف ہے بلکہ اگر تمنا مقتدا فیہ کے مغلوب ہونے کی پیدا ہو تو عدم محبت و عقیدت کی دلیل ہے۔

(۲۲۶) فرمایا کہ جب حق تعالےٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو گو اس سے مقصود کوئی خاص بزرگ ہوں لیکن حسب قرب و بعد آس پاس کو بھی پہنچتی ہے جیسا کہ کسی کے پنکھا جھلا جاوے تو آس پاس کے لوگوں کو بھی ہوا ضرور لگتی ہے۔ اسی لئے بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرنا عبث نہیں۔ سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں

(۲۲۷) فرمایا کہ اولیا جو شئے کشف میں دیکھتے ہیں بالکل حق ہوتی ہے مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اس لئے اس کی کوقیت یعنی زمان و مکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے جس میں غلطی بھی ممکن ہے بخلاف کشف انبیاء کے کہ وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انہیں اس شئے کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں اس لئے ان سے تخمین و تعین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

(۲۲۸) فرمایا کہ ضیف و مضیف دونوں کے لئے ضیافت عذر افطار ہے جبکہ ضیف یا مضیف مجرد حضور اور ترک افطار پر راضی نہ ہو۔

(۲۲۹) فرمایا کہ مدعی کے اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔

(۲۳۰) فرمایا کہ طریق میں مقصود جمعیت قلب ہے۔ فطرۃً کسی کو ترک اسباب میں جمعیت ہوتی ہے اور کسی کو مباشرت اسباب میں۔ پس دونوں میں محبوب کی تجویز تکوینی ہی کیطرف تفویض ہے اور تشریعاً دونوں مخیر فیہ ہیں۔

(۲۳۱) فرمایا کہ بند لگانا اور پٹن سے اجتناب بہ احتیاط ہے۔ باقی شیوع عام جس سے دیکھنے والے کو کھٹک نہ ہو رافع تشبہ ہے۔

(۲۳۲) فرمایا کہ تصرفات کا صدور قوت نفسانیہ سے ہوتا ہے اور جس طرح قوت جسمانیہ کمالات مقصودہ سے نہیں جیسے مصارعت (کشتی لڑنا) اسی طرح قوت نفسانیہ بھی۔ اور اسی وجہ سے یہ قوت نفسانیہ اہل باطل میں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عارف را ہمت نہ باشد۔ ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ بتلاتے ہیں کہ اس میں شان عبدیت سے بُعد ہے۔ اور یہ وجہ افعال جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں اسباب مادیہ کی طرف احتیاج ظاہر ہے

جو عین عبدیت ہے۔ اور تصرفات نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں اس لئے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے۔ نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عجب کا خطرہ بھی ہے۔

(۲۳۳) فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ ہر دینی کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔ اور جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔

(۲۳۴) فرمایا کہ غیر اللہ کے اہتمام میں لگ جانا اور اسی میں منہمک ہو جانا یہ ناپسندیدہ ہے اگرچہ وہ انہاک اور اہتمام مباح ہی کا کیوں نہ ہو۔

(۲۳۵) محققین اور منتہیں کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کے لئے ہر ہر چیز آئینہ جمال خداوندی بن جاتی ہے جہاں زیادہ غصہ کا موقع ہوتا ہے زیادہ غصہ کرتا ہے جہاں رنج کا موقع ہوتا ہے زیادہ رنج کرتا ہے۔ غرض وہ جہاں جیسا محل ہوتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حدیث میں آیا ہے کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به الخ یعنی میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے الخ اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اس کے آلہ بن جاتے ہیں بلکہ جیسے آلہ وذی آلہ میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ بالکل امر حق کا تابع بن جاتا ہے اور اس کا کوئی قول وفعل امر حق کے مخالف نہیں ہوتا۔

(۲۳۶) فرمایا کہ شغل وحدۃ الوجود نافع اس شخص کے لئے ہوگا جس میں دو شرط جمع ہوں ایک تو اللہ تعالیٰ کی فاعلیت اور کمال وجود کا مشاہدہ جس کا خاصہ یہ ہے کہ اسباب سے نظر اٹھ جاتی ہے۔ دوسرے محبت۔ اگر مشاہدہ حاصل ہے اور محبت نہیں تو اندیشہ ہے کہ کفر میں مبتلا ہو جاوے مثلاً کسی کا باپ مرا اب چونکہ اس کو مشاہدہ حاصل ہے اس لئے اس کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے گا مگر چونکہ اس کو ابھی محبت حاصل نہیں اس لئے وہ اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا ہو جاوے گی جو کفر ہے

(۲۳۷) فرمایا کہ ایک تو عمل نافع کا ہم کو امر فرمایا جس میں سراسر ہمارا ہی نفع ہے۔ پھر عمل کی بھی توفیق دی پھر توفیق کے بعد اس کو ہمارا عمل فرمایا اور جب عمل سے نفع پہونچا تو اوپر سے انعام بھی دیا تو گویا عطا بر عطا ہوئی۔

(۲۳۸) فرمایا کہ ہماری ریاضت و مجاہدہ کیا چیز ہے جس پر کوئی ثمرہ مرتب ہو۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی عطا ہے جو جنت میں ملے گا۔ جیسے کسی سخی نے رائی کا دانہ لے کر کسی کو ایک گانوں دیدیا تو اب کیا کوئی

شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ رائی کا دانہ اس قابل تھا کہ اس کے عوض ایک گانون دیا جاوے۔

(۲۳۹) فرمایا کہ منتہی کو اولاد کے مرنے پر آنسو ناگواری حکم خداوندی اسے نہیں نکلتے بلکہ ترحم سے نکلتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے بچہ کی اس حالت کو دیکھ نہیں سکتا۔ اگر آنسو نہ نکلتے تو بچہ کا حق ادا نہ ہوتا۔ کیونکہ تراحم بچہ کا حق ہے۔ بعض بلاؤں میں خاصیت ہے کہ اس سے آنسو نکلا کرتے ہیں اور باوجود آنسو نکلنے کے وہ دل سے ناراض نہیں ہوتا جیسا مرچ کھانیوالا دل سے جیسی ناراض نہیں ہوتا گو آنکھیں رو رہی ہیں پس رضا والم جمع ہو سکتے ہیں۔

(۲۴۰) فرمایا کہ خلق معصیت میں حکمت بیان کرنا تو فعل حق میں حکمت بیان کرنا ہے اس لئے محمود ہے کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا تو قریب بکفر ہے۔

(۲۴۱) فرمایا کہ درحقیقت یہ شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ گناہ کر لینے سے تقاضا کم ہو جائیگا کیونکہ ارتکاب معصیت سے فی الحال کچھ دیر کو تقاضا کم ہو جائیگا مگر اس کا اثر یہ ہوگا کہ آئندہ کیلئے مادہ معصیت قوی ہو جائے گا اور ازالہ قدرت سے باہر ہو جائے گا۔

(۲۴۲) فرمایا کہ طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے اور معصیت کے ساتھ عدم تقاضا موجب قرب نہیں ہو سکتا بلکہ ارتکاب سے پہلے جو اس تقاضا کی وہ مخالفت کرتا تھا یہ مقاومت نفس اور مجاہدہ کی ایک فرد تھی جو موجب قرب ہے۔

(۲۴۳) فرمایا کہ اگر نماز سنت کے موافق ہو تو گو اس میں لاکھوں وساوس آئیں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس نماز سے جو خلاف طریقہ مسنون پڑھی جاوے کیونکہ پہلی نماز اوفق بالسنتہ ہے اور دوسری ابعد من السنتہ ہے۔

(۲۴۴) فرمایا کہ تقاضائے معصیت پر عمل کر لینے کے بعد جو ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے وہ ہرگز قابل قدر نہیں کیونکہ یہ کیفیت ہے عمل نہیں۔ اور کیفیت موجب قرب نہیں بلکہ عمل باعث قرب ہے۔

(۲۴۵) فرمایا کہ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرلے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ گو یہ صورۃً شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالےٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب اس کو وہ معاف نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو یہ برتاؤ بالکل مساوات کا سا ہے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ اور اس کی صفات کاملہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے افعال کی

ہستی ہی کیا ہے. سارا عالم بھی نا فرمان ہوجاوے تو ان کا ذرہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہوسکتا ۔ ان کو عفو و کرم سے مانع ہوسکتا ہے مشہور ہے ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوئی تو کب بیٹھا کب اڑا ۔

(۲۴۶) فرمایا کہ صوفی قابل قدر تو ہے ہی. متشبہ بالصوفی بھی قابل قدر ہے ۔ گو ریا کی نیت سے صوفیوں کی شکل بنانا فی نفسہ محمود نہیں. مگر اس تشبہ سے یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ اس کے دل میں اہل اللہ کی عظمت ہے ۔

(۲۴۷) فرمایا کہ اللہ تعالے اپنے خاص بندوں کو جو تہجد کے عادی ہیں وقت پر جگا کر اپنے ساتھ ہمکلام ہونے کا شرف دیتے ہیں. اس لئے بجائے ناز کے نیاز و شکر چاہئے ۔

(۲۴۸) فرمایا کہ اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جاوے تو توبہ سب کو مٹا دیتی ہے ۔ دیکھئے بارود ذراسی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اڑا دیتی ہے ۔

(۲۴۹) فرمایا کہ اگر بندوں کو رحمت حق کا مشاہدہ ہونے لگے تو گناہوں کو بڑا سمجھنے پر شرمندگی ہوگی. ناامیدی تو بھلا کیا ہوتی. مگر اس شرمندگی کے مقتضا پر (کہ توبہ نہ کرے) عمل نہ کرنا چاہئے. کیونکہ گناہ اگرچہ رحمت حق کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں مگر تمہارے لئے تو بڑے ہی ہیں تولہ بھر سنکھیا اگرچہ من بھر تریاق کے سامنے چھوٹا ہے مگر معدہ کے مقابلہ میں بڑا ہے ۔

(۲۵۰) فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں سے ڈرتا ہے گو ادنیٰ ہی گناہ ہو. بخلاف فاجر کے کہ وہ گناہ کو مثل مکھی کے سمجھتا ہے کہ آئی اور اڑا دیا ۔ تو معلوم ہوا کہ گناہ کو سخت سمجھ کر توبہ کرنا علامت ایمان کی ہے ۔ اور اس کو ہلکا سمجھنا علامت بے ایمانی کی ہے. اور اوپر جو آیا ہے کہ گناہ کو بڑا نہ سمجھے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا بڑا نہ سمجھے کہ توبہ سے مانع ہوجاوے اور یہاں بڑا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا چھوٹا نہ سمجھے کہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھے. غرض اصل چیز توبہ ہے جو اعتقاد توبہ سے مانع ہو وہ مذموم ہے خواہ بڑے ہونے کا اعتقاد ہو خواہ چھوٹا ہونے کا ۔

(۲۵۱) فرمایا کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں ہوں اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو ۔ ایک یہ کہ فقیہ ہو دوسرے محدث ہو تیسرے صوفی ہو ۔

(۲۵۲) فرمایا کہ محبت حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دے ۔

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

(۲۵۳) فرمایا کہ بندہ کو چاہیے کہ خود ہمت کرے پھر اس کی تکمیل حق تعالیٰ خود کر دیتے ہیں جیسے باپ جب دیکھتا ہے کہ بچہ دس قدم چلا اور گر گیا تو خود ہی رحم کھا کر اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو گود میں اُٹھا لیتا ہے تو جیسے باپ چاہتا ہے کہ بچہ اپنی طرف سے کوشش کرے چلنے کی اسی طرح حق تعالیٰ ہماری طلب کو دیکھنا چاہتے ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم تو سرکتے ہی نہیں اپنی جگہ سے۔

(۲۵۴) فرمایا کہ ہم جیسے مبتدیوں کے لئے اسباب ہی کے ساتھ تشبث اَنسب ہے اور تفصیل پر عمل کرنا کہ قوت قلب کے وقت اسباب کو اختیار کیا جاوے اور ضعف کے وقت اسباب کو اختیار کیا جاوے یہ خود مشوش قلب ہے کہ ہر موقع پر سوچا کریں کہ اس وقت قلب میں قوت ہے یا ضعف۔ اور مبتدی کو تشویش خود مضر ہے۔ اور بعض اوقات اس کا فیصلہ محتاج تامل ہوگا اس وقت زیادہ تشویش ہوگی۔ اور بعض دفعہ اسی میں غلطی ہوگی جو بعد میں ظاہر ہوگی تو اس وقت تاسف کا غلبہ ہوگا جو تشویش سے بھی زیادہ مضر ہے۔ اور بعض اوقات ترک اسباب اور پھر کامیابی سے عجب پیدا ہو جاتا ہے جو سب سے زیادہ مضر ہے۔ تو محض ایک امر غیر ضروری یعنی ترک اسباب کے لئے اپنے کو اتنے خطرات میں ڈالنا خلاف طریق ہے۔ اور مباشرت اسباب میں ان سب سے امن ہے اور ساتھ ہی مشاہدہ ہے اپنے عجز و ضعف و افتقار کا جو طریق میں مطلوب بھی ہے اور معین بھی ہے۔ البتہ اہل تمکین و اہل رسوخ کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

(۲۵۵) ایک صاحب کا خط تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلنے یا باوجود آنکھ کھلنے کے ضعف باقی بعد المرض کے سبب ہمت نہ ہونے کے متعلق مع اطلاع پابندی نوافل بعد العشا آیا جس میں بے حد اظہار قلق کیا تھا۔ اس پر حسب ذیل جواب لکھا گیا۔

اسلم یہی ہے کہ صلوٰۃ اللیل کا التزام رہے۔ اور اگر بعد سونے کے خود بلا اہتمام آنکھ کھل گئی تہجد بھی پڑھ لیا۔ ورنہ جب تک قوت نہ آ جائے اس کا اہتمام نہ کیا جاوے۔ فضائل کی احادیث میں قیام اللیل و صلوٰۃ اللیل کا عنوان بکثرت وارد ہے جس سے نفس فضیلت کا حاصل ہو جانا ثابت ہوتا ہے اور اس باب میں یہ اور تہجد مشارک ہیں۔ اب رہ گئی زیادہ فضیلت وہ قیام بعد النوم کے ساتھ خاص ہے خواہ نوم حقیقتاً ہو خواہ حکماً (یعنی اول شب سے آخر تک بیدار

بیدار رہا اور ایسے وقت نماز پڑھی کہ اس کے قبل عادۃً نوم ہوا کرتی ہے) اس زیادت کے لئے قلق کرنا ایسا ہے جیسا رمضان میں کسی کی آنکھ سحور کے لئے نہ کھلے مگر روزہ کی توفیق ہو اور روزہ سے اتنا مسرور نہیں ہوتا جتنا فضیلت سحور کے فوت ہونے سے محزون ہوتا ہے تو کیا یہ حزن طبعی عقلاً بھی مطلوب ہے خصوص جب حدیث میں تصریح ہے کہ اگر اٹھنے کا ارادہ ہوا اور آنکھ نہ کھلے کان نومہ علیہ صدقہ اور قویٰ کا مساعدت نہ کرنا بجائے آنکھ نہ کھلنے کے ہے لکون کل منہا عن رأواللہ اعلم

(۲۵۶) فرمایا کہ احکام آخرت کا مدار عامل کی نیت اور عمل پر ہے نہ کہ واقعہ پر پس اگر کسی کو اپنی طہارت وادائیگی شرائط اذکار و عبادات کا علم اپنے زعم میں تو ہے گو یا اعتبار واقع کے نہیں تو اس حالت قبول موعود ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ عدم قبول و مطرودیت اختیاری کوتاہی پر ہوتی ہے نہ کہ غیر اختیاری پر اور غیر معلوم ہونے کے لئے غیر اختیاری ہونا لازم ہے۔

(۲۵۷) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا واقعی معلوم کرنے کی صورت ان کا وعدہ اور شرائط وعدہ کا تحقق ہے۔ اور اس پر بھی جو خشیت مومن کے لئے لازم ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مآل میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے

(۲۵۸) فرمایا کہ حق تعالےٰ کے غنی ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ غفور شکور نہیں یا وہاں توجہ وانتظام نہیں نعوذ باللہ۔ بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ ہمارے اعمال سے ان کا کوئی نفع یا ضرر نہیں۔

(۲۵۹) فرمایا کہ جب منفذ سے کوئی چیز جوف میں پہونچے تو مفسد صوم ہے۔ اور مسام سے پہونچنا مفسد صوم نہیں اس لئے سوئی وغیرہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں۔ دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے۔

(۲۶۰) فرمایا کہ میں بغرض تربیت آنے والوں کے لئے قید لگا دیتا ہوں کہ بولا مت کرو۔ اس لئے کہ بدون ذوق کے بولنا مناظرہ کی صورت پیدا کرتا ہے اور یہ اس طریق میں سخت مضر ہے۔

(۲۶۱) فرمایا کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں جاھدوا سے مراد غور و فکر دعا والتجا۔ سعی و کوشش۔ حق تعالےٰ کے سامنے الحاح وزاری۔ تواضع و خاکساری یہ چیزیں پیدا کرو۔ رونا و چلانا شروع کرو۔ نخوت و تکبر کو دماغ سے نکالکر پھینک دو۔ اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی۔ بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے کامیابی مشکل ہے۔ ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(۲۶۲) فرمایا کہ کثرت رائے کو بعض حضرات سواد اعظم سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی معنی کو بنائے جمہوریت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سواد اعظم سے مراد بیاض اعظم ہے یعنی نور شریعت جس جماعت میں ہو مگر لوگوں کو ایسی ہی باتوں میں سواد (مزہ) آتا ہے۔

(۲۶۳) فرمایا کہ بعض اوقات کسی سے اتنا انتقام لینا (جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہونچا ہو تو انتقاماً یہ کہہ دینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے) اچھا ہے۔ اس سے دل صاف ہو جاتا ہے۔ البتہ زیادہ پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔

(۲۶۴) فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ اوروں کی فکر میں کیوں پڑے۔ آدمی اپنا ایمان سنبھالے

(۲۶۵) فرمایا کہ میں اپنے شاگردوں کو بھی اگر خط لکھتا ہوں اپنے کام کے لئے تو جوابی خط لکھتا ہوں یہ سمجھ کر کہ اس بیچارہ پر تو ایک یہی بار بہت ہے کہ جواب لکھے گا چہ جائیکہ ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالا جاوے۔ اپنے کام کے واسطے خط اور ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالنا خلاف عقل بھی ہے۔ بعض محبین مجھ سے اس کی شکایت بھی کرتے ہیں کہ ہم کو جوابی کارڈ کیوں بھیجا۔ میں کہتا ہوں بھائی یہی اچھا ہے مجھے ہلکا پھلکا ہی رہنے دو۔

(۲۶۶) فرمایا کہ میں کسی کو سفارش کے طور پر لکھتا لکھاتا کہتا کہلاتا نہیں۔ جیسا کہ زمانہ میں ہو رہا ہے کسی کی سفارش کے لئے مجبوراً کچھ لکھنا بھی پڑتا ہے۔ تو اسی وقت ڈاک کے ذریعہ سے مکتوب الیہ کو لکھ دیتا ہوں کہ فلاں شخص سفارشی خط لاتا ہے کالعدم سمجھنا چاہیئے۔

(۲۶۷) فرمایا کہ مرید کے لئے شیخ کے قلب میں اپنی طرف رغبت وانس پیدا کرنے کا طریق اتباع ہے نہ کہ اس سے اختلاف کرنا اور مریدی کے سر ہو جانا۔

(۲۶۸) فرمایا کہ معاصی سے جو قبض ہوتا ہے اس میں حزن طبعی اور خوف طرد نہیں ہوتا جمود محض ہوتا ہے۔ یہی قساوت ہے اور جو غیر معاصی سے ہوتا ہے اس میں یہ حزن اور خوف ہوتا ہے بجائے جمود کے بے چینی ہوتی ہے۔

(۲۶۹) فرمایا کہ ہم جیسوں کے لئے کہ ناقص ہیں افضل کی تحری غیر ضروری ہے جس میں جمعیت زیادہ ہو اختیار کر لیا جاوے۔

(۲۷۰) علت وجود میں متقدم ہوتی ہے اور حکمت متاخر پس اپنے اپنے زمانہ میں دونوں موجود ہو سکتی ہیں مثلاً شدت سکرات موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علت قوت مزاج و شدت تعلق بالامت ہے کہ قوت مزاج سے حرارت تیز ہو گئی اور شدت تعلق بالامت سے روح کے

تعلق کا انفکاک شدید ہوگیا) اور حکمت مقام صبر کی تکمیل اور ترقی درجات ہے۔

(۲۷۱) فرمایا کہ شیوخ مجتہد ہوتے ہیں۔ بعض کی یہی رائے ہے کہ تحلیہ کاملہ سے تخلیہ بھی ہو جاتا ہے۔

(۲۷۲) فرمایا کہ حیا کے غلبہ سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ پیر پھیلا کر سونا مشکل معلوم ہوتا ہے اور بیت الخلاء میں ستر کھولنا اور بھی زائد باعث شرم معلوم ہوتا ہے۔ یہ حالت رفیعہ ہے۔ پھر غلبہ کے بعد اعتدال ہو جاتا ہے جو اس سے ارفع ہے۔

(۲۷۳) فرمایا کہ مسجد میں وہ فعل مباح بھی جائز نہیں جس کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی حتی کہ اپنی گم شدہ چیز کے لئے اعلان کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ دنیا کی باتیں کرنا۔ ان کیلئے جمع ہو کر بیٹھنا۔ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا جائز نہیں جس کی علت ملائکہ کی تاذی فرمائی گئی۔ اور ملائکہ کو معاصی سے جو ایذا ہوتی ہے وہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بدرجہا زائد ہے اس لئے کوئی معصیت کرنا جائز نہیں۔

(۲۷۴) فرمایا کہ مسجد حرام مسجد اقصیٰ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے میں تضاعف ثواب موعود ہے سو اس تضاعف کی تحصیل اگر بدون سفر ممکن نہ ہو سفر کی بھی اجازت ہے۔ بخلاف دوسرے مشاہد کے (مثلاً کوہ طور۔ کربلا۔ اجمیر وغیرہ) وہاں کوئی دلیل ثواب کی نہیں اس لئے وہاں اس نیت سے سفر کرنا امر غیر ثابت کا اعتقاد ہے۔

(۲۷۵) فرمایا کہ تہذیب کی بات یہ ہے کہ جو کام خود کر سکے اس کی فرمائش دوسرے سے نہ کرے۔ بس اس کام کو دوسرے سے کہے جو بغیر اس کے ممکن نہ ہو۔ وہ بھی بشرط اپنی ضرورت اور اس کی سہولت کے۔

(۲۷۶) فرمایا کہ میں اس کا مخالف ہوں کہ ایک مقام کی خبر رویت ہلال دوسرے مواضع میں اس طرح اشاعت کی جاوے کہ اس میں غلو و مبالغہ ہوا اور اس میں غلطیاں و بیجا رائیں جس سے اکثر تشویش و مخالفت بڑھ جاتی ہے۔

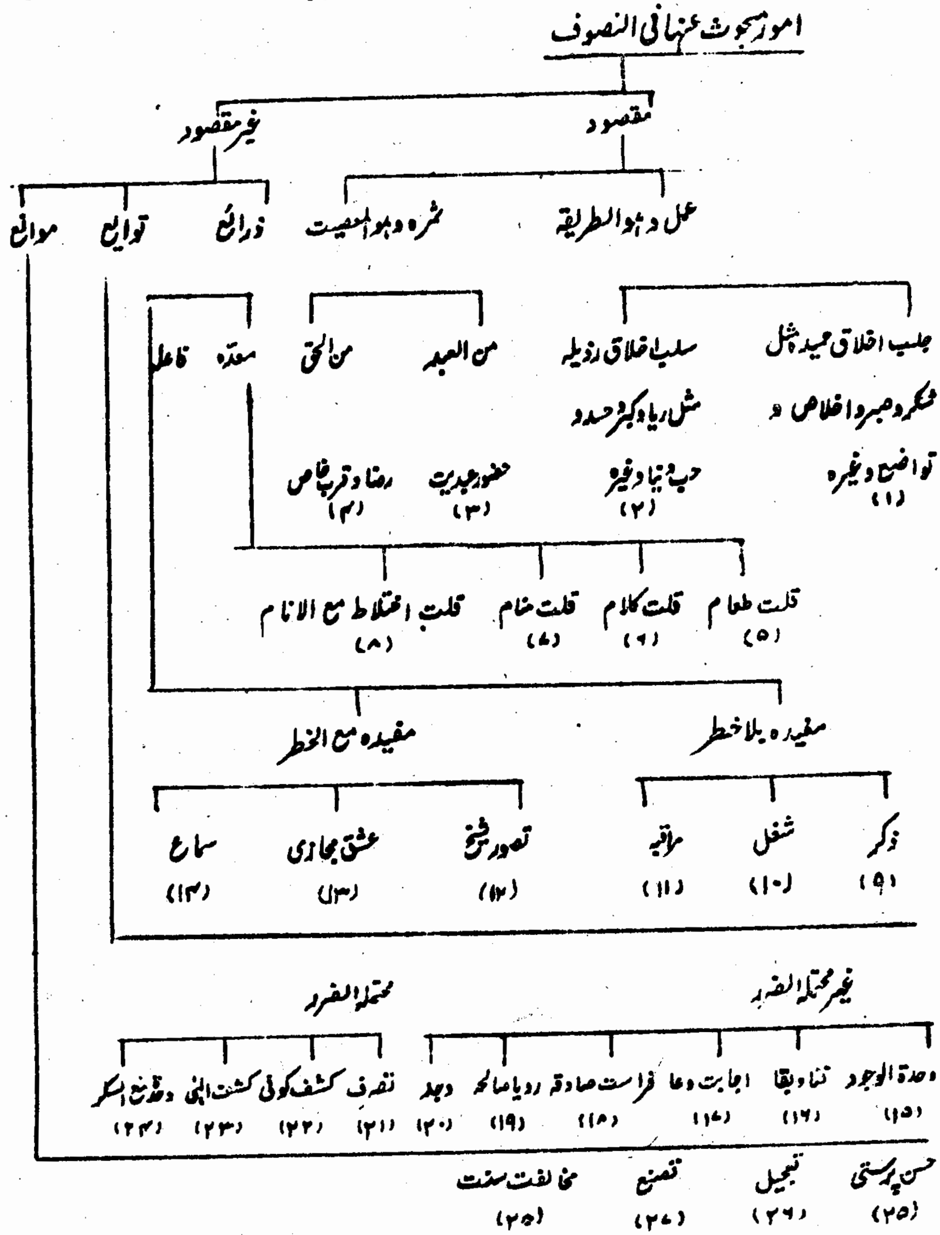
(۲۷۷) فرمایا کہ دنیا کی حقیقت ہے حظوظ و لذات نفسانیہ مضرہ آخرت میں مشغول ہونا۔

(۲۷۸) فرمایا کہ محافظت مجاہدین بھی جہاد ہے۔

(۲۷۹) فرمایا کہ اگر کسی سے امداد کی توقع ہو تو وہاں ظالم کی شکایت جائز ہے۔ اگر کسی سے

اس کی بھی توقع نہ ہو وہاں بھی شفائے غیظ کے لئے ظالم کی بُرائی کرنا جائز ہے۔ مگر جہاں شفائے غیظ بھی نہ ہو نہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہو وہاں محض بلا وجہ غیبت کرنا اور تاویل کرکے اپنے فعل کو مباح میں داخل کرنا سراسر تلبیس و خداع ہے۔

(۲۸۰) فرمایا کہ امور مبحوث عنہا فی التصوف حسب ذیل ہیں جیسا کہ نقشہ مرتب کردہ مولوی اسحاق علی صاحب عفا عنہ۔



تمت الشجرة

(۲۸۱) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور اضطرار کے گناہ تک وصول ہوگیا ہے۔ مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلاضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب جاویں گے اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے۔ اگر سوال کرنے والا مخلص ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے غرضیکہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جس کی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو۔ پس لغو اور فضول ابتداً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔

(۲۸۲) فرمایا کہ سجدہ میں بندہ کو قرب بصورت نزول ہوتا ہے۔

(۲۸۳) فرمایا کہ حق تعالےٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ سر ہو کر ان سے مانگے چنانچہ حدیث میں ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء۔

(۲۸۴) فرمایا کہ کسی کے تعلق اور واسطہ سے کسی کو چاہنا حقیقت میں واسطہ کو چاہنا ہے پس خدا تعالےٰ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ محبت کرنا بھی محمود ہے۔

(۲۸۵) فرمایا کہ عارف کا کوئی کام اپنے واسطے (یعنی اپنی حظ نفس کے واسطے) نہیں ہوتا بلکہ خدا کے واسطے ہوتا ہے۔

(۲۸۶) فرمایا کہ سلف کے خدام کا یہ مذاق تھا کہ شیخ نے ذرا بھی شریعت سے تجاوز کیا فوراً گرفت کرتے تھے اور یہ سبق صحابہؓ نے ہم کو پڑھایا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں صحابہؓ سے پوچھا لو ملت عن الحق شیئاً فما تفعلون۔ اگر میں حق سے ذرا ہٹ جاؤں تو تم کیا کروگے۔ اسی وقت ایک صحابیؓ تلوار لے کر اٹھے اور سیدھی کرکے کہا لنقیمنك بھذا السیف یعنی ہم تلوار سے آپ کو سیدھا بنا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا الحمد للہ خدا کا شکر ہے کہ میرے دوستوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو میری کجی کو درست کرسکتے ہیں۔ اب مجھے بے فکری ہے کہ انشاء اللہ میں حق سے نہ ہٹوں گا۔

(۲۸۷) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عذاب قبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو ثقلین کے سوا سب سنتے ہیں تو یہ کشف قبور ہوا۔ اس سے کشف القبور کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ گدھوں اور کتوں کو بھی ہوجاتا ہے پس انسان کے لئے یہ کچھ کمال مطلوب نہیں۔

(۲۸۸) فرمایا کہ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحت سیجعل لھم الرحمٰن ودا کا

مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح سے قبولیت و محبوبیت عامہ پیدا ہوتی ہے یعنی جن لوگوں کو اس شخص سے کسی غرض کا تعلق نہ ہو نہ حصولاً نہ فوتاً ان کے دل میں محبت پڑ جاتی ہے بشرطیکہ سلیم الطبع ہوں۔ حتیٰ کہ غیر معاند کفار کے دلوں میں بھی ایسے لوگوں کی عظمت ہوتی ہے۔ انسان کیا معنی جانور تک محبت کرنے لگتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہؓ ایک دفعہ قافلہ سے الگ ہو کر راستہ بھول گئے تھے رات کو جنگل میں ایک شیر ملا تو آپ نے اس سے کہا اے شیر میں سفینہؓ غلام ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ سنکر وہ دُم ہلا کر خوشامدیں کرنے لگا اور پھر آپ کے آگے آگے ہولیا تھوڑی دیر میں آپ کو قافلہ کے قریب پہونچا کر دُم ہلاتا ہوا ایک طرف کو چل دیا۔ یہ تو محبت خلق کا ظہور ہوا۔ اور محبت حق کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس شخص کو بس آواز تو نہیں آتی مگر بقسم کہتا ہوں کہ محبت حق کا اثر اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ہر وقت واقعات میں اسکی امداد اور اعانت ہوتی ہے اور قلب پر علوم و واردات و کلام حق کا ایسا القا ہوتا ہے جیسے حق تعالےٰ اس سے باتیں کرتے ہوں بس آواز تو نہیں ہوتی اور سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ دل سے خوب جانتا ہے کہ حق تعالےٰ مجھے چاہتے ہیں پھر اس کی لذت کا کیا پوچھنا باقی کامل ظہور اس کا آخرت میں ہوگا۔

(۲۸۹) فرمایا کہ جیسے پیٹ کی غذا الگ ہے ماکولات و مشروبات۔ اور آنکھ کی غذا الگ ہے مبصرات۔ اور کان کی غذا الگ ہے مسموعات۔ اسی طرح دل کی بھی ایک غذا ہے اور وہ محبت ہے۔ دل کی غذا محبت کے سوا کچھ نہیں۔ دل کو اسی میں لذت آتی ہے۔ پھر جس کا محبوب ناقص ہو اس کی لذت تو ناقص ہوگی اور جس کا محبوب ایسا کامل ہو کہ اس سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ ہو اس کی لذت سب سے زیادہ ہوگی۔ ایمان و عمل صالح اختیار کرنے پر دنیا ہی میں غذائے روحانی (یعنی حق تعالےٰ کی محبت کامل) جیسا کہ ملفوظ بالا میں بیان ہوا عطا ہوگی جس سے زیادہ دل کی کوئی غذا نہیں۔ کیونکہ یقیناً غذائے جسمانی سے غذائے روحانی افضل و الذ ہے اس لئے کہ تمام اسباب نعم سے اصل مقصود راحت قلب ہے جو غذائے جسمانی سے بواسطہ حاصل ہوتی ہے اور غذائے روحانی سے بلا واسطہ۔ پھر کمال یہ کہ اس دسترخوان پر مختلف غذائیں ہیں کبھی تم محب ہوا ور حق تعالےٰ محبوب۔ اور پھر حق تعالےٰ محب ہیں اور تم محبوب اس کی لذت اور ہی کچھ ہے۔ پھر خلق کو

تم کو محبت ہو جاتی ہے اس میں کچھ اور ہی حظ ہے۔ ان مختلف اقسام سے لذت بہت ہی بڑھ جاتی ہے۔ پس ہم کو ایمان و عمل صالح کی تکمیل میں کوشش کرنا چاہیئے۔

(۲۹۰) فرمایا کہ مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مشاہدہ تام یعنی رؤیت یہ تو جنت میں ہوگا۔ دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ دوسرے مشاہدہ ناقص یعنی استحضار تام یہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ گو مشاہدہ تام کے سامنے یہ دوسری قسم استتار ہی میں داخل ہے۔ مگر چونکہ دنیا میں سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہوتی ہے اس لئے یہاں کے اعتبار سے استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ خواہ تام ہو یا ناقص اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے نہ اس لئے کہ وہاں سے کچھ کمی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں۔ کیونکہ دنیا میں تجلی دائمی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے جس سے قرب کم ہو جاتا ہے کیونکہ مدار قرب اعمال ہی پر ہے۔ اس لئے حق تعالےٰ نے یہ تو نہیں کیا کہ حضور تام کے ہوتے ہوئے یا رؤیت کے ہوتے ہوئے حضور یا رؤیت سے منع کر دیا ہو کیونکہ یہ صورت سالک کے لئے اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف متوجہ کر دیا اور جنت میں بعض اوقات لذائذ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک محبوب نے عاشق کو دیکھا کہ یہ بڑے غور سے مجھے تک رہا ہے۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ دیکھنے سے مر نہ جاوے تو اب ایک صورت تو یہ تھی کہ عاشق کو اپنے سامنے رکھ کر دیدار سے منع کر دے کہ ہم کو مت دیکھو۔ یہ صورت بہت سخت ہے۔ اس میں عاشق کو سخت بے چینی ہوتی ہے۔ اس لئے محبوب نے یہ تو نہیں کیا بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے واسطے عاشق کو بازار بھیج دیا کہ جاؤ آم لے آؤ اس صورت میں گو محبوب سے فی الجملہ استتار ہو گیا مگر اس سے شوق معتدل ہو جاوے گا اور بازار جانے میں عاشق کی لذت بھی کم نہیں ہوتی کیونکہ تعمیل حکم محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو لذت دیدار ہی کے قریب ہے (عشاق اس کو خوب سمجھتے ہیں) اسی طرح حق تعالےٰ نے بھی حضور تام تجلی باقی رکھ کر دیدار مشاہدہ سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا کہ ہر وقت حضور و مشاہدہ سے عشاق کے دل پھٹ نہ جاویں اور اس کا شوق معتدل رہے۔

(۲۹۱) فرمایا کہ یاد رکھو بلا و مصیبت بحیثیت متنبہ اور متوجہ کرنے کے (حق تعالیٰ کی طرف) نعمت ہے اور نعمت بحیثیت ڈھیل اور دھوکا دینے کے مصیبت ہے۔

(۲۹۲) فرمایا کہ دعا کرتے وقت حسن ظن اور قوت رجا کو اپنا نقد وقت رکھو پھر ثمرہ دیکھو کہ کامیابی ہی ہوگی۔

(۲۹۳) فرمایا کہ یہ غایت کرم کی دلیل ہے کہ نماز حقیقت میں ہمارا کام ہے اور اس کا نفع ہمارے ہی لئے ہے خدا تعالےٰ کو کوئی نفع نہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے نہ کرنے پر ناراض ہوتے ہیں اور کرنے پر انعام دیتے ہیں۔

(۲۹۴) فرمایا کہ اصلی تدبیر امساک باران کی اس کے سبب کا ازالہ ہے یعنی حق تعالےٰ کی ناراضی کا علاج کرنا۔ وہ علاج یہ ہے۔ ماضی سے استغفار و توبہ اور آئندہ کے لئے اصلاح۔

(۲۹۵) فرمایا کہ شرط عادی عطا کی یہ ہے کہ جلدی نہ مچائے۔ مانگے جائے۔ خدا تعالےٰ کا تعلق تو ساری عمر کا ہے۔ چاہے ان کی طرف سے کچھ ظاہر نہ ہو تم اپنا انکسار و نیازمت چھوڑو۔ تاخیر میں بھی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ رہا یہ سوال کہ پھر وہ مصلحتیں کیا ہیں تو آپ کوئی پارلیمنٹ کے ممبر نہیں کہ آپ کو وہ مصلحتیں بتلائی جاویں۔ کچھ دنوں دعا مانگ کر بیٹھ جانے میں زیادہ اندیشہ ہے حق تعالےٰ کے غصہ ہو جانے کا کیونکہ پہلے تو یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہماری کوتاہی ہے۔ اب اس طرف کی (یعنی حق تعالےٰ کی جانب سے) کوتاہی کا خیال ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت بہت اندیشہ ناک ہے کیونکہ خدا تعالےٰ پر الزام ہے جو عبودیت کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ برابر دعا مانگتے رہو۔ وہ اگر چاہیں بالمعنی العرفی قبول کریں یا نہ کریں تم اپنا منصبی کام پورا کرتے رہو کیونکہ بندہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ ہمیشہ عجز و انکسار ظاہر کرتا رہے۔

(۲۹۶) فرمایا کہ مناسبت شیخ (جو مدار ہے افاضہ و استفاضہ کا) اس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست ہو جاوے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو۔ گو عقلی ہو۔

(۲۹۷) فرمایا کہ علم نام ہے اعتقاد جازم کا اور تجربہ ہے کہ جس درجہ کا جزم شرع میں مقصود ہے وہ بدون عمل بالمقتضیٰ کے حاصل نہیں ہوتا پس علم مطلوب وہی ہے جو مقرون بالعمل ہو جاوے۔

(۲۹۸) فرمایا کہ جب مجھے کسی عمل میں کم ہمتی ہوتی ہے تو میں اس کے متعلق مجمع عام میں ایک عام مضمون کر دیتا ہوں۔ اس سے خود میری ہمت بھی قوی ہو جاتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جس عمل کے متعلق عام بیان ہوتا ہے قاعدہ ہے کہ بیان میں اس کا پورا اہتمام و اعتناد ہوتا ہے۔ مخاطبین پر اچھی طرح اس کی ضرورت ظاہر کی جاتی ہے تو طبعاً متکلم کے دل میں اس سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ جس بات کا ہم دوسروں کو تاکید کے ساتھ امر کر رہے ہیں سب سے پہلے خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے اس سے فی الجملہ ہمت بڑھتی ہے پھر مخاطبین میں کوئی بزرگ اور نیک آدمی بھی ہوتا ہے۔ اگر بیان سے

اس کا دل خوش ہوگیا اور اس نے دل سے دعا دیدی اور وہ قبول ہوگئی۔ یا کسی کو اس بیان سے نفع ہوگیا اور اس طور پر بیان کرنے والا ہدایت کا سبب بن گیا جو ایک بڑی طاعت ہے تو اس پر خدا تعالیٰ اس کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ فرما دیتے ہیں کہ اس سے ہمارے بندوں کو ہماری طرف متوجہ کیا ہے تو اس کو بھی محروم نہ رکھا جاوے یہ سب اسباب خود واعظ کو نفع حاصل ہوجانے کے ہوجاتے ہیں۔

(۲۹۹) فرمایا کہ بددین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو ان میں ظلمت ملی ہوئی ہوتی ہے اس کی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اور دیندار دنیا کی بھی باتیں کرے تو ان میں نور ہوتا ہے کیونکہ کلام درحقیقت قلب سے ناشی ہوتا ہے تو قلب کی حالت کا اثر اس میں ضرور ہوگا پس چونکہ متکلم کا اثر اس کے کلام میں اور مصنف کے قلب کا اثر اس کے تصنیف میں ضرور ہوتا ہے اس لئے بے دینوں کی صحبت اور بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ مطالعہ کتب مثل صحبت مصنف کے ہے۔ جو اثر بے دین کی صحبت کا ہوتا ہے وہی اس کی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

(۳۰۰) فرمایا کہ مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہئے کیونکہ پہلوان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست اگر کمزور ہو تو مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔ ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے زبردست ہو پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کے رد کے درپے ہو۔ کیونکہ غیر محقق پر اندیشہ ہے کبھی خود ہی شک میں نہ پڑ جاوے۔

(۳۰۱) فرمایا کہ قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔

(۳۰۲) فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے علاقہ سے کسی کے ساتھ محبت کرنا یہ درحقیقت خدا ہی کے ساتھ محبت ہے دیکھو اگر ہماری وجہ سے کوئی ہماری اولاد یا متعلقین کے ساتھ محبت کرے اس کو ہم اپنی ہی محبت سمجھتے ہیں۔

(۳۰۳) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت و زیارت بڑی چیز ہے ان کا تو تصور بھی نافع ہے اور یہی اصل ہے تبرکات کی۔ کیونکہ ان کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی یاد سے دل میں نور آتا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔

(۳۰۴) فرمایا کہ شرعاً مطلوب وہی علم ہے جو اپنے اثر کے ساتھ ہو یعنی علم کے ساتھ عمل بھی ہو، جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جس میں صفت قطع بھی ہو ورنہ برائے نام تلوار ہوگی

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت	زنگ گمراہی ز دل بزدایدت
ایں ہوسہا از سرت بیروں کند	خوف و خشیت در دلت افزوں کند
علم نبود غیر علم عاشقی	مابقی تلبیس ابلیس شقی
علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث	ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

علم عاشقی سے مراد علم دین ہے کیونکہ ایمان ہی عشق ہے بقولہ تعالےٰ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور جب ایمان ہی عشق ہے تو اسی کا علم علم عاشقی ہے۔

(۳۰۵) فرمایا کہ معقول سے اگر اثبات دین و فہم شرع میں کام لیا جاوے تو یہ بھی دین ہے اور اگر ابطال شرع کا کام لیا جائے تو پھر باغی اور تلبیس ابلیس شقی ہے۔ جیسے اگر کوئی پوچھے کہ اس کھانے میں کتنی لاگت لگی ہے تو جہاں آٹا اور گھی دال کو شمار کرتے ہیں وہیں کھانے کی میزان میں لکڑیاں اور اپلے بھی شمار ہوتے ہیں گو وہ کھائے نہیں جاتے مگر کھانے کی خدمت کرتے ہیں اس لئے کھانے ہی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(۳۰۶) فرمایا کہ وضو سے جبتک نماز نہ پڑھی جاوے اس وقت تک دوسرا وضو مکروہ ہے کیونکہ جب اس نے غیر مقصود کو ادائے مقصود سے پہلے مکرر کیا تو اس نے غیر مقصود کو مقصود بنالیا اور یہ حد سے تجاوز ہے۔

(۳۰۷) فرمایا کہ بعض لوگ تبلیغ کو مصالح کے خلاف سمجھتے ہیں ارے میں کہتا ہوں کہ تم اپنے مصالح کو بیس دو مسالہ کو جتنا پیسوگے اتنا ہی کھانا عمدہ ہوگا۔ کیسا مصالح لئے پھرتے ہو۔ غذا کا اہتمام کرو۔ فضول کام میں نہ لگو۔ نیز سامعین کے مجمع کے کم و بیش ہونے پر بھی نظر نہ کرو کام شروع کر دو۔ پھر اثر بھی ہونے لگے گا۔

(۳۰۸) فرمایا کہ تقویٰ کا استعمال زیادہ تر اس خوف کے لئے ہوتا ہے جس میں اجتناب عن المعاصی بھی ہو محض خوف اعتقادی کے لئے کم استعمال ہوتا ہے۔ تو یوں کہئے کہ تقویٰ خوف مقرون بالعمل کو کہتے ہیں اور خشیت خوف اعتقادی کو۔ اور اصلی شرف جس سے انسان خدا تعالےٰ کے یہاں مکرم و معزز ہوتا ہے یہی تقویٰ ہے۔

(۳۰۹) فرمایا کہ جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا میں یہ شناخت بھی داخل ہے کہ

کون ہمارا عصبہ ہے اور کون ذوی الارحام اور کون ہم سے دور ہے تاکہ بقدر قرب و بعد نسب ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جا دیں۔ اور میراث میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں! ور اس کے سوا اور بھی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو۔

(۳۱۰) فرمایا کہ شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں فخر عقلاً ان چیزوں پر ہو سکتا ہے جو اختیاری ہوں۔ اور وہ علم و عمل ہے۔ گو شرعاً اس پر بھی فخر نہ کرنا چاہئے۔ پس صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے۔

(۳۱۱) فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے ماں کا نسب میں اعتبار کرنے کی جڑ ہی بالکل اکھاڑ دی ہے کیونکہ حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو ابوالعرب ہیں کنیز تھیں۔

(۳۱۲) فرمایا کہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو تو قواعد کے موافق وہ سید نہیں۔ ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو حاصل ہے۔

(۳۱۳) فرمایا کہ انگریزی کوئی علم نہیں۔ اس کو دین سے کیا تعلق۔ بلکہ اس کو پڑھ کر تو اکثر دین سے بے تعلقی ہو جاتی ہے۔

(۳۱۴) فرمایا کہ آج کل فلاح روپے ملنے کو کہتے ہیں چنانچہ سودا نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تو تہجد کیوں پڑھا کرتی ہے۔ کہا ہم جنت میں جائیں گے تو وہ مسخرا کہتا ہے کہ جا پاگل تو وہاں بھی ملاؤں اور طالبعلموں کے ساتھ رہے گی (کیونکہ جنت والے اکثر غربا ہی ہوں گے) اور دیکھ ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے سلاطین او امرا و رؤسا نمرود و شداد و قارون اور ابوجہل جیسے ہوں گے۔

(۳۱۵) فرمایا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے اور نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی مگر اس راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے۔

(۳۱۶) فرمایا کہ نمازی کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے۔ اطبا بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ اور افعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے۔

(۳۱۷) فرمایا کہ نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بدرونقی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آگ ضرور اندر لگی ہے۔

اسی کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ دل کی سیاہی تو یہ ہے کہ نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض لے کر اڑا کر دینے سے نہ لڑکوں اور عورتوں کے گھورنے سے نہ وضع نصرانی اختیار کرنے سے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۳۱۸) فرمایا کہ فالج غفلت کی وجہ سے جسم سن ہو رہا ہے یا غفلت کا کلوفارم سونگھ رکھا ہے اس لئے گناہوں کی سوزش کا احساس نہیں ہوتا مگر ایک دن یہ فالج اور یہ سن اور یہ بیہوشی اتر گئی اور اس وقت گناہوں کی سوزش کا احساس ہوگا۔

(۳۱۹) فرمایا کہ گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے جس کی خاصیت یہ ہے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ کہ اس کا اصل محل قلب ہے اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ گنہگار کا دل بے چین ہوتا ہے اس کو راحت و چین نصیب نہیں ہوتا۔ گناہ سے دل ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

(۳۲۰) فرمایا کہ ہماری قوت عملیہ اس لئے کمزور ہے کہ قوت علمیہ کمزور ہے۔ اگر ہم کو گناہوں کا ضرر پورا پورا معلوم ہوتا تو ترک صلوٰۃ پر ہم کو جرأت نہ ہوتی۔ جیسے سنکھیا کے ضرر کا ہم کو علم ہے تو کبھی تجربہ اور امتحان کے لئے بھی کسی نے نہ کھایا ہوگا۔ اسی طرح اوپر سے گرنے کا ضرر سب کو معلوم ہے تو امتحان کے واسطے کبھی اوپر سے نہ گرا ہوگا۔

(۳۲۱) فرمایا کہ خلوت کے معنی یہ ہیں کہ دل خدا کے ساتھ لگا رہے۔ پس جب تک خلوت میں دل خدا کے ساتھ لگا رہے خلوت میں رہو۔ اور جب خلوت میں قلب کو انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھو مگر نیک مجمع میں۔ اس سے خطرات دفع ہوں گے۔ اس وقت یہ جلوت ہی خلوت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ مقصود ربط قلب باللہ ہے اور اس وقت خلوت سے حاصل نہیں بلکہ مجمع میں بیٹھنے سے حاصل ہے۔ ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ‌ ‌ ‌ ‌ بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
گرت مال و زر ہست و زرع و تجارت ‌ ‌ ‌ ‌ چو دل با خدا ایست خلوت نشینی
چو با ہمہ چو یا معی ۔ بے ہمہ ‌ ‌ ‌ ‌ چوں بے ہمہ چو بے معی با ہمہ

(۳۲۲) فرمایا کہ علم و عمل جبھی موجب شرف ہے جبکہ وہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاوے اور اس کا یقینی علم کسی کو نہیں۔ بلکہ اپنی علم و عمل کی حالت پر نظر کر کے اگر عدم قبول یقینی ہو تو بعید نہیں۔ پھر فخر کرنے کا کیا موقع۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ علم و عمل کا اعتبار خاتمہ سے ہے اور اس کی بھی خبر نہیں کہ ہمارا خاتمہ کس حال میں ہونے

والا ہے اس لئے ناز کرنا۔ اترانا کیا دریا ہے۔ ہاں اس کو نعمت الٰہی سمجھ کر شکر کرتے رہو۔

(۳۲۳) فرمایا کہ سلوک کا مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضرور ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے۔

(۳۲۴) فرمایا کہ مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالےٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالےٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ خیال ساری لذت کو مکدر کر دیتا ہے۔ اس لئے مسلمان کو گناہ میں پوری لذت نہیں مل سکتی۔

(۳۲۵) فرمایا کہ مؤمن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اسکا احساس بھی ضرور ہوتا ہے۔ گو اس کی طرف التفات نہ ہو۔ جیسے ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی میں کام کرتی ہر مگر اس کی طرف کبھی التفات نہیں ہوتا۔

(۳۲۶) فرمایا کہ عام لوگ منکر بکسر الکاف کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ وہاں منکر کوئی نہ ہوگا بلکہ دنیا کے منکر بھی وہاں مقر ہو جاویں گے صحیح لفظ منکَر بفتح الکاف ہے جس کے معنیٰ ناآشنا کے ہیں اور یہی معنی نکیر کے ہیں۔ اور حکمت ان ناموں کے اختیار کرنے میں یہ ہے تاکہ سنتے ہی فکر ہو جاوے کہ وہاں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔ جو ناآشنا ہوں گے۔

(۳۲۷) فرمایا کہ اگر خواب میں کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے تو یہ کچھ کمال مامور بہ نہیں گو نعمت عظمیٰ ہے اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں کیونکہ کمال و نقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں۔ غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا۔

(۳۲۸) فرمایا کہ اس طریق میں تکدر قلب شیخ مانع وحاجب ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ کو جنھوں نے حضرت حمزہؓ کو بُرے طور سے قتل کیا تھا اپنے سامنے آنے سے روکدیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض ہوگا اور میرے انقباض سے ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائیگا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بُعد ہی میں ترقی ہو سکتی تھی۔ دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اس قسم کے امور طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دی اور بتلا دیا کہ مجرم کی خطا معاف کر دینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ خطا معاف کر دینے کے ساتھ دل بھی کھل جاوے۔

(۳۲۹) فرمایا کہ جس شخص کے سامنے آنے سے کلفت قابل برداشت ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کرے یعنی آنے سے منع نہ کرے بلکہ اپنے دل پر جبر کرے اور جہاں کلفت ناقابل برداشت ہو وہاں

رخصت پر عمل کرے یعنی اس کو آنے سے منع کر دے۔

(۳۳۰) فرمایا کہ بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں۔ بلا وجہ رخص شرعیہ و نعم الٰہیہ سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے ان اللہ یحب ان یوتیٰ رخصہ کما یحب ان یوتیٰ عزائمہ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی عزیمتوں پر عمل کیا جاوے۔

(۳۳۱) فرمایا کہ جن لوگوں کو نور سے زیادہ تلبس ہوتا ہے ان کو ظلمت سے زیادہ وحشت ہوتی ہے پس چونکہ ہر مومن میں نور ایمان ضرور ہے اس لئے گناہوں کی ظلمت سے ہر مسلمان کو وحشت ضرور ہوتی ہے۔

(۳۳۲) فرمایا کہ ہاتھ سے امر بالمعروف کرنیکا حکم عام نہیں بلکہ اہل حکومت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے۔ امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان لازم آوے گا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضمان نہ آئے گا اس نے ازالہ منکر کیا ہے اور حدیث میں ازالہ منکر کے ہاتھ سے بھی حکم ہے۔ امام صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالہ منکر کرنیکا اختیار حکام کو ہے۔ عوام کو اس کا اختیار نہیں۔ امام صاحب کے قول کا راز یہ ہے کہ عوام کی دست اندازی سے فساد ہوگا اور شریعت کا مقصود امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اصلاح ہے نہ کہ فساد لیکن حکومت کے درجے ہیں۔ باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر۔ استاد کو شاگرد پر فی الجملہ حکومت ہوتی ہے لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کا حکم ہے لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ چاہئے۔ وہاں صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے۔ نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب کی بھی ضرورت ہے۔

(۳۳۳) فرمایا کہ انفاق معتبر وہی ہے جس سے دل پر معتد بہ اثر ہوا اور کچھ دکھن محسوس ہو پھر رفتہ رفتہ خرچ کی عادت ہو جاوے گی۔

(۳۳۴) فرمایا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اس مال حرام کا ہے جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہوا ہو۔ اگر مخلوط ہو گیا تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور جو مال حرام حلال سے مخلوط نہ ہو اس کو اصل مالکوں کو اس کے

ذمہ پہنچانا واجب ہے۔

(۳۳۵) فرمایا کہ اطمینان بالدنیا کا مطلب یہ ہے کہ حرکت الآخرۃ نہ ہو حرکت الی الآخرۃ جو مقابل ہے۔ حرکت تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت اعتقادی کہ اعتقاد درست ہو۔ ایسا نہ ہو جیسا کہ کفار کا۔ دوسرے حرکت علمی کہ اعمال آخرت کا اہتمام ہو۔ تیسرے حرکت حالی کہ آخرت کی دھن میں ہر وقت بے چین ہو۔ اور اسی کی کاوش ہو۔

(۳۳۶) فرمایا کہ حسن سے سیری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حسن منتہی ہو دوسرے یہ کہ طلب نہ ہو۔ پہلی صورت سیری کی تو حق تعالے کے ساتھ ہو نہیں سکتی کیونکہ اس کے حسن کی انتہا نہیں۔ ہاں یہ صورت البتہ ہے کہ ہماری طرف سے طلب نہ ہو۔

(۳۳۷) فرمایا کہ طلب اور دھن پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مراقبات کرو دنیا کے فنا و اضمحلال کا۔ اپنی موت کا اور آخرت کے بقا و ثبات کا اور ثواب و عقاب کا اور حق تعالےٰ کے انعامات و احسانات کا) اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ ذکر کرو۔

(۳۳۸) فرمایا کہ اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبرائے تو حیات کو سوچو کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے۔ ابقیٰ بھی۔ الذّ بھی۔ اشہیٰ بھی۔

(۳۳۹) فرمایا کہ سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی میں بال کمانی کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہو جاتے ہیں۔

(۳۴۰) فرمایا کہ حقہ ایک ڈاکو ہے یعنی بیش قیمت وقت کا لوٹنے والا) دو پیسہ کا تمباکو خرچ کرکے اس کی بدولت جتنا چاہو مجمع کر لو۔ اور اوقات سب کے برباد کر لو بس حقہ کیا ہے جامع المتفرقات۔

(۳۴۱) حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عورتوں کے بعد (دنیا کی چیزوں میں) گھوڑوں سے زائد کوئی چیز پسندیدہ نہ تھی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کی پیشانیوں کو چھوا کرو ان کے لئے برکت کی دعا کیا کرو اور زینت کے واسطے ان کو ہار پہنایا کرو۔ اور ان کی پیشانیوں۔ گردن۔ دموں کے بال نہ کاٹا کرو۔ کیونکہ ان کی دم مورچھل ہیں۔ ان کی ایال سردی کو دفع کرنے والی ہے۔ اور ان کی پیشانیوں میں بھلائی رکھ دی گئی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین گھوڑا سیاہ رنگ والا ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور اوپر کے ہونٹ میں سفیدی ہو۔ پھر اس کے بعد اس گھوڑے کا درجہ ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور پیر سفید ہو مگر داہنا ہاتھ سارے بدن کے رنگ ہی کا ہو (یہ ایک عمدہ تحقیق تھی اس لئے لکھدی گئی ورنہ یہ حضرت کا ملفوظ نہیں)

(۳۴۲) فرمایا کہ مرض کا تعدیہ نہیں بلکہ جس طرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کر دیتے ہیں بیچ میں جول وغیرہ سے کوئی مرض کسی کو نہیں لگتا یہ سب وہم ہے۔

(۳۴۳) فرمایا کہ مسلمان کی وضع تو اتباع احکام ہے بقول کسی کے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(۳۴۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی شے لاوے تو ضرور کھانا چاہئے۔ اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔

(۳۴۵) فرمایا کہ مباحات میں ہم کو تنگی نہ کرنا چاہئے اور راز اس میں یہ ہے کہ اس تناول مباح میں ایک شان افتقار وانکساری کی ہے جو مطلوب ہے۔ اور ترک و تضییق میں شائبہ استغنا کا ہے جو کہ پسندیدہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ مباحات کے ترک سے بھی دل میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن برابر گوشت کھاوے اس کے دل میں بھی قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور جو نہ کھاوے اس کے دل میں بھی اس لئے کہ جو ترک کرتا ہے اس کے دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بھی منافی خشوع ہے۔

(۳۴۶) فرمایا کہ ایمان کامل کے لئے لازم ہے کہ طبیعت اور خو بو سب مسلمانوں کی سی ہو۔ رغبت اسی چیز سے ہو جو حدیث و قرآن سے ثابت ہو۔ اور ایسے لوگوں کو اسی چیز سے نفع ہوتا ہے جو حدیث و قرآن میں ہے۔ وہ مستحبات پر ویسا ہی عمل کرتا ہے جیسے واجبات پر۔ وجہ یہ ہے کہ کمال ہر کام کا ایسے ہی انہماک سے ہوتا ہے مستحب اور واجب کی تنقیح سے نہیں ہوتا۔

(۳۴۷) مشرکین اور مومنین کے اولاد صغار کے متعلق دریافت کیا گیا تو روایات کی تطبیق حسب ذیل فرمایا عن عائشۃ قلت یا رسول اللہ ذراری المومنین فقال من آبائھم فقلت یا رسول اللہ بلا عمل۔ قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ قلت یا رسول اللہ فذراری المشرکین قال من آبائھم فقلت بلا عمل فقال واللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ مطلب یہ کہ مدار جزا کا تو عمل ہی پر ہے اور بلوغ کے بعد یہ جو عمل کرتے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کرتے (اور اللہ تعالیٰ اس کے موافق ان کو جزا دیتا) مگر وہ عمل واقع نہیں ہوا۔ اس لئے اصل کے موافق تو یہ نہ مستحق ثواب کے ہیں نہ عذاب کے اور اس لئے ان کے ساتھ کوئی معاملہ جزاءً نہ ہوگا بلکہ الحاقاً ہوگا۔ اسی لئے دونوں جگہ من آبائھم فرمایا لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ ملحق باھل الثواب کو تو ثواب ہوتا ہے اور ملحق باھل العذاب کو عذاب نہیں ہوتا گو ناریں ہوں۔ اور ناریں ہونا مستلزم تعذیب نہیں۔ اور جس

وقت یہ ارشاد ہوا تھا اس وقت تک یہی حالت تھی کہ ذراری المشرکین جہنم میں تھے گو معذب نہ تھے کیونکہ اعمال شرکیہ سے منزہ تھے۔ بعد کو معلوم کرا دیا گیا کہ وہ جنت میں بوجہ شفاعت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم بطور خدام اہل الجنۃ کے ہوں گے یعنی اعمال نہ ہونے کے سبب ان کو ملوکیت کا درجہ تو عطا نہ ہوگا لیکن بالغ ہو کر ملوکیت کی حیثیت سے جنت میں مقیم ہوں گے۔ بخلاف ذراری المومنین کے کہ وہ بوجہ انتساب الی المومنین کے ان کے ساتھ درجات میں بھی ملحق ہوں گے۔

(۳۴۸) فرمایا کہ یہ نفس کا کید ہے کہ لذت اور سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بحق سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

(۳۴۹) فرمایا کہ ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہے لوگوں کو۔ وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہتا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے۔ جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی۔ اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی ہے جمعیت جبھی ہو سکتی ہے کہ قلب اس کی تحصیل کے خیال سے خالی ہو۔

(۳۵۰) فرمایا کہ جیسے عقاید و اعمال کی زیادت علی الحد و بدعت ظاہری ہے ایسی ہی احوال کی زیادت بھی بدعت باطنی ہے۔ مثلاً غیر اختیاری امور کے درپے ہونا اور افراط کے ساتھ اس کی تمنا کرنا۔

(۳۵۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عارف تو اپنے کو رائی کے برابر سمجھتا ہے۔ فرمایا جی ہاں جو رائی (یعنی مبصر) ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو رائی سمجھتا ہے۔

(۳۵۲) فرمایا کہ اگر کسی حسین کا خیال بلا قصد آوے تو اس کا علاج یہ ہے کہ یہ اختیار خود نہ لاوے اگر وہ خود آوے آنے دیوے۔ ذرہ برابر بھی ضرر نہیں۔ مگر قصد سے اس کا ابقا نہ کرے بلکہ اس کشمکش ہی میں تو اجر بڑھتا ہے۔ اگر دفع ہی کرنا چاہے تو تصور کرے کسی ایسے بنئے کا جو اندھا چوندھا بدشکل ہو جس کی ناک پچکی ہوئی، ہونٹ بڑے بڑے، توند بڑی سی نکلی ہوئی اور ناک سے ریٹ اور منہ سے رال بہ رہی ہو۔ انشاء اللہ اس تصور سے وہ خیال جاتا رہیگا۔ اگر نہ بھی گیا تو کمی تو ضرور ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ عقلی مسئلہ ہے النفس لا تتوجه الی شیئین فی ان واحد لیجیے ہم نے کافر سے بھی دین کا کام لے لیا۔ اور بالکل اس خیال کا نکل جانا تو مطلوب بھی نہیں (جیسا کہ اوپر آیا کہ اسی کشمکش ہی میں تو اجر بڑھتا ہے) خلاصہ یہ کہ اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے تو خدا تعالے ضرور مدد کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ بالکل نکل جاتا ہے۔ اور اگر نہ بھی نکلے تو کلفت برداشت کرے۔ اگر

خدانخواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جاوے تو وہاں کیا کرو گے۔ عمر بھر تکلیف کو طوعاً وکرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ یہاں بھی یہی کرو اور اگر اس پر راضی نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کرو۔ حضرت سرمد نے خوب فیصلہ فرمایا ہے۔ ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(۳۵۳) فرمایا کہ کسی کو سعی کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا۔ ہاں غلو سے منع کرتا ہوں نہ تو غلو ہو۔ نہ تو غلو ہو (یعنی شریعت کے مقابلہ میں مقاومت نفس کر کے ورع اختیار کرے)

(۳۵۴) فرمایا کہ اصل مقصود تو ہیبت اور خشیت ہی کا القا کرنا ہے اور مرض اس واسطے دیتے ہیں کہ ہیبت اور خشیت کا تحمل ہو سکے اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

گر تو ہستی طالب حق مرد راہ درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

(۳۵۵) فرمایا کہ انسان ہے تو بندہ مگر خدا بن کر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ہو۔ بس حقیقت یہ ہے کہ لذت مقصود ہی نہیں۔ مقصود نصب و وصب ہے۔ چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تاکہ ثواب مضاعف ہو۔ ؎

زان بلا ہا کانبیا برداشتند سر بر چرخ ہفتمیں افراشتند

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل ثم الامثل۔

(۳۵۶) کسی نے اپنا حال لکھا تھا کہ عمامہ باندھنا خصوصاً جمعہ و عیدین میں بوجہ حیا و خجلت ترک کیا جاوے یا نہیں۔ ترک سنت کی وجہ سے حیا کو ترجیح دینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جواب میں فرمایا کہ یہ سنن مقصود نہیں۔ پھر دوسری طرف تواضع بھی مسنون ہے جس کے بعض افراد واجب بھی ہیں تو مقصودیت کی شان تواضع میں زیادہ ہے بہ نسبت عمامہ کے۔

(۳۵۷) فرمایا کہ اگر کیمیا کے اشتغال میں وقت اور مال کی اضاعت غالب ہو اور کامیابی سے زیادہ ناکامی ہو یا ضیاع کی مقدار حصول سے زائد ہو تو باوجود جواز فی نفسہ کے اس عارض کے سبب حرمت کا حکم کیا جائے گا۔ اور اسی بنا پر اشتغال بالکیمیا کو فقہا نے اسباب عزل متولی سے فرمایا ہے کہ احتمال تھا کہ مال وقف کو بھی ضائع کرے گا۔ اور قواعد شرعیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اگر کسی امر میں مصالح

کثیر ہوں اور مفسدہ قلیل اس سے بھی منع کر دیا جاتا ہے چہ جائیکہ معاملہ بالعکس ہو کہ مفسد کثیر ہوں اور مصالح قلیل۔

(۳۵۸) احکام نذر کی تدقیق و تنقیح جس سے حضرت والا کی دقت نظری اور حقیقت شناسی واضح ہوتی ہے۔

(۱) اگر نذر سے یا بدون نذر کے ذبح بہ نیت تقرب بغیر اللہ کے ہو تو ذبیحہ حرام رہے گا اگرچہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

(۲) صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر لا مولت کو فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلا فرماتے ہیں اور جہل در روز افزوں ہونا ظاہر ہے تو ہمارے زمانہ میں تو بدرجہ اولیٰ اس حالت کا ظن غالب ہے۔

(۳) اگر نذر للہ ہو اور بزرگ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لئے ہو تو وہ جائز ہے۔

(۴) نذر سے یہ تخصیص مذکور لازم نہیں ہو جاتی دوسرے مقام کے فقرا پر صرف کر دینا بھی جائز ہے۔

(۵) جو شے منذور فقرا پر صرف نہیں کی جاتی اس کی نذر بالکل باطل اور ناجائز ہے۔ جیسے چراغ جلانا یا قبر پر غلاف چڑھانا۔

(۶) ان احکام کی تحقیق کے بعد اس کا فیصلہ کہ آیا یہ نذر تقرب الی اللہ کے لئے ہے یا تقرب بغیر اللہ کے لئے نہایت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسئلہ ۳ کو اس کا معیار قرار دیا جاوے یعنی نذر کو یہ مشورہ دیا جاوے کہ تم ان بزرگوں کے خادموں کے علاوہ دوسرے مساکین کو جن کو مزار یا صاحب مزار سے کوئی تعلق نہ ہو دیکر ان بزرگ کو ثواب بخش دیا جاوے۔ اور اس سے زیادہ صاف امتحان یہ کہ یہ کہا جاوے کہ ان کو ثواب ہی مت بخشو پھر یا تو اپنی اموات کو بخش دو یا کسی کو بھی مت بخشو اور خود بھی اس (منذور) کو مت رکھو نہ تبرک سمجھو کیونکہ اس میں برکت ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر اس پر خوشی سے راضی ہو جاویں تو جان لو کہ خود بزرگوں سے تقرب مقصود نہیں بلکہ ان کا ذکر محض بیان مصرف کے لئے تھا۔ اور اگر اس پر راضی نہ ہوں بلکہ ان ہی تخصیصات پر اصرار ہو کہ ذبح ہی ہو دگوشت خرید کر نہ پکایا جاوے اور ان ہی بزرگ کے متعلقین کو دیا جاوے اور خود کھانے کو برکت سمجھا جاوے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تخصیصات کے خلاف کرنے سے کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو یہ سب علامات ہیں فساد عقیدہ کی۔ اس حالت میں یہ فعل مطلقاً ناجائز ہوگا جس میں مقتدا اور غیر مقتدا سب برابر ہیں۔ البتہ جواز کی کسی صورت میں ایہام ہو تو اس میں مقتدا کو احتیاط کا مشورہ دیا جائے گا۔

(۳۵۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں حضرت پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے۔ تمنا کی نعمت نماتمہیں

(۳۶۰) ایک صاحب نے عرض کیا تھا کہ حضرت اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا ہے تو نفس اس قدر خوش ہوتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا۔ اس کا کیا علاج ہے۔ فرمایا کہ اس وقت اپنے معائب کو مستحضر کرکے اس خوشی کو دبا وے۔ یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ چند روز تعب ہوگا مگر پھر انشاء اللہ سہل ہو جائے گا۔

(۳۶۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ کم فہم ہیں اور اس وجہ سے جناب سے مناسبت نہیں ہوتی اس میں ان کا کیا قصور۔ فرمایا کہ میں اس پر مواخذہ نہیں کرتا ہاں کم سمجھوں اور بدفہموں سے میں تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ اس لئے کہ مناسبت پیدا نہ ہوگی جو کہ شرط نفع ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام میں عدم مناسبت ہی سبب ہوئی جدائی کی۔

(۳۶۲) فرمایا کہ زاہدانِ خشک کا فتویٰ ہے کہ ایثار قربات میں جائز نہیں مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ایک قربت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رعایت ادب کی کرے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اہلِ مکہ میں یہ بات بہت اچھی ہے کہ وہ حج کے زمانہ میں مسافروں کی رعایت سے خود طواف کرنا چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی واجب شرعی نہیں ہے۔ مگر جائز ہے۔ اس میں مسافروں کو بہت سہولت ہے۔

(۳۶۳) فرمایا کہ میں تو راحت کا عاشق ہوں۔ ہمیشہ شق راحت کو اختیار کرتا ہوں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آوے۔ راحت میں حق تعالےٰ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے معرفت بڑھتی ہے۔ طاعت اور فرمانبرداری میں لطف آنے لگتا ہے۔

(۳۶۴) فرمایا کہ ایک رئیس حضرت سید احمد صاحبؒ کے واسطے ہر سال تین سو ساٹھ جوڑے بنا کر بھیجا کرتے تھے اس پر ایک روز مجمع میں سید صاحبؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو خیال ہوگا کہ میں روزانہ جوڑا بدل کر خوش ہوتا ہوں۔ واللہ میری ایسی حالت ہے کہ مجھ سے اگر کمبل بندھوا کر اور سر پر گوبر کا ٹوکرا رکھ کر بازار میں نکالا جاوے تو اس حالت میں اور پہلی حالت میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا

(۳۶۵) فرمایا کہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ بیعت کے اڑا دینے میں کچھ کام کرنے لگتے ہیں اس لئے میں پہلے بیعت نہیں کرتا۔ لکھ دیتا ہوں کہ اول کام شروع کرو۔ اگر کچھ نفع ہوا تو بیعت سے بھی انکار نہیں۔ پھر جب ان کو چسکا کام کا لگ جاتا ہے تو پھر نہیں چھوٹتا۔

(۶۶۶) فرمایا کہ میں اول ہی گفت گو یا خط و کتابت میں طالب کے سر بوجھ رکھتا ہوں بس اس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہوتی ہے اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے

(۶۶۷) فرمایا کہ ۔

جبکہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ　　اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

مطلب یہ کہ خوامخواہ خود چھیڑ کر کسی کا ساتھ دے کر ان کو اپنا دشمن نہ بنا دے بلکہ دونوں سے علیحدہ ہو کر اپنی حفاظت میں مصروف ہو جاوے اور جس طرح بن پڑے ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل جائے۔

(۶۶۸) فرمایا کہ میں مسلمانوں کی خدمت کو طاعت اور سعادت سمجھتا ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، مثلاً سفارش میں مخاطب کی گرانی کا خیال ۔

(۶۶۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے لا یقضین قاضٍ بین اثنین وھو غضبان یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے۔ بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کر دے تاریخ بڑھا دے۔ یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو۔ اس میں معلم اُستاد گھر کا مالک بھی داخل ہے۔

(۶۷۰) طبیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو۔ مگر نری خوش نیتی سے کام نہیں چلتا۔ یہاں تو علم کی ضرورت ہے۔

(۶۷۱) فرمایا کہ عدل فقط نرمی کا نام نہیں بلکہ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرنا بھی عدل ہے۔ اس موقع پر نرمی کرنا ظلم ہے۔

(۶۷۲) فرمایا کہ لا تاخذکم بھما رافۃ میں تعلیم ہے کہ شفقت طبعیہ کے ساتھ غیظ شرعی بھی مجتمع رہے۔ اور یہی کمال ہے۔ کہ دل کڑھ رہا ہے اور پھر بھی حکم کا امتثال ہو رہا ہے۔

(۶۷۳) فرمایا کہ ذابحین کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدے سے بھی غلط ہے بلکہ قاعدہ فلسفہ کا مقتضا تو یہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوں۔ کیونکہ اطبا اور فلاسفر کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جاوے وہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے جیسے ترک جماع عنت (عاجزی) کا سبب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان میں ایک صفت کڑھنے کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو یہ صفت زائل ہو جاوے گی۔ ہندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کی یہ صفت ذبح کے وقت حرکت میں ہوتی ہے۔

اس لئے میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح سے زیادہ رحم غیر ذابح کو نہیں ہو سکتا۔

(۳۷۴) فرمایا کہ یہ آیت ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم، سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو ان کے لئے دوسرا حکم ہے۔ مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفوں کو کج طبع نہ سمجھو اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو مثلاً یہ کہ تمہاری نسبت بڑا بننے اور طالبِ جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے۔ ان کے فعل کو اس پر محمول کر کے ان کے ساتھ نرمی کرو اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔

(۳۷۵) فرمایا کہ عقل باندی ہے اور شریعت سلطان ہے بس عقل کی تائید سے شریعت کی بات کو ماننا ایسا ہے جیسے غلام کے جی ہاں جی ہاں کو سنکر بادشاہ کی بات کو مانی جاوے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے۔ غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

(۳۷۶) فرمایا کہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جاوے اور یقیناً صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آجکل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے یہانتک کہ جس کا حق ہوتا ہے اسکو ہی دبایا جاتا ہے۔ بلکہ صلح کرانیکا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اسکو دبایا جاوے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اسمیں تو اسکو اضرار سے روکنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓءَ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ مطلب یہ کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب ملکر غلط بنیاد کو ڈھا دو۔

(۳۷۷) فرمایا کہ بترجیح اھل الرائے جو منصب ہے سرپرست کا وہ معتبر ہے جو اہل شوریٰ کے مفصل مباحثہ کے استماع کے بعد ہو۔ اور وہ مقتضیات خاصہ سے موقوف ہے مرکز شوریٰ میں اجتماع پر۔ ورنہ معتبر نہیں۔

(۳۷۸) فرمایا کہ متعلق مثلین ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ طلوع شمس سے غروب تک جو مدت ہو اس کا ساتواں حصہ جب باقی رہے گا مثل دوم ہو جاوے گا۔ اور اگر اس میں ۵ منٹ تاخیر کر لی جاوے تو کسی موسم میں غلطی نہ رہے گی۔ مثل اول میں یہ تفصیل ہے کہ جنوری فروری مارچ یعنی ان تین مہینہ میں تو مثلین سے پچاس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور اپریل سے اگست تک یعنی پانچ مہینہ میں مثلین سے ایک گھنٹہ دس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے۔ اور ستمبر سے دسمبر تک یعنی چار مہینہ میں

شلین سے بائیس منٹ پہلے مثل اول ہوجاتا ہے اور یہ سب تفاوت تدریجاً ہوتا ہے عمل کرنے میں اسکا لحاظ رکھا جاوے۔

(۳۷۹) فرمایا کہ اب ہماری حس کی ایسی مثال ہے جیسے مارگزیدہ کو نیم کی پتیاں میٹھی معلوم ہوئی ہے اسی طرح ہم کو معاصی جو زہر قاتل ہیں۔ مزہ دار معلوم ہوتے ہیں سو اس کا علاج کرو اور علاج کے لئے کسی تجربہ کار طبیب کو تلاش کرو اور جب تک طبیب نہ ملے ایک بڑا علاج یہی ہے کہ سوچنا شروع کردو۔

(۳۸۰) فرمایا کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرلو۔ اگر ممکن ہوسکے تو اس کی صحبت میں رہو۔ اگر اس کے حقوق صحبت ادا نہ کرسکو تو اس سے خط وکتابت کرکے اپنے اعمال کی حفاظت رکھو اور شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہو اور جو وہ بتلائے اس پر عمل کرو کیونکہ امراض باطنی کی جو دوائیں ہیں وہ ان کی خاصیت خوب جانتا ہے۔

(۳۸۱) فرمایا کہ قلب کا دنیا پر قرار ہوجانا اور آخرت کے لئے قلب کا بے چین نہ ہونا یہی جڑ ہے تمام بیماریوں کی اس اطمینان کو دل سے نکالو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طاعت کو اپنے اوپر لازم کرلو گو بہ تکلف سہی۔ خدا کی طاعت میں اثر خاص ہے کہ اس سے فکر پیدا ہوگی اور فکر کے پیدا ہونے سے تمام کام درست ہوجاویں گے۔ اور ایک بات اپنے اوپر اور لازم کرلو وہ یہ کہ جو اپنے جی میں آئے فوراً مت کرلیا کرو بلکہ علمار سے تحقیق کرکے کیا کرو۔ اگر ناجائز بتلائیں ہرگز اس کام کو مت کرو اپنے کو علمار کا محتاج سمجھو۔

(۳۸۲) فرمایا کہ خطرۂ بعیدہ سے عادۃً تاثر کم ہوتا ہے اس لئے قیامت وآخرت کا خوف نہیں۔

(۳۸۳) فرمایا کہ جیسے تمام قرآن شرح ہے صرف تین مضمونوں کی۔ توحید۔ رسالت معاد اسی طرح حضرت حاجی صاحب رح نے ساری مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں۔ ایک توحید حالی۔ دوسرے حقوق شیخ۔

(۳۸۴) فرمایا کہ قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جس کی جڑ عقیدہ توحید ہے۔ اور شاخیں اعمال صالحہ ہیں۔ عقیدہ توحید کے پختہ کرنے کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کرنے کا طریقہ علم دین حاصل کرنا۔ مسائل کی کتابیں دیکھنا۔ وعظ کی کتابیں مطالعہ میں رکھنا۔

(۳۸۵) فرمایا کہ کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ چلتے پھرتے لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتے رہو

کام کے وقت زبان سے کسی قدر جہر کرتے رہو کہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو۔ یہ مذکرہ ہے۔ ذکر یاد رہتا ہے۔

(۳۸۶) فرمایا کہ اعمال میں کوتاہی کا سبب حب دنیا اور عدم اہتمام آخرت ہے۔

(۳۸۷) فرمایا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالےٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا۔ تواضع میں جذب و کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف قلوب کو خود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔ تصنع اور بناوٹ نہ ہو اہل اللہ کے اندر کشف و کرامت سے زیادہ جو چیز دلکش و دلربا ہوتی ہے وہ ان کے تواضع کے واقعات ہیں۔ بیشک تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی کبھی نہیں ہوتی۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ بالکل صادق ہے۔

(۳۸۸) فرمایا کہ ولی مقتول کے عفو کر دینے میں سراسر مصلحت ہے۔ ولی کی مصلحت تو ثواب ہے عفو کا اور اصل مقتول کی مصلحت اس کے اجر کا بڑھ جانا ہے کیونکہ جس مظلوم کا انتقام نہ لیا جاوے اس کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اور مجرم کی مصلحت تو اس میں ہے ہی کہ قتل سے اس کی رہائی ہے۔

(۳۸۹) فرمایا کہ انسان جب تک زندہ ہے لوازم بشریہ سے چھوٹ نہیں سکتا چنانچہ انسان کیسا ہی کامل ہو جاوے میلان معصیت کبھی کچھ نہ کچھ وسوسہ یا خیال معصیت آہی جاتا ہے۔ چنانچہ حکیم ترمذیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں جوانی میں اُن پر ایک عورت عاشق ہو گئی تھی اور ہر وقت ان کی تلاش و جستجو میں رہتی تھی آخر کار ایک دن باغ میں ان کو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چار دیواری کی وجہ سے بند تھا وہاں پہنچ کر ان سے اپنے مطلب برآری کی درخواست کی یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے۔ اس قصہ کے بعد بڑھاپے میں ایک روز وسوسہ کے طور خیال ہوا کہ اگر میں اس عورت کی دلشکنی نہ کرتا اور اس کا مطلب پورا کر دیتا اور پھر توبہ کر لیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا اور اس کی دلشکنی بھی نہ ہوتی۔ اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے ؎

بر دل سالک ہزاران غم بود　　گر زباغ دل خلالے کم شود

اس پر قلق ہوا کہ جوانی میں تو میں اس گناہ سے اس کوشش سے بچا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میں نے اعمال و اشغال کئے ہیں وہ سب غارت و اکارت گئے۔ اس پر حکیم موصوف نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے حکیم کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ ضائع نہیں ہوا۔ اور اس وسوسہ کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ میرے زمانہ سے قریب تھا۔ اور قرب عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں برکت ہے کہ تواضعات نبوت پر

عمل کرنے میں کیسی کچھ برکت ہوگی۔

(۳۹۰) فرمایا کہ تعشق کا علاج نزوج ہے اگر خاص معشوقہ سے ہو تو بہت ہی بہتر ہے ورنہ غیر جگہ نکاح کرنے سے دوسرے کے تعشق میں کمی ضرور آجاتی ہے۔ باقی تھوڑا بہت میلان تو تمام عمر رہتا ہے۔ اگر اس کے مقتضا پر عمل نہ ہو تو اس کی فکر نہ کرنا چاہیئے۔

(۳۹۱) فرمایا کہ پہلے لوگوں کے قویٰ اچھے تھے ان کے حق کثرت اکل لغیرہ مرض ہوجاتا تھا۔ اب خود قوے ضعیف ہیں اس لئے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے۔ اب کثرت اکل و حرص طعام مرض نہیں۔

(۳۹۲) فرمایا کہ ذلت سے بچنے کا خود شریعت کا حکم ہے۔ اس لئے جب تک حالت غالب نہ ہو یہی طریق ہے مگر جب حال غالب ہوجاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا نہ کرے۔ اگر ہوجاوے ازالہ نہ کرے۔

(۳۹۳) ایک صاحب نے لکھا کہ قلب میں قوت انفعالیہ کا نام و نشان نہیں صحبت مجلس سے بھی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اس لئے سخت خطرہ ہے کہ کہیں قائلین قلوبنا غلف یا ارشاد لا یجاوز حناجرھم الحدیث کا مصداق تو نہیں ہوگیا فرمایا کہ جو لوگ اس کے مصداق ہوتے ہیں ان کو اس کے مصداق ہونے کا احتمال تک بلکہ التفات تک نہیں ہوتا۔ یہی دلیل ہے اس کے مصداق نہ ہونے کا۔

(۳۹۴) فرمایا کہ حصول کیفیات کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے پھر خواہ کسی صورت سے قبول ہو اس پر راضی رہے۔

(۳۹۵) ایک صاحب نے لکھا کہ اگر کوئی شخص کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچاوے تو چین نہیں آتا جب تک کہ اس سے انتقام نہ لے لوں۔ اس کا کیا علاج ہے۔ فرمایا کہ چین نہیں آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا نہ ہوا بلکہ نافع ہوا۔ باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً وہ لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہوجاوے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔

(۳۹۶) فرمایا کہ یہاں طلب زیادہ ہے اور استعداد کم اس لئے عطا میں دیر ہوتی ہے اور اس لئے بے چینی ہوتی ہے وہاں آخرت میں استعداد سے زیادہ طلب ہی نہ ہوگی بلکہ جتنی طلب ہوگی وہاں اس کی استعداد بھی ہوگی اس لئے وہ اول ہی بار عطا فرمادی جاوے گی اور اس سے آگے جو عطا ہوگی وہ

بلاطلب عطا ہوگی اس لئے اس کا انتظار ہی نہ ہوگا۔ غرض جنت میں انتظار و بے چینی نہ ہوگی۔

(۳۹۷) فرمایا کہ میں بوڑھوں، سیدوں اور ذاکرین سے خدمت نہیں لیتا۔

(۳۹۸) فرمایا کہ جس مسئلہ پر زور دینے میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو اس میں گفتگو بند کر دی جاوے کیونکہ اس خاص مسئلہ دین کی حمایت کرنے سے فتنہ کا دبانا زیادہ ضروری ہے ہاں مقتدائے اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہئے جیسے امام حنبل نے خلق قرآن کے متعلق صاف صاف کہدیا تھا۔ اور جو ایسا بڑا مقتدانہ ہو اس کو بحث کی ضرورت نہیں جہاں مخاطب سمجھدار منصف مزاج ہو وہاں صحیح مسئلہ بیان کر دے جہاں بحث مباحثہ کی صورت ہو خاموش رہے۔

(۳۹۹) نا اتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو برا ہے اور اتفاق کی غرض سے نا اتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اسی طرح اگر خدا تعالے سے نا اتفاقی کرنے میں اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ اتحاد سب سے بدتر اتحاد ہے اور ان کے ساتھ نا اتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے۔

(۴۰۰) فرمایا کہ بعض صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہو فوراً دونوں کا مصافحہ کرا دیا جاوے۔ خواہ فریقین کے دل میں کچھ بھی بھرا ہو۔ میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو ورنہ بدون اصلاح معاملہ کے مصافحہ بیکار ہے اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ شروع ہو جاتا ہے یعنی مقاتلہ۔

(۴۰۱) فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف وقت قتال کے لئے مشروع ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ وقت خوف قتال کے لئے ہے اور جب خوف سے بڑھ کر وقوع قتال کی نوبت آجاوے اس وقت نماز مؤخر ہو جاتی ہے۔ قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوٰۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہو جاوے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں۔ اور اس میں نماز کی بے وقعتی بھی نہیں بلکہ نماز کی وقعت ہی ہے کہ ایسے وقت میں اس کو توڑ دیا جاوے کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہو سکتا ہے اسی طرح اگر وسط صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جاوے تو نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے کہ انہوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوٰۃ کی اجازت ہے۔

(۴۰۲) فرمایا کہ اسلام کو اپنی طرف منجذب کرنے کے لئے غیر قوم کو بھائی بنانے کی ضرورت نہیں وہ دشمن کو دشمن کہکر بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کیونکہ اسلام نے دوسری قوموں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔ وہی حقوق اور وہی رعایت سب کے جذب کے لئے کافی ہے۔

(۴۰۳) فرمایا کہ جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے تو وہ محض دنیا نہ رہے گی اب اس کا لقب

نعم المال ہوگا جس کا لقب پہلے الدنیا جیفۃ تھا کہ دنیا گندی حرام ہے پس کسب دنیا بضرورت مذموم نہیں ہاں مقصوداً مذموم ہے جیسے کوئی شخص کنڈوں کو مقصود سمجھے اور انھیں کھانے لگے تو احمق ہے۔ اور اگر ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلائے تو بڑا عاقل ہے ؎

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد　　اگر دارد برائے دوست می دارد

(۴۰۴) فرمایا کہ اے مسلمانو تم ترقی کے لئے ہمیشہ یہ دیکھو کہ مسلمانوں کو کیونکر ترقی ہوئی اور یہ ہرگز نہ دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی۔ کیونکہ ہر قوم کا مزاج باطنی الگ ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو۔ بلکہ یہ بھی ضرور نہیں کہ جو صورت ایک قوم کے کسی فرد کو مفید ہو وہ سب افراد کو مفید ہو۔ لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہیں تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو تمہارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی جو کفار کو مفید ہے نیز تم ایسے ہو جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دی جاتی ہے اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جاوے تو اس کو نہیں پھینکتے۔ اسی طرح حق تعالےٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر تم ملوث ہو گے تو فوراً پڑے پڑے سڑ کھٹے پیٹے جاؤ گے اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا۔ پس اگر تم ترقی کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوئی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو محض دین کی اتباع کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ وہ دین میں پختہ تھے۔ ان کے معاملات و معاشرت و اخلاق بالکل اسلامی تاریخ کے مطابق تھے۔ اس لئے دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی۔ اور کسی نے مقابلہ کیا تو چونکہ انھوں نے خدا تعالےٰ کو راضی کر رکھا تھا اس لئے خدا تعالےٰ ان کی مدد کرتا تھا۔ یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت عدد و عدد کے بڑی بڑی سلطنتوں کے ان سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

(۴۰۵) فرمایا کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو انشاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے جس کی بین دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں۔ انگریز۔ ہندو۔ پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمہاری مسخر ہو جاویں گی۔

(۴۰۶) فرمایا کہ اتفاق و اتحاد کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو اور کسی عالم سے مشورہ کر کے کام کرلو۔ یہ اتحاد انشاء اللہ مضبوط ہوگا۔ اور یہ اتحاد باقی جب رہے گا جب تقویٰ کی رعایت ہوگی۔ کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا۔ اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نااتفاقی پیدا نہیں ہو سکتی۔ نااتفاقی جبھی پیدا ہوتی ہے

جب کسی کو ضرر پہنچایا جاوے یا اس کے حقوق تلف کئے جاویں۔

(۴۰۷) فرمایا کہ دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا کیونکہ جب بندہ کا تعلق خدا تعالےٰ سے مستحکم ہو جاتا ہے تو دنیا کے تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظ نفس کے لئے ادا کیا جاتا تھا اور حظ نفس اپنی اختیاری شے ہے۔ جب چاہو اس سے قطع نظر کرلو تو وہ حقوق ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اب رضائے الٰہی کے لئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے۔ اور رضائے حق سے قطع نظر نہیں ہوسکتی اس لئے حقوق کی ادائیگی یقینی۔ اور جو لوگ دیندار بن کر حقوق متعلقین میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہے۔

(۴۰۸) فرمایا کہ مخلوق کے عیوب پر نظر نہ ہونا فی نفسہ بڑی نعمت ہے۔

(۴۰۹) فرمایا کہ جب کسی عمل کو دائماً متروک رکھا جاتا ہے۔ تو باطن پر اس کا اثر ضرور رہتا ہے بدون عمل کے اعتقاد کی جڑ نہیں کٹتی۔ چنانچہ جب سے نکاح ثانی پر عمل ہونے لگا اس وقت سے اعتقاد بھی درست ہونے لگا۔

(۴۱۰) فرمایا کہ رعایا کے سلطنت کی ہوس کرنے کا نتیجہ سوائے پریشانی کے کچھ نہیں۔ بس ان کی وہ حالت ہے جیسے چیونٹی کے مرنے کے دن جب قریب آتے ہیں تو اس کے پر لگتے ہیں اس وقت تو وہ خوش ہوتی ہے کہ آہا میں بھی ہوا میں اڑنے لگی۔ چنانچہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

چیونٹی کے لگے پر تو وہ کہنے لگی اڑ کر　　میں مثل سلیماں ہوں ہوا میں کئی دن سے

مگر اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کی ہلاکت کے دن قریب آ گئے ہیں۔ اس کا منشا محض حرص ہے اور کچھ نہیں مگر یہ لوگ اس کو دین سمجھتے ہیں اور اس کا نام ترقی اسلام رکھا ہے۔ صاحبو خام کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ نتائج و آثار کو دیکھنا چاہئے کہ اس ہوس خام کے آثار و نتائج کیا ہیں۔ کیا اس سے اسلام کو کچھ ترقی ہوئی ہے یا کفر کو۔ صوفیہ بڑے محقق ہیں اور ان سے زیادہ کون دیندار ہوگا ان کی تعلیم یہ ہے ؎

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ　　برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

چنانچہ نص قرآنی ہے لا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ جس سے معلوم ہوا کہ جس ہوس کا نتیجہ ہلاکت ہو وہ ممنوع ہے۔ وہ دین نہیں خلاف دین ہے اور حدیث میں ہے لا ینبغی للمومن ان یذل نفسہ جس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں اگو ہلاکت نہ ہو یہ سب تو شریعت کی تعلیم متعلق مصائب اختیاریہ کے ہے اور مصائب غیر اختیاریہ کے متعلق یہ تعلیم ہے۔

والذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی اس آیت کا تفکر اس کا علاج ہے نہ کہ صرف زبانی پڑھنا۔

(۱۱۴) فرمایا کہ ساری پریشانی کا مدار یہی تجویز ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کیلئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ رہے اور تعلیم یافتہ ہوا ور اس کی اتنی تنخواہ ہو۔ پھر وہ ہماری خدمت کرے اور اسی طرح یہ مال ہمارے پاس رہے۔ اس میں یوں ترقی ہوا ور اتنا نفع ہو۔ اسی طرح شیخ چلی کی طرح ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ منصوبے قائم کر لئے جاتے ہیں۔ اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔ اسی لئے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام و راحت و مسرت میں ہیں۔ ان کو کسی واقعہ سے پریشانی اور غم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تجویز کا نشان ہی نہیں۔ ہے بلکہ تفویض کلی ہے۔ بس ان کو غم آخرت کا تو ہے اور کسی بات کا غم نہیں مگر غم آخرت ایسا نورانی اور لذیذ ہے کہ اس کے بدلہ میں سلطنت بھی لینا نہیں چاہتے ؎

غم دین خور کہ غم غم دین است — کہ ہمہ غمہا فرو تر از ین است
غم دنیا مخور کہ بے ہودہ است — ہیچ کس در جہاں نیا سودہ است

(۱۱۲) فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ام للانسان ما تمنّٰی یا بھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ حریص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی۔ ؎

ما کل ما یتمنّٰی المرء یدرکہ — تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ آجکل جو لوگ ترقی متعارف کے معلم ہیں وہ درحقیقت پریشانی کی تعلیم دے رہے ہیں کیونکہ جس چیز کا نام انھوں نے ترقی رکھا ہے اس کی حقیقت حرص ہے اور جو لوگ ترقی متعارف سے مانع ہیں وہ راحت کے معلم ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں شریعت کے موافق چلو اور اس میں راحت ہی راحت ہے۔

(۱۱۳) فرمایا کہ حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہیئے کیونکہ اسی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے۔ بدکاری اور چوری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے۔ اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے۔ کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے۔ اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے۔ بس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔

(۱۱۴) فرمایا کہ افسوس ان لوگوں کو خبر نہیں کہ شریعت میں سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ

ملا پن ہی مطلوب ہے اور سلطنت سے مقصود بھی ملا پن ہی کا پھیلانا ہے ۔ چنانچہ حق تعالٰے فرماتے ہیں ۔ الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموالصلوٰۃ واٰتوالزکوٰۃ وامروابالمعروف ونھو عن المنکر یعنی اگر ان کو ہم دنیا میں سلطنت دیتے تو یہ خوب نماز پڑھتے اور خوب زکوٰۃ دیتے اور خوب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ۔

(۴۱۵) فرمایا کہ حرص کے مقتضا پر عمل کرنے سے جی بھر نہیں سکتا کیونکہ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جس میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں ۔ پھر وہ تیسرے کا طالب ہوگا پس یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہوس کے پورے کرنے سے ہوس بجھ جاوے گی ۔ بلکہ جتنا اس کو پورا کروگے اتنا ہی بڑھے گی ۔ انسان کی ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۔

؎ گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

(۴۱۶) فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ جہنم میں کوئی کافر نہ جائے گا تو اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ اس نے کفر لغوی کا ارادہ کیا ہو کفر شرعی مراد نہ لیا ہو ۔ اور کافر جب مرتا ہے تو خدا پر ایمان لاتا ہے گو وہ ایمان مقبول و معتبر نہ ہو کیونکہ حالت یاس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا جبکہ آخرت کے امور نظر آنے لگیں اس لئے وہ کافر ہے ۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جہنم میں جو بھی جائے گا وہ لغۃً مومن ہوگا کافر نہ ہوگا ۔

(۴۱۷) فرمایا کہ فلسفی مسئلہ ہے کہ کسی قوت سے جتنا کام لیا جاتا ہے اتنا ہی وہ قوت زور پکڑتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے پس نگاہ بد کرنے سے نگاہ بد کو سکون نہ ہوگا بلکہ اس کی جڑ مضبوط ہو گی اور ایک بار گھور لینے سے جو سکون ہو جاتا ہے اس سے دھوکا نہ کھایا جاوے کیونکہ یہ عارضی سکون ہے جیسے تماکو کھانے والے کو ایک بار کھا لینے سے کچھ دیر کو سکون ہو جاتا ہے لیکن طلب زیادہ ہو جاتی ہے یا یوں سمجھو کہ جیسے درخت کی جڑیں جب پانی دیا جاتا ہے تو وہ تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو جاتا ہے مگر واقع میں غائب نہیں ہوتا بلکہ وہ اب شاخوں اور پتیوں میں بصورت طراوت بڑھا کر ظاہر ہوگا اور جڑ کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر دے گا پس جو لوگ مقتضائے تقاضا پر عمل کرتے ہیں وہ حقیقت میں تقاضے کو کم نہیں کرتے بلکہ اس کی آبیاری کرتے ہیں ۔

(۴۱۸) فرمایا کہ صاحبو نور اسی میں ہے کہ تم کو گناہ کا تقاضا ہوا اور تم تقاضے کا مقابلہ کرو اس تقاضے ہی سے تو تقوے کا حمام روشن اور تقویٰ کا کمال ظاہر ہوتا ہے ۔ ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است که ازو حمام تقویٰ روشن است

مقاومت تقاضا سے یہ تقاضا زائل تو نہ ہوگا مگر ضعیف ضرور ہو جائیگا جس کے بعد پھر مقاومت سہل ہو جاوے گی۔ اور یہ بھی بڑا نفع ہے کہ دشمن ضعیف ہو جاوے۔

(۱۹ہم) فرمایا کہ کمیشن جو کاریگر بائع سے لیتا ہے اس میں احتیاط اور جواز کا پہلو یہ ہے کہ کاریگر بائع سے یہ کہدے کہ ہم تم سے مال خریدنے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ مگر حسب عرف تجار تم کو کمیشن دینا ہوگا اگر اس پر بھی بائع کمیشن دے تو اصل مشتری یعنی مالک ثمن کی رضامندی سے جائز ہوگا کیونکہ اس کمیشن کی حقیقت حط ثمن ہے بائع کی جانب سے اور وہ حق ہے اصل مشتری کا۔ بدون اس کی اجازت کے کاریگر کو لینا جائز نہ ہوگا۔

(۲۰ہم) فرمایا کہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا۔ اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے۔ اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے۔ بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے۔ اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔

(۲۱ہم) فرمایا کہ اصلاح کا کوئی منتہا نہیں اس لئے جب ایسا خیال ہو کہ اب میری اصلاح ہو چکی ہے اور اس پر اطمینان بھی ہو تو یہ غلط ہے۔

(۲۲ہم) فرمایا کہ معصیت کا علاج قبل صدور ہمت اور بعد صدور توبہ ہے۔ سوا اس کے اور کوئی علاج نہیں۔

(۲۳ہم) فرمایا کہ تقلیل طعام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس وقت خوب اشتہا ہو اس وقت کھانا کھا کر اشتہا کو فنا نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو باقی رکھ کر ہاتھ روک لینا چاہئے۔ لیکن تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہو جاوے تو تقلیل طعام ضروری نہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے بلا ضرورت مناسب نہیں۔

(۲۴ہم) فرمایا کہ اس قسم کے مسائل جن کا تعلق اصلاح نفس سے ہے کسی تصوف کی کتاب میں دیکھ کر اس پر عمل کرنا اس شرط سے درست ہے کہ فہم میں یا حدود و شروط میں غلطی نہ ہو لیکن ان غلطیوں کا احتمال عادۃً غالب ہے۔ اس لئے بدون مشورہ کسی شیخ مبصر کے خود عمل مناسب نہیں۔ البتہ مناسب ہے کہ اس علاج کو نقل کر کے مشورہ کر لے

(۴۲۵) فرمایا کہ نماز میں بلا ضرورت غیر نماز کا خیال نہ لانا چاہیے۔ ہاں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال قصداً لائے اور اس کو قصداً باقی رکھے تو اس میں مواخذہ نہیں۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس سے صلوٰۃ میں تو خلل آئے گا اس لئے کہ غیر صلوٰۃ ہے تو یہ سمجھ لو کہ خلل کا ہر درجہ موجب مواخذہ نہیں۔ یہ خلل بمعنی نقص ثواب ہے جیسے تین بار تسبیح کہنے میں پانچ بار کہنے سے ثواب کم ہے۔ بمعنی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصداً خیالات منکرہ و معاصی سے تو نماز میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور خیالات معروفہ و طاعات اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہے نور بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہے تو نور نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ اور جو نہ منکر ہو نہ معروف بلکہ مباح ہو اگر بضرورت ہو (اور ضرورت وہ ہے کہ اگر اس وقت اس کو مؤخر کیا جاوے تو کوئی ضرر یا حرج لاحق ہو جائے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جاوے گی) تو اس کا بھی یہی اثر ہے کہ نور نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ اور اگر غیر ضروری ہے تو نور گھٹتا ہے مگر ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

(۴۲۶) فرمایا کہ عبادات جسمانیہ خود شرط ہیں ترقی روح کی اور وہ عبادات موقوف ہیں تعلق جسمی پر پس جسم اگر متبوع ہو تو وہ مانع عن الآخرۃ ہے روح کے لئے۔ اور اگر تابع ہو تو وہ موصل الی الآخرۃ ہے۔

(۴۲۷) کسی نے ادائیگی قرض کے لئے کوئی مؤثر وظیفہ پوچھا تھا اس پر فرمایا کہ دعا سے زیادہ کوئی وظیفہ مؤثر نہیں۔

(۴۲۸) فرمایا کہ کام میں لگنا چاہیے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کیفیات بھی ہیں یا نہیں۔ حظوظ اور لذائذ بھی ہیں یا نہیں۔ اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کچھ ہوا یا نہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ جیسے رات کو پسنہاری آٹا پیستی ہے مگر اس پیسنے والی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آٹا چکی سے گر رہا ہے یا نہیں اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کس قدر جمع ہو گیا۔ پیسنے ہی کی دھن لگی رہتی ہے۔ صبح کو جب دیکھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام چکی کے گرد آٹا جمع ہے۔ اگر رات بھر یہ کرتی کہ ایک چکر چکی کا گھما کر آٹے کو ٹٹولا کرتی تو پاؤ بھر بھی آٹا نہ پیس سکتی۔ علاوہ اس کے اپنے کو جس کے سپرد کیا ہے اس پر بغیر اعتماد اور انقیاد و اعتقاد کئے کام نہیں چل سکتا جب جاننے والا یہ کہہ رہا ہے کہ کام ہو رہا ہے بس اطمینان کرنا چاہیے۔

(۴۲۹) اہل اللہ پر طعنہ زنی کے متعلق یہ دونوں شعر پڑھے ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد | تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد | میلش اندر طعنۂ پاکان برد

(۴۳۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل باطل کے تکفیر کا ذکر تھا اسی روز جوش میں شان رحیمی کا ظہور ہو رہا تھا۔ یہاں تک فرمایا کیا کافر کافر لئے پھرتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ ایسوں کی مغفرت ہوگی جنھیں تم دنیا میں کافر قطعی کہتے ہو اور واقع میں وہ کافر نہ ہوں گے مگر نہایت ضعیف الایمان ہونگے۔ پھر فرمایا لیکن اگر ڈرانے دھمکانے کے لئے شرعی انتظام کے لئے کسی وقت کافر کہدیا جاوے تو اس کا مضائقہ نہیں اس میں انتظامی شان کا ظہور ہوگیا۔

(۴۳۱) فرمایا کہ اس طریق میں سب سے زیادہ جو مضر چیز ہے وہ معلم پر اعتراض ہے اسکا ہمیشہ خیال چاہئے۔

(۴۳۲) فرمایا کہ اللہ سے محبت رکھنے والا تو کسی کافر کسی بلی کتے کے ساتھ بھی مظالم کو گوارا نہ کرے گا۔

(۴۳۳) فرمایا کہ دینی کے لئے بڑی دوا حلال غذا کا کھانا ہے۔ کیونکہ وہ باطن کو منور کرتی ہے اور جب باطن منور ہو جاتا ہے تو آدمی حق اور باطل میں تمیز کرنے لگتا ہے۔

(۴۳۴) فرمایا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو ولی کہنا بلکہ صرف مسلمان کہنا بھی کفر ہے۔ اور جب مرزا (غلام احمد) صاف صاف اپنے کو نبی بلکہ انبیاء سے بھی افضل کہتا ہے تو اس کو ولی ماننا ان سب باتوں میں سچا ماننا ہے اور دعوئ نبوت میں اس کو سچا ماننا کفر ہے خوب سمجھ لو۔

(۴۳۵) فرمایا کہ صوفیوں کو اکثر اوقات اس قسم کا دھوکا ہوتا ہے کہ اگر عجب پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج کسی گناہ سے کیا جاتا ہے اور مصلحت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ہم اپنی نظروں میں گنہگار اور ذلیل رہیں گے اور اس سے عجب کی جڑ کٹ جائے گی لیکن یہ تو ایسا علاج ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بدن سے پاخانہ کو پیشاب سے دھونے لگے۔

(۴۳۶) فرمایا کہ تشرع و تواضع کے آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے۔ غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو۔ بدلا لینے کی فکر میں نہ رہے وغیرہ وغیرہ۔

(۴۳۷) فرمایا کہ محققین تمام عبادات و عادات میں اعتدال کی رعایت رکھتے ہیں اور اسی پر دوام کی امید ہو سکتی ہے جو دین میں مطلوب ہے۔ باقی غلو سے ملال اور

کلال پیدا ہوتا ہے اور اس سے کبھی ترک عمل کی نوبت آجاتی ہے۔ غلو فی الحال تو عمل کی تکثیر ہے۔ اور فی المآل عمل کی تقلیل۔

(۳۸ ہم) فرمایا کہ صوفیہ علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے امت میں تمہارے متعلق ان چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جس کا تم کو علم نہیں۔ کیونکہ علم کی کمی میں جو کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں اس لئے جرم خفیف ہے لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے ان میں تم کیسا عمل کرتے ہو۔ اس حدیث کی تفریع میں حضرت قیصری رح نے تشریح کی ہے کہ جتنی نظر عالم کی دقیق و حدید ہوگی مواخذہ بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ لہذا کسی عالم کو فرح و ناز مناسب نہیں بلکہ خشیت و ہیبت سے اس کی تعدیل مناسب ہے۔ اس وقت وہ البتہ فرح و نیاز کا مستحق ہوگا۔

(۳۹ ہم) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا سب افکار و غموم کو دور کر دیتا ہے۔

(۴۰ ہم) فرمایا کہ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کسی قسم کی ایذا ئے ظاہری یا باطنی حضور یا غیبت میں نہ پہونچے۔

(۴۱ ہم) فرمایا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ بدون تحصیلات و تبحر علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو لمحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا پھر اس میں آکر آب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔

(۴۲ ہم) فرمایا کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقویٰ کے کسی خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دل شکنی ہو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے۔ ایسے موقع پر تقویٰ کی حفاظت جائز نہیں۔ چنانچہ کسی چیز کے نہ لینے میں اگر اپنی عزت ہو اور اپنے بھائی کی ذلت ہو۔ اور لینے میں اپنی تو ذلت ہو لیکن بھائی کی عزت ہو تو بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دے یعنی اپنی آبرو و عزت کو لات مارے اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھے یہ ایثار نفس ہے۔

(۳۴۴) فرمایا کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اس کی حقیقت ہے جو حرام ہے اور معصیت ہے۔ آور ایک اس کی یہ صورت ہے کہ اس میں سب اجزا ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزا کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اگر اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہو جاوے گی اور معصیت ہو گی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے۔ یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں۔ جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے۔ یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے۔ یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو یہ سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہو گا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی الی الکبر ہو جاتا ہے۔ اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید کر لی جاوے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو۔ وہ مراقبہ یہ ہے۔

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں۔ حق تعالےٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

(ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت اور رحمت ہے۔

(ج) پھر عطا کے بعد اس کا بقا میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالےٰ جب چاہیں سلب کر لیں۔

(د) اور گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جاوے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں

(ہ) اور اگر فی المآل کمال نہ بھی ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی کمال ایسا ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو اور حق تعالےٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔

(س) اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن

میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو۔ تو مجھکو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں۔

(۹) اور اگر بالفرض سب امور میں یہ مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیساکہ مریض کا صحیح پر۔ ضعیف کا قوی پر۔ فقیر کا غنی پر۔ تو مجھکو چاہیے اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں۔ اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی۔ اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کردے تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جاوے گا۔ اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل اور تربیت میں سعی کرتا ہے۔ اس سے محبت ہوجاتی ہے۔ اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

(۱۰) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کرلیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے۔ اس سے جانبین سے تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جاوے گا مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں صرف ایک قید کم ہے۔ باقی سب اجزاء وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا اس میں بھی حقیقت اور صورت ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں۔ وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔

اور حب جاہ کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھکو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں چونکہ اس کا منشا بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اس کے اقسام و احکام و درکات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے۔

اور ریا کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادے۔ کبر و عجب و حب جاہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر و عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں۔ اور یہ سب احکام کلی ہیں کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربی کی رائے سے

متعین کئے جاتے ہیں۔

اور خجلت ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا۔ اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر۔ یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک یہ صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے۔ بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے اشنع ہے۔ کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے۔ تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گذر چکا۔

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن پر اثر کا رسوخ نہیں ہوتا۔ الا نادر اً۔ اور مبتدی کو ایک معتدبہا مدت کا اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہ تکلیف اوضاع و اطوار و عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جاوے مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دنارت اور خست کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جاوے یعنی وہ امور اختیار کئے جاویں جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جن سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔

(۴۴) ایک عورت نے لکھا کہ حضرت اقدس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے دے بھی رکھا ہے اور نیت یہ بھی ہوتی ہے کہ میرے شوہر خوش رہیں اور میرے شوہر بھی یہ چاہتے ہیں۔ مگر مرض یہ ہے کہ جب کسی عورت کو کوئی عمدہ کپڑے پہنے دیکھتی ہوں دل یہ چاہتا ہے کہ اس قسم کا میں بھی لے لوں۔ اکثر تو خاموش رہتی ہوں مگر کبھی فرمائش بھی کر دیتی ہوں۔ اور پھر دل بھی جلتا ہے۔ اگر یہ مرض ہو تو علاج ارشاد فرمادیں۔ فرمایا کہ زینت کے درجے ہیں افراط و تفریط مذموم ہے۔ اور اعتدال محمود ہے۔ صورت مذکورہ میں اعتدال یہ ہے کہ کسی کو دیکھ کر اس وقت مت بناؤ۔ اگر توقف کرنے سے ذہن سے نکل جائے فبہا۔ اور اگر نہ نکلے تو جس وقت نئے کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہو اس وقت وہی پسند آیا ہوا کپڑا بنالو۔ اگر اتفاقاً اس وقت نہ مل سکے تو جانے دو۔ اور اگر دیکھو کہ اس مدت تک طبیعت مشغول رہے گی تو پسند کے وقت خرید کر رکھ لو۔ مگر بناؤ مت۔ بناؤ اسوقت

جب نئے کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہو۔ تاکہ اس کے عوض کا کپڑا بچ جاوے کہ شوق بھی پورا ہو جاوے اور اقتصاد بھی فوت نہ ہو۔ اور اگر تمہارے شوہر تم کو علاوہ ضروری نان نفقہ کے جیب خرچ کے واسطے کچھ دیدیتے ہوں تو پھر اس انتظام میں اتنا اور اضافہ کیا جاوے کہ ایسا کپڑا اپنے جیب خرچ کی رقم سے خریدو تاکہ نفس حدود میں محصور رہے۔

(۴۴۵) فرمایا کہ تعلق فی اللہ والے کی رضا کا قصد اللہ ہی کے رضا کا قصد ہے اور وہ عین اخلاص ہے۔ مثلاً شیخ کے خوش کرنے کے لئے تہجد پڑھنا خلاف اخلاص نہیں۔

(۴۴۶) فرمایا کہ اگر اپنی بیوی کے پاس ہو اور صحبت کے وقت کسی اجنبیہ کا قصداً تصور کرے تو وہ حرام ہوگا۔

(۴۴۷) فرمایا کہ اگر قدرت ہو تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر شرعی دستور العمل ہے۔ اور درمیانی صورتیں مثلاً جتھوں کا جیل جانا۔ پٹنا۔ بھوک ہڑتال وغیرہ سب نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے۔ اجتہاد کا حق ہم کو نہیں۔ اور نصوص کے خلاف کرنا حرج عظیم ہے۔ یہ سب جیل جانا وغیرہ خودکشی کے مرادف ہیں۔ اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہونچے تب بھی کو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہونچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو خودکشی کرنا کیا جائز ہو جائے گا۔ اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل کبھی نہیں۔ حضرت ہر منفعت کا اعتبار نہیں۔ اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں لکھے کہ فلاں کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنوئیں میں گر جاؤ تو اس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گرنا جائز ہوگا۔

(۴۴۸) فرمایا کہ قدرت علی اضرار الخصم یہ ہے کہ جس میں خصم کو کوئی ضرر معتد بہ ہو اور اس کے ساتھ اپنا کوئی ضرر یقینی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جیل وغیرہ میں اپنا ضرر ہے اور ان کا کوئی ضرر معتد بہ نہیں قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہیں اس پر تو قدرت ہے لیکن اس کے کرلینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور پھر جو خطرات پیش آویں گے ان کی مدافعت پر بظن غالب عادۃً بھی قدرت ہے۔

پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے۔ اور دوسری صورت استطاعت شرعیہ جس کو اس حدیث نے صاف کردیا ہے۔ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطیع فبقلبہ غرضکہ قدرت عادی شرط ہے محض کامیابی کی خیالی توقع قدرت نہیں ہے۔

(۴۴۹) فرمایا کہ جس موقع کے لئے قتال شرعاً مقصود اور منصوص ہے وہاں مقصود اور منصوص ہونے کی وجہ سے اس کا ضرر معتبر نہیں۔ اور یہ تدابیر مخترعہ (جیل وغیرہ جاتا) غیر منصوص ہیں اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا۔ وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد تو ہے فتنہ نہ ہو۔ قتال فتنہ نہیں ہے کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے۔ اور سکون ہوتا ہے اور ان امور میں تشتت اور پراگندگی اور اضاعت اوقات ہے۔

(۴۵۰) فرمایا کہ مسائل ذو وجہتین میں اہل اغراض بزرگوں کو ایک رخ دکھلا کر اپنے ساتھ کر لیتے ہیں جس کا منشا حسن ظن ہوتا ہے۔ دوسرے رخ کی طرف اس وقت التفات نہیں رہتا لیکن اگر خصوصیت کے ساتھ کوئی شخص ان حضرات کو دوسرا رخ دکھلا کر استفتا کرے تو وہ ضرور نکیر فرما دیں گے کیونکہ ان کے عقائد صحیح ہوتے ہیں۔

(۴۵۱) فرمایا کہ کسی دوست یا دشمن کے زوال نعمت سے اگر اندر سے دل خوش ہو اگرچہ بظاہر اس سے اظہار افسوس بھی کیا جاوے۔ یہ چونکہ غیر اختیاری ہے اور اس کو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے معصیت نہیں۔ البتہ نقص ہے۔ اس کا علاج بہ تکلف اس شخص کے لئے دعا کرنا ہے بکثرت ایسا کرنے سے انشاء اللہ یہ نقص زائل ہو جاوے گا۔

(۴۵۲) فرمایا کہ تدبیر کی حقیقت ہے سبب مرض کا ازالہ۔ اور اختلاج قلب کا سبب ضعف قلب ہے اس لئے ضعف قلب کا ازالہ جس طریق سے ہو یہی تدبیر ہے۔ اس کے طرق مختلف ہیں مقویات قلب مفرحات قلب کا استعمال۔ ایسے مریض کو جب کوئی امر خلاف مزاج پیش آوے مثلاً بچہ بیمار ہو جاوے یا مر جاوے تو ایسے وقت کسی عاقل کا پاس ہونا جو اس وقت اس کے دل کو بہلاوے تسلی آمیز گفتگو کرے۔ بزرگوں کے تذکرے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت ایسے واقعات میں گوش گذار کرے۔ ضرور ہے۔

(۴۵۳) فرمایا کہ سن کی زیادتی سے بیوی کی محبت میں کمی نہیں ہوتی۔ جس چیز میں سن کی زیادتی سے کمی ہو جاتی ہے وہ ہیجان نفسانی ہے اور محبت کی خاصیت تو شراب جیسی ہے ؎

خود قوی تر می بود خمر کہن

(۴۵۴) فرمایا کہ اصل بیعت تو انقیاد و اعتقاد ہے کہ ایک شخص راہ بتانے والا ہو اور تم اسکا اتباع لازم سمجھو۔ بیعت صوری کی ضرورت نہیں۔

(۴۵۵) فرمایا کہ ایک شخص نظر بد کو مفید سمجھتا ہے تاکہ تقاضا فرو ہو جاوے تو یہ شخص گویا معصیت

کو مقدمہ طاعت کا بتاتا ہے۔ اور مقدمہ طاعت کا طاعت ہے۔ اس لئے گویا وہ معصیت کو طاعت سمجھتا ہے اور یہ قریب بکفر ہے۔

(۵۶م) فرمایا کہ ارے میاں قیامت کے دن انبیاء کا پتہ پانی ہو جائے گا۔ پیر بیچارے کی کیا ہستی ہے۔

(۵۷م) فرمایا کہ حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا ہے۔ اگر اس توجہ کو کسی دوسری شے کی طرف پھیر دیا جاوے تو توجہ الی الدنیا نہ رہے گی۔ پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جاوے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی۔ اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا۔ اور اگر ایسی شے کی طرف توجہ کی جاوے جو طبعاً محبوب نہ ہو تو اس صورت میں توجہ کمزور ہوگی اب سمجھو کہ ہر شخص کو حق تعالے کے ساتھ فطری تعلق ہے اور ذات حق کی طرف ہر ایک کو میلان طبعی ہے فقط مسلمان ہی کو نہیں بلکہ کافر کو بھی کیونکہ انسان کو جس چیز سے بھی محبت ہوتی ہے تو کسی سبب سے ہوتی ہے اور وہ اسباب یہ ہیں حسن و جمال۔ یا جود و نوال یا فضل و کمال۔ اور جس میں یہ اسباب قوی ہوں گے اس سے محبت بھی قوی ہوگی۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ اوصاف بالذات حق تعالے ہی میں ہیں۔ دوسری اشیاء میں بالعرض ہیں۔ پس یوں کہنا چاہئے کہ محبت اور میلان حقیقت میں حق تعالے ہی کی طرف ہوتا ہے اور دوسری اشیاء کی طرف میلان اس وجہ سے ہے کہ ان میں صفات حق کا ظل ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان چیزوں پر نظر کا منحصر ہو جانا اس لئے ہے کہ لوگوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں حق تعالے کے ہیں۔ جس وقت یہ معلوم ہوگا کہ حضرت حق ہی محسن و منعم ہیں اور وہی حسین و جمیل ہیں اور وہی صاحب فضل و کمال ہیں اور مخلوقات میں محض ان کا ظل ہے۔ اس وقت ہر شخص حق تعالے ہی کی طرف مائل و متوجہ ہوگا۔ پس حضور کے علاج کا حاصل یہ ہوا کہ اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو اور چونکہ حق تعالے سے طبعی تعلق ہے اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہوگی تو جتنی توجہ حق تعالے کی طرف ہوگی اتنی ہی توجہ دنیا سے ہٹے گی۔

(۵۸م) فرمایا کہ حرص ایک مرض ہے۔ اس کے مقتضا پر عمل کرنے اور اس میں زیادتی کرنے سے تقاضا فرو نہ ہوگا۔ بلکہ دونا بڑھے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کا علاج توجہ الی اللہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اصل علاج خدا کی توجہ ہے جو عادۃً بندہ کی توجہ پر مرتب و متفرع ہے۔

(۵۹م) فرمایا کہ عورتوں کے عیوب اکثر یہ ہیں۔

(۱) بعض ان نمازوں کی قضا ادا نہیں کرتیں جو ہر مہینے میں ان سے غسل کی تاخیر کے سبب فوت

ہوتی ہیں۔

(۲) روزہ کے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ فضول اور گناہ کی باتوں میں روزہ کو برباد کرتی ہیں۔

(۳) پردہ میں احتیاط کم کرتی ہیں۔ جن عزیزوں سے شرعاً پردہ ہے ان کے سامنے آتی ہیں۔ نیز کافر عورتوں سے جیسے بھنگن، چماری وغیرہ سے بدن چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ چنانچہ سر اور سر کے بال اور بازو اور کلائی اور پنڈلی وغیرہ ان کے سامنے کھولے رہتی ہیں۔

(۴) عورتوں میں ذکر اللہ کا رواج بہت کم ہے۔ نماز روزہ کے ساتھ کچھ ذکر اللہ بھی کرنا چاہیئے۔ اس دل کو خدا تعالے کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے اور نماز میں دل لگتا ہے۔ حالانکہ ان کی طبیعتوں کو ذکر اللہ سے بہت مناسبت ہے۔ کیونکہ ذکر اللہ کا اثر ان پر زیادہ ہوتا ہے۔ جن کے قلوب میں سکون و یکسوئی کی حالت ہو اور عورتوں کو پردہ کی برکت سے یہ بات خاص درجہ میں حاصل ہے۔

(۴۶۰) فرمایا کہ عورتوں کو علوم جدیدہ کی تعلیم دینا ان کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ بس ان کو تو قرآن شریف اور بقدر ضرورت مسائل دینیہ کی تعلیم دینا چاہیئے۔

(۴۶۱) فرمایا کہ عورتوں کے لئے ذکر اللہ کے ساتھ مراقبہ موت کا بیحد مفید ہے۔

(۴۶۲) فرمایا کہ (۱) اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان بھی ہوتا جب بھی ضرور حج کو جاتا تو اس صورت میں ثواب حج کم نہ ہوگا۔

(۲) اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا۔ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح کو تو منضم کیا ہے فعل حرام کو منضم نہیں کیا۔

(۳) اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریاکار ہوگا۔ کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکا دے رہا ہے کہ جاتا تو ہے تجارت کے لئے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔

(۴) اگر اصل مقصود حج ہو اور زادراہ بقدر کفایت موجود ہو تو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لیجاوے۔

(۵) اگر اصل مقصود حج ہو اور زادراہ صرف بقدر ضرورت ہو اور نیت تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت و اعانت ہوگی مال تجارت لے جانا اس کے لئے موجب ثواب ہے،

(۴۶۳) فرمایا کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ذرا بیٹے کی شادی یا بیٹی کے نکاح سے فراغت کرلیں تو پھر دنیا کے دھندوں کو الگ کرکے اللہ اللہ کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس طرح کبھی یہ حرص کم نہیں ہوسکتی بلکہ اور بڑھے گی۔ وہی حالت ہوگی جیسے خارش والا کہا کرتا ہے کہ ذرا کھجلالوں پھر نہ کھجلاؤں گا۔ مگر وہ جتنا کھجلاتا ہے اتنی ہی خارش بڑھتی ہے۔ ایسے ہی آج تو آپ ایک بیٹی کی شادی کا بہانہ کرتے ہیں کل تو نہ معلوم کتنی بیٹیاں ہوجاویں گی۔ اور تمہاری نہ ہوں تمہاری اولاد کے ہوجاویں گی تو یہ سلسلہ تو کہیں ختم نہ ہوگا اور وہی حال ہوجاوے گا ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(۴۶۴) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان سے ایک سال تک نہ بولا جاوے تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔

(۴۶۵) فرمایا کہ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر وتحمل کی تعلیم دی ہے۔ تدبیر کرو۔ دعا کرو۔ جوش سے کیا حاصل۔

(۴۶۶) فرمایا کہ اس وقت چندہ جمع کرنے والے نابالغ بچوں سے بھی چندہ لے لیتے ہیں۔ یہ بالکل جائز نہیں۔ جو مال بچہ کی ملک ہے وہ اگر کسی کو خوشی سے بھی دینا چاہے تو نہیں دے سکتا اور نہ اس کا ولی دے سکتا ہے۔ البتہ اگر ماں باپ اپنی طرف سے روپے دیں اور بچہ کی ملک نہ کریں مگر اس کے ہاتھ سے دلوائیں اس میں مضائقہ نہیں لیکن اس کی ملک ہوجانے کے بعد کسی کو نہ دینا جائز نہ لینا۔ آج کل لوگ جوش میں آکر بچوں کے دیئے ہوئے پیسوں کو بڑے فخر سے لے لیتے ہیں اور مجمع عام میں اس کو بتلاتے ہیں کہ یہ معصوم بچہ کا متبرک روپیہ ہے۔ اب وہ ایک روپیہ سو دو سو میں نیلام ہوتا ہے۔ اس میں کئی گناہ ہوئے۔ ایک تو ربوا اور سود کا۔ دوسرے ریا ونمود کا تیسرے بچہ کے مال لینے کا۔ آجکل تو بس لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح کام چلے۔ کارروائی ہوجاوے چاہے گناہ ہو یا ثواب۔

(۴۶۷) فرمایا کہ گو میں کسی کے مالی کاموں میں نہیں پڑتا لیکن اس خیال سے کہ مسلمانوں کا مال ضائع نہ ہوجاوے۔ اس کام کو اپنی طبیعت کے خلاف گوارا کرتا ہوں۔

(۴۶۸) فرمایا کہ تملیک زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ مفت کا ثواب لینا چاہو تو تم کسی سے روپے قرض لے کر فلاں نیک کام میں چندہ میں دیدو، ہم تمہارا قرض ادا کردینگے جب وہ قرض لے کر روپیہ چندہ میں دیدے تو پھر تم اس کو اپنی زکوٰۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دیدو

کہ لو اس سے قرض ادا کردو۔

(۴۶۹) فرمایا کہ صورت بالا (مذکورہ ۴۶۵) میں ایک شبہ بعض پڑھے لکھوں کو یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت میں اس چندہ کا ثواب تو اسی مسکین ہی کو ہوگا۔ اور دینے والے کو قرضہ ادا کرنیکا ثواب ملیگا۔ تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا مگر چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ اس غریب کی کیا ہمت تھی جو چندہ میں روپیہ دیتا اس لئے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اسی برابر ملے گا۔ خدا تعالیٰ کے یہاں اس قدر رحمت ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپیہ میں سے اتنا فلاں شخص کو دیدو تو مالک کی برابر خزانچی کو بھی ثواب ملیگا

(۴۷۰) فرمایا کہ چندہ دبا ؤ ڈالکر ہرگز نہ لو۔ خدا کے دین کے کام کبھی رکے نہیں رہتے دین کے کام میں دنیا خدا کو دینا ہے اور خدا کو کسی کی ضرورت نہیں اس لئے خدا کے حکم کے خلاف مت کرو باقی ہم کو دینے کی ترغیب اس لئے دی گئی ہے کہ اس میں ہمارا نفع ہے کہ صدقات بڑھائے جاویں اور ہمارے لئے آخرت میں خزانہ جمع ہوجاوے گا۔ ورنہ جس کا جی چاہے امتحان کرلے کہ خدا کا کام کسی کے دینے نہ دینے پر موقوف نہیں رہتا وہ ہوکر رہتا ہے البتہ نہ دینے سے تم خود خیر سے محروم رہ جاؤ گے۔

(۴۷۱) فرمایا کہ شریعت نے دوسرے کے دکھ اور تکلیف میں مدد کرنے کا نہایت اہتمام کے ساتھ حکم کیا ہے۔ مگر افسوس ہیں آجکل بالکل اس کی پرواہ نہیں کہ دوسرے کو نفع پہنچا دیں ایسے بخیل اور ایسے خود غرض ہوگئے ہیں کہ اپنے لئے تو سب کچھ سامان کرلیتے ہیں۔ جوتہ کا بھی۔ اناج کا بھی کپڑے کا بھی لیکن دوسروں کی فکر مطلق نہیں کرتے کہ مر رہے ہیں یا غمگین ہیں۔

(۴۷۲) فرمایا کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب کہاں تک رحم کریں۔ ہزاروں قابل رحم ہیں۔ ماشاءاللہ بڑی اچھی عقل ہے یعنی اگر سب پر رحم نہ کرسکیں تو دس پر بھی نہ کریں۔ یہ سب نہ کرنے کے بہانے ہیں۔

(۴۷۳) فرمایا کہ اتفاق ہوتا ہے دوسروں کو آرام پہنچانے سے۔ اگر مسلمان اس کا خیال رکھیں کہ دوسروں کو نفع پہنچایا کریں تو سب متفق ہوجاویں۔ اب تو اپنی اپنی دفلی اور اپنا اپنا راگ۔

(۴۷۴) فرمایا کہ بعضے آدمی کہا کرتے ہیں کہ جب اندر سے دینے کا شوق نہ ہوا تو ثواب کیا خاک ہوگا۔ مگر صاحبو اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تو ناگواری میں بھی ثواب ہوتا ہے بلکہ

اس صورت میں زیادہ ثواب ہوگا کہ دل نہیں چاہتا مگر دل پر جبر کرکے دے رہا ہے۔ اس قاعدے سے اگر کسی نے بکراہت یتیم کے سر پر ہاتھ ڈالا اور دل میں نفرت ہے تو اس صورت میں زیادہ ثواب ملے گا کہ نفس تو قبول نہ کرتا تھا مگر تم نے دین کا کام سمجھ کر کیا۔ تو اس کا خیال کرو کہ اگر دل میں شگفتگی نہ ہو تو ثواب نہ ہوگا۔ بلکہ کرو اور زبردستی کرو۔ نفع مطلوب مرتب ہوگا۔

(۴۷۵) فرمایا کہ جتنا جس چیز سے تعلق زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا حق زیادہ ہوگا اور جس قدر تعلق کم ہوگا اسی قدر حق کم ہوگا تو عدل و انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ جس چیز سے تعلق زیادہ ہو سب سے زیادہ اس کے حق کی رعایت کی جاوے۔ اس کے خلاف کرنا ظلم ہے۔ اب سمجھو کہ دنیا والوں میں سب سے زیادہ حق انسان پر اپنی جان کا ہے۔ جو کوئی دوسرے کی ہمدردی میں کسی معصیت کا مرتکب ہو کر خود گنہگار بنے اس نے بڑی حماقت کی اور عدل کے خلاف کیا۔ کہ بڑے حق کو تلف کرکے چھوٹا حق ادا کیا۔ مثلاً خاوند کی چوری کی اور دوسرے کو نفع پہنچایا تو اس کو ہمدردی نہ کہیں گے بلکہ بیوقوفی اور بے تمیزی ہوگی۔ دیکھو کھانا اسے کہیں گے جو ہضم بھی ہو جاوے۔ اگر کوئی بے تمیز پاؤ بھر کی جگہ آدھ سیر کھالیوے اور اس پر بھی بس نہ کرے حتیٰ کہ ساتھ کے ساتھ نکلنے لگے تو اس کو کوئی کھانا نہ کہے گا۔ سب بے تمیزی کہیں گے اور اس کھانے کو زہر سمجھیں گے۔ کیونکہ پیٹ میں رہتا نہیں اور مضر ہو رہا ہے۔

(۴۷۶) فرمایا کہ یہ تو جانور کا خاصہ ہے کہ ایک کو مار دیکھ کر بھی بے فکری سے کھیت کھاتا رہتا ہے

(۴۷۷) فرمایا کہ جو بات اپنے کو ناگوار گزرے وہی مصیبت ہے اور اس پر انا للہ پڑھنا ثواب ہے

(۴۷۸) فرمایا کہ عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ شوہر کی چیز بلا اجازت چندہ میں دیں اور جو چیز ان کی ملک ہو اگرچہ بلا اجازت اس کا دینا جائز ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت شوہر سے مشورہ کرکے دے ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم	روزگارے درین بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس	بر رسولان بلاغ باشد و بس

(۴۷۹) فرمایا کہ منتہی اور کامل کی تعریف یہ ہے کہ اس کو ایسا ملکہ عطا ہو جاوے کہ جس کی وجہ سے نفس کو مغلوب رکھنے پر قادر ہو جاوے۔ اور شیطان اس کو ازجا رفتہ نہ کرسکے۔ اور نہ خود بینی میں مبتلا ہو۔

(۴۸۰) فرمایا کہ مداراۃ کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے کہ وہ دین کی طرف آجاویں اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اول تو خود دین میں

مقصود ہے اور ثانی مقصود میں معین ہے۔ کیونکہ کسی شریر کی ایذا میں مبتلا ہوجانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑجاتا ہے۔ اور اصنث بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان سے مال وجاہ کا نفع حاصل کرے۔ اور مدارات حضرات صوفیہ کے خاص اخلاق سے ہے۔

(۴۸۱) فرمایا کہ حدیث میں ہے۔ البذاذۃ من الایمان یعنی ترک زینت ایمان کے شعبوں میں سے ہے۔ ف۔ وجہ ظاہر ہے کہ مومن کی تمام توجہ آخرت کی طرف رہتی ہے تو اس کی تزئین کی طرف کب توجہ ہوگی۔ اور اس تقریر سے بھی معلوم ہوگیا کہ مراد اس زینت کا ترک ہے جس میں توجہ اور وقت صرف کیا جاوے۔ اگر بدون خاص اہتمام کے زینت کا سامان عطا ہوجاوے تو وہ زینت مذموم نہیں بلکہ اس سے اعراض کرنا اظہار ہے زہد کا جو ایک قسم کی ریا ہے۔ بخصوص جبکہ ترک زینت میں خاص اہتمام کرنا پڑے جو مخل ہوجاوے توجہ الی الآخرۃ میں۔ تو جس علت سے زینت مذموم ہوئی تھی وہ علت چونکہ ترک زینت میں بھی متحقق ہوگئی اس لئے اب اس طرح کی ترک زینت مذموم ہوجاوے گی جس کی طرف عارف شیرازیؒ اشارہ فرماتے ہیں ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بےغش باشد　　　اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

مگر چونکہ اکثر عادۃً زینت محتاج اہتمام ہوتی ہے۔ ترک زینت محتاج اہتمام نہیں ہوتی اس لئے ترک زینت کی مدح فرمائی گئی۔

(۴۸۲) فرمایا کہ حدیث میں ہے بالداخل دھشۃ تتلقوہ بمرحبا یعنی نئے آنے والوں کو (اجنبیت کے سبب) ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے (اس لئے بعضی ضروری باتیں اس کے ذہن میں نہیں آتیں اپنے ہر قول اور ہر فعل میں چکرا جاتا ہے) سو اس کو آؤ بھگت سے لیا کرو (تاکہ طبیعت مانوس ہوکر کھل جاوے اور حواس بجا ہوجاویں اور ہر قول وفعل کا موقع سمجھ سکے پھر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرسکے)۔ (اس حدیث کو دیکھ کر حضرت والا نے اپنے ایک ضابطہ کا معمول بدل دیا یعنی پہلے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ آنے والا خود اپنا اور اپنی حاجت کا ضروری تعارف کرادے۔ اب یہ معمول کرلیا ہے کہ اس کا مقام آمد اور غرض اور اس مقام پر جو مشغلہ تھا پوچھ لیتے ہیں اس سے ضروری حالت معلوم ہوجاتی ہے اور وہ مانوس ہوجاتا ہے۔ پھر جانبین سے تعیین طریق معاملہ میں رعایت ہوتی ہے (جامع)

(۴۸۳) فرمایا کہ حدیث میں ہے البلاء الی من یحبنی اسرع من السیل الی منتھا۔ یعنی جیسا سیلاب اپنی منتہا کی طرف دوڑتا ہے۔ بلا اہل احسان یعنی اہل اخلاق کی طرف اس سے بھی زیادہ

دوڑتی ہے۔ ف مشہور ہے کہ بزرگوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور رہتی ہے یہ حدیث اس کا ماخذ ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا اجر بڑھانا ہوتا ہے۔ اگر بلا نہ ہو تو وہ اعمال کا اجر تو حاصل کر سکتے ہیں مگر بلا و مصیبت پر جو اجر ملتا ہے اس کو کیسے حاصل کر سکتے۔ اور بلا سے مراد اگر بلائے ظاہری ہو جیسا کہ متبادر یہی ہے تب تو یہ اکثری ہے کلی نہیں کیونکہ جن بزرگوں میں ضعف طبیعت کے سبب جو کہ فطری ہے تحمل نہیں ہوتا اور بلا ان کے لئے مضر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر بلا سے عام مراد ہو کہ بلائے باطنی کو بھی شامل ہو تو یہ حکم کلی ہے۔ باطنی احوال سب اہل طریق کو ایسے پیش آتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کا تحمل نہیں کر سکتا جیسے خشیت۔ فکر آخرت ملاحظہ عظمت اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ۔۔۔ حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یبغض الحبر السمین یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں فرماتے اس میں مراد وہ فربہی ہے جو بے فکری سے ہو کیونکہ جو شخص عالم ہو کر آخرت سے بے فکر ہوگا وہ ضرور مبغوض ہوگا۔

(۴۸۴) فرمایا کہ حدیث میں ہے تجد المؤمن مجتھدا فیما یطیق متلھفا علی ما لا یطیق یعنی تو مومن کو اس حال میں پائے گا کہ جو عمل اپنی طاقت میں ہو اس میں کوشش کرتا ہے اور جو اپنی طاقت میں نہ ہو اس پر افسوس کرتا ہے۔ اس سے دو امر ثابت ہوئے کہ ایک تو یہ کہ امور اختیاریہ میں طاقت اور ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ امور غیر اختیاریہ میں اپنے کو تعب میں نہ ڈالنا چاہئے۔ اس کے فوت ہونے پر حزن کافی ہے۔ مگر اس حزن کے درجات ہیں ایک حزن معتدل جو اس عمل کے محبوب ہونے سے اور اپنے عاجز ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے یہ تو محمود ہے کہ عمل حسن کی محبت لوازم ایمان سے ہے۔ اور اپنے عجز کا مشاہدہ عبدیت کا شعبہ ہے۔ دوسرا درجہ حزن مضطرب ہے جس سے قلب میں پریشانی پیدا ہو کر یاس کا غلبہ اور ہمت میں ضعف ہو جاوے یہ مذموم ہے کہ مخل ہے عمل ممکن کہ مقصود تھا۔

(۴۸۵) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو تو پیر او جمعرات کے روز بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور حضرت انبیاء علیہ السلام پر اور باپوں اور ماؤں کے روبرو جمعہ کے روز پیش کئے جاتے ہیں یعنی ملائکہ پیش کرتے ہیں۔ اور ہر نبی پر ان کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور باپوں اور ماؤں سے مراد اصول ہیں پس دادا پردادا اور اسی طرح دادی پردادی۔ نانی

پرنانی سب اس میں داخل ہوگئے) بس وہ (یعنی حضرات انبیا علیہم السلام اور آبا وامہات) ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور خوشی سے ان کے چہروں کی چمک دمک بڑھ جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ کے کام مت کرو اور اپنے مردوں کو ایذا مت دو (یعنی جس طرح وہ حسنات سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح سیئات سے آزردہ ہوتے ہیں تو ان کو آزار اپنے بداعمالیوں سے نہ پہنچاؤ)

(۴۸۶) فرمایا کہ حدیث میں ہے تفقدوا نعالکم عند ابواب المساجد یعنی مساجد کے دروازوں کے پاس پہونچکر اپنی جوتیوں کی دیکھ بھال کرلیا کرو۔ (کوئی گندگی وغیرہ تو نہیں لگی جس سے مسجد آلودہ ہوجانے کا اندیشہ ہو) ف اس سے دو امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسجد کی حفاظت کی جاوے گندگی سے اور یہ مدلول ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ جوتیوں کی حفاظت کی جاوے کہ اپنے ساتھ لے جاوے تاکہ دل پریشان نہ رہے اس سے مفہوم ہوا کہ اپنی چیز کی حفاظت کا اہتمام بقدر ضرورت کرنا شغل مع اللہ کے منافی نہیں بلکہ شغل مع اللہ کا معین ہے۔ ورنہ قلب اس چیز سے متعلق رہتا اور شغل مع اللہ میں خلل پڑتا۔ پس مدعیان طریق جو ایسے اہتمام کو خلاف طریق سمجھتے ہیں یہ غلو ممنوع ہے۔

(۴۸۷) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ تین ایسے شخص ہیں جن کی مدد کرنا خدا کے ذمہ ہے۔ (۱) مجاہد فی سبیل اللہ (۲) وہ مکاتب جو بدل کتابت کے ادا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔ (۳) اور وہ نکاح کرنے والا جو عفت کی زندگی چاہتا ہو۔

(۴۸۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ کوئی فوج اور لشکر جو خدا کے راستہ میں جہاد کرکے سلامت آجاوے اور مال غنیمت حاصل کرلے تو اس نے اپنے جہاد کا دو ثلث اجر حاصل کرلیا اور صرف ایک ثلث آخرت میں پاوے گا۔ اور جو فوج اور لشکر ناکام رہا۔ خائف کیا گیا اور مصیبت پہونچایا گیا تو اس کا اجر اخروی تام رہا یعنی آخرت میں پورا اجر اس کو ملے گا۔ ف اس حدیث سے یہ امر بھی مستفاد ہوا کہ اگر کوئی بعد سعی وکوشش کے طریق سلوک میں ناکام رہا تب بھی اجر آخرت میں ضرور ملے گا بلکہ دوہرا اجر ملے گا۔ ایک تو سعی وکوشش کا دوسرا ناکامی کا۔

(۴۸۹) فرمایا کہ افاضہ اور استفاضہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول مستفیض کی طلب بشرائط کی۔ دوسرے مفیض کے عنایت وسخاوت کی۔

(۴۹۰) فرمایا کہ معاصی میں قنوط ویاس پیدا کرنے کی خاصیت ہے جیسا کہ اعمال صالحہ میں رجاء پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔

(۴۹۱) فرمایا کہ من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خلود بدون قید دوام کے مذکور ہے۔ مدلول آیت کا صرف اس قدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانہ دراز تک عذاب جہنم ہوگا مگر کسی وقت نجات ہوجاویگی گو مدت دراز کے بعد ہی ہو۔ اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہیئے اس میں عبداللہ بن عباسؓ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں مگر جمہور صحابہؓ کے نزدیک قبول ہے پھر صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اس کی توبہ مقبول ہوسکتی ہے۔ جبکہ قواعد شرعیہ سے ہوا اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف مقدم کا رافع ہوتا ہے لہٰذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

(۴۹۲) فرمایا کہ محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے۔ مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنئے کی دوکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے۔ جی ہاں ذرا منہ تو ڈالو۔ ابھی چوہادان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہوجاوے گی پس ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی وعزت۔ کیونکہ بڑائی وعزت سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائیداد بڑھتی ہے۔ محض دل خوش کرلو۔

اضافہ جدیدہ اگر کسی نعمت پر کسی کو جلن ہو تو یہ سوچنا چاہئے کہ بہت سی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے بلا استحقاق مجکو ایسی دی ہیں کہ اس کو نہیں دیں تو اگر ایک نعمت اس کو دیدی تو رنج کرنا بیجا ہے اس سے وہ کلفت جاتی رہے گی۔

(۴۹۳) فرمایا کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کی ایک تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اہل فحشاء ومنکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بہکانے سے روک دیتی ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے۔

(۴۹۴) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر

ہی منتظر ہونے لگتی ہے - یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے -

(۴۹۵) فرمایا کہ بلیٰ ان تصبروا و تتقوا الخ کی شرط بتلارہی ہے کہ حمایت الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں اور تقویٰ کے معنی ہیں احتراز عن المنہیات اور امتثال اوامر جس میں اخلاص اور احتراز عن الریا، وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے -

(۴۹۶) فرمایا کہ نور فہم کسی باقی باللہ فانی فی اللہ کی صحبت کے بدون حاصل نہیں ہوتا اس کے بدون علم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں -

(۴۹۷) فرمایا کہ من صلی صلواتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھذا ھو من الذی له ذمة الله و ذمة رسوله اس حدیث سے ثبوت ذبیحہ گاؤ کے شعار اسلام ہونے کا اس طرح ہوتا ہے کہ ذبیحتنا میں اضافت تخصیص ہے یعنی وہ ذبیحہ جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہے - ظاہر ہے کہ بجز ذبیحہ گاؤ کے اور کوئی نہیں تو پھر اس کے شعار اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا -

(۴۹۸) فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی تھی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کی دہی سے اچھا ہوتا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے وہیں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہوتا ہے صاحب یہ نقصان ہوتا ہے اس دربار میں بہو نچکر اپنے گھر بار یاد کرنے سے - اسی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے بعد لوگوں کو مکہ سے نکالتے تھے اور کہتے تھے یا اھل یمن یمنکم یا اھل الشام شامکم ویا اھل العراق عراقکم یعنی اے یمن والو یمن جاؤ اور اے شام والو شام جاؤ اور یا اہل عراق عراق جاؤ -

(۴۹۹) فرمایا کہ تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کر سکے گا -

(۵۰۰) فرمایا کہ اسلام کا ایک حسن یہ ہے کہ اس کو اپنی اشاعت کیلئے نہ زر کی ضرورت ہے نہ زور کی -

(۵۰۱) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا بال مبارک تقسیم کرنا اپنی تعظیم و عبادت کے لئے نہ تھا بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے ان کے نزاع و قتال کے رفع و دفع کرنے کے لئے تھا - اگر آپ اپنے بالوں کو دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آجاتی -

(۵۰۲) فرمایا کہ تقبیل حجر اسود عظمت کی وجہ سے نہیں بلکہ محبت سے ہے جیسے بیوی بچوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں نیز اس میں ایک نفع یہ ہے کہ وہ شاہد رہے گا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کیلئے

(۵۰۳) فرمایا کہ اجتماع خاطر میں اجتماع ظاہر کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف غیر منتظم سے قلب کو خلجان و پریشانی ہوتی ہے۔ اسی لئے سووا صفتکم کا حکم ہے۔

(۵۰۴) فرمایا کہ معاشرت میں ایک حکم شرعی یہ ہے کہ اپنے غلاموں کی ستر خطائیں روز معاف کرو اس سے زیادہ خطائیں ہوں تو کچھ سزا دو۔ نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز اور غلاموں کا خوب خیال رکھو۔

(۵۰۵) فرمایا کہ اسلام محض اپنی حقانیت سے پھیلا ہے خصوصاً عرب کی قوم جو جنگ جوئی میں شہرۂ آفاق ہیں وہ کبھی اور کسی طرح تلوار کے خوف سے اسلام کو قبول نہ کر سکتی تھی۔ ان کے نزدیک لڑنا مرنا معمولی بات تھی مگر دب کر دین بدلنا سخت عیب تھا۔ وہ ہرگز تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لا سکتے تھے۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر جہاد کس لئے مشروع ہوا تو خوب سمجھ لو کہ جہاد حفاظت اسلام کے لئے مشروع ہوا ہے نہ اشاعت اسلام کے لئے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور ان دونوں کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جہاد کی مثال اپریشن جیسی ہے۔ کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک متعدی، ایک غیر متعدی۔ جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اس کو تو محللات اورام کے ذریعہ سے دبا دیا جاتا ہے۔ کوئی مرہم لگا دیا۔ مالش کر دی جس سے وہ دب گیا اور متعدی مادہ کے لئے اپریشن کیا جاتا ہے اور اس کو چیر کر نکال کر پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جن سے صلح کر لینی مناسب ہوتی ہے وہ صلح کر کے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سے صلح اور مصالحت کر لی جاتی ہے بعض ایسے مفسد اور موذی ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے یہ مادہ متعدیہ ہے ان کے واسطے اپریشن کی ضرورت ہے اسی کا نام جہاد ہے۔ پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔

(۵۰۶) فرمایا کہ محاسن اسلام میں سے ایک امر یہ ہے کہ ہر ہر مذہب کا پورا اثر اس کے خواص متبعین میں ہوا کرتا ہے پس خواص اہل اسلام (اہل اللہ و علماء متقین) کا موازنہ دوسرے مذاہب کے خواص سے کر لیا جاوے اور ان کے پاس ایک دو ہفتہ رہ کر ان کی حالت کو دیکھا جاوے دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ انشاء اللہ خواص اہل اسلام تمام دنیا کے مذہب کے خواص سے افضل ہونگے۔ عبادت خداوندی۔ محبت الٰہی۔ ذکر و فکر خشیت و رغبت آخرت کا جو اثر ان میں نمایاں ہوگا کسی مذہب کے خواص میں ان کا پتہ بھی نہ ملے گا۔ اس وقت ظلمت و نور میں کھلا ہوا فرق نظر آئے گا۔

(۵۰۷) فرمایا کہ ہر چیز میں افراط و تفریط مناسب نہیں بلکہ تعدیل ہی مناسب ہے۔ اور

تعدیل ہر چیز کا وہی ہے جو اس میں حکم شریعت کا ہے۔ مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے اگر اس کا افراط اس قدر کہ وسوسہ اعتراض علی اللہ کا پیدا ہونے لگے مناسب نہیں جیسے کوئی بچہ بیمار ہے سخت روتا چلاتا ہے اس پر رحم کھا کر دعا کرے اور تاخیر صحت سے اعتراض علی اللہ پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں کیوں نہیں قبول کرتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں بات یہ کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو غیظ آتا ہے کہ میری سنت عادیہ میں یہ خلل ڈالنا چاہتا ہے (کیونکہ حق تعالیٰ کی سنت عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب پر مسبب کو مرتب فرماتے ہیں) اور ایسے وقت میں حکم شریعت کا یہی ہے کہ تدبیر کی جاوے اور تدبیر کے مؤثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جاوے۔

(۵۰۸) فرمایا کہ خدا کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے کیونکہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے پھر وہ باختیار مالک ہے (اور تمام اشیاء میں خود مؤثر ہے کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہوگا وہ نہایت کامل ہوگا نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر کیفیت غضب غالب نہیں نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر کیفیت رحمت غالب نہیں بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم و کریم ہے۔ کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں پس معلوم ہوا کہ جو کلام خداوندی ہے اس کے تمام احکام افراط تفریط سے پاک ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے کیونکہ وہ احکام سب کی مصالح کو جامع ہیں۔ نیز ہماری یہ حالت مشاہد ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل ہے۔

(۵۰۹) فرمایا کہ میرا تو دل اس سے کانپتا ہے کہ دوسری شریعتوں کو ناکافی و غیر کامل کہوں نہیں وہ بھی اپنے مخاطبین کے لئے کافی اور کامل تھیں مگر ہماری شریعت مقدسہ اکفی و اکمل ہے۔ اور یہی اکمل ہونا ختم نبوت کی حکمت بھی ہو سکتی ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

(۵۱۰) فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ شریعت نے کئی سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے کو بھی جائز کہا ہے اس میں گو رقم کثیر کا نکالنا گراں ہوگا لیکن بہت بڑا آرام یہ ہے کہ پانچ سال تک بے فکری ہو جاوے گی۔ دوسرے یہ کہ مال مزکی باقی رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مال تلف بھی ہو جاوے

تو اتنی مقدار زکوٰۃ جو پہلے دیدی گئی وہ تلف ہونے سے بچ گئی اور ثواب کا ذخیرہ ہوگیا۔ چوتھے یہ کہ غریب مسلمان بھائیوں کے کاموں میں معین ہوگیا۔

(۵۱۱) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دولت سرا میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی آپ نے دریافت فرمایا کہ سب تقسیم ہوگیا یا کچھ باقی ہے گھر والوں نے عرض کیا کہ صرف ایک ذراع باقی ہے آپ نے فرمایا کہ ذراع ہی فانی ہے اور سب باقی ہے۔

(۵۱۲) فرمایا کہ کمال شریعت یہی ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات کے متعلق مفصل قواعد موجود ہیں کوئی جزئی ایسی نکلنی ممکن نہیں جس کے متعلق شریعت کا حکم نہ ہو۔

(۵۱۳) حالت مصیبت کے احکام حسب ذیل ہیں۔

(۱) فرمایا کہ حالت مصیبت میں ابتلا ہو تو صبر کیا جاوے کہ مومن کی یہی شان ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عجباً للمومن (الی ان قال) ان اصابته سراء شکر فکان خیراً له وان اصابته ضراء صبر فکان خیراً له یعنی مومن کی عجیب حالت ہے کہ اگر اس کو خوشی پہنچتی ہے شکر کرتا ہے اور اگر مصیبت پہنچتی ہے صبر کرتا ہے تو دونوں حالتوں میں نفع رہا۔

(۲) فرمایا کہ خدا کی رحمت سے مصیبت میں مایوس نہ ہو بلکہ فضل وکرم الٰہی کا امیدوار رہے کیونکہ اسباب سے فوق بھی تو کوئی چیز ہے تو یاس کی بات وہ کہے جس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو اہل دین کا طریقہ تو رضا بقضا ہے۔

(۳) مصیبت کی وجہ سے دوسرے احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کرے۔

(۴) خدا سے اس مشکل کے آسان کر دینے کی دعا کرتے رہے اور تدابیر میں بھی مشغول رہے۔ مگر تدبیر کو کارگر نہ سمجھے (اور دعا کا حکم اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعا کے برکت نہیں ہوتی)

(۵) استغفار کرتے رہو یعنی اپنے گناہوں سے معافی چاہو؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات وغم　　آں ز بیباکی وگستاخی ست ہم

غم چو بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کار کن

(۶) اگر مصیبت ہمارے کسی بھائی مسلمان پر نازل ہو تو اس کو اپنے اوپر نازل سمجھا جاوے اس کے لئے ویسی ہی تدبیر کی جائے جیسا کہ اگر اپنے اوپر مصیبت نازل ہوتی تو اس وقت خود کرتے۔

(۵۱۴) فرمایا کہ اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو پس جو

شخص بیمار ہوا اور دل کو پریشان پائے اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے اور اگر دل پریشان نہیں بلکہ صابر و شاکر ہے تو یہ ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجب رفع درجات ہے۔

(۵۱۵) فرمایا کہ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں آپ کے ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کا کون سا مقام ہے کیا آپ غوث ہیں آپ نے فرمایا نزہ شیخک والغوثیۃ یعنی اپنے شیخ کو مرتبہ غوثیہ سے برتر سمجھو۔ پھر اس نے عرض کیا کہ پھر آپ قطب ہیں۔ نزہ شیخک عن القطبیۃ یعنی اپنے شیخ کو مرتبہ قطبیہ سے برتر سمجھو۔ پھر فرمایا کہ حق تعالٰی نے تمام ارواح اولیا کو جمع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو جس کا جی چاہے مانگے۔ ہر ایک نے جو اس کے دل میں تھا عرض کیا۔ کسی نے مرتبہ غوثیہ طلب کیا کسی نے مرتبہ قطبیت۔ یہاں تک کہ نوبت مجھ تک پہونچی تو میں نے عرض کیا۔ رب انی ارید ان لا ارید واختار ان لا اختیار یعنی الٰہی میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں اور یہ تجویز کرتا ہوں کہ کچھ تجویز نہ کروں فاعطانی مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اھل ھذا العصر پس مجھے وہ چیز عنایت ہوئی جو اس زمانہ والوں میں سے نہ کسی کی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کے کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر گذری (اس سے معلوم ہوا کہ شیخ اپنے مرید کے تسلی کے لئے اپنے مقام کی اطلاع دے سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تفویض نہایت اعلیٰ مقام ہے)

(۵۱۶) فرمایا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہو کر بھی عمل مقبول ہو جاتا ہے۔ خالی الذہن کے معنی یہ ہیں کہ نہ دکھاوے کی نیت ہو نہ خدا کے لئے نیت ہو۔

(۵۱۷) فرمایا کہ اصل ریا دل میں ہوتی ہے۔ ہاں صورت ریا جائز ہے۔

(۵۱۸) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو جگہ خیلا (تفاخر) جائز ہے ایک صدقہ میں دوسرے عدو دین کے مقابلہ میں۔

(۵۱۹) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قطاۃ پرندہ کے گھونسلے کے برابر بھی کوئی مسجد بنا دے تو اس کے لئے جنت میں گھر بنے گا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اتنی چھوٹی مسجد مسجد ہی نہ ہوگی تو اگرچہ اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ تمام اہل زبان میں مبالغہ کلام کا حسن سمجھا جاتا ہے۔ مگر حدیث کا دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے مسجد میں مثلاً سہ ردکے جس سے عمارت

مسجد میں سے اس کے حصہ میں گھونسلہ کی برابر جگہ آئی تو اس کو بھی جنت میں پورا ملے گا گھر اگرچہ اس نے پوری مسجد نہیں بنائی پس اگر کسی نے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی دیا تب بھی نجات کے لئے ویسا ہی کافی ہے جیسا کہ ہزار دو ہزار۔

(۵۲۰) فرمایا کہ غرباء کے چندہ کی قدر کرنی چاہئے اور ان پر ہنسنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ بڑا جرم ہے تعزیرات الٰہیہ کا۔ لقولہ تعالیٰ والذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقات والذین لا یجدون الا جهدهم فیسخرون منهم سخر الله منهم ولهم عذاب الیم شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تو اتنا لائے کہ اٹھ بھی نہ سکا اور ایک صحابی جو کے دانے لائے منافقین دونوں پر ہنسے ایک کو ریاکار بنایا ایک کو بے شرم۔

(۵۲۱) فرمایا کہ تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے کہ مجھے اپنے مقبول بندے کو چھیڑنے پر ایسا غصہ آتا ہے جیسے شیر کے بچوں کو چھیڑنے پر شیر کو ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　　با درد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

ہیچ قومے را خدا رسوانہ کرد　　　تا دل صاحبدلے نامد بدرد

چنانچہ ایک ایک مقبول بندے کے ستانے پر شہر کے شہر تباہ کردیئے گئے ہیں۔

(۵۲۲) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا و استغفار اس وقت مفید ہوسکتی ہے کہ گناہ کرنے والا خود بھی توبہ کرنا چاہے۔

(۵۲۳) فرمایا کہ دیکھو حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ دین کے کاموں میں خرچ کرنے کو فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنا کہا۔ معاذ اللہ کیا اس میں کوئی خدا کا نفع ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ خرچ واقع میں فی سبیل انفسکم ہے اس لحاظ سے تو اگر یہ قانون کردیا جاتا کہ صدقہ اس شخص کا قبول ہوگا جو پہلے اتنی فیس داخل کرے تو ہم کو فیس دے کر خرچ کرنا چاہئے تھا کیونکہ ہمارے نفع کا کام تھا۔ مگر افسوس آجکل مسلمانوں کو بنکوں میں تو روپیہ داخل کرنے کی ہوس ہے اور خدا کے پاس جمع کرنے کی ہوس نہیں۔

(۵۲۴) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرها واجر من عمل بها۔ یعنی بانی (ابتدا کرنے والے) کو بہت زیادہ ملتا ہے۔ اگر بعض کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو چندہ میں ابتدا نہیں کرسکے ہم کو یہ ثواب نہ ملے گا تو سمجھو کہ جب مجمع میں چندہ ہوتا ہے تو ہر ایک دوسرے کے لئے بانی ہو

یعنی بعض مرتبہ ایک شخص کے دینے سے دوسرا ابھر جاتا ہے تو وہ اس کے لئے بانی و محرک ہوا۔ اس کے دینے کا ثواب اس کو بھی ملے گا۔ حاصل یہ کہ بانی عام ہے اضافی ہو یا حقیقی۔

(۵۲۵) فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا اور بہت سے کفار مارے گئے اور بہت سے قید ہو کر آئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لو کان مطعم بن عدی حیًّا وکلمنی فی ھؤلاء النتنی لترکبھم لہ کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان گندہ کفار کی بابت گفتگو کرتے تو میں ان کی خاطر چھوڑ دیتا بعض روایتوں میں ہے کان بشکر لہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شکر گذاری کے لئے ایسا فرماتے تھے کیونکہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے باشندے مسلمان ہو جاویں اور وہاں تکالیف سے نجات ملے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ نہایت گستاخانہ سلوک کیا۔ تو آپ بد دل ہو کر پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لائے اور مطعم بن عدی کو اطلاع فرمائی کہ اگر اہل مکہ مجھے امن دیں تو شہر میں آؤں ورنہ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔ اس وقت مطعم بن عدی نے اہل مکہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پناہ دی خبردار کوئی ان کو ہاتھ نہ لگائے چنانچہ اس وقت ہجرت مدینہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ کی وجہ سے مکہ میں تشریف فرما رہے ان کی اس ہمدردی کا ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکریہ ظاہر فرماتے تھے۔ اسی کے صلہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت بعینہ یہی حالت ہے ان احکام کے ساتھ کہ جس طرح مطعم بن عدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی اور آپ ان کے ممنون و شکر گزار تھے۔ اسی طرح حکام وقت ہمارے محافظ ہیں اور ہمارے امن کے ذمہ دار ہیں۔ ہم کو بھی ان کا شکر گزار رہنا چاہئے جس کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ کوئی ایسی شورش نہ کریں جس سے حکام تشویش میں پڑ جاویں۔

(۵۲۶) فرمایا کہ نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا وہ بالذات تو بدذات نہ تھا نفس ہی کے کید میں آکر بدذات ہوا تو یہ نفس شیطان کا بھی باپ ہوا۔

(۵۲۷) فرمایا کہ الحزم سوء الظن اس کی تفسیر میں حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا تھا کہ اے نیفر یعنی دانائی و احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن ہی رکھے۔ کسی وقت مطمئن نہ ہو۔ ہمیشہ کھٹکتا رہے۔ اگرچہ حکماء نے اس جملے کے دوسرے معنی بھی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے۔ احتیاط رکھے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو۔ معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے

(۵۲۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح فرماتے تھے کہ میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان کے قدموں کی زیارت کو موجب نجات جانتا ہوں کیونکہ وہ یقیناً اچھے ہیں اور ان کے اچھے ہونے کی میرے پاس دلیل یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود میرے ناچیز ہونے کے حسن ظن رکھتے ہیں۔

(۵۲۹) فرمایا کہ برکت کی حقیقت ہے کثرت نفع۔ اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا ثابت ہو جاوے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا۔

(۵۳۰) فرمایا کہ یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر جمع ہوں ایک اشد اور دوسرا اہون تو اہون کو اختیار کرنا چاہئے مثلاً باپ نے جو بچہ کو بے راہی کرنے پر مارا تو یہ مارنا بھی بچہ کے حق میں ایک درجہ کا ضرر ہے اور دوسرا ضرر یعنی بے راہی اس سے اشد ہے۔ کیونکہ بے راہی اگر بچہ اختیار کئے رہا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا مثلاً وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے کہ اس سے آیندہ کو اس سے بہت ضرر ہوگا۔ اور یہ ضرر پہلے ضرر سے اشد ہے اس لئے باپ نے اہون کو اختیار کیا تاکہ بچہ اشد الضررین سے محفوظ رہے۔ اسی طرح بعض مشورے ہمارے ایسے ہیں کہ ان سے دنیا کا ایک گونہ ضرر ہے مگر چونکہ وہ ضرر اہون ہے اس ضرر سے جو آزاد چھوڑ دینے پر پیش آنے والا ہے اس لئے اشد الضررین سے بچانے کے لئے اہون کو اختیار کیا گیا۔ اور وہ ضرر اشد دین کی خرابی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی ضرر نہیں۔ اگر اس کا نام مخالفت ہے تو باپ ماں اور استاد سب مخالف ہیں اور واقع میں اہون کو اختیار کرنا تو اصلاح ہے مدعیان ترقی نے ہمیں خوامخواہ اپنا مخالف سمجھ لیا ہے ہم کو ماحی ترقی کہتے ہیں۔ مگر واقع میں ہم ماحی نہیں ہم تو ایسی ترقی کے حامی ہیں کہ سات پشت تک اس کی برکت چلی جاوے۔ خوب سمجھ لیجئے منافع دنیا کے دو درجے ہیں ایک تو وہ جس میں دین کا ضرر ہو اور دوسرا وہ جس میں دین کا ضرر نہ ہو۔ مولوی پہلی ترقی کے حامی اور دوسرے کے ماحی ہیں جس طرح گورنمنٹ کو حامی ترقی دنیا کہا جاتا ہے مگر باوجود اس کے گورنمنٹ ہی کا قانون ہے کہ ڈکیتی بڑا جرم ہے۔ حالانکہ وہ بھی ترقی ہے اور ترقی بھی کیسی کہ ایک رات میں آدمی مالامال ہو جاوے مگر گورنمنٹ اس ترقی کی حامی نہیں۔

(۵۳۱) فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں۔

(۵۳۲) فرمایا کہ ایک حدیث میں ہے جو شخص رات کو اٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا۔

(۵۳۳) فرمایا کہ نفس کا ایک خفی کید یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہوکر رہے اور اس میں اس کو حظ ہوتا ہے اس لئے بعضے آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اخیر شب ہی میں جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس امتیاز میں حظ ہو۔ سو یہ عجب ہے اور عجب ایسی بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہوجاتا ہے۔

(۵۳۴) فرمایا کہ سلف نے تو معاشرت تک میں اس کا اہتمام کیا ہے کہ اپنی نظر میں پسندیدہ نہ ہوں چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بار کرتہ پہنا اور اس کی آستینیں خوبصورت معلوم ہوئیں آپ نے ان کو تراش ڈالا کہ بدشکل ہوجائیں۔ حضرت عمرؓ کو کسی نے مسلمانوں کے گھروں میں پانی بھرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں فرمایا کہ میں اس وقت اپنے نفس کا علاج کر رہا ہوں اس وقت دو شخص ہرقل کی طرف سے میرے پاس آئے تھے اور میرے عدل کی تعریف کی جس سے میرا نفس خوش ہوا میں نے اس کا علاج کیا۔

(۵۳۵) فرمایا کہ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا تھا کہ ہم میں اور صحابہ میں کیا فرق ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر صحابہ آجکل کے لوگوں کو دیکھتے تو وہ ان کو کافر کہتے اور یہ ان کو پاگل سڑی خیال کرتے۔ واقعی دونوں حکایت اوپر کی اس کی شاہد ہیں۔

(۵۳۶) فرمایا کہ جب عمل شاق میں عجب کا احتمال ہو تو ایسے موقع پر عمل شاق کا انتظار نہ کرے اس کا بالکل اہتمام نہ کرے کہ ہیئت ممتاز ہی ہو۔ کسی نیکی کو جو بھی میسر ہو جاوے حقیر نہ جانے مثلاً یہ انتظار نہ کرے کہ اخیر شب ہی کی فضیلت ہے۔ اگر اس وقت جاگنا شاق ہو عشا ہی کے وقت تہجد پڑھنے پر قناعت کرے۔

(۵۳۷) فرمایا کہ لوگ سختی کے معنی سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اصل میں سخت وہ ہے کہ قانون سخت ہو اگر قانون تو سہل و نرم ہو لیکن اس کی پابندی سختی کے ساتھ کرائی جاوے تو اس کو سخت نہ کہیں گے مثلاً نماز کہ سارے ارکان سہل ہیں لیکن اس کی عدم ادائگی پر سخت وعیدیں ہیں۔ نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حدود بھی جاری کئے گئے مگر ان پر بھی حق تعالے نے انک علی خلق عظیم فرمایا۔

(۵۳۸) فرمایا کہ وقف بھی چونکہ ایک رکن مذہبی ہے اس لئے گورنمنٹ کی مداخلت اس میں جائز نہیں جیسا کہ نماز و روزہ زکوٰۃ وغیرہ میں مداخلت جائز نہیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق میں بھی یہی حکم ہے اگر شبہ ہو کہ شوہر تین طلاق دے کر پھر رکھنا چاہتا ہے تو مطلقہ کا استخلاص عدالت کفار سے کو شرعاً جائز ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گورنمنٹ سے امداد وقوع طلاق کا وہ نہیں لیتی بلکہ اثر طلاق

میں امداد چاہتی ہے یعنی طلاق کے بعد جو اس کو آزادی ہونی چاہئے اس میں امداد چاہتی ہے اور اس طرح اپنے کو ضرر سے بچانا چاہتی ہے۔ پھر اگر شبہ ہو کہ وقف میں بھی متولیان سخت گڑ بڑی مچاتے ہیں اور مال وقف کو کھا ڈالتے ہیں اور مساکین محروم رہ جاتے ہیں۔ اس طرح مساکین کا ضرر ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ صورت عدم النفع کی ہے نہ کہ ضرر کی۔ اس لئے وقف کو استخلاص مطلقہ پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ متولیوں کی گڑ بڑی سے مساکین کا ضرر نہیں ہاں عدم نفع ضرور ہے۔ مثلاً کسی کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال کر لے یہ تو اس کا ضرر ہے اور اگر کوئی شخص اس کو سو روپیہ کا نوٹ دینے والا تھا مگر دیا نہیں یا کسی نے دینے نہیں دیا تو یہ جس کو دینے والا تھا اس کا ضرر نہیں ہوا۔ بلکہ عدم نفع کی صورت ہوئی بس ضرر اور ہے اور عدم نفع اور۔

(۵۳۹) فرمایا کہ جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہیں ہوئی اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں۔ وہ تو مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں مظالم حکام تو ہمیشہ ہی پیش آتے رہے لیکن پھر بھی نصوص میں جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے۔ تو اس اعتبار سے یہ جدید مخترعہ تدابیر مسکوت عنہا نہ ہوں گی بلکہ منہی عنہا ہوں گی کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے ان کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہیں۔

(۵۴۰) فرمایا کہ ہر شخص کا یہ فطری امر ہونا چاہئے کہ مصالح دینویہ کو شریعت مقدسہ پر مقدم نہ کرے۔

(۵۴۱) مسئلہ خلافت کے متعلق فرمایا کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے اس میں ضرورت ہی اتفاق کی حدوثاً بھی بقاءً بھی۔ اول تو مجھ کو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے۔ لیکن اگر علی سبیل التنزل مان بھی لیا جاوے تو بقا کا کون ذمہ دار ہے اس لئے کہ بقاء کے لئے صرف ارادت کافی نہیں بلکہ قہر و قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت امیر المومنین ہے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر یا سردار نہیں جو ان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے جو روح ہے اس کام کے کرنے کی تو خلاصہ شرط یہ ٹھیرا کہ مسلمانوں کا کوئی امیر المؤمنین ہو۔ اصول شرعیہ کے ماتحت ہو کر کام کرو۔ جوش سے کام مت لو۔ ہوش سے کام لو جوش کا انجام خراب نکلے گا۔ حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو۔ حضرات صحابہؓ تو عین قتال کے وقت بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے جس پر آج ہم کو فخر ہے۔ اگر دین نہ رہا اور احکام اسلام پامال کر کے کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہوگا۔ کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہمدردی کہلائی جا سکتی ہے اجی جان دینا تو مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی جان بھی کمبخت دی اور فلجان مول لیا کہ جس کام کے لئے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں یوں ہی بیٹھے بٹھلائے جا کر جان دینا کون سی انسانیت ہے

عوام کے بھروسہ جبکہ ان میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا نہایت خطرناک بات ہے اور یہ خطرہ دنیا ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کا اثر دین پر بھی ہو گا اور یہ نہایت قوی اندیشہ ہے۔

(۲ ۴ ۵) ایک شخص نے لکھا کہ اکثر سوچا کرتا ہوں کہ بیوی سے چند روز کی جدائی میں تو دل پریشاں جاتی ہے۔ دائمی مفارقت کے وقت کیا گزرے گی فرمایا اول تو مومن کی من جانب اللہ اعانت ہوتی ہے وقوع کے وقت اللہ تعالیٰ کا تعلق ایسا غالب کر دیا جاتا ہے کہ دوسرے تعلقات مغلوب ہو جاتے ہیں۔ گو حزن طبعی کسی درجہ میں رہے۔ جیسے موت کی کراہت حیات میں کسی درجہ میں ہوتی ہے مگر عین موت کے وقت اکثر تو یہ کراہت مبدل بہ شوق اور اقل درجہ مبدل بہ گوارائی ہو جاتی ہے۔ کما ورد فی الحدیث ویشاهد کثیراً۔

(۳ ۴ ۵) فرمایا کہ جنت میں یہ بیبیاں حوروں سے افضل و اجمل ہوں گی۔ اور اجمل کی طلب نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف نقل اس لئے اپنی بیویوں کے ملنے کے لئے دعا کرنا نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف نقل۔

(۴ ۴ ۵) فرمایا کہ ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرنے کا قصد کیا جاوے پھر خواہ کچھ ہی منہ سے نکلے معذور ہے اور اگر قصداً غلط پڑھے گا گناہ ہو گا۔ باقی صحت صلوٰۃ اس میں اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ بلوی کے سبب نماز صحیح ہو جاوے گی۔ البتہ اقتدا صحیح خواں کی اس میں بھی اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ غیر قادر علی الاداء الصحیح کے پیچھے نماز ہو جاوے گی اور قادر غلط خواں کے پیچھے نہ ہو گی۔

(۵ ۴ ۵) فرمایا کہ جانی یا مالی نقصان وغیرہ پر اگر رنج طبعی ہو مگر حق تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو تو وہ تفویض کے منافی نہیں۔

(۶ ۴ ۵) فرمایا کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کا ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے۔ اور تفویض یہ ہے کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے بس تفویض کی حقیقت توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے (التوکل بدایۃ۔ والتسلیم واسطۃ والتفویض نہایۃ)

(۷ ۴ ۵) فرمایا کہ تکبر کا ایک علاج یہ ہے کہ عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کئے جاویں مثلاً

کپڑے میں پیوند لگا کر پہنے بلکہ غیر میل کا پیوند لگالے۔ اگر اتنا اور کرے کہ ایک ہفتہ یا ایک مہینہ تو ایسا لباس پہنے اور ایک ہفتہ یا ایک مہینہ عمدہ لباس پہنے تو اس طرح چونکہ نفس کو زیادہ انقباض ہو گا اس لئے زیادہ مجاہدہ اور جلد اصلاح ہو گی۔

(۵۴۸) فرمایا کہ شیخ اور مرید کی مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں۔ اور یہی مناسبت شرط ہے بیعت کی نہ کہ تعلیم کی۔

(۵۴۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے۔ عفوا عن نساء المسلمین تعف نساءکم و برّوا آباءکم تبرکم ابناءکم یعنی تم مسلمانوں کی عورتوں سے بچتے رہو تو تمہاری عورتیں باعصمت رہیں گی۔ تم اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھو تو تمہاری اولاد تمہارا ادب کرے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے اور ان کی عصمت برباد کرتا ہے اس کی عورتوں کی بھی عصمت برباد ہو جاتی ہے۔

(۵۵۰) فرمایا کہ اگرچہ کفار پر آخرت میں رحمت خاص نہ ہو گی مگر عام رحمت ایک معنی کر آخرت میں ان پر بھی ہو گی۔ کیونکہ جس قدر عذاب کفار کو آخرت میں دیا جائے گا کفار اس سے زیادہ کے مستحق تھے اور حق سبحانہ تعالےٰ اس سے زیادہ پر قادر بھی ہیں مگر اس استحقاق سے وہ عذاب ہلکا ہی ہو گا۔

(۵۵۱) فرمایا کہ اللہ اللہ کہنا اگر خلوص سے بھی نہ ہو تب بھی بیکار نہیں کہنے سے استعداد تو ہو جاوے گی اور یہ اول یا رہی کہنا آئندہ عمل پر معین ہو جائے گا۔ لہذا ادنیٰ عمل کو بھی بیکار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی ذکر عمل سے خالی نہ رہنے دو اسی لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہے کہ کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(۵۵۲) فرمایا کہ شب قدر میں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال شروع کردے جاویں تاکہ توجہ منقسم رہے۔ کچھ دیر نوافل پڑھ لئے پھر تلاوت کرلی۔ پھر ذکر کرنے لگے پھر وعظ شروع کر دیا یا سننے لگے اگر تجدید نشاط کے لئے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کرے تو مضائقہ نہیں جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضہ سے باتیں کرلیتے تھے۔ باتیں مقصود نہ تھیں بلکہ طبیعت کی تازگی کے لئے ایسا فرماتے۔ اسی طرح نفس کو خوش رکھ کر جاگے اور اگر تکان ایسا ہو جاوے کہ نیند سے بھی بے قابو ہو جاوے تو سو رہے کیونکہ ارشاد ہے فلیرقد ایسی حالت میں سونے

ہی میں فضیلت ہے۔ بہرحال عبدیت مطلوب ہے خواہ سونے میں ہو یا جاگنے میں۔ اپنے کو خدا کے سپرد کر دے جیسا کہ حکم ہو وہی کرے۔ اتباع نفس کے لئے کچھ نہ کرے۔ یہی عبدیت ہے۔

(۵۵۳) فرمایا کہ اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں، دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔

(۵۵۴) فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے۔ اس معنی کر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو اس کی توفیق دی۔ اس معنی کر یہ فعل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا کا عطیہ ہے اور حق تعالےٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔

(۵۵۵) فرمایا کہ حق تعالےٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ کوئی بھی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنایت سے ہو سکتی ہے جس کے لئے ادنیٰ سبب بھی کافی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک ذاکر شاغل کی بخشش محض اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔

(۵۵۶) فرمایا کہ بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ۔ دس بیس پچاس روپے جیسی گنجائش ہو۔

(۵۵۷) فرمایا کہ عورتیں غایت حیا سے آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں۔ ایسی رسم قابل ترک ہے جس سے سنت متروک ہو جاوے۔ عورتیں مردوں کو گو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کر لیا کریں۔ اور مردوں میں بھی جو محرم ہوں ان کو سلام کر لیا کریں۔

(۵۵۸) عورتوں کی اصلاح خاوند سے بہ نسبت پیر کے زیادہ ہو سکتی ہے۔

(۵۵۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے استوصوا بالنساء خیرا فانما عن عوان عندکم یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں۔ اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو۔ اور ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔ لفظ عوان سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقید ہو کر رہنے ہی کا نام تو پردہ ہے۔ نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشا حیا اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا

باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے۔

(۵۶۰) فرمایا کہ قید حبس خلاف طبع کو کہتے ہیں اور جو حبس خلاف طبع نہ ہو اس کو قید ہرگز نہ کہیں گے ورنہ پاخانہ میں جو آدمی پردہ کرکے بیٹھتا ہے اس کو بھی قید کہنا چاہئے مگر اس کو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ حبس خلاف طبع نہیں بلکہ موافق طبع ہے۔ اسی طرح عورتوں کا پردہ میں رہنا قید موافق طبع ہے اس لئے اس کو عرفی قید نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۱) فرمایا کہ مردوں کو غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالٰے نے کس عمدہ پیرایہ میں عورتوں کی سفارش کی ہے۔ فرماتے ہیں وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا یعنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالٰے نے اس میں بہت بھلائیاں رکھدی ہوں مثلاً عورت کی بدخلقی پر صبر کرنے سے اجر کثیر کا وعدہ ہے یا مثلاً اس سے کوئی اولاد ہوجاوے جو قیامت میں اس کی دستگیری کرے۔

(۵۶۲) فرمایا کہ کبر وعظمت واستیلا انسان کے لئے احکام تکوینیہ ہیں اور تواضع وانکسار واضمحلال احکام تشریعیہ پس ایک کی وجہ سے دوسرے کی نفی نہ کی جاوے گی اور کبر وعظمت کے مقتضا پر عمل کرنے سے تو تواضع وانکسار واضمحلال مفقود ہوتے ہیں اس لئے یہ جائز نہیں اور تواضع وانکسار واضمحلال پر عمل کرنے سے کبر وعظمت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ تحقیق پھر بھی رہے گی گو درجہ مادہ میں سہی اور مقصود تکوین کا محض تحقیق ہے نہ کہ عمل جیسا کہ تشریع سے مقصود عمل ہے پس یہی صورت متعین ہوگی کہ صفات عظمت صرف درجہ مادہ تک رہیں اور صفات عبدیت درجہ عمل میں اس طرح سے دونوں جمع ہوجاویں گے۔

(۵۶۳) فرمایا کہ جس کیفیت میں عقلیت کا غلبہ ہوگا وہ اس سے افضل ہوگی جس میں طبیعت کا غلبہ ہوگا کیونکہ طبیعت کے غلبہ میں خطرہ رہتا ہے اختلال نظام اعمال کا بخلاف غلبہ عقیدت کے اور شان عقلیت کے غلبہ کی کیفیت مشابہ ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی کیفیات کے۔ اسی لئے لو تعلمون ما اعلم کے ساتھ دوسروں کے لئے تو ضحک قلیل وبکاء کثیر وعدم تلذذ بالنساء لازم فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باوجود اس علم کے اصلی دارقلا والتزوج والصوم والفطر کا حکم کیا گیا۔

(۵۶۴) فرمایا کہ شیخ کا اتباع مطلق و اطاعت مطلقہ نہ عقائد میں ہے نہ کشفیات میں نہ جمیع مسائل میں نہ امور معاشیہ میں (مثلاً شیخ طالب سے کہے کہ تم اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے یا کسی اور سے کر دو) صرف طرق تربیت تشخیص امراض و تجویز تدابیر اور ان مسائل میں ہے جن کا تعلق اصلاح و تربیت باطنی سے ہے وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ ان کا جواز مرید و شیخ کے درمیان متفق علیہ ہو اور اگر اختلاف ہو تو شیخ سے مناظرہ کرنا تو خلاف طریق ہے اور امتثال امر خلاف شریعت ہے ایسی صورت میں ادب جامع بین ادبین یہ ہے کہ علماء سے استفتا کر کے یا اپنی تحقیق سے حکم متعین کر کے شیخ کو اطلاع کرے کہ میں فلاں عمل کو جائز نہیں سمجھتا اور ہمارے سلسلہ میں اس کی تعلیم ہے مجھکو کیا کرنا چاہئے اس پر اگر شیخ پھر بھی وہی حکم دے تو اس شیخ کو چھوڑ دینا چاہئے اور اگر وہ ترک کی اجازت دے تو یہ بھی اس کی متابعت ہے۔ یہ معنی ہیں اتباع کامل کے یعنی جو مرض نفسانی اس نے تجویز کیا ہو یا جو تدبیر اس نے تجویز کی ہو یا جو عمل مشروع جس کا مشروع ہونا شیخ و مرید میں متفق علیہ ہو تجویز کیا ہو۔ ان چیزوں میں اتباع کامل کرے ذرا بھی اپنی رائے کو دخل نہ دے اور باقی امور میں اتباع مراد نہیں۔

(۵۶۵) ایک اجازت یافتہ کے شغف در شاعری کے متعلق حسب ذیل علاج فرمایا۔

شاعری کے دو درجے ہیں ایک تصنیف یعنی شعر گوئی۔ دوسرا درجہ نقل یعنی شعر خوانی سو شعر گوئی تو چند روز کے لئے بالکل ہی چھوڑ دیجئے۔ اس چند روز کی کوئی مدت معین نہیں اس کی اجمالی حد یہی ہے کہ اگر کبھی بہت ہی تقاضا ہو مجھ کو اطلاع کر کے مشورہ کر لیا جاوے سو اگر کسی خاص حدود و قیود سے اجازت مصلحت ہو گی تنگی نہ کی جاوے گی اور خلاف مصلحت میں توسع نہ کیا جاوے گا۔ یہ تو شعر گوئی کے متعلق ہوا۔ رہی شعر خوانی بطور مشغلہ کے اپنے حظ کے لئے سو بلا ضرورت تو اس سے بھی بعد ہی مناسب ہے اور اگر کوئی ذی اثر اصرار کرے کہ جواب دینے سے طبیعت پر ثقل ہو اس کے لئے ایک دستور العمل ٹھیرا لیا جاوے وہ یہ کہ (۱) ایک دن میں آدھ گھنٹے سے ایک گھنٹہ تک وقت دیا جاوے۔ گھڑی پاس رکھ کر بیٹھا جاوے اور صاحب فرمائش سے اول کہہ دیا جاوے کہ میرے مشیر نے میرے لئے یہ تجویز کیا ہے اگر منظور ہو تو اس قید کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر اس میں اپنی سہولت و مصلحت دیکھ کر اختیار ہے خواہ گھنٹہ کوئی خاص ہو مثلاً فلاں وقت سے فلاں وقت تک خواہ جس روز جب موقع اور ضرورت ہو۔ اگر دوسرے وقت کوئی فرمائش کرے عذر کر دیا جاوے کہ کل کو وقت دے سکتا ہوں۔ ایک روز میں دوبارہ کی اجازت نہیں۔

(۲) اس گھنٹہ میں سے دس منٹ اور اگر آدھا گھنٹہ ہو تو اس میں سے پانچ منٹ بچا کر کوئی کوئی وعظ ضرور پڑھ دیا جاوے۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی سے اس کی شرط بھی لگا لی جاوے (۳) اس جلسہ کا بالالتزام دعا پر ختم کیا جاوے کہ اس میں جو کدورات و شوائب نفسانیہ ہوں لے اللہ ان کو معاف فرما۔
(۴) اور جتنی دیر یہ مشغولی رہے اندازسے اتنی ہی دیر استغفار کا شغل رکھا جاوے۔ اس کے لئے ایک جگہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں نہ شمار کی ضرورت ہے متفرق اوقات سے اتنا وقت اندازسے پورا کر دیا جاوے فی الحال یہ معمول ۱۳۵۲ھ کے ختم تک کے لئے ہے۔ رمضان میں نصف گھنٹہ سے زیادہ نہ دیا جاوے آخر شوال یا اوائل ذیقعدہ میں پھر مشورہ کر لیا جاوے۔ اور دیگر لسانی گناہوں کو جو لکھا ہے مثلاً غیبت وغیرہ کہ جس سے دوسروں کی دلآزاری ہوتی ہے تو اس کا علاج فی الحال یہ کافی ہے کہ ایسا ہو جانے کے بعد مخاطب کو خوش کر دیا جاوے۔ بڑے سے معذرت کر کے اور چھوٹے کو احسان کر کے

(۵۶۶) فرمایا کہ میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے۔ جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں کر سکتے۔ اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقاید کفریہ کو کفر نہیں کہتے۔ اور کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے۔ کیا اگر مسیلمہ کذاب کو کوئی شخص نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقاید کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائیگا۔

(۵۶۷) فرمایا کہ گو افعال عباد کے ساتھ تقدیر و مشیت الہٰیہ کا تعلق ہے اور اس تعلق کا اثر یہ ہے کہ اس مقدر کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا لیکن ایسے تعلق سے بھی اختیار و قدرت عبد کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تعلق اس طرح ہے کہ فلاں شخص فلاں کام فلاں وقت اپنے اختیار و قدرت سے کریگا تو تقدیر جس طرح اس فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اسی طرح اس فاعل کی قدرت و اختیار کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے سو اگر تعلق تقدیر سے اس فعل کا وقوع لازم آگیا تو اسی تعلق سے وجود اختیار و قدرت کا بھی لازم ہو گیا تو مسئلہ تقدیر سے بجائے نفی قدرت کے قدرت عبد کا وجود اور موکد ہو گیا۔

اضافہ جدیدہ (۱) فرمایا کہ امور اختیاریہ میں عبادت (یعنی پابندی احکام شریعت) اور غیر اختیاریہ میں عبودیت (یعنی تفویض) یہی خلاصہ ہے حیات کے دستور العمل کا۔

(۵۶۸) فرمایا کہ جب ضرورت پیش آتی ہے حکیم صاحب کے پاس خود جاتا ہوں ان کو نہیں بلاتا ایک مرتبہ حکیم صاحب فرمانے لگے کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے۔ میں ہی حاضر ہو جایا کروں گا۔ میں نے کہا نہیں شرم کی کیا بات ہے میرا نہ آنا اور آپ کا بلانا عدل کے خلاف ہے۔ محتاج کو چاہئے کہ وہ محتاج آلیہ

کے پاس جائے اور الحمدللہ یہ سب باتیں میری امور طبعیہ ہیں۔ مجھ کو کوئی اہتمام یا سوچ بچار کرنا نہیں پڑتا۔

(۵۶۹) فرمایا کہ جس کو حق تعالےٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کرکے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا نے مجھکو رکھا ہے۔

(۵۷۰) فرمایا کہ ہر صورت میں مردوں کو اپنے بیبیوں کی قدر کرنا چاہیئے دو وجہ سے ایک تو بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ ان کے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہونچائی جاوے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہیں جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ یہ کوئی بات ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہو ممکن ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک مرد کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو بس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بیکس اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی مقبول فرمالیتے ہیں اور اس کے درجے بڑھا دیتے ہیں۔

(۵۷۱) فرمایا راستہ میں کبھی کوئی اندھا ملتا ہے تو میں بعض اوقات اس کو سلام نہیں کرتا مزاج پرسی بھی نہیں کرتا مگر بعد میں شرما جاتا ہوں اور اپنے کو بیحد ملامت کرتا ہوں کہ یہ تو خیانت ہے

(۵۷۲) فرمایا کہ علت یا حکمت دریافت کرنے میں عوام کے لئے ایک ضرر بھی ہے وہ یہ کہ علت یا حکمت معلوم ہو جانے کے بعد طاعت کی عظمت کا وہ اثر قلب پر نہیں ہوتا جو بدون اس کے معلوم کئے عمل کرنے سے ہوتا ہے پس تم احکام کی حکمت معلوم کرکے اس عظمت کو کیوں کھوتے ہو۔ اور اگر ایسا ہی علم اسرار کا شوق ہے تو اس کی بھی یہی صورت ہے کہ پہلے بدون معلوم کئے ہی شروع کردو کام کرتے کرتے برکات و اسرار خود ہی محسوس ہونے لگتے ہیں۔ وہی سچا عاشق ہے جو علل و حکم کے درپے نہ ہو باقی مجتہدین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ عمل شروع کرنے کی حکمت تلاش نہیں کرتے نہ علت پر عمل کو موقوف رکھتے ہیں بلکہ تعدیہ و استنباط احکام کے لئے علل دریافت کرتے ہیں۔

(۵۷۳) فرمایا کہ اگر پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تکیہ پر سر رکھ کر سو رہو۔ جب طبیعت ہلکی ہو جاوے پھر پڑھنے لگو۔ اور اگر نیند کو زبردستی دفع بھی کیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ صفرا میں اشتعال بڑھ جاتا ہے سودا میں ترقی ہو جاتی ہے

خیالات فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی نیند کی بہت رعایت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ لا تفریط فی النوم۔

(۵۷۴) فرمایا کہ تشدد فی العمل کے متعلق ایک دقیق اور مفید بات یہ ہے کہ جو عمل میں زیادہ کاوش کرتا ہے وہ خاص ثمرات کا منتظر رہتا ہے اگر اس میں دیر ہوتی ہے تو وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود ایسے مجاہدات کے مجھکو اب تک ثمرات کیوں نہ ملے۔ گویا اپنی عبادت پر ناز ہوجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں اور اپنے کو ثمرات کا مستحق سمجھنے لگتا ہے کہ میری عبادت پر ثمرات کا دینا گویا خدا کے ذمہ ہو گیا۔ اور یہ عین کبر ہے۔ اور جو شخص اعتدال سے کرتا ہے تو وہ خیال ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں جس پر ثمرات مرتب ہوتے وہ تو ثمرات کا خیال کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ ایسا شخص صرف فضل کا امیدوار ہوتا ہے۔

(۵۷۵) ایک مولوی صاحب نے مثنوی شریف کے اس مصرع کا مطلب دریافت کیا۔

(مصرع) چشم بند و گوش بند و لب ببند

حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں مولانا کی مراد اشغال نہیں ہیں بلکہ نا مرضیات حق سے پرہیز کرنا ہے۔ یہ اشغال تو صوفیہ نے بہت آخر زمانہ میں جوگیوں سے لئے ہیں۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کی حکایت سن کر خندق کھدوائی بوجہ مفید ہونے کے۔ اور اشغال تو بہت ادنیٰ درجہ کی چیز ہیں اور آجکل تو بزرگوں نے اکثر ان کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ لوگوں پر ضعف غالب ہے اور اشغال سے دماغ، معدہ وغیرہ سب خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس میں ہلاک ہو گئے۔ اور حضرت مولانا رومؒ کے زمانہ میں تو اشغال تھے بھی نہیں۔ یہ تو بہت آخر زمانہ کی ایجاد ہے۔

(۵۷۶) فرمایا کہ لباس کا یہ معیار ہے کہ ایسا لباس پہنے کہ جو خود اس کی طرف ملتفت نہ ہو یعنی اپنی نظر اس پر نہ پڑے۔ اگر کوئی نواب دو سو روپیہ کا جوڑا پہن لے تو وہ اس کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کرے گا بخلاف معمولی غریب آدمی کے کہ اگر وہ پانچ روپیہ کا بھی پہن لے گا تو اس کے پھول بوٹوں ہی کو دیکھا کرے گا۔ اس لئے اُس کے لئے دو سو کا جائز اور اس کے لئے پانچ کا ناجائز۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح اگر کوئی شخص بہت ہی ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنے تو اس کا قلب بھی ضرور اس میں مشغول ہو جائے گا اول تو یہ خیال کرے گا کہ میں بہت ذلیل و خوار ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ میں

ایسا نفس مردہ ہوں کہ مجھے کچھ پروا نہیں اپنی عزت کی۔ بس یہی مشغولی ہے۔

(۵۷۷) ایک صاحب کا ایک لمبا خط آیا جس میں دین و دنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معاملات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیئے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے کوئی تدبیر کر کے دیکھے۔

(۵۷۸) فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو ذکر و شغل تعلیم کیا جاتا ہے۔ جہاں ان کو تھوڑی سی مدت گذری تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ اتنے دن ہو گئے کچھ نہیں ہوا۔ کیا خدائے تعالیٰ کے ذمہ قرض ہے اور کیا تمہارا استحقاق ہے کہ ان کے ذمہ پورا کرنا واجب ہو۔ ایک اشکال اس صورت میں یہ وارد ہوتا ہے کہ ہم سے خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لئے ہم کو ملنا چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کون وعدہ پورا کر رہے ہیں کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں تو گویا تمہارے ایفا نہ کرنے کی حالت میں خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہی نہیں ہوا چنانچہ ارشاد ہے اوفوا بعہدی اوف بعہدکم کہ تم میرے عہد کو پورا کرو تو میں اپنا عہد پورا کرونگا۔ ایسا خیال کرنا حقیقت میں کبر ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہمیں اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ اگر حقیقت کی خبر ہو تو پانچ وقت کی نماز کی توفیق ہونے پر بھی ہمیں تعجب ہو۔ اور معلوم ہو کہ ہم تو اس قابل بھی نہ تھے یہ محض انکا فضل ہے کہ ہمیں اس کی بھی توفیق ہوئی۔ اگر کوئی شخص کسی امیر کے یہاں سڑا ہوا خربزہ لے جاوے اور انعام کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے تو اس کی کیا گت بنے گی ظاہر ہے کہ دربار سے ذلت کے ساتھ نکال دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا وہ فضل ہے کہ ہم کو سڑے ہوئے پر بھی انعام دیتے ہیں اور اپنے دربار سے نہیں نکالتے اس کو ہم غنیمت نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا کہ کیسے درجات۔ اس کا تو ہم کو خطرہ بھی نہیں آتا یہی مدنظر ہے کہ جوتیاں نہ لگیں جس کے ہم مستحق ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص فوجداری کا مجرم ہو اور مستحق جیل خانہ کا ہو اور حاکم اس پر رحم کھا کر بری کر دے اور وہ یوں کہنے لگے کہ مجھے گانوں تو ملے ہی نہیں تو یوں کہا جائیگا کہ تیرا گاؤں ملنا تو یہی ہے کہ تو جیل خانے سے بچ گیا ف اس سے کمال عبدیت اور حقیقت شناسی اور شان تربیت مریدین ظاہر ہے۔

(۵۷۹) فرمایا کہ ذوق پیدا ہوتا ہے اہل اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے جو کہ اعتقاد و انقیاد کے ساتھ ہو کیونکہ یہاں محض تقلید سے کام چلتا ہے چون و چرا کرنے سے کام نہیں چلتا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

جیسے کوئی بچہ استاد کے سامنے الف بے لیکر بیٹھے اور استاد پڑھا دے کہ الف اور کہے بے اور بچہ یوں کہنے لگے کہ الف کی صورت ایسی کیوں ہوئی اور بے کی ایسی کس واسطے ہوئی تو استاد اس سے کہے گا کہ تو اپنے گھر کا راستہ لے۔ بات یہ ہے کہ ابتدا ہر امر کی تقلید محض ہے۔

(۵۸۰) فرمایا کہ طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہ ہونی چاہئے بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں رستہ نظر آجاوے۔ اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقہ ہے۔ بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔

(۵۸۱) فرمایا کہ حاجی صاحب کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و سوزش ہو اور ظاہر میں اتباع ہو اور بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی بھی مٹ جاوے مگر بدون پہلے بزرگی ہوئے فنا حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے انبہ میں شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے۔ شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے جس انبہ میں ترشی نہ آئے وہ شیریں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے۔ بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر فنا حاصل ہوتا ہے۔

(۵۸۲) فرمایا کہ اہل اللہ میں خودداری کہاں۔ گالیاں بھی پڑنے لگیں تو پرواہ نہیں ہوتی گو طبعاً حزن ہو یہ حالت نہیں ہوتی کہ کسی کے برا بھلا کہنے پر اس کے درپے ہوگئے مشورہ کرتے پھر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک طالب علم نے مولوی صاحب کا مقابلہ کیا مگر پھر بھی اس کے درپے نہ ہوئے حالانکہ ان کو اس پر پورا قابو تھا کیونکہ جن کے یہاں وہ ہیں وہ مجسٹریٹ ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا بھی کہ میں اس کو چھ ماہ سے کم نہ بھیجوں گا۔ مگر مولوی صاحب نے کہا کہ میں اپنے نفس کے لئے ایسا نہ کروں گا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک نمونہ اس وقت دکھا دیا۔ مگر یہ مطلب کہ جس کو فنا کا درجہ حاصل نہیں ہوا تو وہ بزرگ نہیں بلکہ فنا یہ ہے کہ بزرگی ہو کر وہ بھی مٹ جاوے جس کی علامت یہ ہے کہ بزرگ ہو کر اپنے کو بزرگ نہ سمجھے۔ اور صاحب فنا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کسی کے گستاخی کرنے پر دل میں خیال بھی نہ آئے۔ ہاں مقتضا پر عمل نہ ہوگا۔ ویسے تو امور طبعیہ ستاتے ہی ہیں۔ اور یہ سب چیزیں خدائے تعالےٰ کا عطیہ ہیں۔ استحقاق کسی کو بھی نہیں۔ مگر ہاں دُھن میں لگا رہے۔

(۵۸۳) فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو۔ یہ بات دین و دنیا کا گر ہے جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار و ہموم سے نجات پاوے گا۔

(۵۸۴) فرمایا کہ تکلفات اور رسوم نے معاشرت کا ناس کر رکھا ہے۔ مجھ کو مبہم بات سے

ایسی پریشانی ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نہ بولنے کو ادب خیال کرتے ہیں۔ یہ تکلفات ایرانیوں سے سیکھی ہیں مبہم بات سنت کے بھی خلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کتنا واضح ہوتا ہے مگر پھر بھی تین تین بار فرماتے تھے۔ صاف کلام کرنا سنت ہے چنانچہ دیکھئے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کون ہے اُس نے کہا انا کہ میں ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ انا انا معنیٰ ہیں میں کیا ہوتا ہے اپنا نام لو۔ بعض لوگ آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ آپ اپنا خادم بنا لیجئے مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرید کر لیجئے۔ مگر یہ کلام مجمل ہے کیونکہ خادم تو عام ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے دامن میں لے لیجئے، اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہئے کہ داماد بنا لیجئے۔ پھر جب تفتیش کر کے پوچھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ تھا کہ مرید کر لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ مجمل بات کہنی ہی نہ چاہئے۔ بلکہ ایسا کلام بولے کہ مقصود پر دلالت مطابقی رکھتا ہو۔ مجمل کلام بولنا تہذیب نہیں تعذیب ہے۔

(۵۰۵) فرمایا کہ شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو زا صالح ہونا کافی نہیں۔ ولی کے لئے صالح ہونے کی ضرورت ہے مصلح ہو یا نہ ہو۔ اور شیخ ولی ہونے کے لئے دونوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ مصلح اگر صالح اور متقی نہیں تو ایسوں کے رستہ بتلانے میں برکت نہیں ہوتی عادۃ اللہ ہے کہ جو ایسوں سے رجوع کرتے ہیں ان کو طریق پر آمادگی نہیں ہوتی۔ شیخ کو چاہئے کہ اپنے لئے خلوت کا بھی کچھ نہ کچھ وقت تجویز کرے اس سے بھی برکت ہوتی ہے۔

(۵۰۶) فرمایا کہ ایک بات سمجھ لینے کے قابل ہے کہ احکام شریعت کے خلاف کرنے سے تو آخرت میں عذاب ہوگا۔ اور آداب طریقت کے خلاف کرنے سے معصیت نہیں ہوتی۔ مگر دنیوی ضرر لاحق ہو جاتا ہے۔ آخرت کا ضرر نہ ہوگا گو کبھی بواسطہ آخرت سے بھی محرومی ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس مخالفت کا اول ضرر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا نام لینے کی حلاوت جاتی رہتی ہے۔ پھر تعطل ہو جاتا ہو پھر ترک مستحب پھر ترک سنت واجبات۔ یہاں تک کہ سلب ایمان کی نوبت آجاتی ہے کہیں اگر اس حالت میں بھی ہمت سے شریعت کا کام کرتا رہے تو آخرت کا نقصان نہیں مگر انشراح و راحت و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ پیر کے ناراض ہو جانے سے اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ اور آداب طریقت سے کوئی ادب غامض نہیں۔ پیر کو مکدر نہ کیا جاوے۔ تعن و اعتراض اس پر نہ ہو۔ پیر سے غلطی ہو جانے پر نصیحت بھی کرے مگر ہو ادب سے۔

(۵۰۷) فرمایا کہ پیر کو مکدر نہ ہونا چاہئے۔ اگر تکدر سے بچنے کا قصد کرے اور تکدر ہو جاوے

تو اس کا اثر نہیں۔ اثر ہوتا ہے قلت مبالات کا۔ پس یہ تین حالتیں ہیں۔ ایک تو دل دکھانے کا قصد ہے دوسرے دل نہ دکھانے کا قصد ہو تیسرے دل نہ دکھانے کا قصد ہو پہلی حالت اشد ہے دوسری اہون۔ تیسری پسندیدہ ہے۔ دوسری حالت کا باعث قلت مبالات ہے جس دل میں محبت وعظمت ہو گی تو بے پروائی نہیں ہو سکتی۔ اگر قلت مبالات ہے اور بے پروائی ہے تو یا تو محبت کم ہے یا عظمت کم ہے۔ اگر محبت وعظمت دونوں نہ ہوں تو ایسے موقع پر عقل سے کام لو سوچ کر کام کرے جس سے تکدر نہ ہو۔

(۵۸۸) فرمایا جس بات میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہئے جس کا عمل اس پر ہو گا۔ اس کی زندگی بڑی حلاوت کی ہو گی خیر دنیا خیر عقبیٰ دونوں اسی کو حاصل ہوں گی۔ لایعنی باتوں میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔

(۵۸۹) فرمایا کہ بڑے بننے میں لوگوں کو حظ ہے حالانکہ چھوٹے ہونے میں حظ ہے کیونکہ بڑے بننے میں سارے بار اس پر آجاتے ہیں۔ ہاں اگر منجانب اللہ کوئی خدمت اس کے سپرد ہو جائے تو اس کی اعانت ہوتی ہے اور خود بڑا بننے میں اعانت نہیں ہوتی۔ مولانا بڑے بننے کی مذمت میں فرماتے ہیں ؎

خویش را رنجور ساز و زار زار — تا ترا بیرون کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم است — بند این از بند آہن کے کم است

اور جبکہ وہ بڑائی بھی جو کہ بلا قصد خود بخود ملے وہ بھی محل خطر ہے تو خود بڑا بننے کا تو کچھ کہنا ہی نہیں اور ایسے لوگ کم ہیں کہ سامان بڑائی کا ہو اور گمان بڑائی کا نہ آوے۔ یہ صدیقین کا کام ہے۔

(۵۹۰) فرمایا کہ جس میں کبر نہیں ہوتا اس کے نزدیک مدح وذم دونوں مساوی ہیں اس پر دونوں کا اثر نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب کی یہی حالت تھی کہ آپ پر مدح وذم کا بالکل اثر نہ ہوتا تھا مولانا رح کی اگر کوئی مدح کرتا آپ اپنے کام میں لگے رہتے اور جھک مار کر چلا جاتا ان کو تو اس سے بحث ہی نہ تھی۔ ان کی نظر حقیقت پر تھی۔

(۵۹۱) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ما بین الخطبتین جب امام جلسہ کرتا ہے تو دعا مانگنا درست ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ دل سے دعا بدون حرکت لسان ہو تو جائز ہے۔ سکوت واجب اور دعا اس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

(۵۹۲) ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو دل قبول نہ کرے تو کیا کرے

فرمایا کہ فتوے پر عمل کرے دل کو دخل نہ دے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ اہل بدعت کی مسجد ہی میں نہ جاوے لیکن اگر اتفاقاً پہنچ جاوے تو پھر ان کے ساتھ ہی پڑھ لے۔ کیونکہ جماعت کو ترک نہ کرنا چاہئے۔

(۵۹۳) ایک عورت نے ایک رشتہ دار کے واسطہ سے یہ شکایت کی کہ دل میں وساوس بہت آتے ہیں اس لئے کوئی وظیفہ بتلایئے۔ فرمایا۔ کہ طبعی حالات نہیں بدلتے جب تک فنائے نفس نہ ہو۔ کمال یہ ہے کہ سب چیز رہے اور پھر کام کرے۔ اس لئے طالب کو یہ دھوکہ نہ دینا چاہئے کہ فلاں وظیفہ سے خیالات دور ہو جاویں گے۔ مقتضیات طبعی کیسے دور ہو سکتے ہیں۔ اس کہنے سے کہ فلاں وظیفہ سے حالات دور ہو جاویں گے۔ اگر دور نہ ہوئے تو وہ اللہ کا نام لینا چھوڑ دے گا اس سے کچھ ہوتا تو ہے ہی نہیں۔ ان کو چاہئے کہ کلمہ پڑھیں۔ استغفار پڑھیں جتنی تسبیح آسان ہو اس قدر پڑھیں پھر مجھکو اطلاع دیں۔

(۵۹۴) فرمایا کہ قطب الارشاد نائب رسول ہوتے ہیں لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں۔ برکات سے متمتع ہونے کی شرط ان کے ساتھ اعتقاد ہے۔

(۵۹۵) ایک صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب اور مجنون میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ مجذوب کی بات میں انجذاب الی اللہ ہوتا ہے اور مجنون کی بات میں نہیں۔

(۵۹۶) ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا لیلۃ القدر کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ کبھی محسوس ہوتے ہیں۔ باقی ایک اثر ضروری یہ ہے کہ اس شب میں جی زیادہ لگتا ہے اور لیلۃ القدر میں پوری شب کی ہی فضیلت ہے یہ نہیں کہ کسی خاص ساعت کی۔ اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دی جاتی۔ جیسے جمعہ میں ایک ساعت کی خبر دی گئی ہے۔ اور لیلۃ القدر کی جہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے عنوان لیلہ سے ہے۔ اور اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں ہوتی ہے اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تمام سال میں دائر سائر ہے۔

(۵۹۷) ایک صاحب نے پوچھا کہ قرآن کس درجہ کے بھولنے پر وعید ہے فرمایا کہ جس درجہ کا یاد تھا جب اس درجہ میں یاد نہ رہے تو داخل وعید ہے۔

(۵۹۸) ایک صاحب نے پوچھا کہ ایک جلسہ میں کئی شخص قرآن شریف جہر سے پڑھ سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اکثر فقہاء کے کلام سے منع معلوم ہوتا ہے مگر میں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں ایسے بعض اقوال نقل کئے ہیں جس سے جواز معلوم ہوتا ہے اور اسی میں وسعت ہے۔

(۵۹۹) فرمایا کہ قابل اعتماد اس شخص کا قول و فعل ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا جس کی یہ شان ہو

؎ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین صفات ہوں محدث ہو۔ فقیہ ہو۔ صوفی ہو تینوں کا جامع ہو۔ بتلائیے کتنے آدمی ایسے ہیں۔ یوں صلحا رسب ہیں۔ اپنے سے سب کو اچھا سمجھے۔ ریل میں بیٹھنا آسان ہے۔ گاڈ ہوتا، ڈرائیور ہونا مشکل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کام گاڈ نے عارضی طور سے کسی مسافر کے سپرد کر دیا ہو لیکن لائن کلیر اس کو نہ ملے گا۔ اگر چہ وہ کہے کہ گارڈ نے میری سپرد فلاں کام کر دیا ہے۔

(۶۰۰) فرمایا کہ کلام اللہ میں ایک دفعہ بسم اللہ بالجہر پڑھنی چاہئے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ بھی مطلق قرآن کی ایک آیت ہے۔ میرا اور میرے استاد کا معمول ہے کہ اقراء پر پڑھتے ہیں وجہ یہ کہ سب سے پہلے یہ نازل ہوئی ہے اور دوسرے اس کا شروع مضمون بھی بسم اللہ پڑھنے کے مناسب ہے کیونکہ فرماتے ہیں اقرء باسم ربک جس میں بسم اللہ پڑھنے کا اشارہ نکلتا ہے اور بعض علماء نے رعایت خلافیات کے سبب کہا ہے کہ اول تراویح میں الحمد پر پہلے پڑھ لے اور مناسب یہ ہے کہ مختلف طور سے پڑھ دیا کرے کبھی کسی سورت کے اول میں کبھی کسی کے قل ھو اللہ تعیین نہیں۔ اور مفلحون تک پڑھنے میں سب کا اتفاق ہے۔ رہا قل ھو اللہ کا تین مرتبہ تو یہ محض معمول ہے کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

(۶۰۱) فرمایا کہ تہذیب اس کا نام ہے کہ بناوٹ نہ ہو۔ صاف بات ہو۔ چنانچہ گاؤں کے لوگ نہایت مخلص ہوتے ہیں۔ نانوتہ کے پاس آبہہ ایک گاؤں ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ وہاں عرصہ تک قیام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی اس موضع میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ہمراہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس گاؤں سے لوگ آتے ہیں اور ان کو یہاں قیام کرنا ہوتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اتنے آدمی ہیں اور رات کو قیام کریں گے۔ میں اس بات کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ میں ان کی چیز واپس نہیں کرتا، ان میں کوئی بناوٹ نہیں ہوتی۔ پہلے آبہہ کے لوگ جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ نے فرمایا کہ آبہہ ہمارا ہی ہے اور پھر ہمارے مسلک کے خلاف جمعہ پڑھتے ہیں۔ یہ خبر گاؤں میں پہنچی تو سب نے جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا۔

(۶۰۲) ایک مرید کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ مجھ کو بخار آیا جس میں لذت اور تکلیف ملی تھی یعنی طبعی تکلیف تھی اور روحانی لذت اس پر فرمایا کہ جب یہ حالات پیدا ہونے لگیں تو سمجھ لو کہ اب دروازہ میں داخل ہوئے۔ لوگ کشف و کرامت کو دیکھتے ہیں اگر یہ موقع ہیں امتحان کے کہ موقع پر کیا باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۶۰۳) فرمایا کہ اہل رسم کے نزدیک پیر وہ کامل ہے جو روٹی کھلاوے۔ اور مرید وہ مقبول ہے جو خدمت کرے۔ ایک درویش یہاں آئے تھے مریدوں کو خوب روٹیاں کھلائیں حتیٰ کہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو یہ امید تھی کہ مریدوں سے وصول ہو جائیگا مگر وصول کچھ بھی نہ ہوا آپ فلاں ریاست کے پریسیڈنٹ کو سفارش لکھدیں کہ وہ اتنی رقم قرض دیدیں۔ میں نے لحاظ میں دیکر لکھ دیا لیکن اس خیال سے کہ ان پر بار نہ پڑے ایک خط ڈاک میں لکھ کر روانہ کر دیا کہ اس قسم کا خط اگر کوئی شخص لاوے تو میری طرف سے اس کو مہتم بالشان نہ سمجھا جاوے جو مناسب ہو عمل کیا جاوے اس پر عمل نہ کرنا۔ انھوں نے جواب لکھا کہ اطمینان رکھیں کہ ان کے ساتھ عمل مناسب کیا جاوے گا اب اس صورت میں میری طرف سے ان پر کوئی بار نہ رہا۔ جو ان کو مناسب معلوم ہوا ہو گا وہ کیا ہوگا

(۶۰۴) ایک صاحب حضرت کا سقفی پنکھا کھینچ رہے تھے اتنے میں ایک اور شخص آکر اس غرض سے ان کے پاس آکے بیٹھے کہ ان سے پنکھا لیکر خود کھینچیں اسی چھینا جھپٹی میں ان کا ہاتھ ان کی آنکھ میں لگ گیا اس پر فرمایا کہ لوگ خدمت کرنا چاہتے ہیں مگر سلیقہ نہیں۔ رواج ایسا بڑھ گیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پنکھا وغیرہ خدمت سے مقبول ہو جاویں گے مگر یاد رکھیں کہ بے قاعدہ خدمت مقبول نہیں ہو سکتی۔ جیسے دوپہر کے وقت نماز کہ چونکہ بے قاعدہ ہے مقبول نہیں خدمت سے پہلے اس کا قانون دریافت کریں۔ صرف یہ طریقہ نہیں کہ بس مجھ سے پوچھ لیا بلکہ یہاں رہیں اور سب باتوں کو نگاہ میں لیتے رہیں۔ پھر متبوع سے اجازت لینی چاہیئے۔ صاحب جو شخص خدمت چاہتا ہو اس کی کرنے میں تو نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک تو دونوں یکساں ہیں یعنی برسوں خدمت کرنے والا بھی اور نہ کرنے والا بھی۔ میں تو جس کو کام میں مشغول دیکھتا ہوں وہ میرے نزدیک مقبول ہے۔ واقعی مجھ کو تو اس میں راحت ہے اپنے کام میں لگو میں نے دو چار آدمیوں کو طریقہ خدمت بتلا رکھا ہے اور ان سے دل بھی کھلا ہوا ہے میں ان سے خود بھی کہہ دیتا ہوں اور جب تک مزاج سے واقف نہ ہوا اور دل کھلا ہوا نہ ہو خدمت سے کلفت ہوتی ہے۔ واقعی نادانی کی محبت بھی کچھ نہیں نادانی کی محبت ماں کی سی محبت ہے کہ بچہ کو جاہل رکھتی ہے۔

(۶۰۵) فرمایا کہ ایک شخص ملے جو ایل۔ ایل۔ بی ہو گئے تھے مگر رہے بی (بہ لطیفہ کے طور پر فرمایا) پوچھنے لگے کہ نماز پانچ ہی وقت کی کیوں فرض ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک سامنے ہی کیوں لگی۔ خدا کے دو کارخانے ہیں ایک تکوینی دوسرا تشریعی۔ تکوینی کی حکمتیں تم بتلا دو اور تشریعی کی ہم بتلا دیں گے اور میں کہتا ہوں کہ اسرار الٰہی پر مطلع ہونے کا یہ طریق نہیں کہ مولوی سے پوچھا کریں۔

کہ حکم اس طرح کیوں ہے۔ ان کے ذمہ صرف احکام کا بتلانا ہے۔ دلائل و اسرار کا بیان کرنا نہیں۔ دوسرے بہت سی باتیں خود ان کو بھی معلوم نہیں۔ اگر کوئی طریقہ اسرار پر مطلع ہونے کا ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ احکام پر بلا چون و چرا عمل شروع کر دیں۔ اس سے قرب باری تعالیٰ ہوگا اور نورانیت ہوگی اور قرب و نور ہی سے انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ ہم بادشاہ کے مخفی خزانوں پر مطلع ہوں تو اسکا طریقہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ سے جا کر کہو کہ ہمیں اپنے خزانوں کی چیزوں پر اطلاع دیدو۔ اگر ایسا کروگے سزا پاؤگے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ کی اطاعت شروع کردو اطاعت کرنے سے قرب میں ترقی ہوگی حتیٰ کہ اس کی بھی نوبت آجاوے گی کہ ایک روز بادشاہ خوش ہو کر خود ان پر مطلع کر دے گا۔ خودی کو چھوڑ دو۔ فنا ہو جاؤ۔ جس کو بھی اطلاع ہوئی ہے اسی صورت سے ہوئی ہے۔ مگر اطاعت سے بھی اسرار پر مطلع ہو مقصود نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ اسی روز نکال دیئے جاؤگے بلکہ مقصود اطاعت سے صرف قرب و رضا باری تعالےٰ ہو۔ کبھی راضی ہوں گے تو مطلع فرما دیں گے۔ مگر ان کے ذمہ نہیں ہے کہ مطلع فرما ہی دیں۔

(۶۰۶) ایک صاحب نے سوال کیا کہ ایصال ثواب عبادت بدنی کا اچھا ہے یا عبادت مالی کا۔ فرمایا کہ عبادت مالی کا ثواب پہنچنا اہل حق کے نزدیک متفق علیہ ہے اس لئے افضل ہے دوسرے اس میں نفع متعدی بھی ہے۔ تیسرے عبادت مالی میں نفس پر گرانی زیادہ ہوتی ہے اور عبادت بدنی کے ایصال ثواب میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

(۶۰۷) ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو سائل تندرست جوان ہٹا کٹا ہو اس کو بھیک دینا کیسا؟ فرمایا یوں کہہ دو کہ آگے جاؤ یا خاموش رہو۔ خود چلا جاوے گا پھر فرمایا کہ اگر لوگ نہ دینے پر پورا عمل کریں تو ایسے لوگ مانگنا ہی چھوڑ دیں۔ بھیک مانگنے والے جو قادر ہوں کسب پر فقہاء نے ان کو دینا حرام لکھا ہے۔ کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور بھیک دینا یہ اعانت ہے معصیت پر اس لئے وہ بھی حرام ہے۔ اور دلیل یہ ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ مولانا گنگوہیؒ نے اس مسئلہ کو بیان فرما دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لوگ غل تو مچا دیں گے مگر پہونچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑا غل مچا۔ بات یہ ہے کہ مانگنا رسم ہو گیا ہے اور رسم کے خلاف لوگ نہیں مانتے۔ اسی مانگنے پر ایک قصہ بیان کیا کہ جس زمانہ میں میں تفسیر لکھتا تھا تو اس کے لئے ایک علاحدہ موقع تجویز کیا تھا۔ ایک شخص دروازہ پر آیا اور اس نے زور زور سے مانگنا شروع کیا گھر میں سے اس کو کچھ آٹا وغیرہ لا دیا۔ اس پر اس نے یہ کہا کہ ہم یہ لیں گے وہ لیں گے۔ اس کے غل مچانے سے مضامین کی آمد مختل ہو گئی۔ میں اس نیت سے نیچے اترا کہ اس کو سمجھا دوں گا

میں نے خیال کیا تھا کہ کوئی شکستہ حال ہو گا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شاہ صاحب ہیں بڑے تنو مند لانبا کرتہ۔ اور چوغہ پہنے ہوئے گیروا رنگ۔ عمامہ باندھے ہوئے۔ وجیہ شخص تسبیح ہاتھ میں۔ کئی تسبیحیں گلے میں۔ عصا لئے ہوئے مقطع صورت۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ تو شیخ المشائخ ہیں۔ میں نے تہذیب سے کہا کہ شاہ صاحب کیا تکرار ہے جو توفیق تھی دیدیا لے لیا ہوتا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو کپڑا لیں گے، پیسہ لیں گے۔ میں نے کہا کہ جو ملا ہے لے جاؤ تو کہتے ہیں ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

میں نے کہا کہ آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے کہ ہر بیشہ گماں مبر الخ اس پر بک بک شروع کی میں نے کہا فضول مت بکو زیادہ بک بک کروگے تو گردن پکڑ کر نکلوا دوں گا۔ چلے گئے۔

(۶۰۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی مرشد کو برا بھلا کہے تو اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ اس کو روکدے کہ میرے سامنے ایسا تذکرہ مت کرو مجھ کو صدمہ ہوتا ہے۔ پھر اس کی ہمت انشاء اللہ نہ ہوگی۔ اور اگر صبر نہ ہو سکے اور پوری قدرت ہو اور کسی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت بحفظ حد شرعی جوتہ سے ٹھیک کردے۔ اگر قدرت نہ ہو اور وہ روکنے سے نہ رکے تو وہاں سے چلا جاوے۔ اور اس آیت سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے۔ وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بہا ویستہزء بہا فلا تقعدوا معہم حتیٰ یخوضوا فی حدیث الخ اور اس آیت کا حکم عدم قدرت کے زمانہ میں تھا پھر زمانہ قدرت میں دوسرا قانون ہو گیا یعنی ضرب یضرب مگر اس وقت کے حالات کے مناسب یہی ہے کہ اس کو یہ اطلاع کر کے چلا جاوے کہ میں اس وجہ سے تمہارے پاس نہیں بیٹھتا کہ تم میرے پیر کو برا کہتے ہو۔ لڑے بھڑے نہیں۔ اس برتاؤ سے پیر کی بھی قدر ہو گی کہ پیر کی کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔ بس وہاں ہی چلو جہاں انھوں نے تعلیم پائی ہے کہ کیسا صبر و تحمل ان میں آگیا ہے۔ اس کو کر کے دیکھئے کہ کیسا اثر ہوتا ہے۔

(۶۰۹) فرمایا کہ لفظ دیور کا جو ہمارے یہاں مستعمل ہے بہت برا ہے دَرْ ہندی میں شوہر کو کہتے ہیں اور دے کے معنی ثانی کے ہیں۔ پس دیور کے معنی شوہر ثانی کے ہوئے۔ بعض جہلا کا یہاں دیور کو بجائے شوہر کے سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے یہ لفظ قابل تبدیل ہے۔ اسی طرح مجھے سالہ کا لفظ بھی برا معلوم ہوتا ہے۔ پورب میں نسبتی بھائی کہتے ہیں یہ اچھا لفظ ہے جو ایں بھی مکروہ لفظ ہے خولیش اچھا ہے۔ داماد بھی ثقیل ہے۔ بعض الفاظ کہ معنی لغوی ان کے بہت اچھے ہیں اور ہمارے

یہاں ان کا استعمال بھی قبیح نہیں لیکن بعض جگہ محاورہ میں وہ بُرے سمجھے جاتے ہیں جیسے مخدومہ کا لفظ کہ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن پورب میں اس کو نہایت بُرا سمجھتے ہیں یعنی معنی مفعولہ بعض لفظ غیر محل میں بولے جانے سے بہت برا ہو جاتا ہے جیسے ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوگیا تھا کسی نے کہا کہ خدا اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ایک صاحب سن رہے تھے انھوں نے دل میں کہا کہ مرنے کے موقعہ پر یہ لفظ کہا کرتے ہیں۔ اتفاق سے ایک شخص کے باپ کا انتقال ہوگیا اور وہ تعزیت کے لئے آئے تو کہتے ہیں کہ خدا نعم البدل عطا فرمائے اس نے بڑا بُرا مانا کہ میری ماں کو خصم کراتا ہے۔

(۶۱۰) فرمایا کہ اکثر لوگوں کے عقاید بدعات میں خراب ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے عقیدہ میں یہ جما ہوا ہے کہ بزرگ لوگ اللہ میاں کے کام میں سہارا لگاتے ہیں۔ ایک تعزیہ میں اولاد کے بارے میں عرضی لٹکی ہوئی تھی کہ لے امام حسین مجھ کو لڑکا دے دیجئے اور اس کے ساتھ ایک پتلا بھی بنا کر اس میں رکھا تھا گویا نمونہ بتلایا تھا کہ لڑکا ایسا ہو یہ تو ایک جاہل عورت کا فعل تھا مگر تعجب ہے ایک مقام پر ایک تحصیلدار صاحب نے عرضی لٹکائی تھی کہ لے امام حسین لڑکا دیجئے۔ ایک ظریف اس کے نیچے لکھ آئے ؎

زمین شورہ سنبل برنیارد	درو تخم عمل ضائع مگردان

یعنی تمہاری یہ بی بی بانجھ ہے اس سے ہرگز اولاد نہ ہوگی جب تک دوسرا نکاح نہ کروگے اور نیچے لکھ دیا راقم امام حسین۔

(۲) ایک جگہ دو طالب علموں میں بحث ہو رہی تھی ایک تو یہ کہتے تھے کہ لوگ بڑے پیر کی نیاز دلاتے ہیں یہ اختلاف محض لفظوں میں ہے باقی نیت ان کی اس میں یہ ہوتی ہے کہ نیاز تو اللہ کی ہے اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہونچ جاوے۔ دوسرے کہتے تھے کہ نہیں عقیدہ میں بھی بزرگوں کے نام کی نیاز ہوتی ہے یہی قصہ ہو رہا تھا۔ اتفاق سے ایک بڑھیا آگئی اور کہا کہ بڑے پیر کی نیاز دے دو۔ جو شخص کہہ رہے تھے کہ عقیدہ میں بھی بزرگوں کی نیاز دی جاتی ہے۔ انھوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ نیاز تو دوں اللہ کی اور ثواب پہنچاؤں بڑے پیر صاحب کو۔ تو وہ بڑھیا کہتی ہے نہیں۔ اللہ میاں کی نیاز تو میں الگ دلواؤں گی یہ تو بڑے پیر کی نیاز ہے۔ جب انھوں نے اپنے مقابل سے کہا کہ دیکھئے آپ کی بڑھیا کس تصریح سے آپ کی تاویل کا بطلان کر رہی ہے جس میں خلاف کی گنجائش ہی نہیں۔

(۳) ایک طالب علم دوسرے طالب علم سے نقل کرتے تھے کہ ایک عورت ان کو فاتحہ کے لئے بلا کر لے گئی۔ کھانا تو تھا ہی اس کے ساتھ افیون۔ چانڈو۔ حقہ وغیرہ بھی تھا جب فاتحہ پڑھنی شروع کی تو اس عورت نے کہا کہ میاں نیچے کو مت دیکھنا مگر طالب علم تھا شوخ نیچے جو دیکھا تو وہ عورت ننگی ؤ خفا ہوئی کہ ہم نے تو منع کر دیا تھا آخر وجہ پوچھی تو کہا کہ جیسے مردہ کو اور چیزوں سے رغبت تھی اس سے بھی رغبت تھی۔ کیا حد ہے اس زیادتی کی۔

(۴) ایک سب انسپکٹر بیان کرتے تھے کہ میرے یہاں تھانہ میں رپٹ ہوئی کہ میری فاتحہ کوئی شخص چرا لے گیا چنانچہ میں تحقیقات کو گیا معلوم ہوا کہ ایک نلکی میں پیرجی نے فاتحہ بند کر کے دیدی تھی اور روئی کی ڈاٹ لگا دی تھی کہ جب فاتحہ دینا ہو تو اس نلکی کو کھول کر کھانے پر جھاڑ دیا کرو۔ سال کے بعد وہ بدل جاتی تھی۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فاتحہ وغیرہ احتیاط سے کرے جواب میں فرمایا بدون قیود کے کریں اور ایک بات اور قابلِ غور ہے کہ کھانا سامنے لاکر جو فاتحہ دیتے ہیں یہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کے ثواب ملنے کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے عمل کریں کہ اس کا ثواب اپنے کو ملے اس کے بعد دعا کریں کہ یا اللہ جو ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں کو پہنچ جاوے اس بنا پر صورت یہ ہونی چاہئے کہ پہلے کھانا مستحقین کو دے دیں کہ ثواب اس کا اپنے ہو جاوے پھر دعا کریں کہ اے اللہ دوسرے کی طرف اس کو منتقل فرمادیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ کھانے پر فاتحہ دینے کے کچھ معنی نہیں۔ بالکل لغو حرکت ہے۔ دوسرے یہ کہ فاتحہ میں کل کھانا سامنے نہیں رکھتے تھوڑا سا رکھتے ہیں اور اس پر فاتحہ دیتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اتنے ہی کھانے کا ثواب پہونچانا مقصود ہے یا کل کا صرف اسی مقدار کا مقصود ہونا تو ان کے نزدیک بھی نہیں اور جب سارے کا ثواب پہونچانا مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ جب وہ سامنے نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ سامنے رکھنا شرط نہیں پھر یہ تھوڑا کیوں سامنے رکھا گیا کیا اللہ میاں کو نمونہ دکھاتے ہیں یہ تو اور بھی لغو حرکت ہے۔

(۶۱۱) فرمایا کہ چاندی خریدنے میں مشتری اگر بائع کو نوٹ دے تو جائز نہیں اس لئے کہ ثمن اور مبیع کا دست بدست ہونا شرط ہے اور نوٹ روپیہ نہیں ہے۔ بلکہ یوں کرنا چاہئے کہ پہلے کہیں سے یا خود بائع سے نوٹ کا روپیہ لے لے اور وہ روپیہ قیمت میں دیدے۔

(۶۱۲) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خراب دوائی وغیرہ آگئی ان کا جلا دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا۔ کہ جو خرابی سکہ ہی کی ہو وہ سرکاری کارخانوں میں دیدیجئے اور اگر کسی کو دیجئے تو ظاہر کر دیجئے کہ ایسی ہے۔ خواہ وہ کم میں لے یا برابر جائز ہے۔ جب آپ نے اس کو دیدی اب وہ

چاہے کسی دوسرے کو دھوکہ سے دے یا ظاہر کرکے۔ آپ کے ذمہ کچھ نہیں اور جو خرابی بعد کی ہو وہ کسی کو بلا اطلاع دینا درست نہیں نہ سرکار کو نہ دوسرے کو۔

(۶۱۳) ایک صاحب نے پوچھا بنک میں روپیہ جمع کرنا کیسا۔ فرمایا یہ قرض ہے اور بنک اس کو حرام کاموں میں لگائے گا۔ اس نے اعانت کی ہے اور اعانت علی الحرام حرام مگر اس میں بعض اقوال پر گنجائش ہے۔ کیونکہ ہمارا قصد اعانت کا نہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بنک میں جمع کرنے سے نیت امانت کی ہے پھر قرض کہاں ہوا تو جواب یہ ہے کہ عقود میں نیت معتبر نہیں حقیقت معتبر ہے۔ اور یہاں حقیقت قرض کی پائی جاتی ہے کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوتا اور یہاں ضمان ہے۔ اس لئے قرض ہی ہوگا۔

(۶۱۴) کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں فرمایا کہ عموماً دار الحرب کے معنیٰ غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنیٰ کر تو ہندوستان دار الحرب نہیں کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں۔ مگر شرعی اصطلاح میں دار الحرب کی تعریف یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے۔ آگے جو کچھ فقہانے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ مگر چونکہ دار الحرب کے نام سے پہلے غلط معنیٰ کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر دار الاسلام کہنا اچھا ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک دار الامن دوسرے دار الخوف۔ دار الخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفناک ہوں۔ اور دار الامن وہ جہاں مسلمان خوفناک نہ ہوں۔ سو ہندوستان دار الامن ہے کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفناک نہیں۔ اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے۔

(۶۱۵) کسی نے کہا کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ غیر دار الاسلام میں عقد ربوٰ کو جائز لکھتے ہیں دلیل یہ ہے کہ لا ربوا بین المسلم والحربی فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں۔ ہمارے بعض اکابر جائز فرماتے تھے اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے اپنے بڑوں کی مخالفت کی میں نے جواب دیا کہ یہ مخالفت نہیں خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا میں نے تو احتیاط کو لیا۔ اگر کوئی اختیار کرے تو ان کا کیا حرج۔ احتیاط تو اور اچھی ہے۔ وہ بھی یہی فرماتے کہ احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات واجب تو نہیں کہتے کہ لینا ربوا کا فرض ہی ہے۔ جائز کہتے ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دکھایا تھا اس کی تعریف کی مگر خلاف مشہور ہونے کے سبب دستخط نہیں فرمائے اسی کا نام تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوا فی الہندوستان ہے۔

(۶۱۶) ایک شخص نے دریافت کیا کہ وقار و تکبر میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ کہاں تکبر کہاں وقار تکبر کہتے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا۔ اور دوسروں کو کمتر وقار کے معنی ہیں کہ ایسی حرکتیں نہ کرنا جو واقع میں خفیف

ہوں اور وقار میں یہ نہیں کہ اوروں کو کمتر سمجھے بلکہ وقار تو تواضع کا شعبہ ہے جس قدر انکسار بڑھتا جاوے گا سکون وسکوت کی شان بڑھتی جاوے گی۔ تواضع کے لئے وقار لازم ہے اور تواضع تکبر کی ضد ہے۔

(۶۱۷) فرمایا کہ رجا، وہ معتبر ہے جس میں اسباب بھی جمع ہوں اور جس میں اسباب جمع نہ ہوں وہ غرور ہے۔ مثلاً جو شخص کھیتی کرتا ہے اور اس کے تمام اسباب کو جمع کرکے پھر امیدوار ہو حق تعالیٰ مجھ کو دیں تو یہ رجاء معتبر ہے۔ اور ایک شخص وہ ہے جس نے اسباب جمع نہیں کئے اور امیدوار ہے کہ اللہ میاں مجھ کو غلہ دیں گے تو یہ غرور ہے۔ بعض اہل لطائف نے بیان کیا ہے کہ رجا مستلزم ہے عمل کو۔ اگر عمل نہ ہو تو رجا کا تحقق ہی نہ ہوگا۔

(۶۱۸) فرمایا کہ جو شخص حق پر ہو تو اس میں بھی لوگوں کی دو حالتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرے یہ تو مطلوب ہے۔ اور ایک یہ کہ اس پر ناز ہو یہ جہل ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ایک شئے ہے کہ دو شخص اس پر قابض ہیں مگر ایک تو مالک ہے اور دوسرا شخص تحویلدار سو مالک تو ناز کر سکتا ہے مگر تحویلدار نہیں کر سکتا بلکہ اس کو بھی اندیشہ لگا رہے گا کہ کہیں مجھ سے چھین نہ لے۔ اسی طرح اگر کسی نعمت پر بندہ میں کسی خوف کی کیفیت ہے کہ کہیں مالک حقیقی اس نعمت کو سلب نہ کرلے تو یہ شکر ہے کہ یوں سمجھ رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے ورنہ کبر ہے۔ پس اہل حق کو چاہئے کہ ترساں ولرزاں رہیں اہل باطل کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھیں۔

(۶۱۹) فرمایا کہ انبیاءؑ کے علوم میں سے ایک علم امثلہ بھی ہے۔ جو عارفین کو بھی مرحمت ہوتا ہے اس لئے احادیث میں امثلہ بہت ہیں۔ حضرت علیؓ کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک ملحد نے آپ سے سوال کیا کہ انسان میں اختیار وجبر کیسے جمع ہو سکتے ہیں آپ نے ڈیڑھ بات میں اس کو سمجھا دیا۔ وہ کھڑا تھا اس سے کہا کہ اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ۔ اس نے اٹھا لیا آپ نے فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھا وہ نہیں اٹھا سکا آپ نے فرمایا کہ بس اتنا مجبور ہے اور اتنا مختار۔ اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے۔ آپ نے کیسا مثال سے سہل کر دیا۔ ایک اور ملحد نے آپ سے سوال کیا تھا معاد کے بارے میں جس کا وہ منکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کم از کم حشر اجساد محتمل تو ہے تو احوط بھی ہے کہ اس کے وقوع کا اعتقاد رکھیں کیونکہ اگر حشر نہ ہوا اور ہم اس کے قائل رہے تب تو کوئی پوچھنے والا نہیں کہ اس کے کیوں قائل ہوئے تھے اور اگر حشر ہوا اور تم منکر ہوئے تو پھر بازپرس ہوگی اسی کو کسی نے نظم کیا ہے ؎

قال المنجم والطبیب کلیھما لا یحشر الاجساد قلت الیکما
ان صح قولکما فلست بخاسر او صح قولی فالخسار علیکما

بزرگوں کی نظر حقائق پر تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ مخاطب کو کسی طرح نفع ہو اپنے کو بڑھانا منظور نہ تھا جیسے آجکل بلا پھیلی ہوئی ہے۔

(۶۲۰) فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنی حقیقت میں غور کیا کرے اور سوچا کرے کہ جو برائیاں لوگ کرتے ہیں تو اُس سے بھی زیادہ برا ہوں۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے اصل عیوب کو چھپا لیا ہے عیوب تو اس سے بھی زیادہ تھے۔ پھر برا کیوں مانے۔ جیسے اندھے کو کوئی کانا کہدے تو اس کو شکر گزار ہونا چاہئے اگر خوش بھی نہ ہو تو اس اہتمام میں تو نہ پڑے۔ کہ مجھے کیوں برا کہا۔ اور کون کون اس میں شامل تھا۔ اور کیا معنی ہوا برا کہنے کا اور اس کا دفعیہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۶۲۱) ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے لا عدویٰ یعنی مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا اس کے کیا معنی ہیں کیا تعدیہ بالکل منفی ہے۔ فرمایا کہ دو حدیثیں ہیں ایک تو لاعدویٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ امراض کا نہیں ہوتا اور دوسری حدیث ہے فِرَّ مِنَ المجذوم کما تفر من الاسد کہ جذامی سے ایسا بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اس سے ظاہراً بعض امراض کا تعدیہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں دو وجہ تطبیق کی ہیں بعض تو عدویٰ کے قائل ہوئے ہیں کہ امراض میں تعدیہ ہوتا ہے اور لا عدویٰ میں تاویل کی ہے وہ یہ کہ امراض کی ذات میں تعدیہ نہیں جیسے کہ اہل سائنس بالذات تعدیہ کے قائل ہیں کہ امراض کی ذات میں تعدیہ ہے۔ لاعدویٰ میں اس کی نفی ہے باقی جہاں خدا تعالےٰ کا حکم تعدیہ کا ہوتا ہے وہاں تعدیہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے لاعدویٰ کو مطلق کہا ہے کہ تعدیہ بالکل ہوتا ہی نہیں۔ باقی مجذوم والی حدیث جو بچنے کو فرمایا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس جانے والے کو اگر اتفاق سے یہ مرض ہو گیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ مجھ کو اس سے بیماری لگ گئی اس اعتقاد سے بچنے کے لئے آپ نے اختلاط سے منع فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ بعض نے لاعدویٰ میں تاویل کی ہے اور بعض نے مجذوم والی حدیث میں۔ مگر اقرب یہ ہے کہ تعدیہ ہوتا ہے مگر باذن الٰہی ہوتا ہے اور بلا اذن نہیں چنانچہ بریلی میں ایک بنگالی ہندو کا قصہ ہوا کہ اس کا لڑکا مبتلائے طاعون ہوا۔ وہ ہندو اس کے پاس برابر لیٹتا تھا۔ اس کا سانس اوپر آتا تھا وہ لڑکا مرگیا۔ اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس کو اپنی زندگی بار معلوم ہونے لگی اس لئے قصداً اس کی استعمالی چیزیں خوب استعمال کرتا تھا کہ میں بھی مرجاؤں مگر نہیں مرا۔ بتلایئے کہ اگر تعدیہ بالذات ہوتا تو وہ کیوں بچتا۔ اسی طرح اگر تعدیہ بالذات مانا جاوے تو اگر کسی جگہ بیماری ہو تو قصبہ میں سے ایک بھی نہ بچے۔ ایک شفیق طبیب تھے جنھوں نے طاعونیوں کا علاج اس طرح کیا کہ دوا اپنے ہاتھ سے بناتے اور پلاتے ان کو گود میں لے کر بیٹھے رہتے تھے کہ

ان کے ۶۳ مریضوں میں سے ۵۳ صحت یاب ہوئے ان میں بعض مریض اس قدر تیز مادہ کے تھے کہ انھوں نے ایک مریض کی نبض پر ہاتھ رکھا تو انگلی میں آبلہ پڑگیا۔ مگر ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔ غرض بالذات صفت تعدیہ کی اس میں نہیں، البتہ اسباب ظنیہ کے درجہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متاثر ہونے یا نہ ہونے کا مدار قوت و ضعف قلب پر ہے۔ ضعیف القلب پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں یہ مرض ہو اس کو چھوڑ کر چلا جانا جائز نہیں ہاں اس بستی میں ایک مکان میں سے دوسرے میں چلا جائے ایک دقیق مزرع اس کی یہ بھی ہے کہ اگر ساری بستی والے کہیں چلے جاویں کہ ایک بھی وہاں نہ رہے تو جائز ہے۔ باقی یہ جائز نہیں کہ بعضے چلے جاویں اور بعضے وہیں رہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بعضے کے چلے جانے سے باقی ماندوں کی دلشکنی و اضاعت حق ہوتا ہے کہ مریضوں کی تیمارداری کون کرے گا۔ حقیقی ہمدردی یہ ہے کہ جو اس مسئلہ سے ظاہر ہے۔ باقی لیڈر و بڈر لوگوں کی ہمدردی صرف باتیں ہی باتیں ہیں وہ تو بے دردی ہے ان کی تہذیب تہذیب نہیں تعذیب ہے اطبا اور ڈاکٹروں کا یہ حال ہے کہ وہ کسی کو دیکھنے جاتے ہیں تو دور کھڑے رہتے ہیں اس صورت میں مریض کی کیسی دل شکنی ہوتی ہوگی۔ وہ سمجھے گا کہ اس مرض کی وجہ سے پرہیز کر رہے ہیں اس کا دل کیسا ٹوٹے گا کہ جب مرض ایسا سخت ہے تو میں بھلا کیا بچوں گا۔ مئو میں ایک جماعت نے اپنے ذمہ طاعون والوں کی خدمت اور ان کا کفن دفن کرنا لیا تھا چنانچہ ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔ یہ بھی عدم تعدیہ کی دلیل ہے۔ سچی بات یہ ہے ؎

نیارد ہوا تا نہ گوئی بیار   زمین نا وردتا نگوئی بیار

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(۶۲۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض علما منی آرڈر کو ناجائز کہتے ہیں فرمایا کہ عدم جواز کی جو بنا ہے اس میں کلام ہے۔ وہ بنا تو یہ ہے کہ ڈاک میں جو دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اور قرض میں مثل لینا چاہیے اور مثل نہیں لیا جاتا مثلاً دس روپیہ دو آنہ تو داخل کیا جاتا ہے اور دس روپیہ صرف وصول کیا جاتا ہے اور یہ ربٰو ہے۔ اور امانت یوں نہیں کہہ سکتے کہ امانت میں چیز بعینہ پہونچنی چاہیے اور بعینہ پہونچتی نہیں اور وہ کلام یہ ہے کہ قرض تو مسلم مگر وہ دو آنہ قرض نہیں بلکہ منی آرڈر کی فیس ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص قرض دے کر دوسری جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس میں کچھ لکھت پڑھت ہوتی ہے جس کے لئے عملہ کی ضرورت ہے پس جو دو آنہ سرکار میں دیئے جاتے ہیں وہ قرض نہیں بلکہ عملہ کا خرچ ہے۔ سرکار اپنے عمل کی اجرت لیتی ہے دو آنہ اس کی اجرت ہے

وہ چیز وقرض نہیں۔ وہ تاویل جواز کی یہ ہے۔ باقی محض اس میں عموم بلوی کی تاویل نہیں ہوسکتی ورنہ غیبت میں بہت عموم بلوی ہے۔ بلکہ عموم بلوی وہاں چل سکتا ہے جہاں مسئلہ مختلف فیہ ہو وہاں اپنا مسلک بوجہ عموم بلوی ترک کرسکتے ہیں۔

(۶۲۳) ایک صاحب نے عرض کیا کہ ترکی ٹوپی پہننا کیسا ہے۔ فرمایا کہ مقتدا کو تو مناسب نہیں مگر چونکہ اس میں ایک گونہ عموم ہوگیا ہے اور پہلے کا سا خصوص نہیں رہا اس لئے عوام کو اجازت ہوگی۔

(۶۲۴) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا شامی میں لکھا ہے کہ اجتہاد بعد چوتھی صدی کے بند ہوگیا۔ فرمایا کہ ہاں۔ شامی میں نقل کیا ہے۔ پھر اگر کہیں منقول بھی نہ ہو تب بھی یہ تو ایک واقعہ ہے جب ایسا شخص بعد چوتھی صدی کے پیدا نہیں ہوا تو لامحالہ یہی کہا جائیگا کہ باب اجتہاد بند ہوگیا۔ اور اس کا امتحان کہ اب ایسا شخص ہے بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کو اجتہاد کا دعویٰ ہو وہ فقہا کے فتاویٰ سے قطع نظر کرکے کلام اللہ وحدیث سے چند مسائل کو مستنبط کرے پھر ان ہی مسائل میں فقہا کے کلام کو دیکھے گا تو خود ہی کہدے گا کہ واقعی کلام اللہ وحدیث کو فقہا ہی نے سمجھا ہے۔ چنانچہ میں نے ریل میں ایک مدعی اجتہاد سے کہا تھا کہ دو شخص ہیں ایک کو حاجت وضو کی ہے دوسرے کو غسل کی۔ اور پانی ہے نہیں۔ دونوں نے تیمم کیا اور دونوں سب باتوں میں برابر ہیں صرف فرق اس قدر ہے کہ ایک نے تیمم وضو کا کیا ہے اور دوسرے نے غسل کا۔ بتلاؤ کون شخص ان دونوں میں سے مستحق امامت کا زیادہ ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ وضو کے تیمم پر زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کی طہارت قوی ہے بوجہ اس کے کہ نجاست میں دونوں کے تفاوت تھا اور طہارت دونوں کو یکساں حاصل ہوئی پس جس کی نجاست اخف تھی اس کی طہارت قوی ہوئی۔ میں نے کہا اب فقہا کا جواب سنو وہ یہ کہ تیمم عن الغسل کی امامت افضل ہے کیونکہ تیمم نائب ہے اصل کا۔ اور غسل تو ہے تطہیر میں بہ نسبت وضو کے اور افضل کا نائب افضل ہوتا ہے۔ اس لئے غسل کا تیمم افضل ہوا اور یہ مسلم ہے کہ غسل والا افضل ہے امامت میں وضو والے سے لہذا تیمم عن الغسل کی امامت افضل ہوئی۔ انصاف سے وہ کہنے لگے واقعی ہمارا فہم کچھ بھی نہیں۔

(۶۲۵) ایک شخص یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ پڑھتے تھے فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ جب شیخ نہ تھے تو لوگ کیا پڑھتے ہوں گے اور خود حضرت شیخ کیا پڑھتے تھے۔ وہ چیز تو یقیناً بڑھ کر ہوگی اس سے جس کی بدولت حضرت غوث اعظم اس مرتبہ کو پہنچے تو وہی کیوں نہ پڑھو۔ درۃ المعارف میں لکھا ہے کہ میں ایک بار پڑھ رہا تھا یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ آواز آئی کہ کہو یا ارحم الراحمین شیئاً للہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ کسی نے غلبہ حال میں کہا ہوگا۔ اصل تو اس کی یہ ہے۔ اور اب وہ رائج ہوگیا بعض باتیں رسم ہوگئیں اگرچہ

ابتداء میں غلبہ حال میں صادر ہوئی تھیں جیسے قیام مولود اس کی اصل بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی مجلس میں اتفاقاً ذکر شریف میں کسی کو وجد ہوا اور وہ اسی حالت میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے جیسا کہ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو وجد ہوا اور وہ کھڑا ہو جاوے تو سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے تاکہ اس کو انقباض نہ ہو۔ اب وہ رسم ہو گئی۔

(۶۲۶) فرمایا کہ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تم جو ہمیں وہابی کہتے ہو اور ہم کو ابن عبدالوہاب سے نسبت کیا ہے۔ حالانکہ نسبت تین قسم کی ہے۔ اول نسبت تلمذ تو وہ ہمارے سلسلہ اساتذہ میں نہیں۔ دوسری نسبت بیعت یہ بھی نہیں تیسرے نسبت نسب کی سو وہ بھی ہمارے بڑوں میں نہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں ہم کو اس کی طرف نسبت کرنے میں تم سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اب تو نسبت کرنے والے یہ معنی لیتے ہیں کہ ہم افعال میں اس کے متبع ہیں مگر یہ بھی تہمت ہے کیونکہ ہمیں تو عبدالوہاب کی تاریخ بھی نہیں معلوم۔ ہماری مجالس میں اس کا تذکرہ بھی کبھی نہیں آتا نہ بطور مدح نہ بطور قدح۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہابی کے معنی آجکل یہ ہیں جو رسوم مروجہ کے خلاف کرے۔ اور عوام کے نزدیک یہ مرادف بے ادب کا سمجھا جاتا ہے مولوی اسحاق علی صاحب جو میرے دوست بھی ہیں ان سے ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ ذکر ولادت کو منع کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ذکر کی بے ادبی سے منع کرتے ہیں یعنی اگر کھڑا ہونا ادب اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے تو خدا تعالیٰ کے ذکر کے وقت بیٹھا رہنا بے ادبی ہوئی اس ذکر کی میں کہتا ہوں کہ نیز جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ ذکر کو بیٹھ کر کیا تو اس کی بھی بے ادبی ہوئی۔ سو یہ تجزیہ کیسا کہ ایک حصہ ایسا اور ایک ایسا۔ بس چاہئے کہ بقیہ تذکرہ کی بھی بے ادبی کو منع کریں وہ اس طرح کہ سب کو کھڑے ہو کر پڑھو تاکہ سارے ذکر کا ادب ہو۔

(۶۲۷) فرمایا کہ ایک رسم گیارھویں کی ہو رہی ہے جس میں جہلا کا بہت ہی بڑا عقیدہ حضرت غوث پاکؒ کی طرف ایسی حکایتیں منسوب کی ہیں کہ خدا کی پناہ چنانچہ ایک بڑھیا کا قصہ ہے کہ اس نے اپنے مرے ہوئے فرزند کے زندہ ہونے کی آپ سے دعا چاہی آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی عمر ختم ہو چکی تھی اب زندہ نہیں ہو سکتا آپ نے کہا کہ اگر عمر ختم نہ ہو چکی تو آپ ہی سے کیوں کہتے مگر پھر بھی جب دعا قبول نہ ہوئی تو آپ نے غصہ میں آکر ملک الموت کا تھیلا جس میں روحیں لئے جا رہے تھے چھین کر کھول دیا سب روحیں نکل نکل کر بھاگ گئیں اور سب مردے زندہ ہو گئے۔ ملک الموت نے اللہ میاں سے شکایت کی ارشاد ہوا کہ ہمارا محبوب ہے جانے دو۔

(۶۲۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر گیارھویں کی مٹھائی آئے تو اس کو کیا کرے فرمایا تیکر

... دفن کردے اور رد کرنے میں عوام کے اندر اشتعال کا اندیشہ ہے۔ جہلا عوام الناس کو مشتعل کرنا ٹھیک نہیں۔ اس کی تائید میں کہ عوام میں اشتعال مناسب نہیں۔ ایک حکایت بیان کی کہ ایک زمانہ میں مسئلہ مولد کے متعلق کانپور میں میری تردید کے لئے علما کو باہر سے بلا کر بیان کراتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی تشریف لائے اُن سے بھی میرے رد کی درخواست کی۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میرا پیر بھائی ہے میں ایسا نہ کروں گا۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بڑا مجمع ہے۔ اور اس زمانہ میں کانپور کے لوگوں میں یہی شور ہو رہا تھا صاحب رویا نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ان مسائل میں حق کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اشرف علی جو کہتا ہے وہ حق ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے یہ بھی فرمایا کہ اس سے کہدینا یہ وقت اس کا نہیں ہے مطلب یہ تھا کہ عوام الناس میں چونکہ شورش پھیلتی ہے اس لئے خاموشی کی رخصت ہے۔

(۶۲۹) فرمایا کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص وہی کام کرنے کو آجاوے تو یہ شخص کام کرنا چھوڑ دے بشرطیکہ وہ اہل بھی ہو۔ اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی مدرسہ پہلے سے ہوا اور دوسرا اور ہوجاوے اور یہ معلوم ہو کہ وہ اچھا کام کرے گا تو اس کے اکھاڑنے کی فکر کرتے ہیں کیونکہ دنیا کی منفعت جاتی ہے (کہ چندہ کم ہوجائے گا)

(۶۳۰) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حافظ لوگ جو محراب سناتے ہیں اور ان کو دیا جاتا ہے اور علما اس کو قرآن پڑھنے کی اجرت قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں۔ اگر اس کو حبس اوقات کی اجرت قرار دیا جاوے تو کیا قباحت ہے۔ فرمایا کہ حبس اوقات کی اجرت کہاں ہے اگر حافظ جی مہینہ بھر تک ٹھہرے رہیں اور پڑھیں نہیں تو کون دے۔ اور حافظ جی دن بھر پھرا کریں اور رات کو سنادیں تو مل جاویگا یہ تو خالص اجرت قرآن پڑھنے پر ہے۔

(۶۳۱) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تعلیم دین پر اجرت لینے سے اجر ملتا ہے یا نہیں۔ اور جیسے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا جاتا ہے اس طرح قرآن سنانے پر اُجرت لینے کو جائز کہنے میں کیا قباحت ہے فرمایا کہ تعلیم پر اجرت لینے سے اجر نہیں ملتا۔ مگر تعلیم پر جو ملتا ہے اس کو اجرت کیوں قرار دیا جاوے بلکہ نفقہ ہے دین کی خدمت پر جو کہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ یعنی یہ شخص مسلمانوں کی خدمت دینی کررہا ہے اُن کے ذمہ ہے کہ وہ اُس کے نفقہ کے کفیل ہوں اور یہ اُن کے ذمہ واجب ہے۔ جب نفقہ ہوا تو اجرت نہ ہوئی۔ البتہ متعین مقدار میں شبہ ہوگا کیونکہ نفقہ میں تعین نہیں ہوتی بلکہ جس قدر اس کے اخراجات کو کافی ہو وہ دینا چاہئے۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تعیین رفع نزاع کے لئے ہے اور نفقہ کی صورت

لینے میں اس کو تعلیم پر اجر بھی ملے گا جب کہ نیت اس کی اللہ کے لئے فیض پہنچانا ہے اور نفقہ ضرورةً لیتا ہو۔ اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر اس کا گذارا اس طریقہ سے ہوتا ہے اور کہیں سے زیادہ کی ملازمت آجاوے اور وہ چلا جاوے تو معلوم ہوگا کہ زر کا طالب ہے۔ اور اگر نہ جاوے تو معلوم ہوگا کہ دین کا خادم ہوگا ہاں اگر تنگی سے گذر ہوتا ہو اور چلا جاوے تو مذموم نہیں۔ باقی مردوں پر جو قرآن پڑھتے ہیں اس قرآن پڑھنے کا قیاس تعلیم پر ٹھیک نہیں کیونکہ تعلیم میں دین کی ضرورت ہے۔ اگر تعلیم چھوڑ دی جاوے تو دین کو ضرر پہونچے کہ ایک مدت کے بعد قرآن ضائع ہو جاوے اس لئے بوجہ ضرورت کے صورہ امام صاحب کے مذہب کو ترک کر دیا گیا بخلاف ایصال ثواب کے کہ دین میں اس کی کمی مضر نہیں۔

(۶۳۲) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خشوع وخضوع میں عطف آیا تفسیری ہے۔ فرمایا کہ خشوع متعلق قلب کے ہے اور خضوع متعلق جوارح کے۔ خشوع کے معنی ہیں سکون چنانچہ کلام اللہ میں ہے تری الارض خاشعۃ اے ساکنۃ۔ خشوع عملی یہ ہے کہ قلب میں سکون ہو یعنی غیر مقصود میں حرکت فکریہ نہ ہو اور جو چیز موصل الی اللہ نہ ہو وہ غیر مقصود ہے اور جو چیز موصل الی اللہ ہو وہ غیر مقصود نہیں گو مقصود بالذات نہ ہی گو ظاہر میں وہ غیر معلوم ہو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تجہیز جیش کرتا ہوں تو وہ تجہیز منافی جیش نہ تھی جیسا کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے اسی بنا پر ایک مولوی صاحب نے کہا پھر تو خشوع کی ضرورت نہیں کیونکہ عمرؓ نماز میں تجہیز جیش فرماتے تھے اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ منافی خشوع نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزیر دربار میں جاتا ہے اور امور سلطنت کو پیش کرتا ہے تو وہ امور حضوری بادشاہی کے خلاف نہیں سمجھے جاتے کیونکہ اس کی حضوری یہی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خیال کیجئے کیونکہ ان کے سپرد یہی کام تھا۔

(۶۳۳) فرمایا کہ آدمی قناعت اور اکتفا اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ایسا ہی تقویٰ والا ادا کر سکتا ہے۔

(۶۳۴) فرمایا کہ عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کے بارہ میں حد سے متجاوز ہو گیا ہے۔ اسی واسطے طبیعت تعویذ دینے کو نہیں چاہتی جیسے اہل سائنس کا اعتقاد ہے کہ ہر چیز میں ایک تاثیر رکھدی ہے جو اس سے تخلف نہیں کر سکتی۔ اور تاثیر رکھ دینے کے بعد نعوذ باللہ اللہ میاں کو بھی قدرت نہیں رہی کہ اس کے خلاف ہو سکے۔ مثلاً آگ کے اندر تاثیر جلانے کی رکھدی ہے اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آگ نہ جلائے۔ اسی طرح عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کی نسبت ہے یوں سمجھتے ہیں کہ جب تعویذ باندھ دیا تو جس غرض سے باندھا اس میں تخلف ہی نہ ہوگا اور اگر تخلف ہو جاوے تو یہ احتمال

ہوتا ہی نہیں کہ تعویذ کا اثر غیر لازم ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شرط میں کمی رہ گئی ہوگی۔ میں تو تعویذ دینے میں اللہ کی طرف دعا کے ساتھ توجہ کرتا ہوں۔ حضرات انبیاء کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ رجوع الی اللہ کرتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح ہوجاوے نہ یہ کہ ان کے قلوب پر تصرف کرتے تھے اور زور ڈالتے تھے کہ قلوب کو اپنی طرف پھیرلیں۔ بخلاف عامل کے کہ وہ تو توجہ اس طرح کرتے ہیں کہ میں خود مریض کے مرض کو نکال رہا ہوں۔

(۴۳۵) فرمایا کہ بعض کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جس پر قضا کے روزے ہوں اور وہ ان کو شوال کے مہینہ میں رکھ لے تو دونوں حساب میں لگ جاتے ہیں یعنی قضا روزے رکھنے سے شش عید کے روزوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے جیسے بعد وضو فرض یا سنتیں پڑھنے سے تحیۃ الوضو بھی ادا ہوجاتا ہے مگر یہ مسئلہ روزوں کے بارہ میں غلط ہے اور تحیۃ الوضو پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کے مشروعیت کی بنا یہ ہے کہ کوئی وضو اور حاضری مسجد نماز سے خالی نہ ہو اور فرض یا سنتیں پڑھنے سے یہ مصلحت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس واسطے تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد پڑھنے کی علیحدہ ضرورت نہ رہی اور وہ سنت یا فرض میں متداخل ہوگئیں اگرچہ مستقلاً پڑھنا اولیٰ ہے۔ بخلاف شش عید کے روزوں کے کہ ان کی فضیلت کی بنا یہ ہے کہ ان کے رکھ لینے سے سال بھر کا حساب برابر اس طرح ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی کی دس نیکیاں ملتی ہیں چنانچہ ارشاد ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا جب کسی نے رمضان شریف کے روزے رکھے تو دس ماہ کی برابر تو وہ ہوئے اور چھ روزے شش عید کے دو ماہ کے برابر ہوئے۔ اس طرح پورا سال ہوگیا پس سال بھر کا حساب پورا کرنے کے لئے مستقلاً قضا اور شش عید دونوں جدا جدا رکھنے ہوں گے اور نماز میں تداخل ہونا روزہ کے تداخل کو مستلزم نہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ان روزوں کے لئے شوال ہی کی کیا تخصیص ہے قاعدہ تو عام ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا اس لئے جس ماہ میں بھی رکھے گا ثواب اسی قدر ملے گا جواب یہ ہے اور بڑے کام کی بات ہے کہ شوال کی تخصیص اس لئے ہے کہ شش عید کے روزوں کا ثواب جو دو ماہ کے برابر ہوگا تو وہ دو ماہ رمضان ہی کے برابر شمار ہوں گے یعنی ان روزوں کا ایسا ہی ثواب ملے گا جیسے رمضان شریف کے روزوں کا بخلاف اس کے کہ اگر کسی نے ذیقعدہ یا کسی دوسرے مہینوں میں رکھے تو اس کو فضیلت رمضان کے روزہ کے برابر نہ ملے گی بلکہ مطلق تضاعف ہوجائے گا۔

(۴۳۶) فرمایا کہ جب تک آدمی اپنے اختیار کا نہیں ہوتا ہے اس کی حفاظت من جانب اللہ ہوتی ہے اور اللہ میاں کی حفاظت کو کیا پوچھتے ہو ایک شخص کہتے تھے کہ ایک دفعہ لڑائی میں گولی چل رہی تھی۔

ایک شخص کی کنپٹی پر گولی لگی چونکہ بہت دور سے آئی تھی اس لئے زور گھٹ گیا تھا تو پار تو نکل نہ سکی دماغ میں جاکر بیٹھ گئی اور مجمع النور کے موقع پر رہ گئی جس سے وہ شخص اندھا ہوگیا۔ عقلا جمع تھے کہ کس طرح نکالیں پریشان تھے۔ کوئی تدبیر نہیں سوجھتی تھی اتنے میں ایک گولی اور آئی خوب زور میں بھری اسی موقع پر لگی اور اس کو بھی نکال لے گئی وہ شخص اچھا ہوگیا۔ زخم تو رہا اس کا علاج ہوگیا۔ بھلا کس کے ذہن میں آسکتا تھا کہ یہ ترکیب کرنا چاہئے کہ دوسری گولی اسی موقع پر ماری جائے تاکہ پہلی کو بھی نکال لیجائے۔ خدا کی طرف سے ایسے سامان ہو جاتے ہیں۔

(۶۳۷) فرمایا کہ اکثر لوگ بچپن میں تربیت کا اہتمام نہیں کرتے یوں کہدیتے ہیں کہ ابھی تو بچے ہیں حالانکہ بچپن ہی میں عادات پختہ ہو جاتی ہیں جیسی عادت ڈالی جاتی ہے وہ اخیر تک رہتی ہے اور یہی وقت ہے اخلاق کی درستی کا اور خیالات کی پختگی کا۔ چنانچہ اول سے ماں باپ میں رہتا ہے اور ان کو ماں باپ سمجھتا ہے تو اگر بعد میں کوئی شک ڈالے خواہ کتنے ہی لوگ شک ڈالنے والے ہوں تو کبھی شک نہ ہوگا بچپن کا علم ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کبھی نہیں نکلتا الا ماشاء اللہ۔

(۶۳۸) فرمایا کہ نفس کے بھی عجیب عجیب کید ہیں۔ ایسے قواعد کلیہ ایجاد کرتا ہے۔ اور پھر جزئیات کو اس میں داخل کرتا ہے جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میرے ذمہ قرض ہے فلاں فلاں رئیس کو لکھ دو کہ وہ اعانت کریں۔ میں نے کہا کہ دوسرے کی طبیعت پر گرانی ہوگی بولے کہ گرانی کا کیا حرج ہے۔ آپ جو لوگوں کی تربیت فرماتے ہیں اس میں بھی تو گرانی ہوتی ہے منجملہ اس کے ایک یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور مجاہدہ میں تو گرانی ہوتی ہی ہے۔ دیکھئے نفس نے اس جزئیہ کو کیسا کلیہ میں داخل کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ اس وقت ان لوگوں کو ایسے مجاہدہ کی ضرورت ہو کیونکہ موجودہ حالت کے موافق مجاہدہ ہوا کرتا ہے۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ مال آپ ہی کو دلویں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ ہست اے خدا ۔۔۔ ما چو مرغان حریص بے نوا
دمبدم پابستۂ دام تو ایم ۔۔۔ گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم
می رہانی ہر دمے مارا و باز ۔۔۔ سوئے دامے می رویم اے بے نیاز

چندہ کے تحریک کے متعلق خود میرے سامنے ایک صاحب علم نے کہا کہ ہماری عزت ہی کیا ہے جو تحریک میں اہانت ہوگی۔ کوئی پوچھے کہ آپ اپنی نظر میں کچھ نہیں ہیں مگر مخاطب کے نزدیک تو ہیں ایک عالم کو سامنے میں نے گراں گذرنے کے متعلق کہا کہ حدیث ہے لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ

کہنے لگے کہ لایحل اس درجہ کا نہیں۔ کوئی پوچھے اگر یہی ہے تو حرمت علیکم امھاتکم الخ میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حرمت اس درجہ کی نہیں۔ آخر لایحل میں آپ نے بلادلیل درجے کیسے نکال لے۔

(ف) ان حکایات کا حضرت والا کا ملکہ شناخت کبود نفس کا اظہر من الشمس ہے۔

(۶۳۹) فرمایا ان الاخرۃ لھی الحیوان سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آخرت سراپا حیواۃ ہے کیونکہ زیادہ مستعمل حیوان بمعنی مصدر ہے یہ ایسا ہے جیسے مرید، عدل، اور اگر صفت بھی ہو تو بمعنی ذی حیات ہوگی۔ پس وہاں کی در و دیوار میں بھی زندگی ہوگی۔ دیواریں گائیں گی نغمات پیدا ہوں گے۔ درخت گائیں گے۔ باقی جنت کا بولنا خود حدیث میں آیا ہی ہے۔ اور وہ بظاہر حقیقت پر محمول ہے۔ یہی صوفیہ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک دوزخ بھی ذی حیات ہے دلیل یہ ہے کہ ھل من مزید پکارے گی نیز اس میں اور بھی آثار حیات کے پائے جاتے ہیں نیز بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارے میں کہا کہ اسکی شکل اژدہے کی سی ہے۔ اس کے پیٹ میں سانپ بچھو کنکھجورے وغیرہ ہیں۔ اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل کے سمجھ میں آجاویں گے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جاوے گی جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے مگر پھر بھی قابو سے نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی ہوگی اور ھل من مزید پکارتی ہوگی۔

(۶۴۰) فرمایا کہ نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیو۔ ستر اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے۔ اس کو امام غزالی ؒ نے لکھا ہے۔ پھر بھی اگر نیند آوے تو سیاہ مرچ چبالو اور دن کو سو رہا کرو۔

(۶۴۱) فرمایا کہ اس وقت مال اس لئے مرغوب ہے کہ طالب زیادہ ہیں اور مطلوب کم ہے اور قرب قیامت میں طالب کم ہوں گے اور مطلوب زیادہ اس لئے اس کی ناقدری ہوگی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مال تو کم ہوتا ہے نہیں کیونکہ یہ فنا نہیں ہوتا روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اسی طرح ہوتے ہوتے قرب قیامت تک بہت ہی کثرت ہوجاوے گی اور فتن کی وجہ سے آدمی کم ہوجاویں گے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو فنا نہ ہو اور بڑھتی رہے تو ایک زمانہ میں بہت ہی کثرت ہوجاوے گی۔ کیونکہ مال پیدا تو ہوتا ہے مگر اس کو موت نہیں آتی مال جب بہت بڑھ جائیگا اس کی حرص نہ رہے گی۔

(۶۴۲) فرمایا کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ مال میں مرغوبیت حقیقیہ نہیں اگر مرغوبیت حقیقیہ ہوتی تو کبھی کسی زمانہ میں بھی مرغوبیت کم نہ ہونا چاہئے تھی۔ دیکھئے ہوا کی مرغوبیت حقیقی ہے جو کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتی۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہوا کو بند کردیں تو مرغوبیت معلوم ہوجاوے۔ قدر کی چیز کبھی بے قدر نہیں ہوتی۔ مال واقعی بے قدری کی چیز ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے لوکانت

الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی منہا کافرا شربۃ ماء کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ میاں کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے مگر چونکہ اس کی کچھ بھی قدر نہیں اس واسطے اللہ میاں مبغوض شے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا کو مبغوض ہو۔

(۶۴۳) فرمایا کہ اس کو خوب سمجھ لو کہ کسب دنیا اور چیز ہے اور حب دنیا اور چیز۔ حب دنیا مذموم ہے اور کسب دنیا بقدر حاجت جائز چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ کی تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کہ زین للناس حب الشہوٰت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذہب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث میں مرغوب چیزوں کی فہرست تو بیان فرمادی مگر ان کی فی ذاتہا مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعد اس سے ایک اچھی چیز کا پتہ بتلا دیا مطلب یہ ہوا کہ ہیں تو سب چیزیں اچھی مثلاً عورتیں اور اولاد وغیرہ سب اچھی ہیں مگر دوسری چیز ان سے زیادہ اچھی ہے اس لئے تم ان ہی چیزوں پر بس مت کرو کیونکہ ذالک متاع الحیٰوۃ الدنیا یعنی یہ تو صرف دنیا کا متاع ہے بلکہ ان سے زیادہ اچھی چیز کو طلب کرو چنانچہ آگے فرماتے ہیں قل اؤنبئکم بخیر من ذالکم للذین اتقوا عند ربہم جنت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وازواج مطہرۃ ورضوان من اللہ واللہ بصیر بالعباد یعنی کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں تم کو ان سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاک کی ہوئی بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے سبحان اللہ کیا بلاغت ہے حکماء کی تعلیم اس درجہ کی کہاں ہوسکتی ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں تو حکمت کے ساتھ شفقت بھی ہے شفیق کی تعلیم سے اور ہی نفع ہوتا ہے نری حکمت کی تعلیم میں وہ نفع کہاں غرض حق سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی مذمت نہیں فرمائی البتہ ان کی خاص درجہ کی محبت کی مذمت فرمائی کہ ان میں اس قدر انہماک ہوجاوے کہ ان سے جو اچھی چیز ہے اس سے بالکلیہ غفلت ہوجاوے۔ یعنی آخرت سے بے فکری ہوجاوے اور ان ہی چیزوں پر اطمینان ہوجاوے۔

(۶۴۴) فرمایا کہ دنیائے مذموم وملعون کی مثال ایسی ہے جیسے کوڑے پر سبزہ جما ہوا جس کو کوئی دیکھنے والا سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اس کے ظاہر رنگ وروپ کو دیکھ کر فریفتہ ہوجاوے اور جب وہاں پہنچے تو پاخانہ بھرجاوے یہی حال دنیا کا ہے کہ ظاہر تو اس کا بہت بھلا ہوتا ہے مگر اندر نجاست بھری ہوئی ہے یا خوبصورت سانپ کی سی مثال ہے جس کا ظاہر تو اچھا ہے

نقش ونگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا پڑا ہے ؎

زہر ایں مار منقش قاتل است　　باشد از وے دور ہر کو عاقل است

اگر بچہ کے سامنے سانپ چھوڑ دو تو وہ اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے گر اس کا انجام کیا ہوگا۔ ہماری حالت بھی اسی بچہ کی سی ہے کہ ہم دنیا کے ظاہری آب و تاب اور نقش ونگار اور رنگ و روپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جتنا خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہریلا ہوتا ہے اسی لئے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے

(۶۴۵) فرمایا کہ حق تعالےٰ نے انسان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی شہوت کو مار دے اور حرص کو بالکل زائل کر دے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسی شہوت اور حرص کو باقی رکھ کر اس کو دنیا سے عمدہ چیز یعنی نعمائے اخروی کے تحصیل کی طرف مائل کر دے۔ پس علاج حرص کا یہ ہے۔

(۶۴۶) فرمایا کہ غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت۔ خیال مت کرو۔ تذکرہ مت کرو۔ اس صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم ہوگا اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ کیونکہ قدرتی طور پر غم میں بھی حکمت اور نفع ہے اگر غم نہ ہو تو تمدن نہ ہو۔ بیان اس کا یہ ہے کہ سائنس اور طب کا مسئلہ ہے کہ جس قوت کا استعمال ہوتا ہے اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے ورنہ وہ قوت کم ہو جاتی ہے پس اگر غم نہ ہوتا تو رحمدلی کا ہیجان کیسے ہوتا اور جب اس کا ہیجان نہ ہوتا تو اس کا مادہ جاتا رہتا اور بدون رحمدلی کے تعاون نہیں ہو سکتا اور بدون تعاون کے تمدن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے غم میں بڑی مصلحت ہے کہ یہ محافظ ہے ترحم کا اور وہ محافظ ہے تعاون و تمدن کا اور غم میں اپنی ذات کے متعلق بھی مصلحت ہے کہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ غرض غم میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مصالح ہیں۔ اگر کسی کو غم اور فکر نہ ہو سارے بے فکر ہی ہوں تو کوئی کسی کا کام نہ کرے۔ سارے تندرست ہی رہیں بیمار نہ ہوں تو ڈاکٹر، طبیب، عطار سب بیکار ہو جاویں۔ یہ تو دنیوی نفع ہے اور دین کا نفع یہ ہے کہ اگر کوئی غریب نہ ہو تو زکوٰۃ کس کو دو گے۔ پس اصل میں تو غم مفید چیز ہے مگر کس قدر جس قدر حق تعالےٰ کا دیا ہوا ہے یعنی طبعی ہے۔ باقی آگے جو حواشی ہم نے بڑھائے ہیں وہ برے ہیں۔

(۶۴۷) فرمایا کہ حد سے زیادہ غم کرنا گناہ ہے اور گناہ بھی بے لذت اور علاج کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ اس آیت ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق میں ایسے ہی غم کے علاج کا بیان ہے۔ اور یہ بیان ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ کہ اگر شے مرغوب کے جاتے رہنے سے غم لاحق ہو گر کسی ایسی

دوسری چیز کا پتہ ہم کو مل جاوے اور اس کے ملنے کا یقین ہو جاوے کہ جو اس شئے مرغوب سے ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہو تو پہلی چیز کا غم نہیں ہونا چاہئے جیسے کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اس کو چھین کر بجائے اس کے روپیہ دیدے تو ظاہر ہے کہ پیسہ کا غم بالکل ہی نہ ہوگا بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ یہی بات اس آیت میں ہم کو بتلائی گئی ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں اور گو ہمیں انتہا درجہ مرغوب ہیں مگر وہ سب فنا ہونے والی ہیں اس لئے ہم کو حکم ہے کہ تم ان مرغوب چیزوں تک مت رہو بلکہ جو چیز ان سے اچھی ہے اور وہ باقی ہے اس کی رغبت کرو اس طرح وہ غم فانی کا مغلوب ہو جائے گا۔

اصل علاج یہ ہوا کہ آخرت کی مرغوبات پر نظر کر کے دنیا کی مرغوبات کی طرف زیادہ توجہ نہ کرو تو غم غلط ہو جائے گا۔

(۶۴۸) فرمایا کہ حق سبحانہ تعالےٰ کی عجیب تعلیم ہے کہ معاد کی اصلاح تو فرمائی ہی ہے معاش کی بھی پوری اصلاح فرمائی کیونکہ اس علاج مذکور سے نفسانی دیدنی راحت بھی تو حاصل ہو گئی اور خیال کرنے کی بات ہے کہ دنیا کی مرغوب سے مرغوب شئے اگر اس وقت کم بھی نہ ہوتی مگر کبھی نہ کبھی تو ضرور کم ہوتی کیونکہ فنا ہونا تو گویا اس کے ذاتیات سے ہے جیسے چراغ میں تیل ہو جو محدود بھی ہے اور کم بھی ہو رہا ہے تو وہ ایک نہ ایک وقت ضرور ہی ختم ہوگا۔ اسی طرح انسان ایک نہ ایک دن ختم ہو کر رہیگا اطباء نے لکھا ہے کہ رطوبت کی مثال تیل کی سی ہے اور حرارت غریزیہ جو مرکب ہے روح کا اس کی مثال شعلہ چراغ کی سی ہے جیسے تیل ختم ہو کر چراغ گل ہو جاتا ہے اسی طرح رطوبت فنا ہو کر روح ختم ہو جاتی ہے پس ختم ہونے والی چیز سے زیادہ کیا جی لگانا خدا تعالےٰ سے دل لگانا چاہئے۔ دنیا کی محبت تو بر سر آب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار　　عشق با حی و با قیوم دار
عاشقی با مردگان پائندہ نیست　　زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست
غرق عشقی شو کہ غرق است اندریں　　عشقہائے اولیں و آخریں

غرض غم کے ہلکا کرنے کے لئے یہ عجیب تعلیم ہے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق یعنی خدا تعالےٰ کے یہاں کی چیزیں باقی ہیں اور وہی رغبت کے قابل ہیں۔ پھر یہ بھی سوچو کہ آدمی مر کر جاتا کہاں ہے، ظاہر ہے کہ خدا کے پاس جاتا ہے تو اب تو وہ ما عند اللہ میں داخل ہو گیا پہلے وہ ما عندکم کا مصداق تھا۔ اس وقت وہ فانی تھا اور اب باقی ہو گیا ہے کیونکہ اس موت کے بعد پھر موت نہیں تو اب تو وہ مرنے

کے بعد پہلی حیات سے اچھی حیات میں پہونچ گیا وہ پہلی فانی تھی اور دوسری باقی ہے۔ پس ہیں مرغوب شے (مثلاً اپنا محبوب) سے محبت اس حیثیت سے زیادہ ہونی چاہئے کہ وہ خدا کے پاس ہے بہ نسبت اس حیثیت کے کہ وہ ہمارے پاس ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور حضرت عباسؓ کے انتقال پر حضرت ابن عباس کی تسلی یوں کی ؎

خیر من العباس اجرك بعدہ　　　والله خیر منك للعباس

مطلب یہ کہ اے ابن عباس صبر پر تم کو عباس فانی کے عوض میں اجر باقی ملا اور عباس فانی اب عباس باقی ہوگئے یعنی اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے تو نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا نہ ان کا پھر کاہے کا غم

(۶۴۹) فرمایا کہ لوگ عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے قبر میں اس کو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے اور ایسی حیات مثل عدم حیات کے ہے۔ صاحبو یہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے وہاں بڑی راحت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ارواح اس کا استقبال کرتی ہیں یعنی اس کے عزیز قریب جو اس سے پہلے چلے گئے ہیں وہ اس سے ملتے ہیں اور اس سے دوسرے متعلقین کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص تو مرگیا ہے تو کہتے ہیں افسوس وہ دوزخ میں گیا ہے ورنہ ہم سے ضرور ملتا۔ اور اس سے ان کو غم ہوتا ہے۔ غرض موت کے بعد مردے اس طرح باہم خوش ہو کر ملتے جلتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ بس مرنے کے بعد الو کی طرح پڑے رہیں گے لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ بات نہیں۔ یاد رکھو کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے یہ تو صورت قبر ہے۔ اور حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے وہاں سب جمع ہوتے ہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کا مجمع ہے۔ دنیا میں تو جدا بھی ہو سکتے ہیں جیسے کوئی ملازمت سے رخصت لیکر آئے اور اپنے لوگوں کے پاس رہے۔ جب رخصت ختم ہوگی تو جدائی ہو جاوے گی۔ تو دنیا کا اجتماع تو ایسا ہے۔ اور وہاں کی یکجائی ختم نہیں ہوتی۔ وہاں تو عیش ہی عیش ہے۔ بات یہ ہے کہ حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کو موت سے وحشت ہوگئی ہے ورنہ موت تو لقاء حبیب کے لئے ایک جسر یعنی پل ہے کہ اس سے گذرے اور لقاء حبیب ہوگئی اور لقائے باری تعالیٰ سے کون سی چیز اچھی ہوگی، اسی لئے اہل اللہ کو تو موت کا شوق ہوا ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　　راحت جان طلبم وازپے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　　تا درمیکدہ شاداں وغزلخواں بروم

ان سے پوچھئے کہ موت کیا چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے الموت تحفۃ المؤمن کہ موت مومن کا تحفہ ہے

نظام حیدر آباد اگر کسی کے پاس تحفہ بھیجیں اور گھر والے رونے لگیں تو کیسے افسوس کی بات ہے اور میری مراد اس غم سے غم مکتسب ہے نہ کہ غیر مکتسب۔ جدائی کا طبعی صدمہ جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا مضائقہ نہیں سوچ سوچ کر اس کو بڑھانا مذموم ہے۔ بلکہ ان مضامین کو سوچکر اس کو گھٹانا چاہیئے۔

دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اگر اس سے کہیں تو تنگ جگہ سے نکل اس سے فراخ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہ کرے گا اور جانے گا کہ یہی ہے جو کچھ ہے۔ مگر جب باہر آتا ہے تو ایک بڑا عالم دیکھتا ہے کہ رحم کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ اور اب اگر اس سے کہا جاوے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہ کرے گا اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے۔ جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کرو گے اور دنیا میں ہرگز نہ آنا چاہو گے۔ جب خدا کے پاس پہونچنے کا وقت قریب آتا ہے اور اس عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے اس وقت اگر مومن کو کوئی حیات افزا چیز دیکر کہا جاوے کہ لو اسے کھا لو تاکہ تم مدت دراز تک زندہ رہو تو وہ لات مار دے گا اور چاہیگا کہ فوراً مر جاؤں چنانچہ یہاں ایک پردیسی طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ ان کی تسلی کرتے تھے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ یوں نہ کہو اب تو خدا تعالےٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے تتنزل علیھم الملائکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے لئے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے پائے تخت شاہی کی طرف چلے تو گو اس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہوں گے مگر وہ شخص یقیناً شاداں و فرحاں ہوگا اگر اس حالت میں بادشاہ کی طرف سے یوں ارشاد ہو کہ اگر تم چاہو تو اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا۔ اسی طرح جب راحت آخرت کی خبر ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اس وقت اگر اس سے دنیا میں رہنے کو کہیں تو ہرگز راضی نہ ہوگا۔ بس اے صاحبو۔ ماعند اللہ سے رغبت کرو اور اسی رغبت کی بدولت اہل اللہ ہر وقت شگفتہ رہتے ہیں اور ان کو وہاں کے متعلق قسم قسم کی تمنائیں اور امیدیں لگی ہوتی ہیں۔ ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

کوئے نا امیدی مرد کا امید ہاست ہا سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

انہیں غم نہیں ہوتا۔ چنانچہ منصور کی یہ حالت ہوئی کہ جب ان کو دار پر لیجانے لگے تو وہ خوش ہو کر کہتے تھے ؎ اقتلونی یا ثقاتی ان فی موتی حیاتی

غرض موت اہل اللہ کا تو کھیل ہے۔ ان کا تو مشغلہ ہے۔ پس ہم کو یہ حالت پیدا کرنا چاہئے کہ بجائے غم کے شوق ہو جس کا ایک سہل طریقہ یہ ہے کہ ان مضامین پر غور کرو جو میں نے اس وقت بیان کئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے غم کا بھی علاج ہو جاوے گا اور آخرت کا بھی شوق پیدا ہوگا۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق میں اسی کا علاج بتلایا ہے۔ سبحان اللہ کیسا عجیب علاج ہے۔ اس کا مراقبہ کیا کرو کہ آخرت میں جو راحت ہے وہ دنیا سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے اور مرنے والا ہمارے پاس سے خدا کے پاس پہنچ گیا ہے اور یقیناً خدا کے پاس رہنا ہمارے پاس کے رہنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ ہم سے کہیں زیادہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جتنی محبت تمام جانوروں۔ آدمیوں کی ماؤں کو اپنے بچہ سے ہے کل مجموعی محبت سے بڑھ کر حق تعالیٰ کو اپنے بندہ سے ہے۔ اور گو امکان کے درجہ میں وہاں کی عقوبت کا بھی احتمال اس مرنے والے کے لئے ہے مگر اپنے مسلمان عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کی جاوے کہ وہ خدانخواستہ وہ مجرموں کی طرح تکلیف میں ہوگا بلکہ نیک گمان رکھو (بمقتضائے سبقت رحمتی علی غضبی) اور اس احتمال کے تدارک کے لئے اس کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرتے رہو یہ اس کے لئے ہمارے غم کرنے سے زیادہ نافع ہے۔

(۶۵۰) فرمایا کہ ادب اور تقویٰ کو زیادہ دخل ہے استفاضہ علم میں چنانچہ ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا تھا کہ مولانا (آخر الذکر) نے یہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں ان کو یہ علم کہاں سے آیا مولانا سابق الذکر) نے فرمایا کہ اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے اور مولانا میں وہ سب جمع تھیں۔ ایک تو مولانا طب کی رو سے معتدل مزاج تھے اس لئے ان پر نفس کا اثر قائض ہوا۔ دوسرے یہ کہ استاد بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علی صاحب جن کا علم و فضل مخفی نہیں۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ متقی اعلیٰ درجہ کے تھے۔ پھر ان میں استاد کا ادب بہت تھا اور پھر پیر بڑے کامل ملے یعنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ان باتوں کے جمع ہونے سے یہ برکت ہوئی ادب کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا ذوالفقار علی صاحب بیماری میں آپ کے پاس جاتے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ حضرت آپ میرے استاد ہیں۔ انہوں نے کہا میں کہاں سے استاد ہو گیا تو فرمایا کہ مولانا مملوک علی صاحب ایک دفعہ کسی کام میں تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دیجیو چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا۔ دوسرا قصہ یہ ہے کہ تھانہ بھون کا ایک گندھی جس کو اہل علم سے محبت تھی مجھ سے کہتا تھا کہ وہ ایک بار دیوبند مولانا کی مجلس میں حاضر ہوا۔ مولانا نے فارغ ہو کر پوچھا کہاں سے آئے ہو

اس نے کہا تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ یہ سنکر گھبرا گئے اور کہا کہ بے ادبی ہوئی وہ تو میرے پیر کا وطن ہے آپ آئے اور میں بیٹھا رہا مجھ کو معاف کیجئے۔ وہ گندھی کہتا تھا کہ میں مولانا کی اس حالت کو دیکھ کر شرمندگی سے مرا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ نقل کے لئے مولانا کو دیا ایک مقام پر املا میں غلطی ہوگئی تھی مولانا اس مسودہ کو نقل کر کے لائے تھے تو اس لفظ کی جگہ بیاض چھوڑ دی صحیح بھی نہیں لکھا اور کہا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا اور غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی درست کر دیں مگر کس عنوان سے کہا۔ یہ نہیں کہا کہ غلطی ہوگئی ہے۔

(۶۵۱) فرمایا کہ جتنا کوئی محقق ہوگا اتنا ہی بدنام ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر گہری ہوتی۔ ہے لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں بنظاہر اس کی باتیں ان کو خلاف معلوم ہوتی ہیں اس لئے کفر تک فتویٰ قائم کر دیتے ہیں اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں۔ مگر کیسے لوگ تھے کہ ایسی بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادۃً قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہے اور پھر یہ کہ عبادات بکثرت کرتے تھے مثلاً دو سو رکعت یومیہ یا زیادہ نفل پڑھتے تلاوت بکثرت کرتے تھے۔ ہم لوگ اگر دو سو رکعت نفل پڑھیں تو اور سب کاموں کو چھوڑیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہو جاتی ہے تو وہ زمان و مکان کیساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے حضرات متقدمین ایسے ہی تھے اور اس برکت میں زیادہ دخل تقوی کو ہے

(۶۵۲) فرمایا کہ بیعت میں جلدی اچھی نہیں جب خوب محبت ہو جاوے پیر سے اس وقت بیعت زیادہ نافع ہے اس کی ایک مثال ہے اور ہے تو فحش مگر بیان کئے دیتا ہوں ایک تو ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی پر عاشق ہونا کہ ماں باپ نے نکاح کر دیا اس کے بعد محبت ہو جاتی ہے۔ اور ایک ہے عاشق ہو کر نکاح کرنا دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسی قدر دوسری صورت میں ہوتی ہے پہلی صورت میں عشر عشیر بھی نہیں کیونکہ دوسری صورت میں مدتوں پیچھے پھر کر تکالیف اٹھا کر نکاح ہوگا تو وہ شخص جیسی بیوی کی قدر کرے گا پہلی صورت والا نہیں کر سکتا اسی طرح بیعت بھی ہے کہ ایک تو وہ شخص ہو کہ آتے ہی بیعت ہو جاوے۔ اور ایک وہ کہ عاشق ہو کر بیعت ہو۔ پوری قدر اس کو ہو گی بیعت کی۔

(۶۵۳) حضرت والا کے ایک ملازم نے اپنے والدین کو سخت باتیں کہی تھیں حضرت نے اس کے والد کو معہ اس کے بلا کر معافی چاہنے کو کہا۔ اس نے معافی چاہی اور والدہ کے پاس بھی بھیجا کہ معافی

چاہو۔ چنانچہ وہ گیا اور معافی چاہی۔ پھر فرمایا اگر والدین سے کسی وقت تکلیف بھی پہونچے تو برداشت کرو۔ انہوں نے تمہارے لئے کتنی تکالیف اٹھائی ہیں۔ جو بات تم کہنا چاہتے تھے وہ دوسرے طریقے سے کہدیتے۔ بھائی اعتراض و استغنا کے طور پر کہنا ٹھیک نہیں صاف گو ہونا اچھا مگر نہ ہونا چاہیے میں شفقت سے کہتا ہوں۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑو۔ ماں سے بھی معاف کراؤ۔ اس نے باپ سے کہا مجھ سے غلطی ہوئی میں معافی چاہتا ہوں میں کبھی ایسا نہ کروں گا۔ اور حضرت سے کہا کہ آپ جب چاہیں آئندہ تحقیق کرلیا کریں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس کا لہجہ کچھ ایسا ہے جس سے بدخلقی معلوم ہوتی ہے۔

(۶۵۴) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ طلوع کے وقت جو نماز پڑھنا منع ہے تو اس کے لئے کتنا وقت ہے۔ فرمایا کہ آفتاب اتنا روشن ہوجاوے جس پر نگاہ کرنے سے نگاہ خیرہ ہوجاوے۔

(۶۵۵) فرمایا کہ غیبت اصل میں جہاں مصلحت شرعی نہ ہونا جائز ہے اور جہاں مصلحت شرعی ہو جائز ہے مثلاً کسی نے ظلم کیا حاکم کے یہاں جاکر اس کا حال بیان کرنا جائز ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے وہ چور ہے اور آقا کو خبر نہیں اور ایک شخص کو اس کا حال معلوم ہے تو اس کو مطلع کردینا ایسے عیوب پر جائز ہے۔ البتہ غیبت کرکے اپنے غصہ کا فرو کرنا یہ بُرا۔ اور بعض اوقات مقصود تو ہوتا ہے شفائے غیظ مگر تاویل سے کوئی دوسری بنا غیبت کرنے کے لئے نکالی جاتی ہے اور اس قسم کی غیبت فقہا اور علماء میں بہت ہے اور یہ بھی بُرا ہے۔ اس سے تو فساق ہی کی غیبت اچھی کیونکہ وہ اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتے اور فساق برا جانتے ہیں۔ امام غزالی رح نے غیبت کی پوری تفصیل کی ہے۔ یہانتک لکھا ہے کہ کسی کے مکان اور کپڑے وغیرہ کو بھی برا کہنا غیبت میں داخل ہے۔ اور کافر کی برائی جو کفر کے متعلق ہو وہ تو جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں۔

(۶۵۶) فرمایا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں۔ اسلم طریق یہ ہے کہ جس سے بیعت ہونا چاہے ایک مدت معتد بہا تک اس کو جانچے جس کے دو طریق ہیں ایک مصاحبت طویلہ یعنی مدت کافیہ تک اس کے پاس رہے اور یہ احوط ہے دوسرا طریق مکاتیب طویلہ یعنی اس سے کچھ طریق پوچھ کر اس پر عمل کرے پھر اپنے احوال سے اس کو اطلاع دے پھر جو وہ تجویز کرے اس کا اتباع کرے اسی طرح مدت دراز تک کرتا رہے بعد اس کے اگر دل چاہے بیعت کی درخواست کرے پھر دوسرا جو کچھ جواب دے اسپر راضی رہے۔

(۶۵۷) فرمایا کہ اصلاح اعمال وکثرت استغفار کو دفع طاعون میں بڑا دخل ہے۔

(۶۵۸) فرمایا کہ پڑیا کے رنگے ہوئے کپڑے سے نماز نہ پڑھنا بہتر ہے اور پڑھنے میں بھی گنجائش ہے

(۶۵۹) ایک شخص نے دریافت کیا کہ نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فرض فجر کیلئے جاتا ہوں اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔ فرمایا کہ اس وقت نہ تحیۃ الوضو ہے نہ تحیۃ المسجد نیز ان سنتوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے بلکہ جمیع سنن موکدہ کا تاکہ اتہام یا تشبہ باہل بدعت سے محفوظ رہے جو کہ تارکین سنن کے ہیں۔

(۶۶۰) فرمایا کہ درود شریف جس قدر ہو موجب برکت ہے باقی کسی درود میں یہ خاصیت نہیں کہ اس سے ضرور زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جاوے اس کے لزوم کا اعتقاد نہ کیا جاوے ہاں تمنائے زیارت رکھئے اور اس کے لئے صرف دعا کرلیا کیجئے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد و ثوق کے ساتھ رکھئے کہ اگر کوئی عمر بھر بھی زیارت منامی سے مشرف نہ ہو مگر ہو متبع سنت وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے اور جو روزانہ تمام شب مشرف بزیارت رہتا ہو مگر اتباع سنت سے محروم ہو وہ شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض ہے۔

(۶۶۱) کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حنفی مذہب میں سورۂ حج میں سجدۂ اولیٰ کرتے ہیں اور سجدۂ ثانیہ نہیں کرتے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئے لہذا میں دونوں سجدے کروں یا صرف ایک فرمایا کہ حنفی کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ واجب نہیں۔ لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کرلینا بھی بہتر ہوگا۔ البتہ نماز کے اندر سجدۂ زائد بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے۔ البتہ ایک خاص طریق سے اگر کرلیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا وہ طریق یہ ہے کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔

(۶۶۲) فرمایا کہ ابتدا میں اسم ذات کی کثرت دوسرے اشغال واذکار سے زیادہ مناسب ہے۔

(۶۶۳) کسی صاحب نے لکھا دعا فرمائیے میرا لڑکا حافظ ہو جاوے۔ ذہن بہت خراب ہے جو یاد کرتا ہے بھول جاتا ہے بیس پارہ حفظ ہو گئے ہیں لیکن تمام ہیں بعض شخص کہتے ہیں کہ اس کو ناظرہ ختم کرادو۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لڑکے کو حفظ قرآن آسان کرادیں۔ بعد نماز صبح ایک بسکٹ پر سورۂ الحمد شریف لکھ کر روزانہ اس کو کھلانا چاہئے باقی مشورہ بدون دیکھے ہوئے دنیا ناکافی ہے۔ علاوہ اس کے میری عادت بھی مشورہ دینے کی نہیں۔

(۶۶۴) ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ آپ اپنی رائے پر چلنے سے ہمیشہ پریشان رہے اور اب بھی

آپ کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اگر آپ کو اپنی خیر مطلوب ہے تو اپنی رائے سے بالکل کام نہ لیجئے اور اپنے ذمہ اس سے زیادہ کوئی کام نہ سمجھئے کہ جس سے اعتقاد ہو اس کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہئے اور وہ جو رائے دے اس کا اتباع کرتے رہئے اور نفس کو ناکامی پر راضی کر دیجئے۔ اگر یہ نہ کیا جاوے گا آپ ایک قدم آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ آخر خط میں اپنا علاج آپ نے خود تجویز کیا ہے کہ اگر سلسلہ میں داخل کر لیں تو شاید مفید ہو تو آپ مثل اس مریض کے ہیں کہ طبیب کے نسخہ لکھنے کے بعد ایک نسخہ خود لکھ کر طبیب کو دکھلا دے کہ شاید یہ نسخہ زیادہ مفید ہو۔

جو مریض اپنے کو طبیب سے زیادہ محقق سمجھے اس کا مرض لاعلاج ہے آپ کا اصل مرض خود رائی ہے جو میری بار بار تنبیہات اور مدلل تحقیقات سے بھی دور نہ ہوئے۔ ایک ہی بات کو کہاں تک ٹانکے جاؤں پھر لطف یہ کہ اس پر دعویٰ اتباع و اعتقاد کا۔ بس اب اخیر جواب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی جواب تحریری دینا نہیں چاہتا اگر آپ کو اپنی خیر منظور ہے۔ تو ایک برس کی مہلت نکال کر یہاں آؤ چھ مہینہ بالکل ساکت و صامت ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس مدت میں فقط میری باتوں کا سننا اصل کام ہو گا پھر چھ مہینہ تک آپ سے کام لیا جاوے گا اگر اس کے بعد بھی آپ کا یہ مرض نہ گیا تو مرض کو تو لاعلاج نہ سمجھوں گا البتہ مریض اور طبیب میں عدم مناسبت کا فیصلہ کر کے آپ کو کسی شیخ کامل کا نام بتلا دیا جاوے گا کہ اس سے جا کر مستفیض ہوں اور اگر یہ شرط آپ کو ثقیل معلوم ہو تو بہتر ہے کہ ابھی سے آپ دوسرے شیخ کی طرف رجوع کریں۔ مجکو اپنے کو دماغ پچی سے پریشان اور مکدر کرنا فضول۔ بلکہ عجب نہیں کہ آپ کے لئے مضر ہو جاوے کیونکہ ایسے شخص کو ستانا جو دوسرے کو نہ ستاوے باطن کے برباد کرنے میں سخت موثر ہے خاصکر جس کو اپنے دعویٰ میں اپنا شیخ سمجھتا ہو اس کو ایذا دینا بالکل خدا و رسول کو ایذا دینا ہے! اخیر بات یہ ہے کہ اس کے جواب میں بجز لا و نعم کے اگر کوئی جواب آیا تو یہاں سے کچھ جواب نہ دیا جاوے گا۔

اس پر اس طالب نے لکھا کہ حضرت اقدس بجز نعم و لبیک اور کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ قیام تھانہ بھون بمدت ایک سال کے بابت خاکسارانہ استفسار ہے کہ خادم غریب و مسکین شخص ہے۔ مصارف قیام وغیرہ کے برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت نے تحریر فرمایا کہ میں اس کے جواب کا ذمہ دار نہیں۔ باقی یہاں جس طرح کی خدمت بلا التزام و بلا کفالت و بلا تعیین مقدار و بلا تعیین مدت احیاناً یا غالباً ہو جاتی ہے اس میں آپ بھی شریک ہو سکتے ہیں اگر آپ اپنے اندر اس توکل کی قوت پائیں بسم اللہ کریں ورنہ میں کچھ نہیں بتلا سکتا لیکن اگر آنا ہو تو میرے دونوں خط ہمراہ ضرور لائیں اور آتے ہی دکھلا دیں۔

(۶۶۵) فرمایا کہ لیلۃ القدر میں اس دعا کے پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اللھم انک عفو تحب

العفو فاعف عنی۔

(۶۶۶) فرمایا کہ معمولات کا جاری رہنا یہ خود ایسا حال رفیع ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی امر جدید کا نہ ہونا مضر نہیں کیونکہ اس جاری رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے جو بتصریح اکابر فوق الکرامۃ ہے

(۶۶۷) فرمایا کہ نفع باطنی کا دارومدار مناسبت طبیعت پر ہے اور اس کو خود صاحب معاملہ ہی جان سکتا ہے جب تک دو طبیعتوں میں موافقت نہ ہوگی نفع نہ ہوگا۔ مرید تو شیخ کو یہی سمجھتا ہے کہ میرے لئے بس جو کچھ ہیں یہی ہیں۔ چاہے وہ کچھ بھی نہ ہوں ؂

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

(۶۶۸) فرمایا کہ بیعت کرنے کو میں اس لئے ٹالا کرتا ہوں کہ بعد بیعت کے آدمی مجبور ہو جاتا ہے اپنی اصلاح بشاشت کے ساتھ نہیں کرتا بلکہ مجبوری سے کرتا ہے اور اگر بیعت نہ کیا جاوے تو اس کے انتظار میں خوشی سے خود اپنی اصلاح کرتا ہے۔ اس کو کوئی مجبوری نہیں ہوتی اگر شوق ہوگا اصلاح کرے گا ورنہ نہیں۔ بخلاف بیعت ہو جانے کے کہ پھر مجبور ہو جاتا ہے۔

(۶۶۹) فرمایا کہ مسلمانوں کو جتنی کم فرصتی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے اس پر یہ قصہ بھی فرمایا کہ ایک بزرگ کہیں تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا اس کو سلام نہیں کیا جب واپس ہوئے تو پھر وہ شخص وہیں بیٹھا تھا اور تنکے سے زمین کرید رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے ان کو سلام کیا۔ خدام نے عرض کیا کہ پہلے سلام نہ کرنے کا کیا سبب تھا اور واپسی میں سلام کرنے کا کیا سبب ہوا۔ فرمایا کہ پہلے وہ شخص بالکل خالی بیٹھا تھا اس لئے میں نے اس کو سلام نہ کیا کیونکہ بیکار شخص کو شیطان اپنی طرف مشغول کر لیتا ہے اور واپسی میں وہ شخص اگرچہ ایک فضول کام میں مشغول تھا مگر خیر بیکار نہ ہونے کی وجہ سے شیطان کی مشغولی سے تو بچا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام کیا۔

(۶۷۰) فرمایا کہ عورتوں کی اصلاح کے لئے بس یہ کافی ہے کہ وہ کتب دینیہ کا مطالعہ کرتی رہیں باقی آجکل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کریں عورتوں میں ملنا قریب بمحال ہے اور خاوند کی معتقد نہیں ہوتیں۔ اس لئے بس کتابیں پڑھا یا سنا کریں۔ خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ آگے چاہے اصلاح ہو یا نہ ہو بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں۔ وہ تو مواخذہ سے بری ہو جائیں گے۔

(۶۷۱) فرمایا کہ طالب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں خود طلب بڑی سفارش ہے۔ اس سلسلہ

میں یہ بھی فرمایا کہ مجھے طالب علموں کے لئے اس ترفع کی وضع سے سخت نفرت ہے۔ حضرت والا کے ماموں زاد بھائی مدرسہ میں پڑھتے تھے بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے مدرسہ سے علیحدہ کر دیئے گئے ان کے ورثا نے چاہا کہ یہ پھر مدرسہ میں پڑھیں چنانچہ وہ بعد ظہر آئے مگر اچکن تکلف کی پہنے ہوئے تھے اور ٹوپی بھی ان کے مناسب حال نہ تھی حضرت والا نے فرمایا کہ میں تم سے جب گفتگو کروں گا کہ اول اس ٹوپی اور اچکن کو علیحدہ کر کے آؤ۔ یہ اچکن اور ٹوپی طالبعلموں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۶۷۲) فرمایا کہ نکاح ثانی کر کے لوگ عدل نہیں کرتے۔ بس عدل کا نام ہی نام سُنا ہے دیکھا تو ہے نہیں کہ عدل کیسا ہوتا ہے۔ آجکل نکاح ثانی کرے تو بہ نیت مجاہدہ کرے کیونکہ یہاں جتنا عذاب ہوگا وہ ثواب ہوگا یعنی جس قدر تکلیف دو بیویوں کے ہونے سے ہوگی (کیونکہ حسب عادت پریشان و تنگ ضرور کریں گی) اس کا اجر خدائے تعالیٰ کے یہاں ملے گا۔

(۶۷۳) فرمایا کہ اچھے کپڑے کو مخدوم بنانا پڑتا ہے کہ کہیں خراب نہ ہو جاوے۔ گرد نہ لگے میلا نہ ہو۔ حالانکہ اصل میں وہ خادم ہے۔ (ف) اس سے حکمت ظاہر ہے نیز سادگی کی ترغیب۔

(۶۷۴) ایک صاحب نے بذریعہ خط دریافت کیا کہ میں چلہ میں بیٹھ جاؤں اور پرہیز تحریر فرمائیے کہ کیا کھاؤں اور کس چیز سے احتیاط رکھوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ چلہ میں بیٹھ کر اچھوانی پیئیں یہی پرہیز ہے۔

(۶۷۵) ایک صاحب نے کسی مریض کے لئے تعویذ مانگا دریافت پر معلوم ہوا کہ اس کو سخت بخار ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ تیماردار سمجھے کہ کسی آسیب وغیرہ کا خلل ہے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بھائی اس کا علاج کرو۔ مرض میں ایسا ہوا کرتا ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو۔ البتہ اگر حکیم کہدے کہ بیماری نہیں ہے وہ وقت تعویذ لینے کا ہے۔ اگر میں ابھی تعویذ دیدوں گا تو تم علاج سے بے فکر ہو جاؤ گے اور مریض کو ضرر ہوگا۔ چنانچہ اس وقت حضرت نے تعویذ نہیں دیا۔ (ف) اس سے حضرت والا کی حکمت اور بیدار مغزی معلوم ہوئی۔

(۶۷۶) فرمایا کہ اگر کوئی ملزم اپنے آپکو کسی ترکیب سے سزا سے بچائے تو شرعاً کچھ گناہ نہیں جائز مثلاً سزائے رجم میں اگر زنا کا اقرار نہ کرے تو رجم سے بچ جاوے گا۔ علیحدہ چپکے سے اللہ میاں سے توبہ کرے۔ اسی طرح چوری میں جس کی چیز لی ہے اس کو واپس کر دے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور عدالت میں اقرار نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ (ف) شرعاً لوگوں کو وسعت دینا شعبہ ہے حسن خلق اور رحمت عامّہ کا۔

(۶۷۷) حضرت والا بروز پنجشنبہ گڈھی جو کہ تھانہ بھون سے کچھ فاصلہ پر ہے وہاں کے لوگوں کے بلانے پر ضرورتاً تشریف لے گئے تھے شنبہ کے دوپہر کو واپس تشریف لائے۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت کی

دعوت اسی دن شام کی کرنی چاہی اور ایک بچہ سے کہلوایا۔ اس بچہ نے یہ بھی کہا کہ ہم نے سب سامان کل ہی کرلیا تھا کیونکہ حضرت والا کی واپسی کی جمعہ کے شام کو خبر تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بھائی تم نے میرے آنے سے پہلے اور میری بلا اجازت کیوں سامان کرلیا۔ پھر حضرت مکان تشریف لے گئے۔ واپسی پر مولوی صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ گھر میں رنجیدہ ہونے لگیں میں معذور ہوں ان سے یہ سوال نہیں کرسکتا کہ تم نے بلا اجازت میری کیوں انتظام کیا کیونکہ وہاں تو انتظام ہے ہی اور آپ سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ بغیر میرے آئے ہوئے اور بغیر میری اجازت لئے ہوئے آپ نے کیوں انتظام کیا۔ آپ سے یہ بات خلاف اصول ہوئی۔ قبول دعوت کے موانع بھی تو پیش آسکتے ہیں۔ ایک تو یہی پیش آیا کہ میں کل نہ آسکا دوسرا یہ پیش آیا کہ گھر میں منظور نہ کیا۔ میرا معاملہ ہوگیا ہے نازک۔ یہ ہفتہ دوسری جگہ کھانا کھانے کا ہے اور اس ہفتہ میں ابتک ایک وقت بھی وہاں کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس وقت میں اس ارادہ سے مکان گیا تھا کہ ان کو سمجھا دوں گا۔ مگر مجھے ایسے موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں ان کو یہ خیال نہ ہو کہ اس طرف سے بے توجہی ہے چنانچہ میرا یہ گمان قبل کہنے کے ہی ظاہر ہوگیا کہ انھوں نے شکایت کی کہ میرے ہی دنوں میں دعوتیں ہوتی ہیں اور میرے ہی دنوں میں سفر ہوتا ہے۔ عورتوں کا کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ہم نے بھی نیت کرلی ہے کہ سنیں گے جو کچھ کہا جاوے گا۔ ضابطہ کا برتاؤ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ دل چاہتا ہے کہ میری وجہ سے دل آزاری نہ ہو۔ رنج نہ پہونچے۔ قاعدہ ہے کہ متعلقین کو اپنے سرپرست سے محبت ہوتی ہے۔ اس کی راحت کا بھی خیال ہوتا ہے پس گھر میں کا اس موقع پر چنداں دعوت سے رنجیدہ ہونا بیجا نہیں ہے۔ انھوں نے بھی کل گوشت منگالیا ہے۔ وہ آج خرچ ہوگا۔ ایسی تنگی ہوتی ہے ایسے موقع پر کہ قبول کرو تو تنگی ہے۔ اور نہ کرو تو لوگ کہیں گے کہ قبول نہیں کرتے۔ ان مولوی صاحب کے عزیز نے عرض کیا کہ خیر کل کو دعوت ہوجاوے گی فرمایا کہ آئندہ تو جو کچھ ہوگا وہ ہوگا مگر اب تو بڑا ہوا بعض عذر ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو قوی سمجھتا ہے اور دوسرا ان کو معمولی سمجھتا ہے۔

(۶۷۸) فرمایا کہ ہمارے ایک عزیز تھے انھوں نے زیادہ نکلنے کی نیت سے ڈاڑھی منڈائی پھر بڈھے ہوگئے تمام عمر ڈاڑھی نکلی ہی نہیں۔ اللہ میاں کا ایسا قہر نازل ہوا۔

(۶۷۹) فرمایا کہ باطن کے بعض امور ایسے ہیں کہ وہ مرض نہیں مگر لوگ خواہ مخواہ ان کو مرض سمجھتے ہیں۔ مثلاً خیالات آنے کو لوگ برا سمجھتے ہیں اور جو سمجھایا جاوے کہ اس سے کچھ حرج نہیں تو سمجھانے سے مانتے نہیں بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ویسے ہی ٹال دیا ہے۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب سے کہے کہ حکیم جی دھوپ میں چلتا ہوں تو میرا بدن گرم ہوجاتا ہے مجھے یہ مرض ہے اور حکیم جی شفقت سے یہ جواب

دیں کہ بھائی یہ مرض نہیں ہے مگر وہ کہے کہ نہیں حکیم جی یہ تو مرض ہے۔

(۶۸۰) فرمایا کہ جن شخصوں میں ذرا شوخی ہوتی ہے جس کو عرف میں چھچھورپن کہتے ہیں وہ نفس کے مردہ اور روح کے زندہ ہوتے ہیں۔ ہنستا بولتا آدمی اچھا۔ بشاشت مصنوعی روح کے مردہ اور نفس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے شخصوں میں کبر ہوتا ہے اور شوخ طبیعت میں کبر نہیں ہوتا۔

(۶۸۱) فرمایا کہ دنیا کو آدمی جس قدر مختصر لے اسی قدر راحت ہے۔

(۶۸۲) ایک صاحب نے جو کہ تعویذ مانگنے آئے تھے بعد لینے تعویذ کے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت دیں تو میں کھال کی جانماز بغرض استعمال حضور والا کے بھیجدوں فرمایا کہ میں خود ایسی چیزوں کو اگر آجاتی ہے تو فروخت کر دیتا ہوں۔ علاوہ اس کے حدیث شریف میں درندوں کی کھال کے استعمال سے تو منع فرمایا گیا ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ طبعاً جانوروں کی کھالوں (مثلاً ہرن وغیرہ) پر بیٹھنے سے بھی بعض قویٰ کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۶۸۳) فرمایا کہ اگر کوئی بے تکلف شخص ایسے کام کے وقت جس میں دوسرے کے بیٹھنے سے طبیعت کو انتشار نہ ہو آ بیٹھے تو خیر مضائقہ نہیں مگر بے تکلفی کی علامت یہ ہے کہ اگر ہم پیر پھیلا کر اس کے کندھے پر بھی رکھ لیں تو کسی جانب انقباض نہ ہو مگر ایسے بے تکلف بہت کم ہوتے ہیں۔

(۶۸۴) فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہو گیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی پس مولانا اپنے کمالات موجودہ کو کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں وہ لکھ پتیوں کے سامنے مالدار نہیں البتہ دوسرے شخصوں کو مولانا کی نسبت یہ گمان کہ وہ خالی از کمالات تھے نہ کرنا چاہئے۔

(۶۸۵) ایک مولوی صاحب جو کہ لباس بہت زینت کا پہنے ہوئے تھے انہوں نے حضرت والا کو بعد ظہر پرچہ دیا جس میں اپنے وظائف کا حال لکھا تھا۔ فرمایا کہ گنگا پار کی طرف زینت بہت ہے۔ وہاں کے بعض مقتدا و مشائخ اہل نسبت بھی زینت میں مبتلا ہیں۔ جب آپ کا قلب اس میں مشغول ہے تو پھر اللہ کی یاد کی گنجائش کہاں ہے۔ ان وظائف سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں طالبان دنیا اور طالبان حق میں کیا فرق ہوا۔ عورت کے لئے زینت مناسب ہے۔ مردوں کو ہرگز ایسی زینت مناسب نہیں۔ آپ میرے پھندے میں کیوں پھنستے ہیں۔ میں تو آزاد آدمی ہوں

رسوم کو جڑ سے اکھاڑتا ہوں۔ چاہے وہ علماء کے رسوم ہوں یا مشائخ کے ہوں۔ میں طالب کی دلجوئی نہیں کرتا کیونکہ اس کی تو دلشوئی کی ضرورت ہے نہ کہ دلجوئی کی۔ ہاں طالب کی بھی خاطر ہوتی ہے جبکہ وہ اصلاح قبول کر لیتا ہے پھر اس سے بڑھ کر کسی کی خاطر نہیں ہوتی۔

(۶۸۶) فرمایا کہ اہل علم کے دل میں کسی کی ہیبت نہیں ہوتی یوں کسی مضرت کی وجہ سے ڈر جاویں وہ اور بات ہے ایسے تو آدمی کٹ کھنے کتے سے بھی ڈرتا ہے مگر ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔ اس پر یہ قصہ فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب کو قطرہ کا عارضہ ہوگیا تھا اس وجہ سے وہ ڈھیلے نہ لیتے تھے صرف پانی سے استنجا کر لیتے تھے کسی متعصب شیعی نے طعن کے طور پر کہا کہ اب تو آپ بھی پانی سے استنجا کرنے لگے ہیں۔ مولوی صاحب نے فی البدیہ جواب دیا کہ جب سے مجھے سلسل بول کا عارضہ ہوگیا ہے تب سے میں شیعوں کے مذہب پر پیشاب کرنے لگا ہوں۔

(۶۸۷) فرمایا کہ کیفیات سے وصول یا حرمان پر استدلال کرنا یہ مستعلج کا کام نہیں ہے کہ اول میں عجب کا خدشہ ہے اور ثانی میں ناشکری کا اور دونوں سالب نعمت ہیں۔ طالب کا وظیفہ یہ ہے کہ حالت کی اطلاع دے اور اس حالت کی تحقیق معالج کا کام ہے۔

(۶۸۸) فرمایا کہ کبر خدا کے راستہ کا بڑا رہزن ہے اول اس کا علاج کرے بس یہی کافی ہے نسبت اور چیز ہے وہ اللہ کا نام لینے سے حاصل ہوتی ہے لیکن جب تک کہ ادھر سے پورا تعلق نہ ہو کیا فائدہ محض اللہ کا دھیان رہنے لگا بس سمجھ گئے ہم اللہ والے ہوگئے۔ اصلی معیار نسبت معتبرہ کا سنت کی متابعت ہے کہ ظاہراً اقوال و افعال و اخلاق سب سنت کے مطابق ہونے لگیں ورنہ کچھ بھی نہیں

(۶۸۹) ایک صاحب نے حضرت والا کی نسبت کہا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ انھوں نے جائداد نہیں لی جس کے اولاد نہ ہو اس سے تو یہ ہو سکتا ہے۔ اولاد دار سے کس طرح ممکن ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قصہ جائداد نہ لینے کا تو بیس برس کی عمر میں ہوا تھا جب مجھے کیا خبر تھی کہ میرے اولاد نہ ہوگی۔ مگر یہ اعتقاد تھا کہ اگر اولاد بھی ہو جاتی تو کیا اللہ میاں اولاد کو نہ دیتے آخر میں بھی تو کسی کی اولاد ہوں پھر مجھے بھی دے رہے ہیں یا نہیں۔

(۶۹۰) کبر، حسد، ریا کو اول ہی سے مٹانے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑے سخت مرض ہیں مشائخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ علماء تو فنائے نفس کا دعوی بھی نہیں کرتے اور مشائخ تو فنائے نفس کے دعوی پر بھی اس سے خالی نہیں سخت تعجب ہے۔

(۶۹۱) فرمایا کہ کھانا کھانے میں میرے سامنے سے اگر کوئی پیالہ اٹھا لیتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے

اگر اور سالن کی ضرورت ہو تو اور دوسرے پیالہ میں لانا چاہئے۔ کھانے والا آدمی اتنی دیر بیکار بیٹھا ہوا کیا کرے۔

(۶۹۲) فرمایا کہ مجھ سے جب کوئی مشورہ لیتا ہے تو میں مشورہ دینے کے بجائے یہ لکھ دیتا ہوں کہ اگر مجھے یہ واقعہ پیش آتا تو میں یہ کرتا۔ یہ نہیں کہتا کہ تم بھی ایسا کرو۔ آج کل اکثر مواقع پر مشورہ دینا بیوقوفی ہے۔ الزام ضرور آتا ہے۔

(۶۹۳) فرمایا کہ توجہ کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہو کہ فلاں شخص میں ذوق وشوق محبت حق۔ خوف، وغیرہ پیدا ہو جاوے۔ اس کے واسطے دعا کر دے اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلح ہے وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔ اور اس میں فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے۔ جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت بہت ہے۔ سنا ہے کہ بے تار کے جو خبر پہنچتی ہے وہ اسی کے ذریعہ سے پہونچائی جاتی ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے مسمریزم اور توجہ متعارف کا منشا ر ماخذ ایک ہے۔ ایک بری جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ صرف کی جاتی ہے۔ صرف اتنا ہی فرق ہے۔ اور یہ مشق پر موقوف ہے اس لئے مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر نسبت کا القا کریں گے بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا۔ طالب کیفیت کو نفع سمجھکر اس کو کافی سمجھتا ہے اس لئے کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں چند خلجان ہیں اول تو سنت میں منقول نہیں۔ دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سستی ہونے لگتی ہے۔ پھر فرمایا کہ خود اثر پڑے دوسرے پر اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا کی طرف توجہ مطلق نہیں ہوتی اگر یہ کہا جاوے کہ یوں تو معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس سے اشد ہے۔ کیونکہ اس میں قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے۔ حلقہ متعارف میں یہی ہوتا ہے۔ بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ نصیحت۔ دعا ہے اور توجہ نام حق تعالیٰ کا حق ہے۔

(۶۹۴) فرمایا کہ جو شخص مجبور و مختار میں فرق نہ کرے وہ کتے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ کتے کے اگر لکڑی مارو تو وہ بھی لکڑی پر حملہ نہیں کرتا ہے بلکہ لکڑی مارنے والے پر حملہ کرتا ہے۔

(۶۹۵) فرمایا کہ جب کسی سوال کے جواب میں شرح صدر و شفا رقلب نہ ہو معاف

جواب دیوے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ ہر سوال کے لئے ضرور نہیں کہ اس کا جواب ہی دیا جاوے۔ نیز یہ بھی تو جواب ہے کہ ہم کو معلوم نہیں لیکن لوگ جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں خواہ شفاء قلب ہو یا نہ ہو۔ یہ جائز نہیں جب تک شفاء قلب نہ ہو کسی مسئلہ کا جواب نہ دیا جاوے

(۶۹۶) فرمایا کہ ما انت بمسمع من فی القبور میں نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے سو وہ ظاہر ہے یعنی مردے سننے پر عمل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مقام دار العمل نہیں ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کے عدم سماع کا بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے عدم سماع کو عدم سماع موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ کفار سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔

(۶۹۷) فرمایا کہ دنیا اور دین کی حاجتوں کو بر آنے کا ذریعہ استغفار ہے (ف) یہ حضرت والا کے علم وجامعیت پر دال ہے۔

(۶۹۸) فرمایا کہ اگر شیخ سے تعلق قطع کر دے تو سب فیوض بند ہو جاویں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تعلقی کرکے تو پھر بالکل واردات وفیوض کچھ بھی نہ رہیں گے۔

(۶۹۹) ایک مولوی صاحب (جو کہ حضرت والا کے مجاز ہیں) اپنے ملفوظات خود جمع کئے تھے اور ملفوظات کا آغاز اس لفظ سے تھا کہ فرمایا اس کی اطلاع حضرت کو ہوئی۔ وہ مولوی صاحب حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت والا نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ ہمارے سامنے سے اٹھ جاؤ اور ہمیں صورت مت دکھاؤ اور نہ کسی کو بیعت کرو۔ پھر فرمایا کہ بڑائی تو وہ کرے جس کا کمال ذاتی ہو اور جب یہ نہیں تو بیجا ہی ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کے سامنے لوح وقلم کے علوم بھی ہیچ ہیں آپ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمارا عطیہ ہے ہم چاہیں تو ابھی سلب کرلیں ناز تو اس پر ہو جس کا کمال اپنے قبضہ کا ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کریں تو ہمیں کیا حق ہے ناز کا۔ اسی طرح استحقاق ثمرات کے ادعا کی حالت ہے۔ جیسے فرض کیجئے کہ آج ہی آم کا درخت لگایا اور کہنے لگے کہ پھل نہیں آیا اس سے صاف دعویٰ استحقاق ٹپکتا ہے۔ صاحب خدا ئے تعالیٰ سے نوکری کا معاملہ نہیں جو استحقاق اجرت کا ہو۔ غلامی کا تعلق ہے پھر دعوئے استحقاق کیسا۔ مثلاً اگر آقا اپنے غلام سے کہے کہ پانی پلاؤ وہ کہے کہ کیا ملے گا وہ غلام بڑا نالائق ہے۔ ایک تکبر کی قسم یہ ہے کہ تواضع پر تکبر ہوتا ہے کہ ہم میں تکبر نہیں۔ گو کا کیڑا یہ سمجھے کہ میں گو کا کیڑا ہوں یہ کونسی خوبی کی بات ہے۔ میرے دوستوں نے فتاویٰ کا نام فتاویٰ اشرفیہ رکھدیا تھا اس سے بہت شرم معلوم ہوتی ہے۔ آخر امداد الفتاویٰ کا نام بدلا۔

پس اپنے ملفوظ اپنی رائے سے ضبط کرنا کیا معنی۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے واردات کو شیخ کے سامنے پیش کرے جیسے اولاد کچھ کما وے وہ ماں یا باپ کے سامنے رکھدے کہ یہ کمایا ہے۔ ان افعال کی بدولت احوال سلب ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس وقت آدمی اپنے کو اچھا لگتا ہے اس وقت خدا کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔ اب ہر شخص سوچ لے کہ دن میں کتنی مرتبہ اس کی ایسی حالت ہوتی ہے بعد عصر حضرت والا نے اعلان فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اگر کوئی کرے گا تو اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جاوے گا پھر فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات میں نے نہیں کی بلکہ عین سنت کے موافق کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اگر میں پچاس دن تک بھی ایسا کروں تو بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر ان مولوی صاحب نے حضرت والا کی خدمت مبارک میں معافی کی درخواست کی مگر چونکہ بے ڈھنگے طور سے معافی چاہی گئی تھی اس لئے اس پر حضرت والا نے یہ سزا تجویز فرمائی کہ بعد مغرب روزانہ اس مضمون کا اعلان کیا کیجیے کہ صاحبو چونکہ میں فلاں قوم کا ہوں اس لئے کم حوصلگی کے سبب اپنے مربی کی عنایتوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا جس کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوں لہٰذا آپ لوگوں کو چاہئے کہ تکبر سے بہت پرہیز کریں پھر بعد دو روز کے بعد ظہر حضرت والا نے ان مولوی صاحب سے سب کو گفتگو کرنے کی اجازت دیدی اور یہ فرمایا کہ عنقریب اور معاملات بھی طے ہو جائیں گے۔

(ف) اس سے حضرت اقدس کی تواضع و شان تربیت اظہر من الشمس ہے۔

(۷۰۰) ایک صاحب نے خط لکھا کہ فلاں آپ کو ایسا کہہ رہے تھے اور میں نے ان کو یہ جواب دیا اس پر فرمایا کہ جس طرح مجھے اس بات سے کلفت ہوتی ہے کہ فلاں نے مجھے برا بھلا کہا ایسی ہی اس بات سے کلفت ہوتی ہے کہ فلاں نے طرفداری کی۔ طرفدار لوگ ہی اور زیادہ برا بھلا کہلواتے ہیں۔ اگر انھوں نے اپنی عاقبت کے واسطے یہ کام کیا تو مجھ پر اس کا اظہار کیوں کیا۔

(ف) اس سے بھی شان تربیت اور معرفت کید نفس ثابت ہوئی۔

(۷۰۱) تصرف سے آدمی اس طرح سلوک میں چلتا ہے جس طرح کہ کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ کر دوڑا دے جہاں ہاتھ چھوڑا بس رہ گیا۔

(۷۰۲) حضرت والا کے ایک مجاز نے اپنے ابتلائے معاصی کی حالت نظم میں لکھی ہے اور پھر حضرت والا کی توجہ و ہمت کی برکت سے جلد ہی حالت متغیر ہو گئی یعنی پہلی حالت عود کر آئی۔ پھر اس حالت کی بھی اطلاع حضرت والا کو نظم ہی میں دی۔ پہلی حالت کو تمتہ مجذوب سے اور دوسری

حیات مجذوب سے تعبیر کیا ہے اس طرح مجموعہ نظم کا نام حیات بعد المماۃ رکھا ہے۔ جو حسب ذیل درج کی جاتی ہے اور جو لاریب حضرت والا کی توجہ وہمت وشان تربیت کی بے نظیر مثال ہے۔

وہ حق کے ساتھ رابطۂ دل نہیں رہا
مجذوب اب اس لقب ہی کے قابل نہیں رہا

وہ آنکھ اب نہیں ہے وہ اب دل نہیں رہا
مجذوب منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

وہ آنکھ جو غیر کو دیکھے نہیں رہی
وہ دل جو ہو نہ غیر پہ مائل نہیں رہا

ناگفتنی ہے حال مرا کچھ نہ پوچھئے
کہنے کے اور سننے کے قابل نہیں رہا

میں لاکھ توبہ کرتا ہوں نبھتی نہیں کبھی
اب اپنی عزم کا تو میں قائل نہیں رہا

اس کے سوا کہ آپ کریں اب مری مدد
کچھ چارہ میرے مرشد کامل نہیں رہا

تاراج کر لیا مجھے شیطان و نفس نے
جو کچھ کیا تھا آپ سے حاصل نہیں رہا

وہ حال ہو گیا ہے کہ گویا کبھی بھی میں
خدام میں حضور کے داخل نہیں رہا

ناچار پھر چارہ چلا آیا سرنگوں
ورنہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

اب رات دن ہے ذکر بتاں اور شغل عشق
اللہ کا میں ذاکر و شاغل نہیں رہا

پہلو میں مرے وہ دل ناپاک ہے حضور
میں پاس بیٹھنے کے بھی قابل نہیں رہا

قابو میں میرے اب میری آنکھیں نہیں رہیں
کہنے میں میرے اب یہ مرا دل نہیں رہا

کوئی گنہ ہو کرنے میں کچھ باک ہی نہیں
جو خوف حق تھا بیچ میں حائل نہیں رہا

بے فکر آخرت سے کچھ ایسا ہوا ہوں میں
جیسے کہ موت ہی کا میں قائل نہیں رہا

اب مری غفلتوں کی کوئی حد نہیں رہی
مجھ سا جہاں میں اب کوئی غافل نہیں رہا

توفیق توبہ کثرت عصیاں نے سلب کی
بحر گنہ کا اب کوئی ساحل نہیں رہا

ہر وقت معصیت کا تقاضا ہے نفس میں
دل خیر کی طرف مرا مائل نہیں رہا

پڑنے لگا ہے اب تو فرائض میں بھی خلل
یہ ہی نہیں کہ شوق نوافل نہیں رہا

پہلی سی فکر جائز و ناجائز اب نہیں
حفظ حدود و پاس مسائل نہیں رہا

جب سے شریک حال عنایت بتوں کی ہے
اللہ کا فضل ہی شامل نہیں رہا

وہ ذوق و شوق قلب وہ نعرے نہیں رہے
وہ رنگ، اور شور عنادل نہیں رہا

وہ وہ کئے ہیں جرم کہ انصاف تو یہ ہے
مجرم کا اب میں رحم کے قابل نہیں رہا

مانیں جو اب بھی حق تو یہ ہے آپ کا کرم
حق یہ ہے حق تو کچھ مجھے حاصل نہیں رہا

کس سے کہوں کہوں جو نہ حضرت سے حالِ دل ۔۔ گو منہ تو مرا عرض کے قابل نہیں رہا
اے خضرِ راہ کیجئے بس جلد رہبری ۔۔ رخ سوئے قعر ہے سوئے منزل نہیں رہا
یہ التجا کرم کی۔ بلا حق کے ہے حضور ۔۔ حق تو کر چکا ہوں میں زائل نہیں رہا
طاعت ہی بس حیات ہے اور معصیت ممات ۔۔ کیا زندہ ہوں میں۔ زندوں میں شامل نہیں رہا
یہ آسرا ہے آپ سا کامل ہے مہرباں ۔۔ گو سچ ہے میں تو ہاں کسی قابل نہیں رہا
دستِ کرم ہو جانب مجذوب پھر دراز ۔۔ محروم آپ کا۔ کبھی سائل نہیں رہا

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنا دیا ۔۔ ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنا دیا
فہمید کیدِ نفس کے قابل بنا دیا ۔۔ مجذوب کو بھی آپ نے عاقل بنا دیا
نقشِ بتاں مٹایا۔ دکھایا جمالِ حق ۔۔ آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنا دیا
عشقِ بتاں ہوا ہے مبدل بہ حبِ حق ۔۔ وجہِ فنا کو زیست کا حاصل بنا دیا
کیا ناخدا ہیں آپ بھی اس بحرِ عشق کے ۔۔ گرداب ہولناک کو ساحل بنا دیا
فیضِ نظر سے۔ نفس کی کایا پلٹ گئی ۔۔ جو تھے رذائل۔ ان کو فضائل بنا دیا
غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے ۔۔ آگاہ حق سے غیر سے غافل بنا دیا
مشغول اک نگہ میں ہوا دل بہ یادِ حق ۔۔ غافل کو دم میں ذاکر و شاغل بنا دیا
مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر ۔۔ مہجور نامراد کو واصل بنا دیا
اس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا ۔۔ پرتو سے اپنے رونقِ محفل بنا دیا
اس قلبِ ناسزا کو جو ننگِ وجود تھا ۔۔ ایسا نوازا۔ ناز کے قابل بنا دیا
ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں ۔۔ اتنا ابھارا۔ صدر افاضل بنا دیا
میرے دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے ۔۔ خورشید پر ضیا کا مماثل بنا دیا
پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے ۔۔ میں نے جس امر سہل کو مشکل بنا دیا
چسکا لگا کے یادِ خدا کا حضور نے ۔۔ بیزار کار و بار مشاغل بنا دیا
دلدادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے ۔۔ اس بزمِ بے ثبات سے بددل بنا دیا
دینی امور میں تو کیا مجھ کو مستعد ۔۔ اور دنیوی امور میں مجھے کاہل بنا دیا
مشکل تھا دین سہل تھی دنیا اب آپ نے ۔۔ مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا

ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے — مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا
مجھ پا شکستہ کو بھی سہارا دے آپ کے — آمادہ بہر قطع منازل بنا دیا
کر کر کے وار نفس پہ تیغ نگاہ کے — قاتل کو مرے آپ نے بسمل بنا دیا
مغلوب نفس تھا مگر اب نفس کش ہوں میں — بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا
انوار ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے — خلوت کو میرے آپ نے محفل بنا دیا
میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب حضور — کیا مجکو "مرے مرشد کامل" بنا دیا
بخشی حیات قلب وہ عیسیٰ نفس ہیں آپ — مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا
ہاں کیوں نہ ہو وہ ذاتِ مقدس ہے آپ کی — رندوں کو جس نے صوفی کامل بنا دیا
کر کر کے سہل وہ وہ دقائق بیاں کئے — نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا
صحبت سے اپنے فلسفی و منطقی کو بھی — قرآن اور حدیث کا عامل بنا دیا
آزاد تھے جو ملت و مذہب سے ان کو بھی — وابستۂ چہار سلاسل بنا دیا
ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ذاکروں میں ہیں — زاغوں کو ہم نوائے عنادل بنا دیا
غاصب جو تھے وہ صاحب جود و سخا ہوئے — اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا
اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو — کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا
وہ وہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ آپ نے — ادنیٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا
قائل زباں سے ہوں کہ نہ ہوں لیکن آپ نے — دل سے تو منکروں کو بھی قائل بنا دیا
آہن کو سوز دل سے کیا موم آپ نے — ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا
دیکھا نہ کوئی صاحب اخلاق آپ سا — دیووں کو بھی فرشتہ شمائل بنا دیا
دنیا کو راہ راست دکھائی حضور نے — جب کج روؤں نے پیرو باطل بنا دیا
کیا طرفہ ہے طریق ہدایت حضور کا — گم کردہ رہ کو رہبر منزل بنا دیا
کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بے خبر — اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا

مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

(۷۰۳) فرمایا کہ وساوس کا علاج والله بے التفاتی ہے۔ حدیث شریف میں جو ٹھٹکا رنا آیا ہے اس سے مراد اعراض و ترک التفات ہے۔

(۷۰۴) فرمایا کہ میں نے ایک صاحب کو تبلادیا تھا کہ یوں تصور کیا کرو کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں۔ حوریں ہیں۔ سیر کر رہا ہوں باغ کا تصور کا۔ پھر یہ خیال کرو کہ یہ چیزیں جب ملیں گی جب خدا کے حکموں کی پابندی کریں گے۔ اس سے لالچ و رغبت پیدا ہوگی اس سے اعمال صالحہ سرزد ہوں گے چنانچہ اس سے ان کو بڑا نفع ہوا۔

(۷۰۵) فرمایا کہ عبد کا کام ہے کہ جس حال میں رکھیں رہو۔ ہاتھی پر چڑھا دیں چڑھو اور جو گدھے کے پیروں میں روندا دیں تو ویسے ہی رہو۔

(۷۰۶) فرمایا کہ حاتم اصم ؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی اس کے مال میں شبہ تھا۔ آپ نے عذر فرمایا۔ اس نے پھر کہا آپ نے لے لیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات تھی فرمایا کہ نہ لینے میں اس کی ذلت تھی اور لے لینے میں میری ذلت تھی اور اس کی عزت تھی میں نے اس کی عزت کو اپنی عزت پر اختیار کیا لے لیا کہ اس کی بے عزتی نہ ہو۔

(۷۰۷) فرمایا کہ کبھی تکبر بصورت تواضع بھی ہوتا ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ جو تواضع بقصد تکبر ہوتی ہے اس کے بعد فخر ہوتا ہے۔ اور اس تواضع کے بعد کوئی تعظیم نہ کرے برا مانتا ہے اور جو تواضع بقصد تواضع ہو اس میں خوف ہوتا ہے اور کسی کی تعظیم نہ کرنے سے اپنے کو اس عدم تعظیم ہی کا مستحق سمجھتا ہے (ف) اس سے حضرت والا کی فراست و دقت فہم معلوم ہوئی۔

(۷۰۸) فرمایا کہ جو عشاق اور فانی فی الحق ہوتے ہیں ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ آخر میں دواعی میں حرکت بھی نہیں رہتی۔ وسوسے بھی نہیں رہتے۔

(۷۰۹) فرمایا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی بزرگ نے دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال بھی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں سو روپے ہیں ان بزرگ نے فرمایا کہ اسے نکال۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت خیرات کر دوں گا۔ فرمایا کہ نفس کو حظ حاصل ہوگا کہ ہم نے اتنے روپے خیرات کئے ان کو سمندر میں پھینک دے اس نے منظور کیا پھر فرمایا کہ مگر ایک ایک روپیہ کر کے پھینکنا کہ ذرا نفس پر آرا تو چلے اور ایک دم سے پھینکنے میں تو بس ایک ہی بار مجاہدہ ہوگا۔

(۷۱۰) دوران درس مثنوی میں فرمایا کہ اہل اللہ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی معیت ہے۔

(۷۱۱) فرمایا کہ جب تک نسبت راسخ نہ ہو جاوے مختلف بزرگوں سے ملنا اچھا نہیں۔ کسی کے پاس بقصد استفادہ و برکت نہ جاوے۔ مزارات پر بھی اس قصد سے نہ جاوے اور بعد رسوخ نسبت خود ہی جانے کو دل نہ چاہے گا پھر فرمایا کہ طالب کا تو اپنے شیخ کی نسبت یہ مسلک ہونا چاہئے۔ ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے ۔۔۔ چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

وہ عورت فاحشہ ہے جو اپنے خاوند کے سوا دوسرے پر نظر کرے۔ شیخ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خاوند اور بی بی کا۔ شیخ کو یہ سمجھے کہ میرے لئے سب سے انفع یہی ہے اس کو وحدت مطلب کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس طرح وحدت مطلوب ضروری ہے اسی طرح وحدت مطلب ضروری ہے۔ البتہ نسبت راسخ ہو جانے کے بعد پھر جہاں چاہے جاوے۔ جہاں چاہے اٹھے۔ جہاں چاہے بیٹھے۔

(۷۱۲) فرمایا کہ قرآن مجید میں ترکیب کے اعتبار سے وقف تجویز کئے ہیں اور ہر آیت پر وقف ضروری نہیں گو آیتیں توقیفی ہیں جیسا کہ دو شعر قطعہ بند ہوں تو مضمون چاروں مصرعوں کا ملکر ایک ہوگا مگر ایک شعر کے ختم پر ضرور کہیں گے کہ شعر ختم ہو گیا۔ بعض لوگ وقف کو آیت پر لازم سمجھتے ہیں اور فرمایا کہ وقف کے معنی قطع النفس کے ہیں۔

(۷۱۳) فرمایا کہ بعض ملحدوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ جب خدا کے جمال و کمال کے سب مظہر ہیں تو کسی چیز کو دیکھنا حرام نہیں اس پر فرمایا کہ چاہے جمال اللہ تعالیٰ کا سب میں ظاہر ہو مگر جب اللہ میاں نے خود منع کر دیا ہے کہ ہم کو اس آئینہ میں مت دیکھو تو اس کے حکم کی تعمیل کرے۔

(۷۱۴) فرمایا کہ جس دوستی کی بنا رفاسد ہو گی آخر میں عداوت ہو گی اور دوران درس مثنوی میں فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی دوستی کا انجام آخر عداوت ہے۔

(۷۱۵) فرمایا کہ بڑھاپے میں نسبت قوی ہو جاتی ہے کیونکہ مدت کی نسبت ہوتی ہے۔ نیز اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے روحانی قوت بڑھتی ہے بعض اوقات اس کا اثر بدن پر محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت بزرگوں کے بدن پر مرنے کے بعد بھی حرارت محسوس ہوئی ہے اصل میں تو یہ اثر روح پر ہوتا ہے مگر تبعاً کبھی تبرعاً جسم پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۷۱۶) فرمایا کہ زیادہ رہزن اس طریق کا کبر ہے مثلاً برا ماننا اصلاح سے اور فرمایا کہ تعلیم

بدون صحبت کے کافی نہیں ہوتی۔ زیادہ تر صحبت کی ضرورت ہے۔

(۷۱۷) ایک مولوی صاحب کو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ آپ کسی اور سے رجوع کیجئے کیونکہ آپ کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے۔ اس پر ان مولوی صاحب نے لکھا کہ خیر اگر آپ خود میری نگرانی نہ کریں تو جو کچھ میں پوچھوں گا وہ تو بتا دیا کریں گے۔ میں نے لکھا جی ہاں بتا دیا کروں گا۔ اس پر فرمایا کہ وہ خود دیکھ لیں گے کہ اس طریق سے کیسا نفع ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ مریض کے پوچھنے پر طبیب بتلا دیا کرے اور اپنی طرف سے کچھ نہ بتاوے تو مریض کو یہ سلیقہ ہی نہیں ہوتا کہ کون سی بات پوچھنے کے قابل ہے کونسی نہیں۔ (ف) اس سے حضرت کا کمال تجربہ اس طریق کا ثابت ہے۔

(۷۱۸) فرمایا کہ طرح طرح کے سوچ بچار میں مت رہو۔ رنج کو قلب پر مت آنے دو بلکہ جسم پر لو پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کے قلب کو مہلت ہی نہیں ہوتی واہیات خرافات میں وقت صرف ہو جاتا ہے۔

(۷۱۹) فرمایا کہ حق تعالیٰ تک پہونچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں۔ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ معاصی چھوٹ جائیں۔ طاعت کی توفیق ہو جاوے۔ غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جاوے۔

(۷۲۰) اگر کسی کی یہ رائے ہو کہ گاؤکشی مسلمان چھوڑ دیں تو چونکہ مبنیٰ اس رائے کی ملت کفریہ کی رعایت ہے اس لئے ملت کفریہ کے رعایت کے مقابلہ میں بلاشبہ گاؤکشی اہل اسلام کا شعار ہے لوگ کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانے کو اسلام سے تعلق نہیں ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے شدید تعلق معلوم ہوتا ہے کہ من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا

(۷۲۱) فرمایا کہ جس سے معتقد ہو اس کے کہنے کو برا نہ مانے تھوڑی دیر کو صبر کرے شاید یہ امتحان ہی لیتے ہیں پھر فرمایا کہ اگر وہ اس کا امتحان ہو اور پہلے سے بتلا دے تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔

(۷۲۲) فرمایا کہ جب تک فنا کی کیفیت غالب نہ ہو اس کو مشتاق یا محب نہیں کہہ سکتے۔ اور محبت کے اس درجہ کا انسان مکلف نہیں مگر کمال یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اکثر ایسی محبت اول ہی میں ہو جاتی ہے اور اس کیفیت عشقیہ کے بڑھنے میں کسی اسباب کی حاجت نہیں اور بیعت میں شیخ کو طالب کی جانب سے ایسی ہی محبت کا انتظار ہوتا ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ اس کا مذاق ہی نہیں اس وقت میں مجبوری ہے۔ طبعاً انقیاد محض بدون اس کے نہیں ہوتا

بلکہ وساوس کی مزاحمت دائرے میں رہتی ہے اور اگر ایسی محبت ہو جاوے تو پھر واللہ اگر سر بازار جوتیاں لگائیں تو قلب پر اثر نہ ہو اور طبعی حزن الگ چیز ہے اور اگر ناگواری ہو تو محبت ہی نہیں ہیا اور اس کی تحقیق امتحان سے ہو جاتی ہے۔

(۷۲۳) فرمایا کہ والد صاحب کا دس ہزار روپیہ بنک میں جمع تھا میں نے اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیا۔ بھائی نے جتنا میرے حصہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ تبرعاً اپنے پاس سے پیش کیا میں نے کہا میں اس بنا پر تو نہیں انھوں نے کہا نہیں اس بنا پر نہیں تب میں نے لے لیا اس سے بچنے کا نفع یہ ہوا کہ خدا نے دنیا کا نفع بھی دیدیا۔ (ف) اس سے حضرت والا کا تقویٰ و احتیاط ثابت ہے۔

(۷۲۴) فرمایا کہ میرا دو شخصوں سے دل نہیں ملتا متکبر سے اور چالاک سے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عیب تو عیب میں تو کسی کمال غیر واقعی کے انتساب کو بھی پسند نہیں کرتا اس سے بھی ایذا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تمسخر کرتا ہو۔

(۷۲۵) فرمایا کہ مالدار ہونا بھی آجکل مصلحت ہے۔ مالداری سے یہ فائدے ہیں۔ (۱) لوگوں کو اس سے تکلیف نہ ہوگی نذرانوں کی فکر کرکے (۲) عزت ہوگی (۳) یہ کسی کا دست نگر نہ ہوگا۔

(۷۲۶) فرمایا کہ خطوط میں جو سلام لکھا ہوا ہوتا ہے اس کا جواب دینا واجب ہے تو خواہ خط میں لکھے یا زبانی جواب دیدے۔

(۷۲۷) فرمایا کہ اصلی چیز اصلاح کے لئے صحبت ہے علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے۔ "صاحب صحبت بلا علم" کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے۔ صاحب علم بلا صحبت سے اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں بچوں کو صلحا و علماء کے پاس بھیجا کرو اور برتے بھی اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو۔ اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پائچوں پر اعتراض کریں گے نہ ان کی ڈاڑھی سے ہمیں بحث ہوگی نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھا دیں گے۔ وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے انس ہوگا اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی یہ مناسبت جڑ ہے اور علم و عمل اس کی فرع۔ صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

(۷۲۸) فرمایا کہ مجھے ہر کام میں یہ اہتمام رہتا ہے کہ مسلمانوں کے اس معاملہ کی بھی اصلاح ہو جو فیما بینہ وبین اللہ ہے اور اس معاملہ میں بھی جو فیما بینہم ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ میری نیت ہی مغفرت کے لئے کافی ہو جاوے (ف) اس سے حضرت والا کا رحمت عامّہ ہونا ثابت ہوا۔

(۷۲۹) ایک شخص فارغ التحصیل حضرت کے خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں ذکر کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی وجہ معاش نہیں ہے میں نے کچھ تدبیریں کیں بھی مگر کامیابی نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی صورت معاش کی نکلے حضور والا کے پاس رہ کر ذکر ہی کروں۔ فرمایا کل کو جواب دوں گا۔ پھر کل کو فرمایا کہ میں نے اس میں غور کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ذکر کا نفع اس طرح نہیں ہوسکتا کہ بالقصد فکر معاش میں رہیں اور بالتبع ذکر میں۔ عرض کیا اچھا میں فکر معاش کو چھوڑتا ہوں اور ذکر کروں گا فرمایا آپ کا دل خالی نہ ہوگا فکر معاش سے۔ عرض کیا میں چند روز کے لئے خالی ہی کرلوں گا طلب معاش اس کے بعد کرلوں گا۔ فرمایا کتنی مدت کے لئے چند روز تو کافی نہیں اور جب ابھی سے مدت کی تحدید قلب میں ہے تو یہ خلوے قلب نہیں۔ طلب ذکر تو یہ ہے کہ سب کاموں سے قطع نظر کرکے بس ذکر کا ہو رہے اور یہ ارادہ کرے کہ ذکر ہی کروں گا اگرچہ تمام عمر اسی میں صرف ہوجاوے اگر یہ بھی نہ ہو تو مدت معتد بہ تو ہو حضرت گنگوہی رح دو برس فرمایا کرتے تھے۔

(۷۳۰) فرمایا میں نے بہت دفعہ طلباء سے اور عام طور سے لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پختہ ہو جاؤ میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا۔ ایک گناہوں سے بچنا دوسرے کم بولنا اور تھوڑی خلوت ذکر و فکر کے لئے۔

(۷۳۱) فرمایا کہ دو چیزیں سخت زہر ہیں عورتوں کے ساتھ نرمی اور مردوں کی صحبت یہ مرض گجرات کے پیروں میں بہت ہے۔ پیر سے پردہ نہیں۔ عورتیں پیر صاحب کے ہاتھ پیر دباتی ہیں۔ مرد باہر رہتے ہیں اور پیر صاحب گھر میں رہتے ہیں۔

(۷۳۲) نواب صاحب ڈھاکہ نے حضرت والا سے دریافت کیا پردہ کس عمر سے چاہئے فرمایا اغنیاء سے تو ۷ برس سے بھی کم سے اور اوسط سے ۷ برس کی عمر سے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ جب تک لڑکی پردہ میں نہ بیٹھ جاوے ایک چھلا بھی نہ پہنایا جاوے اور کپڑے بھی سفید یا معمولی چھینٹ وغیرہ کے پہنے اس میں دین کی مصلحتیں بھی ہیں اور دنیا کی بھی ہیں۔ بلکہ بسا اوقات سیانی کے سامنے آنے سے اتنے فتنے نہیں ہوتے جتنے ناسمجھ کے سامنے آنے سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ سیانی خود حیا کرتی ہے

اور مردوں کو موقع کم دیتی ہے نیز مرد سمجھتا ہے کہ سیانی سمجھدار ہے اس کے سامنے دلی خیالات عملاً ظاہر کروں گا تو سمجھ جاوے گی اور ناسمجھ کے سامنے یہ مانع موجود نہیں ہوتا۔

(۷۴۳) حضرت والا کے ایما سے میر معصوم علی صاحب ساکن میرٹھ نے ریل کے قواعد کا ترجمہ کیا اور جن قواعد کے متعلق کوئی حکم شرعی ہوتا اس کو بغرض تحقیق ایک جگہ جمع کراتے تھے۔ چند ذیعلم مہمان دور سے آئے ہوئے تھے وہ مدرسہ کے مہمان خانہ میں مقیم تھے اور حضرت والا بوجہ پیر میں بال کوڑ ہونے کے مکان ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ دن میں ایک دو دفعہ وہ مہمان حضرت والا کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ اتفاقی بات ہے کہ اکثر جب وہ حاضر ہوتے تو حضرت والا وہی قواعد ریل سنتے تھے ان سے گفتگو بھی فرماتے لیکن ان کی سیری نہ ہوتی۔ یہاں تک منقبض ہوئے کہ آپس میں کہتے کہ وہاں تو ہر وقت بیمہ اور پارسل ہی ہوتا ہے۔ ہماری تمنا تھی کہ درویشی کے نکات سننے میں سارا وقت صرف ہوا کرتا۔ یہ خبر حضرت والا تک پہونچ گئی تو فرمایا میں ان نکات و لطائف کی اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ بڑی چیز صفائی مع اللہ ہے جس کے واسطے مسائل شریعت ذریعہ ہیں اور اس واسطے یہ کتاب قواعد ریلوے لکھائی گئی ہے تاکہ معاملات اور حقوق میں گناہ سے حفاظت ہو۔ عمل چاہیئے۔ نکات ولطائف سے کیا ہوتا ہے۔

(۷۴۴) فرمایا کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالےٰ اسکو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کر دیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دیدی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالےٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کر دیا

(۷۴۵) ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کی طرف اس درجہ میلان ہے کہ جنون کی سی حالت ہے۔ کھانے کا بھی اس کے سامنے ہوش نہیں۔ اور نماز پڑھتا تو ہوں مگر بعض وقت یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ کیا پڑھا اور میں اس سے نہایت خائف ہوں اور اس کا علاج چاہتا ہوں فرمایا میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضا کے درجے ہیں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے۔ حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے۔ نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے۔ اور دوسرا درجہ اختیاری ہے یعنی اختیار کو وجود وعدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں انہماک اتنا کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے۔ جب یہ اختیاری ہے تو انسان اسکا مکلف بھی ہے۔ علاج اس کا ہمت ہے۔ حق تعالےٰ نے افعال اختیاریہ کو بندہ کی ہمت پر رکھا ہے

اور ہمت کرنے کے بعد مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا علاج طبیعت کو اس طرف سے پھیرنا ہے جس وقت ہیجان پیدا ہو۔ یہ قاعدہ ہے کہ نفس دو چیز کی طرف ایک وقت میں متوجہ نہیں ہو سکتا لہذا جس وقت ہیجان پیدا ہو نفس کو دوسرے کام میں لگا دینا چاہئے خواہ دین کے کام میں مثلاً نماز پڑھنے لگے یا ذکر میں تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاوے خواہ دنیا کے کام میں مثلاً کسی کے پاس جا بیٹھے وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک علاج یہ بھی ہے کہ اس ہیجان کی طرف مطلق التفات ہی نہ کرے اور سمجھ لے کہ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ خیال ہے آتا ہے آیا کرے۔ یہ نہایت مجرب علاج ہے عرض کیا کیسے التفات نہ کروں۔ نماز اور ذکر و شغل میرا سب غارت ہو گیا۔ کسی وقت وہ خیال دور نہیں ہوتا۔ فرمایا یہ خیال درجہ اولیٰ ہے اس پر گناہ نہیں۔ تم اپنے فعل کے مکلف ہو۔ ان خیالات کا مرتبہ ظہور میں آجانا تمہارا فعل ہے۔ جب تک یہ نہیں مطلق گناہ و مواخذہ نہیں اگر ساری عمر بھی طبیعت اپنے کام کئے جاوے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ عرض کیا کوئی وظیفہ ایسا بتا دیجئے جس سے یہ بلا دور ہو جاوے۔ فرمایا وظیفوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ علاج وہی ہے جو میں نے بتایا بجائے وظیفہ کے دعا کیجئے۔ ہمت سے کام لیجئے اور کسی دوسرے کام میں لگ جایا کیجئے اور حق تعالیٰ سے بالحاح وزاری دعا مانگا کیجئے کہ مجھے ان آفات سے محفوظ رکھئے۔ دعا سے یقیناً اثر ہوتا ہے ہر مشکل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۷۳۶) ایک جولاہہ شاملی سے آیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی فرمایا اس سے پہلے کبھی مجھ سے ملے ہو یا نہیں۔ عرض کیا ہاں رمضان میں اور چند آدمیوں کے ساتھ آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بعد رمضان آنا۔ اب حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا متصل رمضان کے کیوں نہیں آیا۔ عرض کیا کوئی ساتھ کو نہ ملا اس واسطے نہ آسکا۔ فرمایا اب بھی تو اکیلے ہی آئے ہو۔ ساتھی تو اب بھی نہیں ہے عرض کیا ساتھی کا انتظار کرتے کرتے یہ دن آگیا جب کوئی نہ ملا تو اکیلے چلا آیا۔ فرمایا یہ غلطی ہے یاد کر لو کہ دین کے واسطے کبھی ساتھی مت ڈھونڈنا۔ ممکن ہے کہ وہ ساتھی شوق سے نہ آیا ہو اپنے اور کسی کام سے آیا ہو۔ دیکھا دیکھی بیعت میں بھی شریک ہونے لگے تو اس کو میں کیسے بیعت کر دوں گا۔ پھر پوچھا تم کسی رسم میں عرس وغیرہ میں پیران کلیر میں یا بسنت میں جایا کرتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا کبھی نہیں پوچھا تمہارے بیوی بچے ہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا تم اور تمہاری بیوی نماز پڑھتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا میں تو پڑھتا ہوں اور وہ بھی پڑھتی ہے مگر آجکل بیمار رہے۔ اسی واسطے آجکل نہیں پڑھتی۔ فرمایا مرض میں نماز معاف نہیں ہو جاتی۔ اس وقت میں نماز پڑھوانا تمہارے ذمہ ہے

چھوڑنے سے صرف وہی گنہگار نہ ہوگی۔ تم بھی گنہگار ہوگئے۔ نماز ایسی کیا مشکل چیز ہے۔ اہتمام کے ساتھ پڑھوا ؤ۔ اور جتنی مرض میں مجبوری ہوتی ہے اتنی ہی نماز بھی تو مرض کی سہل ہوتی ہے۔ پھر حضرت والا نے اس کو بیعت کیا اور تعلیم فرمایا کہ رات کو تہجد آٹھ رکعت پڑھا کرو دو دو رکعت کرکے اور ان میں اختیار ہے کوئی سی سورت پڑھا کرو۔ قل ہو اللہ کی قید نہیں۔ پھر تہجد کے بعد لا الٰہ الا اللہ ایک ہزار بار ضرب کے ساتھ۔ اتنا جہر نہ ہو کہ پاس کے آدمی جاگ جاویں ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہجد پچھلی رات میں پڑھا جاوے۔ اگر نہ ہوسکے تو بعد عشاء کے سہی۔ یہ رات کے معمولات ہوئے۔ اور دن میں یہ معمول رکھو کہ چلتے پھرتے لا الٰہ الا اللہ پڑھتے رہا کرو۔ اور کبھی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی رسم میں شریک مت ہونا۔ بس اس وقت اسی قدر بتاتا ہوں پھر مجھ سے وقتاً فوقتاً پوچھتے رہنا۔ عرض کیا میں ہر ہفتہ شاملی سے آتا رہوں گا۔ فرمایا اگر جمعہ کے دن آنا ہوا کرے تو کھانا ساتھ لیکر آیا کرنا۔ اگر اور کسی دن آؤ گے تو اگر ممکن ہو تو ہم کھلا دیا کریں گے ہم نے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ جو جمعہ کے دن آوے گا وہ ہمارا مہمان نہیں۔ وہ نماز یا جمعہ کے لئے آیا ہے تو اپنے کام کو آیا ہے کسی پر کیا احسان ہے۔ ہاں جو لوگ دور سے آتے ہیں اور میرے ہی پاس آتے ہیں وہ کبھی دن آویں میرے مہمان ہیں۔ اور میں تمہیں شجرہ دوں گا اگر تمہیں پڑھنا آتا ہے تو خود پڑھ لیا کرنا نہیں تو کسی دوسرے پڑھے لکھے آدمی سے کبھی کبھی سن لیا کرنا۔ اور تم کسی سے قرآن شریف اور بہشتی زیور پڑھ لو۔

(۷۳۷) ایک خانصاحب عبداللہ خاں نام خورجہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھانہ بھون میں کوتوال تھے ان کی تبدیلی ہوگئی اور دو چار دن کے واسطے اہل وعیال کو تھانہ بھون چھوڑ گئے ان کے جاتے ہی مکان میں چوری ہوگئی اور بہت نقصان ہوا۔ حضرت والا ان کے گھر تسلی دینے کے لئے تشریف لے گئے تو فرمایا کہ حکومت دنیا کی یہ اصلیت ہے۔ کل ان سے تمام شہر ڈرتا تھا اور آج ان کا مال و متاع سب لے گئے۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تھانہ والے ضابطہ کی تحقیقات کر رہے ہیں ان کا اختیار رہتا تو چوری نکال ہی لیتے۔ بخلاف اس کے اہل اللہ کی حکومت کو دیکھئے کہ کسی سیاح یورپین نے ولایت میں جاکر کہا کہ ہم نے ہندوستان میں ایک مردہ ایسا دیکھا جو سلطنت کر رہا ہے (کنایہ ہے حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ) اکبر بادشاہ باوجود آزاد خیال ہونے کے دو دفعہ آگرہ سے اجمیر پیدل گیا۔ بیشک دین سے آدمی کو دائمی عزت حاصل ہوجاتی ہے اور زیب النساء کا مقبرہ اور بادشاہوں کی طرح نہیں بنایا گیا ہے۔ قبر پکی بھی نہیں کچی ہے مگر اب تک ایسی عظمت ہے کہ جو کوئی

جاتا ہے اسی طرح حاضری ہوتی ہے جیسے زندگی میں ہوتی تھی حتی کہ حکام بھی جاتے ہیں تو مجاور ان کو حضوری کے آداب تسلیم و تعظیم سکھلاتے ہیں اور دور کھڑے کئے جاتے ہیں گویا اب بادشاہ دربار میں موجود ہے۔ یہ سب اس کا اثر ہے کہ اورنگ زیب عالم اور متشرع تھا۔ تورع کا اثر بعد مرنے کے بھی رہتا ہے۔

(۷۳۸) تعلیم و فلسفہ کا ذکر ہوا تو حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے بھی فلسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں مگر کبھی ان پر بسم اللہ نہیں کہی بلکہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرتا تھا اور نہ کبھی دل لگا کر فلسفہ کو پڑھا ایک آلی علم سمجھ کر پڑھا بعض لوگ کہتے ہیں بڑا مشکل علم ہے اور کاموں کو چھوڑ کر پڑھا جاوے تب آتا ہے میں نے تو ہمیشہ اسی طرح پڑھا مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا۔ بہتوں کو پڑھا بھی دیا ایک شخص نے عرض کیا فلسفہ کا کارآمد چیز تو ضرور ہے۔ فرمایا ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔

(۷۳۹) ایک روز حسب معمول بعد نماز عصر مصلی پر تشریف فرما تھے۔ قرأۃ سیکھنے والا لڑکا محمد عمر نام حسب معمول حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا۔ اس کے آس پاس اور لوگ بیٹھ گئے ایک اور طالب علم کو جو عرصہ دراز سے مدرسہ میں تھے اجازت تھی کہ سماعت کیا کریں وہ بھی قرآن شریف لیکر حاضر ہوئے اور محمد عمر کے پاس آپہونچنے کے لئے مجمع میں گھسنا چاہا تو حضرت والا نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا تم کو اتنے دن یہاں ہوئے مگر اب تک اس سے آشنا نہ ہوئے کہ دین کیا چیز ہے۔ بہت سی کتابیں پڑھ لینے یا وظیفہ گھونٹنے کا نام دین نہیں ہے۔ دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے اور اسی کو تہذیب بھی کہتے ہیں۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگنا کس نے بتلایا ہے۔ تم تو سامع ہو آواز دور تک پہنچتی ہے جہاں جگہ ملی وہیں کیوں نہ بیٹھ گئے۔ اور پاس ہی بیٹھنے کا شوق تھا تو پہلے سے آتے ہوتے جاؤ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ جب تک تہذیب نہ سیکھ لو ہمارے پاس مت آؤ آڑ میں بیٹھو اور وہیں سے سنو۔

(۷۴۰) ایک طالب نے ذکر شروع کرنا چاہا تو تعلیم فرمایا کہ تہجد کا التزام کرو۔ بہتر آخر شب میں ہے اگر نہ ہو سکے تو عشا کے بعد ہی اور اکثری عادت آٹھ رکھنی چاہئے اور اس سے کمی زیادتی مقتضائے وقت و موقع پر ہے۔ بعد تہجد کے اسم ذات کم از کم ایک ہزار بار اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار بار کا ورد کرو۔ پھر صبح کی نماز کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد بھی اسی قدر پھر ظہر کے بعد ایک ہزار بار۔ اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لا الہ الا اللہ پڑھتے رہو

اور کبھی محمد رسول اللہ بھی (صلے اللہ علیہ وسلم) اور کتاب دیکھنا بالکل چھوڑ دو۔ بس ہر وقت ذکر ہی سے دھیان رکھو۔ دوسرے اشغال جتنے بھی ہو سکیں کم کر دو۔ کیونکہ کثرت اشغال مبتدی کے لئے مضر ہے۔ پھر حالات مجھ سے کہتے رہو جو بات چھپانے کی نہ ہو عصر کے بعد مجمع میں کرلو اور جو بات چھپانے کی ہو وہ بعد مغرب کہو۔ یہ دونوں وقت ان ہی دونوں کاموں کے لئے مقرر ہیں۔

(۱۴۷) صبح کے وقت ایک مولوی صاحب کرتا بہت نیچا اور اوپر سے صدری پہنکر گھڑی جیب میں ڈالکر واعظانہ بڑا سا عمامہ باندھ کر کہیں جا رہے تھے حضرت والا کی نظر ان پر پڑ گئی تو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے فرمایا کہ ان سے کہدینا کہ یہ وضع مجھکو پسند نہیں۔ طالبعلموں کی طرح رہنا چاہیئے صدری کرتے کے نیچے کرلیں اور اگر ضرورت نہیں تو بالکل نہ پہنیں۔ اب شام کو بعد مغرب یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے حضرت والا سے درد زہ کے واسطے ایک تعویذ کی درخواست کی حضرت والا نے ترحماً فوراً تعویذ لکھنے کے لئے ایک لڑکے سے قلمدان منگایا وہ مولوی صاحب کھڑے پنکھا جھل رہے تھے۔ اس وقت کسی قدر اندھیرا ہوگیا تھا مولوی صاحب نے عرض کیا کہ چراغ لے آؤں فرمایا نہیں اور تعویذ لکھنا شروع کیا۔ بوجہ اندھیرے ہونے کے قدرے دقت ہوئی۔ مولوی صاحب نے پھر عرض کیا چراغ لے آؤں۔ بس حضرت والا نے تعویذ ہاتھ سے رکھدیا اور فرمایا کہ میں نے قصداً بلا روشنی کے لکھنا شروع کیا تھا کہ دیکھوں آپ کیا کرتے ہیں مگر آپ کو ایک دفعہ کہنے پر بھی صبر نہ ہوا اور جو بات طبیعت میں ہے ظاہر ہو کر رہی۔ آپ کی طبیعت میں امارت ہے۔ اور میری طبیعت میں امارت سے نفرت ہے ابھی اتنا اندھیرا نہیں کہ لکھا جا نہ سکے ذرا کلفت سے سہی۔ یہ امارت ہے کہ شام ہوئی اور لالٹینیں روشن ہوئیں اگر ذرا گرمی ہوا پنکھا شروع ہوا۔ میں پیخانہ میں بھی روشنی ہر وقت نہیں لیجاتا ہوں۔ حالانکہ وہاں ضرورت ہے۔ میں اس کو بھی امارت کی شان سمجھتا ہوں کہ پیخانہ کا وقت آیا لالٹین رکھو اور پانی رکھو۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بندہ وہ ہے جو بندوں کی طرح رہے اور ترفع اور بناوٹ کیا چیز ہے سوائے اس کے کہ دھوکہ اور وہم و خیال ہے۔ بندہ جب تک زندہ ہے جب تک تو شان بنانی ہی نہیں چاہیئے۔ کیا خبر کیا حالت ہونے والی ہے ہاں جب دنیا سے ایمان صحیح و سالم لیکر نکل جاوے پھر اینٹھے جتنا چاہے۔ بندے وہ تھے جیسے مولانا محمد قاسم صاحب رح کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں بھی پیدا ہوا تھا۔ پھر حضرت والا نے ان ہی مولوی صاحب سے فرمایا آج میں نے تمہارا وہ خط بھی دیکھا ہے جس میں آپ نے اپنے بھائی صاحب

کو لکھا ہے کہ میرے نام ایک روپیہ کا منی آرڈر مت بھیجنا کیونکہ یہاں لوگ میری عزت کرتے ہیں ایک روپیہ کا منی آرڈر آنے سے میری ذلت ہو گی جس وقت سے میری نظر اس خط پر پڑی سر سے پیر تک آگ ہو گیا میں نے ضبط کیا کہ آپ اب سمجھ جاویں کہنے کی ضرورت نہ پڑے مگر اشارہ تو وہاں کافی ہو جہاں عقل ہو اور جہاں عقل ہو ہی نہیں وہاں بے حیا ہی بننا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا میری اس میں ایک اور مصلحت تھی وہ یہ کہ اس بہانہ سے بھائی ایک سے زیادہ روپیہ بھیجیں گے۔ فرمایا کہ اگر یہ ہے تو یہ حرکت آپ کی اور زیادہ بیہودہ ہے اس میں ترفع کے ساتھ خداع مسلم بھی شامل ہے۔ اور مسلم کے افراد میں سے بھی بھائی کے ساتھ سبحان اللہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مجھے اسی پر طیش تھا کہ ترفع ہے یہاں گناہ کے اندر گناہ گھسا ہوا ہے۔ ان باتوں کی طرف تو کسی کو خیال ہی نہیں رہا۔ نہ عوام کو نہ خواص کو۔ بس یہ سمجھ لیا ہے کہ دین نام ہے بہت سی نفلیں پڑھنے کا یا کتابیں پڑھ لینے کا۔ واللہ دین اور ہی چیز ہے۔ آپ مجھے پنکھا نہ جھلا کریں اور نہ کسی قسم کی میری خدمت کریں۔ آپ کی خدمت مجھے ناگوار ہو گی۔ اور میں یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ اس میں رمز کیا ہے۔ وہ رمز یہ ہے کہ جب آپ ہر وقت میری خدمت کریں گے تو کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ آپ میرے مقرب ہیں پھر اگر وہ آپ سے کوئی بری بات دیکھے گا یا کسی کو آپ سے تکلیف بھی پہونچے گی تو مجھ تک شکایت نہ لا سکے گا یہ ایسی بات ہے کہ دن رات مشاہدہ میں ہے۔ جہاں اس کا خیال نہیں ہے وہاں لوگوں کو خوب موقعہ ملتا ہے ظلم کرنے کا میں نے نیاز کو بھی منع کر رکھا ہے کہ کسی کا پیغام مجھے کبھی نہ پہنچاؤ جس کو کچھ لکھنا ہو براہ راست کہے کیونکہ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ وہ منہ لگا ہوا ہے پھر اس کی کوئی شکایت نہ کر سکے گا نیز جب یہ معمول ہو جاوے گا کہ وہ واسطہ ہو جاوے گا تو ممکن ہے کہ اس کی نیت بدلے اور لوگوں سے تحصیل وصول شروع کر دے جیسا کہ بہت سے مشائخ کے یہاں دیکھا ہے کہ بلا خادم کا پیٹ بھرے کیا مجال ہے کہ کوئی پہونچ لے۔ اور چونکہ شیخ صاحب کی بدولت ان کو آمدنی ہے اس واسطے اور زیادہ رجوعات بڑھانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ آنے والوں کو شیخ صاحب کی کرامات (ایک صحیح اور دس غلط) سناتے ہیں کچھ ڈراتے ہیں کچھ امید دلاتے ہیں۔ خدا کا نام تو بے طہارت لے لیں مگر شیخ صاحب کا نام کبھی بلا وضو نہ لیں شیخ صاحب کو اچھا خاصہ بت بنا رکھا ہے کہ ان کی پوجا ہو رہی ہے۔ یہ کیا ہے سب ڈھونگ ہے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ بیچ والوں کو دخل دیا گیا ہے۔

(۷۴۲) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جو کچھ مجھ سے غلطی ہوا کرے حضرت والا مجھے ٹوک دیا کریں۔ فرمایا میں کوئی پولیس کا سپاہی ہوں کہ ہر وقت ڈنڈا لئے تمہارے پیچھے پھرا کروں۔ ایک ایک بات کہاں تک لوگوں کو ٹوکوں گا نہیں چاہئے کہ مجھے دیکھو اور میری سی عادتیں اختیار کرو۔

(۷۴۳) عبداللہ خانصاحب کے ماموں صاحب نے عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ جناب حاجی صاحب رح تمام دوسرے مشائخ سے افضل ہیں اور مرید کے لئے تصور شیخ بھی ایک چیز ہے نفع بھی ہوتا ہے اور لذیذ بھی ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام شیخوں کے شیخ ہیں تو تمام مشائخ سے افضل ہوئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء علیہم السلام کے بھی امام ہیں یہ تو آپ دنیا وما فیہا سے افضل و برتر ہوئے ع بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر۔ جب یہ ہمارا اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور تو بڑی چیز ہوا لیکن جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کا ارادہ کرتا ہوں تو اندر سے دل قبول نہیں کرتا اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔ گویا مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں اللہ کے تصور ذات میں جی لگتا ہے اور لذت آتی ہے یہ کیا بات ہے اور اس میں خطا و صواب کیا ہے۔ فرمایا۔ کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں بعضوں پر حب حق غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر توحید کا غلبہ ہے اور فی نفسہ دونوں مذاق صحیح ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی درحقیقت حق تعالےٰ ہی کی محبت ہے کیونکہ آپ سے محبت من حیث الرسالۃ ہے اور نائب کی محبت من حیث النیابۃ درحقیقت غیب کی محبت ہے اور اللہ کو ہم نے پہچانا کیسے بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ تو جب تک آپ کا واسطہ نہ ہو حب اللہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور میرا مذاق بھی آپ ہی کا سا ہے مجھے کسی چیز میں ایسی لذت نہیں آتی جیسی ذکر اللہ میں آتی ہے۔ اور یہ یاد رکھئے کہ دونوں محمود ہیں۔

(۷۴۴) فرمایا کہ علما کی تعظیم سے تو لوگوں کا نفع ہے کہ ان کی تعظیم درحقیقت دین کی تعظیم ہے مگر علماء اور علم کے لئے سخت مضر ہے۔ علما میں تو اس سے نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے مضر ہوا۔ اور جب ان میں یہ صفات رذیلہ لوگ دیکھتے ہیں تو نہ ان کی بات میں اثر رہتا ہے اور نہ ان کے علم کی تعظیم لوگوں کے دلوں میں رہتی ہے۔ ان کے ساتھ علم بھی بدنام ہو جاتا ہے

(۷۴۵) حضرت والا کے ایک قریب کے رشتہ دار کی چار سالہ لڑکی کا انتقال ہوا۔ حضرت والا سے پوچھا گیا کہ کفن میں کے کپڑے دیئے جاویں فرمایا نابالغ ہے اس واسطے دو یا تین کپڑے کافی ہیں صرف دو چادریں دیدو۔ حکیم مصطفےٰ صاحب نے عرض کیا تکفین کے بارہ میں نابالغ لڑکی جوان عورت کے حکم میں ہے

جیسا کہ بہشتی زیور میں ہے فرمایا ہاں استحباباً نہ وجوباً (کفن کے کپڑے میں کم کرنا شاید اس کے والد صاحب کی تنگدستی کی وجہ سے تھا) پھر جب جنازہ تیار ہوا تو حضرت والا اور خدام ساتھ گئے جنازہ کو لڑکی کے والد اپنے ہاتھوں پر مدرسہ کے پیچھے قبرستان تک لے گئے (قبرستان چونکہ بہت ہی قریب تھا اس واسطے جنازہ کو کسی دوسرے نے نہیں لیا ورنہ بدلتے چلنا اعانت ہے) جب مردہ کو قبر میں رکھا تو فرمایا قبلہ رخ داہنی کروٹ پر کر دو رکھنے والے نے کچھ قبلہ کی طرف کو کر دیا۔ فرمایا بالکل کروٹ پر کر دو۔ جب پٹاؤ دیا گیا تو کچھ کمی تھی جس میں مٹی گرنے کا خیال تھا فرمایا پورا کر دو اور ڈھیلے رکھ دو تاکہ مٹی نہ گرے اگرچہ اب مٹی ہی مٹی ہے مگر دیکھتی آنکھوں تو اپنے عزیز پر مٹی گرتے نہیں دیکھی جاتی پھر حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ پٹاؤ پتھر کا دینا درست ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں بلکہ لکڑی سے اچھا ہے کیونکہ از جنس ارض ہے۔ اور اس سے بھی اچھی کچی اینٹیں یا کچے کھرے ہیں۔ پھر قبر درست ہو جانے کے بعد حضرت والا نے کچھ پڑھا پھر سب لوگ بلا اس کے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کریں لوٹ آئے (دفن سے واپس ہوتے وقت التزام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یا جنازہ کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ سب صرف رواج و رسم ہے خفیہ اور بلا التزام مضائقہ نہیں)

(۷۴۶) کسی طالب نے کہا کہ بندہ کا حال بہت ہی خراب ہے جس سے سخت پریشانی ہے قلب متشدد مثل گوار کے ادنیٰ بات پر غصہ آتا ہے۔ قلب میں میلان الی المعاصی بلکہ بعض اوقات میں احب ہے۔ طرح طرح کے وسواس آتے ہیں۔ فرمایا سختی اور میلان اور وساوس یہ تینوں امور غیر اختیاریہ سے ہیں جن کی کوئی خاص تدبیر نہیں ذکر اللہ اور طاعت صحبت اہل اللہ کی ملازمت طویلہ سے ان کا از خود ازالہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت آپ کے ذمہ صرف اتنا ہے کہ ان امور کے مقتضا پر عمل نہ کریں پھر آپ پر کوئی مواخذہ نہیں۔

(۷۴۷) ایک عورت نے حضرت والا کی خدمت میں لکھا کہ میرا شوہر فلاں عہدہ پر ہے اور میری جانب سے بالکل لاپرواہ ہے جو برتاؤ مرد اور عورت منکوحہ میں ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ ایک داشتہ عورت رکھے ہوئے ہیں جو میرے مکان سے بیس قدم کے فاصلہ پر ہے شب کو وہاں سوتا اور میں اکیلی سوتی ہوں اور بیحد تنگدست ہوں۔ وہ عورت مجھ کو نکلوانا چاہتی ہے اور خادمہ تشکل و صورت میں یکتا ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ میرے رب کو کیا منظور ہے۔ اب میرا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے ہو جاویں کہ میرے کہنے پر عمل درآمد کریں اور داشتہ عورت کو چھوڑ دیں کیونکہ آپ حق تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ اگر اس خادمہ کی حالت پر توجہ نہ کی تو میدان حشر

میں آپ کا دامن پکڑ کر اپنے نانا میاں سے فریاد کروں گی۔ فقط خادمہ ..... بقلم خود

جواب۔ السلام علیکم۔ تمہارا خط آیا اصل تدبیر دو ہیں۔ ایک خدمت اور اطاعت اور خوشامد۔ دوسری دعا۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اصل تدبیر تو یہ دو ہیں باقی شاید تم عمل وظیفہ چاہتی ہو۔ سو میں عامل نہیں مگر بزرگوں سے سنا ہوا لکھے دیتا ہوں۔ بعد عشا ۱۱ سو بار یَالطیفُ یا ودودُ مع اول و آخر درود شریف ۱۱ بار پڑھکر دعا کیا کریں۔ اب ایک دو نصیحت لکھتا ہوں۔ (تم کو چاہئے تھا کہ گھر کے کسی مرد سے خط لکھواتیں غیر مرد کو خط لکھنا مناسب نہیں۔ (۲) خط میں اپنی شکل وصورت کی تعریف لکھنا تہذیب کے خلاف ہے۔ (۳) جس سے اعتقاد ہو اس کو ایسی بات لکھنا کہ میں حشر میں دامنگیر ہوں گی بہت بے تمیزی ہے پھر یہ تمہارے قبضہ کی بھی بات نہیں اور جس بات پر دھمکی دی ہے وہ میرے بھی قبضہ کی بات نہیں۔ (۴) پھر جواب کے لئے ٹکٹ بھی نہیں بھیجا۔ (ف) اس سے حضرت والا کی کس قدر شفقت علی الخلق صاف گوئی اور شان تربیت ثابت ہوتی ہے۔

(۷۴۸) ایک تحصیلدار صاحب کی پنشن ہونے والی تھی انھوں نے بعضے ماتحتوں اور چپراسیوں پر تشدد اور سخت کلامی کی تھی قبل پنشن پر جانے کے سب سے معافی مانگنا چاہتے تھے حضرت والا سے اس کی تدبیر دریافت کی تھی۔ اس پر فرمایا طریقہ معافی چاہنے کا یہ ہے کہ ایسے اشخاص سے مل کر زبان سے یہ فرمائے کہ تم سے جو کچھ زبانی یا دستی تکلیف پہنچی ہو معاف کردو۔ اور بہتر یہ ہے کہ ان کو کچھ دے کر بھی خوش کر دیجئے کہ وہ ویسے ہی راضی ہو جاویں ورنہ یہ احتمال ضعیف رہیگا کہ شاید آپ کی وجاہت سے زبانی معافی دیدیں اور دل سے راضی نہ ہوں گو یہ احتمال اگر بلا قرینہ ہو معتبر نہیں۔

(۷۴۹) کسی نے دریافت کیا کہ مسجد میں کوئی مکان علیحدہ نہیں ہے اور مسجد ہی میں چارپائی بچھا کر سونا پڑتا ہے جائز ہے یا نہیں فرمایا کہ اگر مجبوری ہے اور فرش پر آرام نہیں ملتا تو پائے پاک کر کے مسجد میں بچھالینا درست ہے۔

(۷۵۰) کسی نے لکھا کہ حضرت میں بہت غریب ہوں اور بی بی ہے لیکن بی بی بے پردہ رہتی ہے یہ اوقات نہیں کہ پردہ لگادوں تو ہم کیا کریں۔ فرمایا کہ جب پردہ کے سامان پر قدرت نہیں ہے تو معاف ہے۔ البتہ عورت کو سمجھا دیا جاوے کہ جب کسی نامحرم کا سامنا ہو تو بجز چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدم کے ایک بال بھی کھولنا نامحرم کے سامنے جائز نہیں۔

(۷۵۱) کسی نے دریافت کیا کہ تراویح میں حافظ کی اجرت لینے سے حرمت صرف مال میں آوے گی یا نماز بھی غیر مقبول ہو گی اور مقتدی محتاط آیا علیحدہ الم ترکیف سے تراویح پڑھ لے یا ایسی جماعت میں شریک ہو فرمایا کہ نماز امام کی یا اجرت ٹھہرانے والوں کی غیر مقبول ہو گی نہ کہ اجرت نہ دینے والوں کی۔ اس عذر کے سبب جماعت نہ چھوڑنا چاہئے۔

(۷۵۲) دیہاتی کو اعتکاف اولیٰ ہو گا یا شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا اور اس وجہ سے اعتکاف نہ کرنا ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل اول اولیٰ ہو گا اس لئے کہ اول سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور فعل آخر صرف عزیمت۔ فرمایا کہ قواعد سے اعتکاف ہی اولیٰ ہے۔

(۷۵۳) فرمایا کہ بدون صحبت شیخ کے اگر کوئی لاکھ تسبیحیں پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت خود ذکر اللہ میں یہ صفت ہونی چاہئے تھی کہ وہ خود کافی ہو جایا کرتا صحبت شیخ کی کیوں قید ہے۔ فرمایا کہ کام بنا دیگا تو ذکر اللہ ہی بنا دیگا لیکن عادۃً اللہ یوں جاری ہے کہ بدون شیخ کی صحبت کے نرا ذکر کام بنانے کے لئے کافی نہیں اس کیلئے صحبت شیخ شرط ہے جس طرح کہ کاٹ جب کرے گی تلوار ہی کرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو ورنہ اکیلی تلوار کچھ نہیں کر سکتی گو کاٹ جب ہو گا تلوار ہی سے ہو گا۔

(۷۵۴) فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسے مریض ایک تو طبیب کے پاس رہ کر علاج کراوے اور دوسرے یہ کہ دور سے محض خط و کتابت کے ذریعہ سے علاج ہو ظاہر ہے کہ نفع میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ پھر فرمایا کہ صحبت شیخ میں طالب نادیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے۔ ایک بار بدون صحبت شیخ کے محض خط و کتابت پر اکتفا کرنے کی یہ مثال دی تھی کہ جیسے شوہر اور بیوی محض خط و کتابت کرتے رہیں اور اظہار محبت بھی کرتے رہیں لیکن ملتے جلتے نہ رہیں تو اولاد ہو چکی۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ محض خط و کتابت رکھنے سے کوئی معتد بہ نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا ثمرات فاعدہ کے لئے گاہے گاہے صحبت شیخ ضروری ہے۔

(۷۵۵) فرمایا کہ بعض اصلاح منحصر ہوتی ہے اس بات پر کہ اجازت تعلیم و تلقین کی دیجائے

(۷۵۶) فرمایا کہ بعد تکمیل کے پھر شیخ کا دخل تربیت میں نہیں رہتا نہ حاجت رہتی ہے خود منجانب اللہ بلا واسطہ اس کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ طالب شیخ سے مستغنی ہو جاتا ہے جیسا مشاطہ بناؤ سنوار کر دلہن کو دولہا تک پہنچا دیتی ہے اس کے بعد پھر وہاں اس کا گزر نہیں ہوتا

البتہ شیخ کا جس کی بدولت اس کو یہ وصول الی اللہ میسر ہوا ہے ہمیشہ ممنون رہنا چاہئے ورنہ ناشکری موجب زوال ہو جاتی ہے۔

(۷۵۷) فرمایا کہ صحبت نیک کے متعلق یہ قطعہ مجھے بہت پسند ہے اس کو اکثر پڑھا کرتا ہوں

گِلے خوشبوئے در حمام روزے ———— رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری ———— کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گِل ناچیز بودم ———— ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ———— وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(۷۵۸) ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز کی پابندی نہیں ہوتی فرمایا کہ اس کے دو علاج ہیں ایک سہل ایک مشکل۔ مشکل علاج تو یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی جرمانہ مقرر کرے جو نہ اس قدر زیادہ ہو کہ پابندی کے ساتھ اس کا ادا ہونا ہی مشکل ہو۔ اور نہ اس قدر کم ہو کہ نفس پر شاق ہی نہ ہو۔ یہ علاج تو مشکل ہے کیونکہ خود اپنے اوپر سزا جاری کرنا ہے مشکل کام دوسرا علاج سہل یہ ہے کہ جس سے عقیدت ہو اس کے پاس کچھ دن رہے۔ اس سے انشاء اللہ خود بخود اصلاح ہو جاوے گی۔

(۷۵۹) فرمایا کہ تسخیر اور قبولیت عند اللہ میں یہ فرق ہے کہ جو عملیات وغیرہ سے تسخیر کیجاتی ہے اس کا اثر فوری ہوتا ہے دیرپا نہیں ہوتا۔ اور قبولیت عند اللہ کا اثر روز بروز گہرا ہوتا جاتا ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک تو ملمع ہوتا ہے کہ شروع شروع میں گو اصلی کندن سے بھی زیادہ اس میں آب و تاب ہوتی ہے لیکن جب جھول اتر جاتا ہے تو پھر وہی تانبہ کا تانبہ برخلاف اس کے جو تانبہ کیمیا کے ذریعہ سے سونا بن جاتا ہے اس کے جگر تک اثر پہونچ جاتا ہے۔ سونے ہونے کی خاصیت کبھی زائل نہیں ہوتی۔

(۷۶۰) فرمایا کہ عورتوں کا عشق خواہ حرام ہو لیکن وجداناً اس کی ظلمت میں پھر بھی ایک قسم کی کمی ہوتی ہے بخلاف مردوں کے عشق کے کہ اس میں ظلمت شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ عورتیں گو نامحرم ہوں لیکن کسی حال میں کسی شخص کے لئے تو محل تمتع ہیں۔ امرد تو کسی شخص کے لئے کسی حال میں محل تمتع فطرۃً ہیں ہی نہیں۔ عشق زناں تو مشابہ تہ خانہ کی تاریکی کے ہے کہ اس کی ظلمت عارضی ہے اور عشق امرداں مشابہ اندھیری رات کی تاریکی کے ہے کہ اس کی ظلمت ذاتی ہے۔ گو دونوں حرام ہیں لیکن امردوں کا عشق حرام در حرام اور گو در گو کیونکہ حلت کا وہاں گذر ہی نہیں۔ عورتیں

فی نفسہ تو محل علت ہیں گو عارض کی وجہ سے وہ علت ثابت نہ ہو۔

(۷۶۱) عشق مجازی کے تذکرہ میں فرمایا کہ ایک بات بتلاتا ہوں جو مجھ ہی سے سنئے گا اس سے پہلے کبھی نہ سنی ہوگی اور اول وہلہ میں سمجھ میں بھی نہ آسکے گی لیکن سچی بات ہے تجربہ کر لیا جاوے فی الحال تقلیداً مان لی جاوے۔ وہ بات یہ ہے کہ اگر عاشق کی طبیعت بالکل ہی خبیث نہ ہو تو متقی شخص کی طرف نفسانی میلان نہیں ہو سکتا کیونکہ تقویٰ کا قدرتی اثر یہ ہے کہ وہ وقایہ ہوتا ہے نفسانی میلان کا۔ خواہ تقویٰ کا دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو عشق مجازی ہی کے تذکرہ میں فرمایا کہ یہ سخت ابتلا کی چیز ہے اس سے بہت بچنا چاہئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں خود مجھکو اپنا اعتبار نہیں اور چونکہ میں خود کوئی چیز نہیں اس لئے میری حیثیت سے یہ بے اعتباری کوئی ایسی اہم نہیں لیکن جو شخص مجھکو بڑا سمجھتا ہے اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لئے بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اس کی یہ حالت ہے تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہئے۔

(۷۶۲) فرمایا کہ بزرگوں کے تعلق سے دین تو درست ہوتا ہی ہے دنیا کی بھی برکت ہوتی ہے لیکن دنیا کے قصد سے تعلق پیدا نہ کرے جس طرح کہ حج کو جاتے وقت اس کا قصد تو نہ چاہئے کہ بمبئی دیکھیں گے اور جہاز کی سیر کریں گے لیکن جو شخص حج کو جائیگا راستہ میں بمبئی بھی پڑے گی اور جہاز کی سیر بھی نصیب ہو جائے گی۔

(۷۶۳) فرمایا کہ ایک صاحب کیرانہ میں بیعت ہونے کے لئے جب آئے تو مٹھائی ایک اور شخص کے ہاتھ میں لائے میں نے دیکھ لیا کہ ہاں آپ میں شان ہے اور کبر کا مادہ ہے۔ اتفاق سے مجھے کہیں جگہ جاتا تھا میں نے ان سے کہا کہ مجھے یہاں فرصت نہیں ملی مجھے فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے وہاں شاید بیعت کر سکوں وہاں چلئے چنانچہ مٹھائی کا طباق ہاتھ میں لئے ہوئے حضرت میرے ساتھ ہوئے وہاں پہنچکر بھی میں نے یہی کہا کہ کیا کہوں یہاں بھی فرصت نہ ملی وہاں چلئے غرض اسی طرح دو گھنٹے تک گھر گھر ان کو مع مٹھائی کے لئے پھرا اور قصداً بازار میں ہو ہو کر جاتا تھا وہ صاحب ہاتھ میں مٹھائی کا طباق لئے لئے ساتھ پھرتے رہے جب میں نے خوب پریشان کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہاں اب ان کے قلب سے یہ خبیث مادہ نکل گیا تب مرید کیا اور اپنی اس حرکت کی وجہ بھی ظاہر کر دی چنانچہ تکبر کا اتنا بڑا مرض جو برسوں مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہ جاتا اس تدبیر سے بفضلہ دو گھنٹہ میں جاتا رہا۔

(۷۶۴) فرمایا کہ صحیح بنار اعتقاد کی کسی کے اقوال نہیں ہوتے بلکہ اس کے اعمال وافعال ہوتے ہیں جو اعتقاد افعال سے ناشی ہو وہ معتبر ہے یعنی اعتقاد اس بنا پر پیدا ہو کہ دیکھو افعال واعمال نشست و برخاست سب باتیں کیسی سنت کے موافق ہیں اِسی وجہ سے میرے وعظ سنکر جو معتقد ہوتے ہیں ان کے اعتقاد کا مجھے اعتبار نہیں۔ کیونکہ آخر وعظ میں میں گالیاں تو بکوں گا نہیں اچھی ہی باتیں کہوں گا۔ ہاں جو یہاں آکر اور میرا طرز عمل دیکھکر پھر بھی معتقد رہے اس کا اعتقاد البتہ پختہ ہے۔

(۷۶۵) فرمایا ذکر میں چاہے دل لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاوے رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑجاتی ہے کہ پھر بلا اس کے چین ہی نہیں پڑتا۔ جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھبیر بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے قے بھی ہوتی ہے لیکن پیتے پیتے پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے مگر حقہ کے دو کش مل جاویں۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا۔ البتہ ایک معتد بہ مدت گزرجانے کے بعد اس کی پچھلی حالت کو خیال میں لاکر موازنہ کیا جاوے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا ہے حالانکہ در اصل نفع برابر ہو رہا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڈھا پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ایسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو۔ اول قطرہ کو بے اثر ہر گز نہ سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہر گز بے ثمرہ نہیں۔ اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہو گی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہو گا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو۔

(۷۶۶) فرمایا کہ ذکر و نماز وغیرہ میں سرسری توجہ و استحضار کافی ہے۔ زیادہ کاوش توجہ میں نہ کرے ورنہ قلب و دماغ ماؤف ہو جاویں گے۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے۔ جس سے نفع بند ہو جاتا ہے۔ سرسری توجہ ہی سے خدہ شدہ ملکہ تامہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی خاص کیفیت یا حالت کی بقا کے لئے بھی زیادہ کاوش نہ کرے نہ اس کے پیچھے پڑے گھبر گھار ضر ہے اپنا کام کئے جارے۔ جیسی جیسی استعداد اس کے سامنے بڑھتی جاوے گی اس کے مناسب احوال و واردات خود فائض ہوتے رہیں گے۔ اپنے قلب کو مشوش نہ کرے۔ نہ ثمرات و حالات کے درپے ہو۔ بڑی چیز کام میں مشغول ہونا ہے۔

(۷۶۷) فرمایا کہ مختلف اذکار سے اس قدر نفع نہیں ہوتا جس قدر ایک یا دو قسم کے ذکر سے ہوتا ہے کیونکہ مختلف اذکار میں طبیعت منتشر رہتی ہے کوئی ذکر بھی راسخ نہیں ہوتا۔ ایک دو اذکار پر مداومت کی جاوے تو وہ بہت جلد راسخ ہو جاتے ہیں۔

(۷۶۸) ایک صاحب نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ یہ تو کوئی ایسی ضروری چیز نہیں اصل چیز تو اتباع اور محبت ہے باقی ہاتھ میں ہاتھ دینا یہ محض طالب کی تسلی کے لئے ہوتا ہے کہ اسکو اطمینان ہو جاوے کہ ہاں فلاں شخص کے ساتھ ایک خصوصیت ہوگئی ورنہ نفع میں اس کا کچھ دخل نہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نفع میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی بلکہ بیعت کرنے سے میرے اوپر ایک بوجھ ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ چاہا کرتا ہوں کہ مجھ سے بیعت تو نہ ہوں لیکن مجھ سے دین کی خدمت لیں پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ بیعت تو سنت ہے فرمایا کہ سنت ہے مگر مستحب کے درجے میں اور سنت بھی بیعت کی حقیقت ہے نہ کہ صورت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا بیعت کی صورت ہے نہ کہ حقیقت حقیقت ہے "محبت اور اتباع" جس کو محبت ہو اور اتباع کرے اسکو حقیقت بیعت کی حاصل ہے گو صورت بیعت کی حاصل نہ ہو۔

(۷۶۹) ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے عقائد میں شکوک ہیں فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اسکا جلد تصفیہ ہو جانا نہایت ضروری ہے ورنہ کوئی عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ سب اعمال بیکار جائیں گے لیکن پہلے اس کی تحقیق ہو جانی چاہئے کہ آیا آپ جس کو شک سمجھ رہے ہیں وہ دراصل شک بھی ہے یا محض وسوسہ ہے۔ کیونکہ شک اور چیز ہے اور وسوسہ اور چیز ہے۔ اور دونوں کا جدا حکم ہے عقاید ضروریہ میں شک کرنا موجب نقصان ایمان ہے۔ اور وسوسہ معصیت کے درجہ میں بھی نہیں کیونکہ اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو ان خیالات سے ایذا ہوتی ہے یا نہیں اور قلب کو پریشانی اور خلجان اور دفعیہ کا اہتمام ہوتا ہے یا نہیں۔ ان صاحب نے جواب دیا سخت پریشانی اور خلجان ہوتا ہے فرمایا کہ بس معلوم ہوا کہ محض وسوسہ ہے شک نہیں۔ کیونکہ وسوسہ اور شک کی پہچان یہی ہے کہ وسوسہ میں خلجان اور پریشانی ہوتی ہے اور قلب کو اس سے اذیت ہوتی ہے اور اس کے دفعیہ کے اہتمام کے درپے ہوتا ہے اور اس کو سخت ناگوار اور برا سمجھتا ہے اور شک میں مطلق ایذا نہیں ہوتی۔ قلب کو بالکل سکون ہو جاتا ہے کیا کسی کافر کو کفر سے متاذی اور متالم دیکھا ہے۔ تاذی اور عدم تاذی دونوں کی علامات شناخت ہیں آپ کو شک نہیں وسوسہ ہے جس کی طرف سے شریعت مقدسہ نے ہم کو بالکل مطمئن کر دیا ہے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے اور

واقعی جب وہ کوئی مواخذہ کی چیز ہی نہیں تو اس سے پریشان ہونا ایک فضول امر ہے البتہ اذیت ضرور ہوتی ہے اور اذیت بھی کچھ نہیں اگر اس کی طرف سے بالکل بے پروائی اختیار کی جاوے کہ اونہہ اگر آتا ہے آنے دو۔ اس عدم التفات سے وہ خود دفع ہو جائے گا لیکن اس عدم التفات میں بھی قصد دفع کا نہ کرے۔ ورنہ وہ بھی وسوسہ ہی کی طرف التفات ہو جائیگا۔ کیونکہ جتنا اس کو کوئی دفع کرنا چاہتا ہے اتنا ہی اور پٹتا ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے یہاں تک آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر عمر بھر بھی اس سے چھٹکارا نہو تو بلا سے نہو کیونکہ یہ کوئی نقصان کی بات نہیں۔ البتہ اذیت ہے سو اگر کوئی مرض عمر بھر کے لئے لگ جاتا ہے تو کیا اسی میں زندگی نہیں گذارنی پڑتی۔ پھر فرمایا کہ البتہ معصیت خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ سخت اجتناب کے قابل ہے۔ مثلاً آنکھ کا گناہ کان کا گناہ قلب کا گناہ اور وساوس گو بذاتہ مضر اور قابل قلق نہیں لیکن ان سے کبھی ان کے منشا یعنی معاصی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات البتہ قابل قلق ہے اور ان سے اجتناب کی کوشش ضروری ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ اگر دلائل کی فکر میں پڑیں گے تو وساوس کا دونا ہجوم ہوگا اور مرض بڑھتا ہی جاوے گا بلکہ یوں سمجھئے کہ جو لوگ مجھ سے زیادہ علم اور فہم اور تقویٰ میں ہیں انھوں نے جب اچھی طرح تحقیقات کر لی تو پھر ہماری تحقیقات کی کیا حاجت ہے۔ بس ایسے لوگوں کی بلا تقلید کرنی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہماری تحقیق انکی تحقیق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر کچھ دیر تامل فرما کر استفسار فرمایا کہ آخر یہ مرض آپ کو پیدا کب سے ہوا۔ عرض کیا کہ بچپن ہی سے یہ مرض ہے جبکہ میں ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ فرمایا کہ آپنے اس کا اظہار کسی سے کیا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ آپ نے غضب کیا اور سخت غلطی کی جو اس مرض کو چھپایا۔ میرے نزدیک طب کا پڑھنا آپ کے لئے بالکل حرام تھا اور اب بھی میں آپ کے لئے طب کے مشغلہ کو ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں صحبت اہل باطل کا زیادہ موقع ہے اور وہ آپکے کیلئے سخت مضر ہے۔

اب آپ کو یہ چاہئے کہ اس مشغلہ کو بالکل ترک کر کے کسی کی جوتیوں کے نیچے خاک ہو جائے یعنی ؎ پیش مرد کاملے پامال شو ؛ اور اہل اللہ کی جماعت میں ملے جلے اور ان سے لگے لپٹے رہ کر مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پال کر گزار دیجئے۔ ورنہ ان سے علحدہ اس مشغلہ میں مشغول رہنا تنہا سمندر میں کودنا ہے۔ ان کی صحبت سے ان کے نورانی قلب کا پرتو آپ کے قلب پر پڑے گا جس سے آپ کے قلب میں ایک نورانیت پیدا ہوگی جس کے غلبہ سے ان وساوس کا پتہ بھی نہ رہے گا اور ایک سکون محض قلب کو حاصل ہو جائیگا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو

دوسرے درجہ کا علاج صحبت بد سے احتراز ہے کیونکہ جس طرح یہ صحیح ہے کہ صحبت نیک سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ اہلِ ظلمت کی صحبت سے ان کی ظلمت کا عکس قلب میں پڑتا ہے۔ پس رنڈی بھڑوے فساق فجار کے علاج سے قطعاً دست برداری کیجئے اور ایسے لوگوں سے بالکل علٰحدگی اختیار کیجئے۔ اکثر اوقات خلوت میں گذاریئے اور کچھ وقت خواہ تھوڑا ہی ہو مثلاً آدھ گھنٹہ روز ذکر اللہ میں صرف کیجئے۔ اور بزرگوں کے ملفوظات و کلمات کے مطالعہ کا شغل رکھئے

(۷۰) فرمایا کہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد جازم اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہو گا غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے۔ باقی بیعت کی صورت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اول دہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں۔ عوام کے لئے البتہ اول دہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت کے بعد نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانواں ڈول حالت نہیں رہتی۔

(۷۱) ایک صاحب نے کوئی حال باطنی کسی پر ظاہر کر دیا تھا حضرت کو خبر ہو گئی بعد ظہر اتفاقاً وہ حضرت کے پاس ہو کر گذرے تنبیہ کے لہجہ میں چپکے سے فرمایا کہ شرم نہ آئی اپنی بیوی کو غیر کی بغل میں دیتے ہوئے کیا یہ کسی کو گوارا ہو سکتا ہے بعد کو ان ہی صاحب نے بعد عصر کے بغرض عرض حال پرچہ دینا چاہا لیکن حضرت نے نہیں لیا۔ نہایت تندی کے لہجہ میں دیر تک عبدیت پر نہایت مؤثر تقریر فرماتے رہے۔ پھر فرمایا کہ جناب اب تو آپ کامل ہو گئے ہیں میں کاملین کی اصلاح کرنیکا اہل نہیں اب آپ کسی جگہ اور تشریف لیجائیے پھر حضرت نے ان کا اسباب نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور خانقاہ سے نکل جانیکا حکم دیا۔ اس پر وہ صاحب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ اس کو قرب میں کچھ دخل نہیں۔ واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں لیکن وجداناً محسوس کریگا کہ میرے قرب میں ذرہ برابر ترقی نہیں ہوئی اور اگر دو چار مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کی طرف رجوع کریگا تو صاف محسوس ہو گا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالےٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا حضرت نے بالآخر ان صاحب کو خانقاہ سے باہر کر دیا۔ تین چار دن کے بعد سخت پریشانی اور

توبہ و استغفار کے بعد معافی کا پرچہ ان صاحب نے بھیجا جس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ اب میرے قلب میں مطلق کدورت آپ کی طرف سے نہیں رہی جو علامت ہے آپ کی توبہ مقبول ہونے کی پھر حضرت نے انہیں خانقاہ میں واپس آجانے کی اجازت دی۔ وہ صاحب خود فرماتے تھے کہ مجھ کو ان تین چار دنوں میں بے انتہا منافع حاصل ہوئے۔

(۷۷۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے جہاں سے چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے فرمایا اس میں تین مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصال ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بات اولیا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے۔ تیسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہنچتی ہے۔

(۷۷۳) فرمایا کہ عبادت مالیہ کا ثواب بہ نسبت عبادت بدنیہ کے مردہ کے حق میں زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ مسئلہ خود اہل سنۃ والجماعۃ میں مختلف فیہ ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک صرف عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے عبادت بدنیہ کا نہیں پہونچتا اور اماموں کے نزدیک بھی یہی بات ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ بہرحال عبادت مالیہ کے ثواب کی افضلیت مردہ کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے۔

(۷۷۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہی تقسیم ہو کر نہیں پہونچتا لیکن حضرت مولانا گنگوہی کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا حضور کا گمان غالب کیا ہے فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت ہی نہیں پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ثواب بخشدیا کرے خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قل ہو اللہ پڑھے ایک کلام مجید کا ثواب پہونچ جائیگا پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیا و صلحا و عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے یا موجود ہیں یا آیندہ پیدا ہوں سب کو بخشدیتا

ہوں اور کسی خاص موقعہ پر کسی خاص مردے کے لئے بھی کچھ پڑھ کر علیحدہ بخشد یتا ہوں استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔

(۷۷۵) فرمایا کہ اچھے کپڑے وغیرہ پہننا اگر تحصیل جاہ کے لئے ہے تو ناجائز اور اسراف میں داخل ہے اور اگر دفع مذلت کے لئے ہے مطلوب شرعی ہے اور اسراف میں داخل نہیں۔ ایک بار فرمایا کہ ایک شخص کے لئے پچاس روپیہ گز کا کپڑا بھی پہننا جائز ہے یعنی جس کو گنجائش ہو اگر نیت ریا وتفاخر کی نہ ہو اور دوسرے کے لئے پانچ آنہ گز کا بھی ناجائز ہے یعنی جس کو گنجائش نہ ہو یا نیت ریا وافتخار کی ہو۔

(۷۷۶) فرمایا کہ اگر کسی کی تنخواہ بڑی ہو لیکن مہینہ میں سب ختم ہو جاتی ہو تو وہ غنی نہیں مسکین ہے کیونکہ غنی وہ ہے جس کے پاس کچھ ذخیرہ ہو۔

(۷۷۷) فرمایا کہ اگر شروع میں ذرا میری سختی جھیل لے پھر میں اس کا عمر بھر کے لئے خادم ہوں میرا منشا اس سختی سے محض یہ ہے کہ اہتمام اور فکر اخلاق کا قلب میں پیدا ہو جاوے پھر اول تو اس سے غلطی کم واقع ہوگی دوسرے اگر کوئی غلطی بھی ہوگی تو چونکہ اس شخص میں اہتمام اور فکر کا ہونا مجھکو اندازے سے معلوم ہو جاتا ہے وہ غلطی پھر اتنی ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتی اور بھلا یہ کہاں ممکن ہے کہ کسی سے غلطی نہ ہو۔

(۷۷۸) فرمایا کہ بحمداللہ میں غصہ کی حالت میں بھی ہوش وحواس سے باہر نہیں ہوتا گو ظاہر میں غل شور مچاتا ہوں لیکن کوئی سزا استحقاق سے زیادہ نہیں دیتا۔ نہ مصلحت کے خلاف سختی کرتا ہوں الحمدللہ زیادتی بھی نہیں ہونے پاتی۔ مجھ میں حدت تو ضرور ہے لیکن شدت نہیں۔ جو اپنی اصلاح کے لئے آتا ہے اس کے ساتھ سختی کرنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے کیونکہ عملی تنبیہ کبھی نہیں بھولتی لیکن اگر سختی برداشت نہ کرے تو پھر میں نرم پڑ جاتا ہوں کیونکہ مجھے خواہ مخواہ لڑائی مول لینا تھوڑا ہی ہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ اس کو اپنی اصلاح ہی منظور نہیں پھر مجھے سختی کرنے سے کیا حاصل

؎ ناز برآن کن کہ خریدار تست۔

(۷۷۹) فرمایا کہ کسی کے سوال پر جو میں جواب دیتا ہوں اور پھر وہ چپ بیٹھا رہتا ہے تو اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ اگر جواب سمجھ میں نہ آوے تو دوبارہ پوچھا جاوے اور اگر سمجھ میں آگیا ہو تو کم از کم یہ ضرور کہدیا جاوے کہ ٹھیک ہے خاموش بیٹھے رہنے سے سخت الجھن اور تکلیف ہوتی ہے۔ یہ آداب تکلم کے خلاف ہے۔

(۷۸۰) فرمایا کہ دسترخوان پر دقیق دقیق باتیں نہیں کرنی چاہئیں بلکہ بہت معمولی معمولی باتیں ہونی چاہئیں۔ ورنہ کھانے کا کچھ لطف ہی نہیں آتا۔ کھانے کے وقت تو کھانے ہی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے۔ اگر کوئی ایسی باتیں کرتا ہے تو میں کان بھی نہیں لگاتا کیونکہ کھانے کا مزہ جاتا رہتا ہے۔

(۷۸۱) فرمایا کہ اب تو تعلقات سے بہت وحشت ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ مجمع زیادہ نہ ہو اپنے ہم خیال کچھ لوگ ہوں اور یاد حق میں بقیہ زندگی گذر رہے یہی وجہ ہے کہ میں اکثر یہ بہانہ کر کے اٹھ جاتا ہوں کہ گھر ہو آؤں۔ بات یہ ہے کہ مجمع سے جی گھبراتا ہے۔

(۷۸۲) فرمایا کہ رفتہ رفتہ اپنے متعلق جو کام ہیں ان کو کم کرتا جاتا ہوں۔ اکثر فتاوی میں مدرسہ دیوبند اور سہارنپور سے دریافت کرنے کو لکھدیتا ہوں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد کسی کو ایک ساتھ زیادہ رنج نہ ہو۔ اور جب بہت سی خدمات ایک ساتھ منقطع ہو جائیں گی تو نہایت صدمہ لوگوں کو ہوگا۔ اس لئے اپنے ذمہ جو میں نے کام رکھے ہیں ان کو مختلف جماعتوں میں منتشر کر رہا ہوں

(۷۸۳) فرمایا کہ طالب کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر دینا چاہئے دو چیزیں لازمہ طریق ہیں اتباع سنت اور اتباع شیخ۔ جب یہ حالت مرید کی نہ ہو کہ اگر شیخ جان بھی مانگے تو بھی دریغ نہ کرے تب تک کچھ لطف بیعت کا نہیں۔

(۷۸۴) فرمایا کہ الحمد للہ میں نے اپنے بزرگوں کے ساتھ کبھی ظاہراً یا باطناً اختلاف نہیں کیا اور ہر طرح ادب ملحوظ رکھا حالانکہ مجھکو سیکڑوں احتمالات سوجھتے تھے لیکن میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ ہم کیا جانیں اور اگر کبھی کوئی بات سمجھ میں نہ بھی آئی تب بھی دل کو یہ کہکر سمجھا لیا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی بات بھی بلا سمجھے نہ رہے سو واقعی طالب تحقیق کو بیشتر تقلید ہی ضروری ہے بعد کو بہ برکت تقلید کے تحقیق کا درجہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ترتیب یہی ہے دیکھئے اگر کوئی بچہ اپنے استاد کی تقلید نہ کرے اور پڑھاتے وقت کہے کہ کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے ب نہیں تو بس پڑھ چکا۔

(۷۸۵) فرمایا کہ مجھے اس شخص سے کوئی چیز لیتے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہونچا سکے ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر میری گذر ہی اسی پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو یہاں تک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب تو اس کو ملے ہی گا۔ دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن

ثواب ملتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہو جاوے تو اس کو ناگوار ہو اور وہ انکار کر دے کیا میں خیرات خور ہی ہوں۔

(۷۸۶) فرمایا جو دین کا پابند نہیں ہوتا اس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیوی امور میں بھی اس کی سمجھ سلیم ہو جاتی ہے حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے برخلاف اس کے حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتی ہے۔

(۷۸۷) فرمایا کہ اگر کوئی بے عنوانی نا سمجھی ہی سے کرے لیکن دوسرے کو تو اس سے پریشانی اور تکلیف ہوتی ہی ہے۔ اگر کوئی شخص بلا قصد شکار کے کسی کو چھرہ مار دے تو مجرم نہ سہی لیکن دوسرے کے چوٹ تو آخر لگے ہی گی۔ اور اگر سب جاہلوں کی جہالت پر تحمل ہی کر لیا کریں تو ان کی جہالت کی اصلاح کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس طرح سے تو اس کو اپنی جہالت کا علم ہی نہ ہو گا اور ہمیشہ بے تہذیب و بے سلیقہ ہی رہے گا۔

(۷۸۸) فرمایا کہ اگر ثمرات کی بھی تمنا ہو تب بھی ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہئے کیونکہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں یکسوئی سے اور جب ثمرات کے درود کی جانب متوجہ رہا تو یکسوئی کہاں رہی۔ پھر فرمایا کہ ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات وغیرہ نہیں ہوتیں کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یکسوئی ہوتی ہی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہو نہیں سکتی اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو کشف وغیرہ کیفیات بہت ہوتی ہیں۔

(۷۸۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اگر کوئی ذکر و شغل کا نفع ظاہر کرتا تو فرماتے کہ بھائی استعداد تو تمہارے اندر خود موجود تھی میرے ذریعہ سے صرف ظاہر ہو گئی ہے لیکن تم ایسا مت سمجھنا تم یہی سمجھنا کہ مجھ سے تم کو یہ نفع پہونچا ہے ورنہ تمہارے لئے مضر ہو گا۔ یہ شان اہل مقام ہی کی ہوتی ہے کہ ہر پہلو پر نظر رہے ورنہ اہل حال ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں دوسرے پہلو پر ان کی نظر نہیں جاتی۔

(۷۹۰) فرمایا کہ جو ذکر و شغل کے لئے آدے اس کو کسی بات سے تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ بس اپنے کام میں مشغول رہے نہ کسی کا پیام پہنچاوے نہ کسی کا سلام شیخ کو پہنچاوے خود بھی کسی اور جانب متوجہ نہ ہو اور نہ شیخ کو متوجہ کرے بلکہ جہاں تک ہو سکے شیخ کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔ اگر کسی کا سلام پہنچایا تو گویا اس نے خود اپنے شیخ کو دوسرے کی طرف متوجہ کیا جو اس کی مصلحت کے بھی

منافی ہے اور غیرت عشق کے بھی خلاف ہے۔

(۷۹۱) نیا مکان حضرت کا بن رہا تھا حافظ صاحب نے جو کہ حضرت کا مکان بنوا رہے تھے آکر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے مدرسہ کی سیڑھی لے لی جاوے فرمایا کہ مکان سے کرایہ کیا جاوے۔ مدرسہ کی چیز وقف ہے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لئے بھی تو اور جگہ سے ایسی چیزیں عاریت لے لی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے ان کو اختیار ہے وہ نہ دیا کریں لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔ حضرت کے یہاں ایسی باتوں کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔

(۷۹۲) فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ سوچا کہ وعظ میں مسائل فقہیہ کا بیان کرنا علماء کی بالکل عادت نہیں ہے حالانکہ بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ میں نے ایک وعظ میں صرف چار پانچ مسائل ربوا کے جو عموماً پیش آتے ہیں بیان کر دیئے۔ بعد کو مختلف لوگوں نے مختلف باتیں ان مسائل کی بابت آکر مجھ سے بیان کیں معلوم ہوا کہ اختلاف ہو گیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ علماء نے جو وعظ میں اس کا اہتمام نہیں کیا انھوں نے اس کی مصرت کو معلوم کر لیا تھا۔ بجز کسی کھلے مسئلہ کے مسائل دقیقہ کا بیان عام مجمع میں خلاف مصلحت ہے۔ ایسے مسائل کو حدوث واقعہ کے وقت بتلا دے تاکہ اس کے اوپر آسانی کے ساتھ منطبق کیا جا سکے۔ برخلاف اس کے جو وعظ میں سوالات فرض کر کے جواب دیئے جائیں گے تو بعد کو وہ سوال تو غائب ہو جائے گا اور جواب میں جو اُمخوا شبہے پڑیں گے اور لوگ گڑبڑ کریں گے۔ اسی مصلحت کی بناء پر علماء صرف مضامین ترغیب و ترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔

(۷۹۳) ایک دیہاتی نے بعد عشاء جب حضرت گھر تشریف لیجانے لگے حضرت کا جوتا اٹھا کر پہننے کے واسطے آگے بڑھ کر رکھدیا۔ حضرت نے فرمایا اوہو آپ نے بڑا بھاری کام کیا دس بیس کوس سے اتنا بھاری اسباب لاد کر لے آئے۔ ارے میاں یہ بھی بھلا کوئی خدمت ہوئی کوئی ایسا کام کیا ہوتا جس سے کچھ آرام تو پہنچتا جوتا کیا میں خود نہیں لا سکتا تھا۔ دوسری شب کو پھر وہی کام کیا اور بجائے معمولی جوتہ کے جیسے کہ گھر کے استعمال کے لئے رکھتے ہیں وہ جوتا رکھدیا جسے حضرت والا صبح کے وقت جنگل جانے کے لئے استعمال فرماتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت کو دوبارہ خود تکلیف کرنی پڑی اور خلجان ہوا وہ جدا۔ حضرت نے فرمایا ارے بھائی جس شخص کو کسی کے معمولات کی خبر نہ ہو اس کو اس کی خدمت نہ کرنا چاہئے۔ اب دیکھو تمہاری اس خدمت سے کس قدر زحمت ہوئی بھلا

ایسی خدمت سے کیا فائدہ نکلا اس لئے مجھے اپنے کام خود ہی کرنے میں راحت رہتی ہے کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہ ہو وہ خدمت کس طرح کر سکتا ہے لیکن قلوب میں رسوم کچھ ایسی غالب ہو گئی ہیں کہ چھوٹتی ہی نہیں بس انھوں نے دیکھ لیا کہ سب لوگ جوتے اٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں لاؤ ہم بھی یہی کریں محض رسم پرستی رہ گئی ہے مجھے شرم بھی آتی ہے کہ ایک شخص محبت سے خدمت کرتا ہے اسے کیا منع کروں لیکن کیا کروں میرا سخت حرج ہو جاتا ہے اور مجھے ایک منٹ بھی اپنا ضائع ہونا سخت گراں گذرتا ہے ہاں جسے سوائے مخدومیت کے اور کچھ نہ کرنا ہو وہ چاہے اس قصہ میں رہے۔

(۷۹۴) ایک صاحب نے کہا کہ حضرت غوث پاکؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ترک دعا عزیمت ہے اور دعا کرنا رخصت۔ فرمایا کہ کسی غلبہ حال میں فرمایا ہے یا یہ ان کی رائے ہے کیونکہ وہ اس فن کے مجتہد تھے باقی اکثر کا مذاق اور تحقیق یہی ہے کہ ترک دعا سے دعا ہی افضل ہے کیونکہ دعا میں افتقار الی اللہ ہے جو ترک دعا میں نہیں ہے۔

(۷۹۵) فرمایا کہ میں تو بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے اس کے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے ایسی مشقت زہد و تقویٰ کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و شغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ نصیب نہیں ہوا یہ کس قدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر نہیں ہو نہیں سکتی اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو بمقابل اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور درصورت عدم ورود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں۔ بہر حال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔

(۷۹۶) فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں ہے بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر ہے کہ یہ چیز پکنی چاہئے وہ چیز منگانا چاہئے غرضیکہ نفیس نفیس کھانوں کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ منافی زہد کے ہے۔ ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جاویں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہئے۔ بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے۔ اس کے کم کھانے سے کوئی خدائے تعالیٰ کے خزانہ میں تو وفیرہ ہو جائے گی۔ یہ

نہ ہوگا کہ بھائی بڑے خیرخواہ سرکار ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے لیکن اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جاوے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق تو یہ تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے میرا یہ خیال ہے کہ ع مزدور خوشدل کند کار بیش

(۷۹۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے لیکن عارفین کے نزدیک جاہ عند الخالق کا بھی قصد ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے نزدیک کبیر بننا چاہتا ہے تو گویا یہ اپنے نزدیک ایسی شان رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نظروں میں باوقعت ہوسکے اور میرے ذہن میں اس کی ایک مثال آئی ہے جس سے اس مضمون کی بابت پورا شرح صدر ہوگیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک معشوق فرض کیجئے کہ جو دنیا بھر کے حسینوں سے بڑھ کر حسین و جمیل ہو اور اس کے مقابلہ میں اس کا ایک عاشق تصور کیجئے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بدشکل اور بھونڈی صورت کا نہ ہو۔ اندھا ہو، لنجہ ہو، گنجہ ہو۔ ناک بھی پچکی ہوئی ہونٹ بھی موٹے موٹے۔ دانت باہر نکلے ہوئے۔ کالا بھجنگ۔ چیچک کے گہرے گہرے داغ چہرہ پر غرض کوئی عیب نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ اب ایسا شخص اگر عمل حب کا کراتا پھرے کہ کسی طرح اس کا حسین و جمیل معشوق خود اس کے اوپر عاشق ہو جاوے تو کیا لوگ اس کو پاگل نہ سمجھیں گے اور کیا اس کی آرزو کو خلل دماغ ہی نہ بتلائیں گے۔ اس سے بھی بڑھ کر کہیں تفاوت حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی شان اور ایک بندہ کی شان میں ہے۔

(۷۹۸) فرمایا کہ آجکل سلامتی عزلت اور یکسوئی میں ہے۔ ایک بزرگ کا قول کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ عزلت میں بھی یہ نیت نہ ہونی چاہئے کہ میں لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں بلکہ یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں مثل سانپ بچھو کے ہوں مجکو الگ ہی رہنا مناسب ہے تاکہ لوگ میرے شر سے محفوظ رہیں۔ اللہ اکبر سلف نے کہاں تک احتیاط عجب وغیرہ سے کی ہے لیکن آجکل ہمارے زمانہ میں ایسے نفوس کہاں ہیں جو عزلت میں یہ نیت کر سکیں کہ ہم دوسروں کو اپنے شر سے بچا دیں۔ اس لئے میں نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے کہ یہ نیت کرے کہ بعض کو اپنے شر سے محفوظ رکھوں اور بعض کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھوں۔

(۷۹۹) فرمایا کہ آدمی دوسرے کی دنیا کے نفع کے پیچھے اپنے دین کا نقصان کر بیٹھتا ہے اور اگر دوسرے کے دین کی حفاظت میں اپنے دین کا اندیشہ ہو تو بھی اپنے دین کی حفاظت مقدم ہے۔ واقعی یہ حماقت ہی نہیں تو کیا ہے کہ دوسرے کے جوتوں کی حفاظت میں اپنی گٹھری اٹھوادے۔

(۸۰۰) فرمایا کہ خدمت خلق بڑی چیز ہے دوسروں کی راحت کے لئے اپنے اوپر تکلیفیں برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گھر میں بیچاری اکیلی ہوتی ہیں اور دن دن بھر اکیلی بیٹھی رہتی ہیں لیکن ان اللہ کی بندی میں ایثار اور راحت رسانی خلق کا مادہ اس قدر ہے کہ کبھی کچھ نہیں کہتیں بلکہ کہا کرتی ہیں کہ جس میں تمہیں راحت ہو وہی کرو۔ میری وجہ سے کسی معمول میں فرق نہ ڈالو اسی شفقت و ایثار کی بدولت وہ مقروض تک ہو جاتی ہیں گو میں منع ہی کرتا رہتا ہوں کہ اتنی تکلیف اپنے اوپر کیوں برداشت کرتی ہو لیکن میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ ان کی مغفرت انشاءاللہ اسی کی بدولت ہوگی۔

(۸۰۱) ایک صاحب کہیں ملازم تھے وہاں ان سے کسی سے بنتی نہ تھی وہ شکایت کر رہے تھے فرمایا کہ بھائی برتاؤ وہ چیز ہے کہ دشمن دوست ہو جاتے ہیں فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم یہ تو کلام مجید میں ہے اس میں تو کوئی بول نہیں سکتا انہوں نے شکایت کی مجھ کو وہمی کہتے ہیں فرمایا کہ بھائی مجھے بھی تو لوگ وہمی کہتے ہیں جب میں ہی برا نہیں مانتا تو تم کیوں برا مانتے ہو ارے بھائی مخلوق کے برا کہنے کا کیا خیال حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا چاہئے پھر فرمایا کہ تم ہو بڑے تیز ہر وقت نیام سے باہر ہی رہتے ہو۔ ادھر کاٹ دیا ادھر کاٹ دیا۔ پھر ہنسکر فرمایا میاں نکاح کر لو سب جوش نکل جائیگا۔

(۸۰۲) فرمایا کہ شقوق فرض کر کے جواب دینا عامی کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ اس کو اتنی تمیز نہیں ہوتی کہ وہ ہر شق کے جواب کو علیحدہ علیحدہ کر کے منطبق کر سکے۔ وہ ایک شق کے جواب کو دوسرے شق پر منطبق کرے گا۔ اس لئے پیشتر اس سے واقعہ کی صورت کو متعین کرا لینا چاہئے۔ پھر اس کا جواب بتلا دے۔

(۸۰۳) فرمایا کہ مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا وہ صرف معذور ہوتے ہیں۔

(۸۰۴) ایک صاحب نے حاضرات کا ذکر کیا کہ کسی کا واقعی لڑکا بھاگ گیا ہے اس نے حاضرات کرائی تو سب اپنے نشان بتلا دیئے۔ اس پر فرمایا کہ حاضرات کوئی چیز نہیں محض خیال کے تابع ہے مجھے اس کا پورے طور سے تجربہ ہے بالکل واہیات ہے جس مجلس میں حاضرات کی گئی ہوگی اس میں ضرور کوئی شخص ہوگا جو اپنے خیال میں لڑکے کو ان پتوں کی جگہ جانتا ہوگا۔

(۸۰۵) فرمایا کہ کاملین پر حال غالب نہیں ہوتا اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ

استقامت یعنی اعتدال شرعی سے نکل جاوے۔ باقی غلبہ تو ہوتا ہے۔ نفی اُس غلبہ کی ہوتی ہے کہ جس میں حضرت منصور سے انا الحق نکل گیا تھا۔ دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کے وقت غشی اور پسینہ کی کثرت ہوتی تھی۔ البتہ ایسا غلبہ نہیں تھا جو کسی مطلوب شرعی میں خلل واقع کردے۔ وحی میں مثل نوم مغلوبیت ہوتی تھی لیکن کسی حالت شرعی سے تو خروج نہیں ہوتا تھا۔ باقی حالت محمودہ (مثلاً بکا وغیرہ) کا مطلق غلبہ کیسے منفی ہوسکتا ہے جبکہ نوم کا بھی غلبہ انبیاء و اولیاء پر ہوتا ہے۔

(۸۰۶) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ انبیاء کے احوال میں گفتگو کرنا خلاف ادب ہے بعض مصنفین نے اس کی ذرا پرواہ نہ کی خواہ اور انبیاء کی تنقیص ہی ہو جاوے۔

(۸۰۷) حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ مجھے استنجے میں بڑے وسوسے آتے ہیں بہت دیر میں بمشکل تمام خشک ہوتا ہے ملنے سے کچھ نہ کچھ نکلتا ہی رہتا ہے۔ فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کیجئے معمولی طور سے استنجا کر کے دھو لینا چاہئے۔ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ اس کا حال تھن کا سا ہے کہ جب تک ملتے رہیں کچھ نہ کچھ نکلتا رہتا ہے اور اگر یوں ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی نہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ بعد کو قطرہ نکل آتا ہے فرمایا کہ کچھ خیال نہ کیجئے چاہے بعد کو نمازوں کا اعادہ کر لیجئے گا۔ لیکن جب تک بہ تکلف جبر کر کے وسوسہ کے خلاف نہ کیجئے گا یہ مرض نہ جائیگا۔ اس کی وجہ سے تو آپ بڑی تکلیف میں ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ رطوبت کی وجہ سے ایک وقت کی وضو میں دوسرے وقت کے وضو کے لئے شک پڑ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رومال بھی دھونا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ نہ وضو کیجئے نہ رومال دھویا کیجئے چند روز بہ تکلف بے التفاتی کرنے سے وسوسہ جاتے رہیں گے۔

(۸۰۸) فرمایا کہ جو سوال کیا جاوے اس کا بلا تکلف صاف صاف جواب دینا چاہئے۔ گول پیچدار الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں۔ تکلف اور تصنع جو آجکل بطور عادت ثانیہ کے ہوگئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں۔

(۸۰۹) ایک ضعیف العمر صاحب کا جو مرض موت میں مبتلا تھے ہجوم وساوس کی شکایت کا خط آیا حضرت نے نہایت تسلی کا خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ وساوس سے ہرگز پریشان نہ ہوں آپ دیکھیں گے کہ یہ آپ کے نامۂ اعمال میں بطور حسنات کے درج ہوں گے۔

(۸۱۰) فرمایا کہ استغراق مشابہ نیند کے ہے اگر ہیئت صلوۃ پر نہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر وجد ہو اور بے ہوش ہو کر گر پڑے تو وضو ٹوٹ جائیگا۔ فرق استغراق اور نوم میں صرف یہ ہے کہ استغراق میں قلب بیدار بحق ہوتا ہے نہ کہ بیدار بہ خلق جضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوم نعاس کی حد تک

ہوتی تھی۔ نوم کی حد تک نہیں۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔

(۸۱۱) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ رنڈیوں کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں فرمایا کہ رنڈوں (یعنی ان کے آشناؤں) کی تو نماز جنازہ پڑھتے ہو پھر دونوں میں فرق کیا ہے۔

(۸۱۲) اس کا تذکرہ ہونے لگا کہ رشوت سے توبہ کرے تو معاف کس طرح کرائے فرمایا کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ادا کرے یا معاف کرالے۔ اگر پتہ نہ چل سکے تو اشتہار چھپوائے کہ میرے ذمہ جن کے حقوق ہوں لے لے یا چھوڑ دے۔ پھر فرمایا کہ بڑا مفتی قلب ہے جب خوف ہوتا ہے تو سب تدبیریں ادائے حقوق کی سوجھنے لگتی ہیں۔

(۸۱۳) فرمایا کہ طالب کو مطلوب نہیں بنانا چاہیئے اس سے بجائے نفع کے نقصان ہے۔ امر دین میں ایک درجہ تک استغنا رچاہیئے۔ ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برد   دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ہاں دین کی ترغیب عموماً دے اور کسی خاص شخص کا نام نہ لے۔ بلکہ متعدد بزرگوں کا نام بتلا دے کہ جہاں قلب رجوع ہو۔ اگر اپنے شیخ ہی کی ترغیب دینا ہے تو اس کا یہ طریق ہے کہ خود اپنی حالت کو درست کرے اور اپنے آپ کو نمونہ بنا دے پھر لوگ خود ہی پوچھیں گے کہ بھائی تم کو کس نے گرویدہ کیا ہے کس شخص کا یہ اثر ہے۔ جب کوئی شخص خود ہی دریافت کرے تب اپنے شیخ کا پتہ بتلا دیوے باقی از خود ترغیب دینا تو استخواں فروشی ہے۔

(۸۱۴) ایک بار حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا کہ آپ پر شفقت غالب ہے اور مجھ پر استغنا۔ اپنا اپنا حال ہے جیسا حال حق تعالےٰ نے جس پر غالب کر دیا اس کو مغلوبیت کے وقت اسی کے موافق کرنا چاہیئے ایسے حال کے بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ سرکاری وردی ہے اس کا بدلنا جرم ہے فوجی وردی اور ہے پولس کی وردی اور ہے ایک کو دوسرے کی وردی بدلنا جرم ہے لیکن جب مغلوبیت نہ ہو تو اصول طریق کو نہ چھوڑے (یعنی استغنا کو دین کے بارہ میں)

(۸۱۵) فرمایا کہ بجائے سلام کے آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے کیونکہ تغیر ہے مشروع کی البتہ بعد سلام کے اس قسم کے ادب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں۔

(۸۱۶) فرمایا کہ ہم لوگوں کا ایسا ناپاک نفس ہے کہ بغیر آرام کے ہم کو حق تعالےٰ سے محبت نہیں ہوتی اس لئے ہمیشہ یہ کرنا چاہیئے کہ آرام سے رہیں لیکن حرام سے ڈریں۔ اب پیروں نے

تو آرام کو چھوڑا یا اور حرام سے نہ بچایا پھر فرمایا کہ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو ہر وقت اپنے اوپر آرے چلاتے ہوں۔ قدم قدم پر یہ خیال ہو کہ یہ کام جائز ہے یا ناجائز۔

(۸۱۷) فرمایا کہ فقہا نے لکھا ہے کہ مسجد پر بلا ضرورت چڑھنا بے ادبی ہے۔

(۸۱۸) فرمایا کہ ذکر کی حالت میں نہ تو اپنی طرف سے معلوم کرانے کی فکر کرے اور نہ کسی کے اعتقاد کا اپنے دل میں خیال لاوے۔ اپنا کام خالص اللہ کے واسطے کرتا رہے پھر اگر حق تعالیٰ کسی کے دل میں نیک گمان ڈالدیں تو اس کو بھی نعمت سمجھے اپنی طرف سے اسکا قصد نہ کرے۔

(۸۱۹) فرمایا کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسے قلب ہی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ ہوتے تو باہر ہی ہیں لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اندر ہیں اور جب قلب میں عقائد حقہ مرکوز ہیں تو ان کے خلاف خود قلب سے کیوں پیدا ہوگا خارج ہی سے آوے گا یعنی بالقاء شیطان جس طرح کسی شیشہ پر مکھی بیٹھی ہو تو ہوتی تو وہ شیشہ کے اوپر ہی لیکن عکس کی وجہ سے دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔

(۸۲۰) فرمایا کہ جو کام آسانی سے ہوسکے اس کو دشواری کے طریقہ سے نہیں کرنا چاہئے حدیث میں ہے ما خیر صلے اللہ علیہ وسلم بین الامرین الا اختار ایسرھما یہ سلامت طبیعت کی دلیل ہے کہ ہمیشہ آسانی کی طرف جاوے جب دونوں شقیں برابر ہوں یعنی ہر طرح ثواب میں بھی مصلحت میں بھی۔ پھر فرمایا کہ یہ آسانی کا اختیار کرنا جو مسنون ہے طریق میں ہے مقصود میں نہیں جس مشقت پر شریعت نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ تو بوجہ مقصود ہونے کے مستثنیٰ ہی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو قریب مسجد مکان لینے سے منع فرمایا تھا کیونکہ دور سے آنے میں زیادہ ثواب ہے۔ اور جس پر کوئی ثواب نہیں اور محض مشقت ہی مشقت ہے پھر دشوار شق کو اختیار کرنا لایعنی اور فضول ہے جیسے کسی نے کہا پانی وضو کا لاؤ وہ جلال آباد سے جاکر لائے حالانکہ حوض سے بھی لاسکتا ہے۔

(۸۲۱) ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید کی بابت فرمایا کہ اس مقدمہ میں ریا اصطلاحی ریا مراد نہیں بلکہ لغوی ریا مراد ہے یعنی کسی کام کے کرنے میں قصد تو مراآت خلق کا ہے لیکن غرض ارضاء الحق ہے۔

(۸۲۲) فرمایا کہ اپنی غلطی کی تاویل سے مجھے سخت نفرت ہوتی ہے۔ عذر کے ساتھ خطا

چاہے پچاس دفعہ کرے لیکن وہ اتنا برا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ ایک مرتبہ کی تاویل۔

(۸۲۳) فرمایا کہ دو چیز اہل علم کے واسطے بہت ہی بری ہیں حرص اور کبر یہ ان میں نہیں ہونا چاہئے

(۸۲۴) فرمایا کہ میں امراء سے از خود تعلق نہیں پیدا کرتا۔ اگر وہ خود تعلق پیدا کریں تو اعراض بھی نہیں کرتا۔ اگر امراء سے تعلق کی ابتدا کیجاوے تو ان کو یوں خیال ہوتا ہے کہ کسی غرض سے ہم سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں سے اگر شیریں کلامی سے بولئے تو ممنون ہوتے لگتے ہیں۔

(۸۲۵) فرمایا کہ لالچ ایسی بری چیز ہے کہ سرائے میں ایک صاحب کھانا کھا رہے تھے ایک کتا آکر کھڑا ہو گیا انھوں نے فوراً اٹھ کر جھک کر سلام کیا ان سے پوچھا گیا یہ کیا نا معقول حرکت ہے فرمانے لگے کہ سنا ہے کہ جن کبھی کتوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کتا نہ ہو بلکہ جن ہو اور ممکن ہے کہ یہ جنوں کا بادشاہ ہو اور سلام سے خوش ہو کر ممکن ہے کہ مجھے بہت سا روپیہ دینے جاوے۔ بھلے مانس نے شدت حرص سے کتنے احتمالات بعیدہ نکالے۔

(۸۲۶) فرمایا کہ میرا جی گوارا نہیں کرتا کہ ایک مسلمان کا فضول نقصان دو پیسے کا بھی ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صاحب نے ایک آنہ کا ٹکٹ جواب کے لئے بھیجا حالانکہ دو پیسے کا ٹکٹ کافی تھا حضرت والا نے سخت تکلیف اٹھا کر اس کے دو ٹکٹ دو پیسے والے لئے اور ایک ٹکٹ کو اندر رکھدیا دوسرا لفافہ کے اوپر لگایا۔

(۸۲۷) فرمایا کہ اگر اپنے اور دوسروں کے سہولت کے لئے کوئی شخص قوانین مقرر کرلے تو گناہ بھی نہیں مگر تکبر اس کا سبب نہ ہو کچھ مصلحت اور ضرورت اس کا سبب ہو۔

(۸۲۸) فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ ضروری چیز کے لئے کہ نماز ہے سات برس قرار دئے تو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہی عمر پڑھنے کے لئے بھی مناسب ہے البتہ زبانی تعلیم اور یاد کرا دینا یہ پہلے ہی سے جاری رکھے چار برس چار دن چار مہینے اپنی طرف سے تجویز کر کے لوگوں نے اب رسم مقرر کرلی ہے۔

(۸۲۹) فرمایا کہ حرف شناسی کے اعتبار سے جاہل محض بھی ہو لیکن تربیت ہو تو وہ بھی کافی ہے اگر تربیت نہیں ہے تو کتنا ہی بڑا عالم ہے لیکن کچھ بھی نہیں۔ تربیت وہ چیز ہے کہ ایک شخص لکھنؤ کے بادشاہ کا ذکر کہتے تھے کہ ماما گھر سے شیر خوار بچہ لائی جو نہ بول سکتا تھا نہ کچھ سمجھ سکتا تھا جس وقت بادشاہ پر اس کی نظر پڑی فوراً جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ نے لینے کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اس توجہ پر دوبارہ پھر سلام کیا ماما پاس لے آئی بادشاہ نے

گود میں لے کیا۔ گود میں آکر پھر سلام کیا۔ پھر گود میں وہی بچوں کی طرح کھیلنا کودنا شروع کردیا دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ ایک شیر خوار بچہ کی یہ حالت۔

(۴۳۰) مثنوی شریف میں ہے کہ اگر بچہ کو ماں کی پستان نہ چھوڑائی جاوے تو وہ عمر بھر دودھ ہی پیتا رہے اور اس کا معدہ کبھی اور مقویات کے کھانے کا متحمل نہ ہوسکے۔ اسی طرح شیخ اگر لذات جسمانیہ نہ چھوڑاوے تو غذائے روحانی کا کبھی متحمل نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حضور تو پستان بھی نہیں چھوڑواتے یعنی لذات جسمانیہ کو بھی ترک نہیں کراتے بلکہ انہماک کو منع فرماتے ہیں اس پر فرمایا کہ میں پستان کو نہیں چھوڑواتا لیکن سیستان چھوڑواتا ہوں یعنی سگ پستان بقامی سیستان دراصل سگ پستان ہے چونکہ لسوڑہے کے موٹے موٹے دانے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پستان سگ اس لئے اس کو سگ پستان کہتے ہیں سگ پستان کا مخفف سیبستان کرلیا۔ سپستان میں لزوجت ہوتی ہے اس لئے مثال معاصی سے بہت مناسبت ہے۔

(۴۳۱) فرمایا کہ شیوخ مباحات میں تو قلیل قلیل چھوڑاتے ہیں مگر معاصی میں قلیل قلیل کسی نے نہیں چھوڑایا لیکن میں تو وعظ میں یہ کہہ دیتا ہوں (اللہ تعالےٰ معاف کرے نیت بری نہیں) کہ ایک گناہ تو وہ ہیں کہ جن کو اگر چھوڑدیا جاوے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے مثلاً ڈاڑھی منڈانا ٹخنہ ڈھکنا۔ اگر ان کو چھوڑدے تو کوئی کام تو نہیں اٹکتا ایسوں کو تو فوراً چھوڑدینا چاہئے اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کے چھوڑنے کے بعد کچھ کلفت و تنگی ہو۔ مثلاً رشوت لینا کہ صاحب بال بچے بہت ہیں اتنی تنخواہ میں گذر ہو نہیں سکتی تو ایسے گناہوں کے بارہ میں تو کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہی چھوڑدو۔ نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑدیں جن سے ایک دم چھوڑانے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر اس کا زور ڈالا جاوے تو وہ تمام عمر بھی نہ چھوڑیں۔ اور ایک طریقہ گناہوں کے چھوڑنے کا یہ تبلایا کرتا ہوں کہ مکان میں کیواڑ بند کرکے سوتے وقت روز حق تعالےٰ سے دعا کیا کرو یا اللہ میں بڑا کمبخت ہوں نالائق اور پاجی ہوں غرض خوب سخت سخت الفاظ اپنے لئے استعمال کرکے کہو کہ یا اللہ میری ہمت تو ان کے ترک کے لئے کافی نہیں آپ ہی مدد فرمائیں۔ یہ ترکیب کرکے دیکھو انشاء اللہ ایک ہی دو ہفتہ میں سب گناہ ختم۔ مگر کوئی کرتا ہی نہیں۔ جیسے کوئی لڑکا سبق یاد نہ کرے اور میانجی سے کہے کہ تمہیں سبق یاد کرلیا کرو۔

(۴۳۲) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ ذکر میں سرسری توجہ کافی ہے زیادہ کاوش نہ کرے اس میں تعب اور پریشانی ہوتی ہے اور نفع کم ہوتا ہے۔ جمعیت کو نفع میں بڑا دخل ہے پریشانی

نفع کے لئے مزاحم ہے۔

(۸۳۳) فرمایا کہ میری محبت کے لئے کوئی لمبی چوڑی شرطیں نہیں بس صرف یہ ہے کہ جس طرح میں چاہوں اس طرح چلے۔ اور میں کوئی دشوار کام بھی نہیں بتلاتا میں کوئی مجاہدہ بھی نہیں کراتا۔ رات کو جگاتا نہیں۔ کھانا پینا کم نہیں کراتا۔ بس تھوڑا سا ذکر بتلا دیتا ہوں اس کو دوام کے ساتھ کرے اور معاصی کو بالکل چھوڑ دے اور عادات کی اصلاح کرے اور عادات کی اصلاح کا بس خلاصہ یہ ہے کہ اس کا خیال رکھے کہ کسی کو اس کے قول یا فعل سے کوئی تکلیف یا الجھن نہ ہو اور اللہ تعالےٰ کے بھروسہ پر میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اتنا کرے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہ سکتا۔ اب بھلا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔

(۸۳۴) فرمایا کہ مسجد کا مسجد ہونا اس پر بھی موقوف ہے کہ اس کا رستہ بھی وقف ہو۔

(۸۳۵) فرمایا کہ جو شخص اپنے اظہار کمالات میں کاوش کرے اور کوشش کرے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مخدوش ہے کیونکہ کامل کو اس قدر کوشش کی کیا ضرورت اس میں تو استغنا کی شان ہوتی ہے۔

(۸۳۶) فرمایا کہ ایک شیخ بہت ہی کم گو تھے حضرت حاجی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں لوگوں کو فیض سے محروم کرتے ہیں۔ خبر بھی ہے شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان۔ اس کے بعد ان کو تنبیہ ہوا پھر کلام فرمانے لگے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ عارف سے زیادہ گوئی کہاں ہو سکتی ہے کیونکہ اسرار لامتناہی ہیں ان کو جتنا بھی بیان کیا جاوے زیادہ گوئی ہو ہی نہیں سکتی بلکہ ہمیشہ کمی ہی رہے گی۔ پس زیادہ گوئی کے عذر سے شیخ کو چپ نہیں رہنا چاہئے۔

(۸۳۷) فرمایا کہ جس آرام کی اجازت دی ہے اس کو ضرور کرنا چاہئے صرف یہ خیال رکھے کہ انہماک نہ ہونے پاوے باقی اپنے اوپر سختی نہ ڈالے مثلاً غلبہ نیند کا ہے سو رہے۔ اس کے خلاف کرنے سے بعضے لوگ مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ بعضے مجنوں ہو گئے۔ بعضے مر گئے۔ صحت و حیات کی بڑی حفاظت رکھنی چاہئے یہ وہ چیز ہے کہ پھر کہاں میسر۔

(۸۳۸) فرمایا کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آیا آپ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ آپ بچپن میں انتقال کر جاتے اور جنت یقینی ملتی یا یہ پسند ہے کہ بالغ ہو کر خطرہ میں پڑے فرمایا کہ بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے۔ اگر بچپن میں انتقال ہو جاتا تو اس وقت معرفت تو حق سبحانہ تعالےٰ کی نہ ہوتی اب گو خطرہ میں ہیں لیکن معرفت تو حق تعالیٰ کی نصیب ہوئی آگے جو محبوب کی مرضی ہو۔ پھر فرمایا کہ واقعی زندگی بڑی قدر کی چیز ہے۔

مصرع۔ ہر لائق سوز و گداز نیست	ایں رشتہ را سوز کہ چندیں دراز نیست

اسی واسطے میرے نزدیک صحت کی حفاظت نہایت ضروری چیز ہے۔ چاہے توفیق اعمال نافلہ کی بھی نہو لیکن جب راحت اور آرام میں رہے گا تو محبت تو حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہوگی اور انسان عبد احسان ہے۔ جب مشاہدہ کرے گا کہ مجھے چین یا آرام دیا ضرور کشش پیدا ہوگی۔

(۴۳۹) فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی دعا سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان کی دعا اس کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ اس لئے دوسروں سے ضرور دعا کرائے۔

(۴۴۰) فرمایا کہ میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ مشغول بحق بیٹھے ہوئے تھے ایک کتا سامنے سے گذرا اتفاقاً اس پر نظر پڑ گئی۔ ان بزرگ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اس نگاہ کا اس کتے پر اتنا اثر پڑا کہ جہاں وہ جاتا تھا اور کتے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتے تھے اور جہاں بیٹھتا تھا سارے کتے حلقہ باندھ کر اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے ہنسکر فرمایا کہ وہ گویا کتوں کے لئے شیخ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ جن کے فیوض جانوروں پر ہوں ان سے انسان کیسے محروم ہو سکتا ہے۔ ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے ہاں دُھن ہونی چاہئے چاہے تھوڑی ہی ہو۔

(۴۴۱) فرمایا کہ تہذیب جدید تعذیب جدید ہے اس تہذیب جدید سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یہ اسلامی تہذیب نہیں۔

(۴۴۲) فرمایا کہ عوارف میں کہا ہے کہ اگر باطنی بے ادبی ہوتی ہے تو اس کی سزا ملتی ہے خواہ دیر میں ملے چنانچہ ایک بزرگ کے خادم نے کسی امرد غلام کو نظر بد سے دیکھ لیا تھا ان شیخ نے فرمایا کہ اس کی سزا ملے گی چنانچہ ایک مدت کے بعد اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ وہ کلام مجید بھول گئے۔

(۴۴۳) جھنجھانہ کا سفر تھا۔ بہلی کا سفر تھا۔ نماز فجر قبل روانہ ہوئے تھے کہ ۳ میل پر جا کر نماز فجر ادا کی۔ فرمایا کہ نماز فجر باہر چل کر پڑھنے سے وقت میں بہت برکت ہوتی ہے۔ میرا معمول ہے کہ قبل فجر روانہ ہوتا ہوں ٹھنڈا وقت بھی ہوتا ہے ورنہ فجر کے بعد چلنے میں معمولات ملنے والے میں بہت وقت یوں ہی گذر جاتا ہے۔

(۴۴۴) فرمایا کہ درویشی کی حقیقت فقط سہولت طاعت و دوام ذکر ہے نہ کہ بیخودی و محویت۔ کشف و کرامت۔

(۴۴۵) فرمایا کہ نفع میں بیعت کو ذرا دخل نہیں۔ باقی کامیابی یہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے

جیسا کہ طبیب صرف نسخہ تجویز کر سکتا ہے اس کا استعمال مریض کے اختیار میں ہے اور صحت دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں طبیب صحت کی میعاد معین نہیں کر سکتا۔ البتہ اس طریق باطن میں اتنی امید ضرور دلائی جا سکتی ہے کہ مرض ظاہری میں تو کبھی مایوسی تک نوبت پہونچ جاتی ہے لیکن یہاں مایوسی ہرگز نہیں صحت یقینی ہے خواہ مرتے وقت ہی نصیب ہو جاوے۔ ویسے حق تعالیٰ کا فضل ہے جلدی ہو جاوے باقی اپنی طرف سے اس بات پر آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر مرتے وقت تک بھی کامیابی ہو جاوے تب بھی راضی ہیں۔

(۸۴۶) فرمایا کہ طالب سے انکسار کرنا یہ خداع ہے ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص سودا خریدنے جاوے اور ہر دوکاندار کہدے کہ میرے یہاں نہیں ہے تو وہ بیچارہ یوں ہی رہا۔ ہاں غیر طالب سے قسم کھا کر بھی کہدے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اس میں کچھ حرج نہیں۔

(۸۴۷) فرمایا کہ مرید کرنے کو میں نفع نہیں سمجھتا اصل نفع حق بات کا کانوں میں پہونچا دینا ہے مرید کرنا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتا ہاں تعلیم کرنا ہر مسلمان کا حق ہے اور گو یہ کہنا ہے تو بڑی بات لیکن تحدثاً بالنعمۃ کہتا ہوں کہ الحمد للہ میں ایک جلسہ ہی میں خدا تک پہونچا دیتا ہوں۔ راستہ مقصود بتلا دیتا خدا ہی سے ملا دینا ہے۔

(۸۴۸) فرمایا کہ جب تک پوری مناسبت نہ ہو جاوے بیعت نہ کرنا چاہئے جب پوری طرح راہ پر پڑ جاوے تب چاہئے۔ مرید ہونے کے بعد پھر بے فکر ہو جاتے ہیں اور مرید ہونے کے لالچ میں تو کسی قدر اپنی اصلاح کی فکر میں مشغول بھی رہتے ہیں تاکہ جلدی مقصود حاصل ہو جاوے یہ اکثری ہے۔ اور شیخ مبصر بعض مواقع کو اس سے مستثنیٰ بھی کر سکتا ہے۔

(۸۴۹) فرمایا کہ امراء کو زیادہ شکر کرنا چاہئے کیونکہ ان پر حق تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں اور ایک نعمت عظیم غرباء پر ہے کہ قدرتی موانع سے بچا کر رکھا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امراء اگر غرباء سے محبت رکھیں تو انشاء اللہ غرباء ہی کے درجات نصیب ہو جائیں گے چنانچہ ارشاد ہے المرء مع من احب۔

(۸۵۰) فرمایا کہ دوسرے سے جو شخص عداوت کرتا ہے در اصل اپنے ساتھ عداوت کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ دوسرے کا فعل جو ناگوار ہوا تو اکثر خود اپنی کوئی صفت ہوتی ہے مثلاً تکبر جس کی وجہ سے وہ ناگوار ہی ہوتی ہے۔ سبب ناگواری کا در اصل اپنے اندر ہے۔ دوسرے میں اس کا ظہور ہوتا ہے

(۸۵۱) استفسار پر فرمایا کہ قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں جن کی خاص فضیلتیں آئی ہیں ان کو پڑھتا ہوں۔ مثلاً الحمد شریف۔ قل ھو اللہ زیادہ تر بارہ مرتبہ کیونکہ ایک روایت میں بارہ مرتبہ

پڑھنے کی خاص فضیلت آئی ہے) الھاکم التکاثر۔ اذا زلزلت۔ قل یا ایہا الکافرون۔ قل أعوذ برب الفلق۔ قل أعوذ برب الناس۔ سورہ ملک۔ سورۂ یٰسین۔ پھر فرمایا کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے فاتحہ پڑھنا چاہئے تاکہ مردہ کا مواجہ ہو۔

(۸۵۲) فرمایا کہ قبر کے نشان کے لئے صرف ایک سادی سل پتھر کی سرہانے کھڑی کر دے بس اتنی علامت کافی ہے۔

(۸۵۳) فرمایا کہ جنت میں یہاں کی فطرت نہیں رہے گی۔ اعمال کے اعتبار سے آثار خواص طبیعت کے ہو جاویں گے۔

(۸۵۴) فرمایا عورتیں قابل تعریف و ترحم ہیں ان میں دو صفت تو ایسی ہیں کہ مردوں سے بھی کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ خدمتگاری اور عفت۔ عفت تو اس درجہ ہے کہ مرد چاہے افعال سے پاک ہوں لیکن وسوسوں سے کوئی بھی شاید خالی ہو۔ اور شریف عورتوں میں سے اگر سو کو لیا جاوے تو شاید سو کی سو ایسی نکلیں گی کہ وسوسہ تک بھی ان کو عمر بھر نہ آیا ہو اسی کو حق تعالٰے فرماتے ہیں المحصنات الغافلات۔

(۸۵۵) ایک بیمار صاحب نے بار بار اپنی سخت مجبوری نماز سے ظاہر کی کہا کہ کپڑے ناپاک رہتے ہیں فرمایا کچھ حرج نہیں ناپاک کپڑوں ہی سے نماز ہو جاتی ہے اگر پاک کرنے میں زیادہ زحمت مریض کو ہو۔ کہا کہ حرکت بھی نہیں کی جاتی فرمایا کہ اشارہ سے لیٹے لیٹے پڑھو کہا کہ زبان سے الفاظ نہیں نکلتے فرمایا کچھ حرج نہیں دل ہی دل میں کہہ لیا کرو۔ نماز کسی حال میں معاف نہیں (اگر ہوش رہے) اس کی بڑی سخت تاکید ہے یہاں تک کہ اگر سمندر میں ڈوب رہا ہو اور نماز کا وقت آگیا ہو تو نیت باندھ کر ڈوب جاوے لیکن جہاں اس قدر تاکید ہے وہاں سہولت بھی بے انتہا رکھی گئی ہے۔ ان باتوں سے بھی ان مریض صاحب کی تسلی نہ ہوئی اور وہ یہی کہتے رہے کہ نماز ایسی حالت میں کیسے ہو سکتی ہے فرمایا کہ یہ رائے کی خرابی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس طرح نماز ناقص ہوگی حالانکہ حق تعالٰے کے حقوق اس قدر ہیں کہ ان کے سامنے ہماری نماز کامل کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر کپڑے پاک صاف ہوں۔ وضو وغیرہ سب باقاعدہ ہوں۔ خشوع و خضوع ہو تو نماز بڑی کامل ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ عظمت حق کے اعتبار سے وہ بھی ناقص ہی ہوگی۔ پھر جب ہر حال میں ناقص ہی ہوئی تو اس طرح پڑھنے سے کیوں جی بھلا نہیں ہوتا۔

(۸۵۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ پہلے حالت اچھی تھی اب سب خراب ہو گئی ہے فرمایا

کہ میری رائے میں تو جو حالت اچھی سمجھی جاتی تھی وہ بُری تھی کیونکہ اس کو اچھا سمجھنا ہی بُرا تھا۔ اور یہ حالت جس کو آپ خراب سمجھتے ہیں اس پہلی حالت سے اچھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ اپنے عجز کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

(۸۵۷) فرمایا کہ تعلیم کا فیض زندہ شیخ سے ہوتا ہے اور مردہ شیخ کی قبر سے صرف تقویت نسبت کی ہوتی ہے اور قبر سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں تصور کرے کہ اس کے قلب سے فیض میرے قلب میں آرہا ہے مردہ کو خواہ بیٹھا ہوا تصور کرے یا لیٹا ہوا جس میں سہولت ہو جتنی زیادہ یکسوئی ہوگی اتنا زیادہ فائدہ ہوگا پھر فرمایا کہ قبر کی توجہ میں اس قدر کدورت نہیں ہوتی جس قدر کہ توجہ متعارف (یعنی تصرف) میں ہوتی ہے کیونکہ قبر کی توجہ میں انفعال ہوتا ہے اور توجہ متعارف میں فعل ہوتا ہے۔ دوسرے کے اندر اثر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ دعویٰ کی صورت ہے اس میں زیادہ کدورت ہے دونوں قسم کی توجہ میں وجداناً فرق محسوس ہوتا ہے۔

(۸۵۸) فرمایا کہ شوخ بچہ میں تکبر نہیں ہوتا۔ تکبر بڑی بُری خصلت ہے۔

(۸۵۹) فرمایا کہ کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا سنت ہے اور دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے اور رومال وغیرہ سے پوچھنا نہیں چاہئے۔ البتہ بعد کھانے کے جو ہاتھ دھوئے ان کو پونچھے اور قبل کھانے کے صرف ہاتھ دھوئے کلی نہ کرے سنت یہی ہے۔ البتہ بعد کھانا کھانے کے ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلی بھی کر کے منہ کو صاف کرلے۔

(۸۶۰) فرمایا کہ مباح امور کے خیالات دوسرے تاہم غنیمت ہیں اگر ان سے دل خالی ہو جاوے تو پھر معاصی کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ یہ مباح خیالات وقایہ ہیں معاصی کے خیالات کے لئے۔ البتہ جب حق تعالےٰ ذکر کا غلبہ نصیب فرمائیں گے تب یہ بھی جاتے رہیں گے۔

(۸۶۱) فرمایا کہ تسلی سے جس قدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا۔ اور اس سے حق تعالےٰ کے ساتھ تعلق اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ الحمد للہ مجکو محبت حق پیدا کرنے کا بہت اہتمام رہتا ہے۔

(۸۶۲) فرمایا کہ فراست جس سے طالب کے امراض باطنی معلوم ہو جاتے ہیں وہ کشف نہیں ہے کشف تو یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص راستہ میں آرہا ہے اس کو نہیں بیٹھے دیکھ لیا اور پھر بعد میں وہ آبھی گیا۔ فراست دل کی گواہی دینے کو کہتے ہیں اس کو الہام کہنا زیادہ مناسب ہے۔ فراست اور عقل باہم مشابہ ہیں عقلا کو بھی عقل کے ذریعہ سے باتیں معلوم ہو جاتی ہیں لیکن عقل اور

فراست میں یہ فرق ہے کہ عقل تو اسباب ظاہری سے استدلال کرتی ہے اور فراست محض وجداناً محسوس کرتی ہے۔

(۸۶۳) فرمایا کہ سچ کہتا ہوں کہ جو دعا دل سے کی کبھی نہیں یاد کہ قبول نہ ہوئی ہو۔ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی ہے تو اس میں اپنی ہی کوتاہی ہوتی ہے میں نے تو ہمیشہ تجربہ کیا ہے۔

(۸۶۴) فرمایا کہ چونکہ میں دعا کو معین سمجھتا ہوں تدبیر کا اس لئے جس کو کام میں مشغول دیکھتا ہوں خود بخود جی سے دعا نکلتی ہے ورنہ دو تین مرتبہ کہکے بس فرض سا اتار دیا۔

(۸۶۵) فرمایا کہ گارڈ سے اسٹیشن آنے کے قبل گاڑی ٹھہرانے کے لئے کہنا جائز ہے کیونکہ کمپنی کا اس میں کچھ بھی ضرر نہیں لیکن التجا کرتے شرم معلوم ہوتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ امتیاز کی ذلت سے طبیعت منقبض ہوتی ہے۔

(۸۶۶) مجھے حکایات و روایات سے سخت نفرت ہے لوگ خواہ مخواہ ادھر اُدھر کے قصے بیان کیا کرتے ہیں اور میرا وقت ضائع کرتے ہیں بعض مرتبہ مروت میں کچھ کہتا نہیں۔ کام کی باتوں میں لگنا چاہئے میرے سامنے کوئی جنگ وغیرہ کے حالات چھیڑتا ہے تو میں تو یہ کہدیتا ہوں کہ بس جناب ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(۸۶۷) فرمایا کہ جائداد ہے فساد کی جڑ۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر جائداد بیچو تو اس روپیہ سے فوراً دوسری خرید لو اور ایک حدیث میں ہے کہ اے عائشہ جائداد مت خریدو تم دنیا دار ہو جاؤ گی۔ ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے مفہوم ہوا کہ اگر جائداد موجود ہو تو اس کو جدا نہ کرے اور نئی جائداد خریدے نہیں۔

(۸۶۸) ایک صاحب نے رسمی دینے لینے کی بابت عرض کیا کہ اگر یہ بند کر دیا جاوے تو مغائرت پیدا ہو جاوے فرمایا کہ جو رسمی دینا لینا ہوتا ہے اس کے آثار و نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت بڑھاتا نہیں بلکہ کم کرتا ہے۔ جو دیتے ہیں اکثر دباؤ سے دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ملنا جلنا کم ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک پاس نہ ہو ملنے کیا جائیں دینا ضروری سمجھتے ہیں اس لئے اس کو موقوف کرنا چاہئے اور اگر دینا ہو تو تقریبات کے موقعہ پر نہ دے وقت ٹال کر دے جب توقع نہ رہے بلا توقع اگر دو روپیہ بھی ملتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے اور محبت بڑھتی ہے

صمیم قلب سے مسرت ہوتی ہے۔ طبیعت اندر سے کھل جاتی ہے۔ اور اگر رسم کے طور پر دیا تو صرف انتظار کی کلفت رفع ہوئی گویا عذاب سے نجات ہوئی۔ دوزخ سے تو نجات ہوئی لیکن جنت نہیں ملی۔

(۸۶۹) فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہیئے لینے میں بھی اور دینے میں بھی۔ میرے یہاں تو لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتد بہ مدت تک ملتے جلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہوگئی ہو۔ ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ ہو۔ دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو۔ اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔ خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں۔ مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں ہوں جن کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ کسی کو گھر پر بلا کر کھلایا کسی کو پیسے بھیجدیئے کہ بازار سے لیکر کھالیں کسی کو کچھ بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرائط کی شدت سے آمدنی کم ہوگی پھر اگر خرچ میں وسعت کی جاوے تو میری نیت خراب ہونے لگے اور پھر شرائط کی پابندی نہ ہوسکے اب مجھ سے کسی بڑے سے بڑے ہدیہ کے واپس کردینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو بس بے دھڑک خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کردیتا ہوں وسوسہ بھی نہیں آتا کیونکہ کیا سال بھر تک کچھ نہ آوے گا۔ اس سے بہت اطمینان رہتا ہے۔

(۸۷۰) فرمایا کہ جس طرح روپیہ کے آنے سے حظ ہوتا ہے اسی طرح مجھے روپیہ زیادہ ہوجانے کی حالت میں خرچ کرنے میں بھی حظ ہوتا ہے۔ اور ضعف قلب سے زیادہ چیزوں کا ملک ہونا بھی گراں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سفر میں فتوحات سے ایک ہزار روپیہ جمع ہوگیا میں نے پانچسو کی سونے کی چوڑیاں گھر کے لوگوں کو بنوائیں اور پانچسو ان کو نقد دیا۔ اس میں ایک مصلحت تھی وہ یہ کہ میں نے اپنا مکان گھر کے لوگوں کو مہر میں دیدیا ہے۔ ان سے تو ظاہر نہیں کیا لیکن بجائے کرایہ کے میں نے دو چوڑیاں بنوادیں کیونکہ میں ان کے مکان میں رہتا تھا ھل جزاء الاحسان الخ کی بنا پر۔

(۸۷۱) فرمایا کہ اگر عورت مہر معاف کردے لیکن پھر بھی ادا کردے کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے کہ بلا ضرورت عورت کا احسان لے۔

(۸۷۲) ذیل میں چند حکایتیں درج کی جاتی ہیں جس میں سے معلوم ہوگا کہ حضرت والا سالکین

کی کس قدر تسلی فرماتے ہیں جو بے حد معین ہو جاتی ہیں حق تعالیٰ کی محبت و تعلق پیدا کرنے میں۔

(۱) ایک صاحب جن کو حق تعالیٰ نے بڑھاپے میں علم دین کا شوق عطا فرمایا تھا حضرت سے تفسیر جلالین شریف پڑھتے تھے ایک موقع پر کسی بات کے نہ سمجھنے پر انہوں نے بطور معذرت عرض کیا کہ یہ میری جہالت ہے حضرت نے فوراً کس لطف کے ساتھ ان کی تسلی فرمائی کہ جی نہیں جہالت کیوں ہوتی یہ حالت ہے (یعنی کیسی اچھی حالت ہے) (۲) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطنی حضور کی محبت سے لیکر جاتا ہوں مگر وہاں دنیا میں پہونچکر پھر سب غت ربود ہو جاتی ہے فوراً فرمایا کہ جی کیا مضائقہ ہے آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انہیں دھو دیتا ہے آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انہیں پھر دھو دیتا ہے۔ (۳) ایک بار جناب خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک تو مریض ہوتا ہے معمولی زکام کھانسی جاڑا بخار کا اور ایک ہوتا ہے تپ دق کا مریض۔ احقر تپ دق کا مریض ہے۔ اور بہت زیادہ توجہ کا محتاج۔ فرمایا کہ مبارک ہو یہ تو نسبت باطنی ہے کیونکہ نسبت باطنی بھی تپ دق کے مشابہ ہوتی ہے جو گوشت پوست اور ہڈیوں تک سرایت کر جاتی ہے یہی خاصہ تپ دق کا ہے۔ (۴) ایک بار عرض کیا کہ حضرت قلب عجب ڈانوا ڈول حالت میں رہتا ہے فرمایا اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیونکہ قلب تو اسی کو کہتے ہیں جو ایک حالت پر نہ رہے (۵) ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ سخت الجھن ہوتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے سلجھن کا ان مع العسر یسراً ؎ کیونکہ قبض آمد تو در دے بسط ہیں۔(۶) ایک صاحب نے اپنی حالت تحریر کی تھی جس میں تلوین کی شکایت درج تھی کیا بلیغ جواب تحریر فرماتے ہیں کہ مجموعی حالت قابل شکر ہے جس کے سب اجزا ایک ہی دریائے محبت کی موجیں ہیں جن کی حرکت بھی بہر بہارا ور سکون بھی موجب قرار۔ مبارک۔ دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔ کام میں لگے رہئے (۷) ایک شخص کو تحریر فرمایا تھا سب حالات محمود ہیں صرف تلوین کا تمکین سے مبدل ہونا باقی ہے سو ان شاء اللہ اسی طرح ہو رہے گا۔ ہانڈی میں کیسے کیسے جوش اٹھتے ہیں اور یہ سب علامات ہیں اس کے قطع منازل کی تکمیل کی طرف پھر آخر میں خود کیسا سکون ہو جاتا ہے یہ اس کی تمکینی حالت ہے ؎ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور ؛

خالی گانا بطور خود تنہائی میں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کچھ مضائقہ نہیں ؏

کہ نوشید جو شید مستی کنید ؛ یہ بھی تحریر تھا اس شخص کے خط میں کہ حضور کے تذکرہ میں

اپنے باطنی حالات بھی کہہ ڈالتا ہوں جو بحیثیت اظہار اسرار کے مضر ہے اس کی بابت تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ناکارہ کے تذکرہ میں اگر اپنا اظہار حال ہو جاوے تو چونکہ بقصد نہیں اس لئے مذموم نہیں۔
؎ کہ عشق و مشک را نتوان نہفتن (۸) ایک بار عدم انضباط او قات کی شکایت پر تحریر فرمایا کہ حالت موجودہ ہی میں آپ کو کامیابی کی بشارت دیتا ہوں انشاء اللہ آپ ہرگز محروم نہ رہیں گے میرے اس قول کی دلیل یہ ہے۔ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش | تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود
کوئے نا امیدی مرد کامید ہاست | سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(۹) ایک عریضہ کے اخیر میں طوالت عریضہ کی معذرت چاہی تھی تو تحریر فرمایا کہ کہیں طول لطف محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا ہے (۱۰) مولوی ظفر صاحب کو ایک بار تحریر فرمایا۔ برخوردار اپنی حالت کو نہ دیکھو کرم حق کو دیکھو۔ حالت تو کسی کی بھی کامیابی کے لئے کافی نہیں۔ اطمینان رکھو انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔ (۱۱) حضرت خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کی مصیبت میں تھے چونکہ دلچسپی نہ تھی اس لئے کامیابی نہایت دشوار تھی۔ ایک عریضہ میں پریشانی کا اظہار کیا۔ تو تحریر فرمایا کہ ہمت نہ ہاریئے دلجمعی کے ساتھ گو ناگوار ہو کوشش کیجئے۔ ؎
حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد ۔ امتحان کو ضرور پاس کر لینا چاہئے تاکہ اہل دنیا کی نظر میں ذلت نہ ہو۔ اس مردار دنیا کو حاصل کر لینے کے بعد چھوڑنا چاہئے۔ تارک الدنیا ہونا چاہئے نہ کہ متروک الدنیا (۱۲) ترک ملازمت کے لئے بہت مرتبہ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا لیکن کبھی مشورہ نہیں دیا بلکہ اکثر یہ شعر فرمایا ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش | چوں کشاید چابک و برجستہ باش

اخیر میں تبدیل محکمہ کا مشورہ دیا۔ اکثر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناجائز نوکری میں مبتلا ہو تو اس کو یکلخت ملازمت ترک کر دینا چاہئے بلکہ کسی اور ذریعہ معاش کے فکر میں رہے اور جب کوئی حلال ذریعہ میسر آجاوے فوراً چھوڑ دے اس سے پہلے ہرگز نہ کرے۔ کیونکہ اب تو ایک ہی بلا میں مبتلا ہے جب کوئی ذریعہ معاش نہ رہے گا تو سیکڑوں بلاؤں میں مبتلا ہو جاوے گا۔ ؎
ایں بلا دفع بلا ہائے بزرگ ۔ اگر برابر حلال ذریعہ کی فکر میں رہے گا اور توبہ استغفار کرتا رہیگا تو امید ہے کہ مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ (۱۳) ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب نے چند غزلیات تصنیف

کر کے حضرت والا کی خدمت میں ارسال کی تھیں اور اس تصنیف میں تضیع اوقات کی بھی شکایت کی تھی اس پر حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا تھا۔ نثر میں لطف نظم کا پیدا کیا تھا "غزلنامہ جو کشف استعداد فطری کے اعتبار سے ازلنامہ ہے پہنچکر وجد و طرب میں لایا۔ خدا تعالیٰ آپ کے سب مقاصد پورے فرمائے خیر اضاعۃ وقت میں بھی اطاعت بجنت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہو گیا خبط اوقات انشاء اللہ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا علی سجاد صاحب کا بھی ماشاء اللہ سجادہ رنگین ہونے لگا۔ آشفتہ و آشفتہ کن اشرف علی۔

(۸۷۳) فرمایا کہ ایک نظر تو محبت کی خوردہ بیں ہوتی ہے جس سے چھوٹا ہنر بھی بڑا نظر آتا ہے اسی طرح ایک نظر خوردہ بیں ہوتی ہے جس سے چھوٹا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا ہے۔

(۸۷۴) فرمایا کہ دوسروں پر ہنسنا نہ چاہئے اکثر دیکھا ہے جو جس پر ہنسا خود اس عیب یا مصیبت میں مبتلا ہوا۔

(۸۷۵) فرمایا کہ دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں مجھ پر ایک مرتبہ خوف غالب ہوا۔ بعد مغرب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات فرما دیجئے جس سے اطمینان ہو جاوے کہ ہاں خاتمہ ٹھیک ہو جائے گا فوراً فرمایا کہ ہیں کفر کی درخواست کرتے ہو بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

(۸۷۶) فرمایا کہ آجکل اکثر لحاظ سے کام نکالا جاتا ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا بلکہ جو میرا لحاظ کرتا ہے اس سے مجھے اور بھی شرم آتی ہے کہ اس کے اوپر اپنی وجاہت کا دباؤ ڈال کر کام نکالوں اور میں ایسی جگہ جہاں مجھکو وجاہت کے اثر کا ذرا گمان ہو کچھ نہیں کہتا کہ دباؤ نہ پڑے اور جگہ تو وجاہت حاجات کے لئے باعث ہوتی ہے اور میرے لئے وجاہت سخت مانع ہوتی ہے اکثر بالکل چپ ہو جاتا ہوں۔

(۸۷۷) فرمایا کہ میرے یہاں بے تعلقی محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے اور اتفاق یعنی خلط ملط جرائم میں سے ہے کیونکہ ملنے جلنے میں ہزار ہا مفاسد ہیں۔ بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔

(۸۷۸) فرمایا کہ وجد و گریہ اکثر ضعف قلب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ کوئی ایسی قابل اعتبار چیز نہیں کہ اس کی فکر میں رہے۔

(۸۷۹) حضرت والا شرکت تقریبات سے گو رسوم سے خالی ہوں اجتناب فرماتے ہیں۔

اول تو یہ کہ پھر سب یہی خواہش کرنے لگیں اور ترجیح کی کوئی وجہ نہ ہوگی اتنی فرصت بھلا کہاں۔ دوسرے یہ کہ پیشتر سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طریقہ سے تقریب ہوگی گو وعدہ یہی ہو کہ کوئی رسم نہ ہوگی کیونکہ بہت سی ایسی باتیں گھروں کے اندر ہو جاتی ہیں جن کو معمولی سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ دراصل رسمیں ہی ہوتی ہیں لہذا دیکھنے والوں کو سند ہوگی کہ حضرت مولانا خود بھی شریک تھے

(۸۰) فرمایا کہ جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھکر سب باتیں کرنی چاہئیں۔ یہ تاکید لڑکوں کو رکھنی چاہیئے۔ حضرت اس کا بڑا انتظام رکھتے ہیں۔ مدرسہ کے لڑکوں کو آپس میں بات چیت کرتے ہنسنے بولنے کی سخت ممانعت ہے۔ کچھ دنوں ایک صاحب کو اسی بات کیلئے تنخواہ پر ملازم رکھا تھا کہ وہ جہاں کسی لڑکے کو کسی سے ہنستا بولتا دیکھیں فوراً لکھ لیں۔

(۸۱) فرمایا کہ میں نے نہ کسی کی خدمت کی نہ کسی سے خدمت لی۔ بزرگوں کی بھی خدمت نہیں کی یہ اپنی اپنی عادت ہے مجکو عادت ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ایسوں سے خدمت لے لیتا ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم خدمت کر رہے ہیں نہ اس کو گمان خصوصیت کا ہو نہ دوسروں کو کہ بھائی یہ مقرب ہے

(۸۲) فرمایا کہ جس سے عقیدت ہو اس سے سوال و جواب کی نوبت نہ آنے دینا چاہیئے۔ بلکہ اس کی رائے و مشورہ کے اپنی رائے کو فنا کر دینا چاہیئے۔ بزرگوں کے سامنے ردّ و کد کرنا بالکل خلاف ادب ہے۔

(۸۳) فرمایا کہ نشست و برخاست سب میں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی کو تکلیف یا تنگی تو نہیں ہوتی۔ گول بات ہرگز نہیں کہنی چاہیئے۔ سوال کو خوب سمجھ کر پورا اور صاف جواب دینا چاہیئے تاکہ دوسرے کو بار بار نہ پوچھنا پڑے۔ ایک بار فرمایا کہ اپنے کھانے کا بار ہرگز دوسرے پر نہ ڈالے

(۸۴) فرمایا کہ جب گفتگو میں یا اور کسی کام میں کوئی مشغول ہو تو آنے والے کو چپکے بیٹھ جانا چاہیئے یہ نہیں کہ بیچ میں سلام کر کے لٹھ سا آ کر مار دیا مصافحہ کرنے لگے بد تہذیبی کی بات ہے اور ایذا کا سبب ہے۔

(۸۵) بعد عصر ایک صاحب نے حضرت کے ہاتھ میں پرچہ دینا چاہا اور سامنے پیش کر کے اس انتظار میں لئے بیٹھے رہے کہ حضرت خود اپنے ہاتھ میں لے لیں فرمایا کیا ہاتھ میں دینا فرض ہے اور کوئی طریقہ دینے کا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد انھوں نے زمین پر رکھ دیا فرمایا غنیمت ہے عقل تو آئی۔

(۸۶) فرمایا کہ کندھے پر رومال ڈال کر نماز نہ پڑھنا چاہیئے کہ یہ ہیئت خارج من الصلوٰۃ کی ہے۔

(۸۸۷) فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا ہے۔ بے ادبی ہے خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ سب سے حسن عقیدت رکھنا چاہئے۔

(۸۸۸) فرمایا کہ ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ خلاف اوقات کوئی کام لیتا ہے تو سخت کلفت ہوتی ہے۔ جلوت کا وقت ظہر کے بعد سے مغرب تک ہے یہی وقت کچھ پوچھنے پاچھنے یا کہنے سننے کا ہے۔ دوسرے اوقات میں کوئی تحریری پرچہ بھی پیش کرنا گراں ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ اگر پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ بگڑ جاتا ہے۔

(۸۸۹) فرمایا کہ مرید کو شیخ کے قلب کا انقباض مانع قبض ہو جاتا ہے اس لئے مرید کو اپنے شیخ سے طالب علمی کی حیثیت سے پڑھنا نہ چاہئے۔ ہاں بلا کتاب کے بیٹھ جانا۔ تقریر کو سننا اور سوالاً نہ کرنا اس کا مضائقہ نہیں۔

(۸۹۰) فرمایا کہ جو کام خالص اللہ کے لئے کیا جاتا ہے بلا قصد شہرت وغیرہ کے اس کی حق تعالیٰ شہرت فرما ہی دیتے ہیں۔

(۸۹۱) فرمایا کہ کشش و میلان کا بالکلیہ زائل ہو جانا تو عادۃً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت میں صعب نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف واحد میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے مقتضا کی مخالفت کی جاوے۔ گو کلفت ہو اس کو برداشت کی جاوے۔ اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علی اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا اُمنیہ محضہ ہے الا ان یکون من الخوارق اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی ھباءً منثوراً ہو جاتی ہے فبصر و تشکر۔

(۸۹۲) فرمایا کہ امور طبعیہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں۔ بلکہ قسری ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم اور ایک قسم امور طبعیہ کی یہ ہے کہ فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہوں تب تو محمود ہوں گے اور کسی عمل مذموم سے پیدا ہوں تو مذموم ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک فانت مومن یعنی اگر نیک کام کر کے تجھ کو مسرت ہو

اور گناہ کر کے تیرا جی بُرا ہو تو مومن ہے تو اب یہاں مسرت جو ہے وہ ایک طبعی ہے مگر چونکہ یہ ایک عمل صالحہ سے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کو علامت ایمان کی فرمایا گیا اور جو چیز محمود نہ ہو وہ ایمان کی علامت نہیں بن سکتی تو معلوم ہوا کہ یہ محمود ہے اور گویہ امر فی نفسہ طبعی نہیں مگر حال لازم ہو جانے سے مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے اور یہ خدائے تعالےٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس مسرت کو امر طبعی بنا دیا اسی طرح اگر کسی کو قبض ہو تو اگر کسی گناہ کے سبب ہوا تو وہ مذموم اور اس کے علاج کی ضرورت ہے اور اگر اس کا سبب کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی کچھ فکر نہ کرے کیونکہ وہ مذموم نہیں ۔

(۹۳۸) فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آویں ذرا مضر نہیں ۔

(۹۴۸) فرمایا استخارہ ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جس میں احتمال نفع وضرر دونوں کا ہو اور جو عادۃً یا شرعاً یقیناً ضرر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کے لئے یا اپاہج عورت سے نکاح کرنے کے لئے استخارہ کرنے لگے ۔ استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اس کو تجویز کر دے بس اس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اس کے اختیار کرنے کو ظناً خیر سمجھنا چاہئے ۔ خواہ کامیابی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں ۔ اور ناکامیابی کا خیر ہونا باعتبار اس کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے ۔ اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطا ہی ہو جاوے ۔ بس استخارہ کا فائدہ تسلی ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطا ہوگی ۔ اور استخارہ اور عدم استخارہ کے ان آثار میں وجہ فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر وہ موثر ہوا تو قلب میں ایسی چیز نہ آوے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہو سکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اس کو اختیار کر لیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جاوے اس میں وعدہ خیر کا نہیں ۔ بس سمجھنا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں

بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

(۹۵۸) فرمایا کہ اوراق قرآن کہنہ جو نا قابل تلاوت ہو جاویں ان کو پاک پارچہ میں باندھ کر قبرستان کے اندر کسی محفوظ جگہ میں دفن کر دینا مناسب ہے۔ اوراق کی تمزیق (چیرنا پھاڑنا) خلاف ادب واحترام ہے۔

(۹۶۸) فرمایا کہ میں کسی صاحب حال شخص کو اس کے حال کے اقتضاء پر عمل کرنے سے خواہ وہ حال ناقص ہی کیوں نہ ہو نہیں روکتا البتہ اگر صاحب حال خود چاہے تو اس کی اصلاح یا تعدیل کر دیتا ہوں ورنہ اس کے حال پر چھوڑتا ہوں اور اس حال کی قدر کرتا ہوں اور قدر کرنی چاہئے اور چیخنے کو جی چاہے خوب چیخے، اگر ہنسنے کو جی چاہے خوب ہنسے۔ جو حال وارد ہو اس کو اس وقت روکنا نہ چاہئے۔

(۹۷۸) فرمایا کہ جن اعمال کے ہم مکلف ہیں سب امور طبعیہ ہی کے مقتضا ہیں طبیعت سلیم ہو۔ اپ چاہے کوئی اقتضائے طبعی ہی کی وجہ سے وہ عمل کرے اجر ہوگا البتہ نیت واختیار شرط ہے۔

(۹۸۸) ایک مولوی صاحب نے اس شعر کا مطلب دریافت کیا ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعتست　　بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

فرمایا کہ میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں ایسی حالت پیدا ہو جاوے۔ عرض کیا تو کیا ہر صحبت اس درجہ مفید نہ ہوگی فرمایا کہ ہے تو یہی مگر کس کو علم ہے کہ وہ کون ساعت ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہئے۔ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔ اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ اگر کسی شخص کے پاس سونگنی ہوں تو بظاہر تو اس کے پاس امتعہ (اسباب میں) سے ایک چیز بھی نہیں ملی لیکن اگر ذرا تعمق کی نظر سے دیکھا جاوے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہو گئی تو بظاہر تو خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے۔ بس مراد اعمال پر قدرت ہوتا ہے اسی سے سب کام اس کے بن جائیں گے اور اصل چیز وہی کام ہے

جن کی یہ مفتاح صحبت میں نصیب ہوگئی اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس مصرف کی۔ اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدون اعمال نہ کچھ اعتبار ہے اقوال کا نہ احوال کا نہ کیفیات کا اسی لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل اور توفیق عادۃً موقوف ہے صحبت کاملین پر ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

(۸۹۹) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیطان کو جس قدر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دشمنی ہوگی اتنی تنہا حضرت سے ہوگی کیونکہ حضرت اس کے مکر و فریب سے اللہ کی مخلوق کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں وہ اس پر جلتا بھنتا ہوگا۔ فرمایا کہ ممکن ہے مگر ساتھ ہی وہ مجھ کو نفع بھی بہت پہنچاتا ہے اس طرح سے کہ وہ لوگوں کو بہکاتا ہے وہ مجھ کو ناحق گالیاں دیتے ہیں میں اس پر صبر کرتا ہوں۔ اللہ میرے گناہ معاف فرماتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے

(۹۰۰) فرمایا شیخ سے عقیدت اس قدر مطلوب نہیں عظمت اس قدر مطلوب نہیں جس قدر محبت کی ضرورت ہے۔

(۹۰۱) فرمایا کہ کبھی چھوٹوں کو وہ بات نصیب ہو جاتی ہے کہ بڑوں کو کبھی وہ بات خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو بڑے بڑے ہی نہ رہتے کیونکہ نفس مدح سن سن کر فرعون ہو جاتا۔ اور اب یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہماری ضرورت چھوٹوں کو ہے اسیطرح ہمیں ضرورت ان کی ہے چنانچہ ہمارے حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں آنے والوں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔

(۹۰۲) فرمایا کہ ایک انسان ہے عالم ہے۔ محدث ہے مفسر ہے۔ فقیہ ہے۔ حافظ ہے۔ قاری ہے۔ نیک ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے میں مقبول ہوں ممکن ہے کہ وہاں مردود ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک عورت ہے جو خوبصورت بھی ہے۔ لباس فاخرہ بھی ہے زیور سے آراستہ بھی ہے بسنگار کئے ہوئے ہے اور اس آرائش و زیبائش کی بنا پر سمجھتی ہے کہ میرا خاوند مجھے چاہتا ہے مگر سا تھ ہی گندہ ذہنی میں مبتلا ہے اس لئے خاوند اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ اور ایک عورت ہے سانولی۔ کپڑے بھی میلے کچیلے۔ زیور بھی اسکے پاس نہیں مگر اس کی کوئی ادا خاوند کو پسند ہے وہ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ دل سے چاہتا ہے۔ تو جس طرح گندہ ذہن عورت اپنے خاوند کی نظر میں مقبول ہونے کے غلط گمان میں مبتلا

(۹۰۳) یہی حالت کمالات کی بناء پر ہمارے گمان کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ ظاہری کمالات دلیل مقبولیت کی نہیں ممکن ہے ہمارے اندر کوئی ایسی باطنی خرابی ہو جو میاں کو ناپسند ہو۔

(۹۰۴) فرمایا کہ حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے درمیان جو شرائط طے ہوئے تھے وہ مناسبت و عدم مناسبت کے امتحان ہی کے لئے تو طے ہوئے تھے۔ چنانچہ عدم مناسبت جب ثابت ہوئی علیحدگی ہو گئی۔ اسی طرح شیخ اگر کسی مرید کو گو وہ معصیت کا مرتکب نہ ہو بوجہ عدم مناسبت علیحدہ کر دے تو جائز ہے۔

(۹۰۵) فرمایا کہ جس طرح میں دوسروں کی اصلاح کے طریق سوچتا رہتا ہوں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریق بھی سوچتا رہتا ہوں مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے اس پر بھی اگر نجات ہو جاوے تو سب کچھ ہے۔ اس سے آگے ہم کیا حوصلہ اور ہمت کر سکتے ہیں باقی فضائل و مدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ ہم کو تو جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جاوے۔ یہی بڑی دولت ہے۔

(۹۰۶) فرمایا کہ جب میں دوسروں کے لئے کوئی تجویز کرتا ہوں تو اپنے سے بے فکر ہو کر نہیں کرتا۔ بلکہ عین تجویز کے وقت برابر اس کا خیال رکھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی زیادتی اس تجویز میں نہ ہو جائے اور اس شخص پر ذرا تنگی نہ ہو۔ اس پر مجھکو سخت کہا جاتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اجتہادی غلطی ہو جاوے۔ مگر جب قصد نہیں نیت نہیں تو امید عفو ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۹۰۷) فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی ؒ سے پوچھا کہ میرا جی تنہائی کو بہت چاہتا ہے لیکن اس میں لوگوں کی دل شکنی کا خیال ہوتا ہے حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنی مصلحت دیکھ لو اور کسی کا خیال نہ کرو سبکو جھاڑو بھی مارو۔ اور یہ اس طرح سے فرمایا کہ گویا خود پر بھی گذری ہو۔

(۹۰۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی کا یہ قول مجھے بہت ہی پسند ہے کیونکہ میرے مذاق کے موافق ہے وہ یہ کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے۔ چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کے کسی مہمان سے بستر کے لئے پوچھا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو تم کہاں سے دیتے اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لا بھی دیتے تو اگر بہت سے مہمان آئے اور کسی کے پاس بھی بستر نہ ہو تو سب کے لئے کہاں سے لاؤ گے۔ خبردار جو کسی سے بستر کے لئے پوچھا۔

(۹۰۹) فرمایا کہ آدمی سب کو خوش رکھ نہیں سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے

پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے کسی کی بھلائی بُرائی کا خیال نہ کرے۔

(۹۱۰) فرمایا کہ ایک بزرگ تھے انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جتنی روزی میری قسمت میں ہو وہ سب یکدم سے مجھے دیدیجئے تھوڑی تھوڑی نہ دیجئے ارشاد ہوا کہ تمہیں یقین نہیں ہمارے وعدہ پر۔ عرض کیا یقین تو ہے مگر وعدہ مبہم ہے ملیگا تو لیکن یہ متعین نہیں کہ کب شیطان مجھے بہکاتا ہے کہ جانے کے دن میں ملے اگر ہفتہ بھر تک نہ ملے تو تمہارا ہو جائے گا فلیہ اگر آپ مجھے ایکدم سے دیدیں گے تو میں کوٹھری میں بھر کر رکھ چھوڑوں گا۔ جب شیطان مجھ سے پوچھیگا کہ کہاں سے کھائیگا میں کہدوں گا کہ اس کوٹھری سے۔ تو بزرگوں نے اپنے ضعف کی ایسی ایسی تدبیریں کی ہیں۔ پس یاد رکھنے کی بات ہے کہ ضعف و قوت امور طبعیہ سے ہیں۔ ولایت میں ان کو دخل نہیں۔

ولایت کہتے ہیں اطاعت اور عبدیت کو۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ ایک ساتھ دے کر ظاہر فرمایا کہ سال بھر تک کا خرچ ذخیرہ رکھنا اعلیٰ سے اعلیٰ توکل کے بھی خلاف نہیں۔

(۹۱۱) فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو زہد میں بہت مبالغہ تھا یہاں تک کہ ہارون رشید بادشاہ کے یہاں کے رقعہ کو ہاتھ سے نہیں چھوا تھا۔ دور سے لکڑی سے اولٹ کر کھولا تھا۔ وہ ہم لوگوں کے لئے فرما گئے ہیں کہ جس کے پاس درہم ہوں اس کو چاہئے کہ وہ انکی قدر کرے کیونکہ اب وہ زمانہ ہے کہ جب آدمی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو اس کی اول مشق دین پر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو امراہم کو دستمال کر دیتے۔

(۹۱۲) فرمایا کہ اسباب میں بالاجماع حکمتیں ہیں چنانچہ مثنوی شریف میں ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اسباب کے ذریعہ سے مسبب الاسباب پر نظر کرو۔ پس اس طرح یہ اسباب موصل الی اللہ ہو جائیں گے کیونکہ مصنوع اپنے صانع کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت عطاء سکندری نے اپنی کتاب تنویر میں بالکل اسباب کو مٹا دیا ہے لیکن پھر بھی اسباب کی تکوین میں مصلحت ثابت کی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اسباب کو حق تعالےٰ نے اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ بندہ اسباب کو اختیار کرے اور اللہ تعالےٰ ان کو توڑے اور کچھ نہیں تو اسباب میں یہی ایک نفع سہی۔

(۹۱۳) اس اعتراض کا ذکر تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ

نے خوب لطیف جواب دیا تھا کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک دو شمشیر زن تو بزور شمشیر اسلام کو عالم میں پھیلا نہیں سکتے تھے تو پس معلوم ہوا کہ شمشیر زنی اصل علت اشاعت اسلام کی نہیں بلکہ اصل علت اور ہی ہے جس سے شمشیر زن پیدا ہوئے وہ حقیقت میں تو تائید حق ہے اور ظاہری سبب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہیں۔

(۹۱۴) ایک صاحب نے اپنے والد کو بھی حضرت کی خدمت میں لانے کی ترغیب دی اس پر فرمایا کہ دین تو مطلوب ہونا چاہئے کیوں کسی کے درپے ہوں۔ اجی تبلیغ اور اعلام تو ضروری ہے باقی درپے ہونا ضروری نہیں۔

(۹۱۵) فرمایا کہ محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آدھ گھنٹہ کے لکچر میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یوں ہی ان گڑھ ہانک رہا ہے۔

(۹۱۶) فرمایا کہ سنت کے موافق نکاح میں نورانیت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی بات ہے کہ جتنی سہولت ہوتی ہے اتنی ہی نورانیت قلب میں ہوتی ہے کیونکہ جھگڑا بکھیڑا ہوتا نہیں اس لئے انشراح رہتا ہے اور جہاں طوالت اور جھگڑے ہوتے ہیں وہاں ضرور قلب میں کدورت اور ظلمت ہوتی ہے۔

(۹۱۷) فرمایا کہ ایک ذی علم سے ایک کوتوال نے سوال کیا کہ نبی اور ساحر میں فرق کیا ہے کیونکہ نبی بھی معجزات دکھاتا ہے اور ساحر بھی ایسے ایسے عجیب کرشمے دکھلا سکتا ہے انھوں نے خوب جواب دیا کہ جو ڈاکو سرکاری وردی پہنکر اور کوتوال بن کر ڈاکہ ڈالے تو میں پوچھتا ہوں کہ کوتوال اور ڈاکو میں کیا فرق ہے۔ وہی فرق ہے نبی اور ساحر میں۔

(۹۱۸) فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ جو تمہارے (اہل باطل کے) نزدیک حق ہو تم کہو اور جو ہمارے نزدیک حق ہو ہم کہیں۔ خدا جس کو چاہے اثر دے۔ مناظروں سے کوئی نفع نہیں پس یہ چاہئے کہ جب اہل باطل کہیں تو اپنی الگ کہنے لگیں۔ انبیا علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے۔ کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے۔ حق کا اعادہ بار بار کرتے تھے لیکن جواب کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے۔

(۹۱۹) فرمایا کہ پہلے بزرگوں میں زبانی وعظ کا بھی طریقہ نہ تھا مولانا محمد اسحاق صاحب

قرآن یا حدیث کی کتاب لیکر وعظ فرماتے تھے اب کوئی ایسا کرے تو عیب سمجھا جاتا ہے کہ کچھ آتا جاتا نہیں

(۹۲۰) فرمایا کہ میں تو امرا کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر تم کسی نیک کام میں روپیہ لگاؤ تو اگر برکت چاہتے ہو تو غربا کے دو چار پیسے شامل کر لیا کرو۔ اگر ویسے نہ ہو تو مانگ ہی کر شامل کر لیا کرو۔ امرا کے پیسہ میں بھی جو برکت ہے تو غربا ہی کے پیسے شامل ہونے سے ہے امرا کو احسانمند ہونا چاہیئے غربا کا۔

(۹۲۱) فرمایا کہ میں نے عوارف المعارف میں دیکھا کہ مطالعہ چاہے دینی کتاب کا ہو لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ ذکر اللہ سے جی گھبراتا ہے اس میں جی بہلیگا تو وہ دنیا ہے اور اگر اس لئے ہو کہ حق تعالٰے کا قرب ہوگا تو وہ البتہ مقبول ہے۔ یہ عجیب بات لکھی ہے۔

(۹۲۲) ایک صاحب نے جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی عیادت کے بارہ میں حضرت والا سے دریافت فرمایا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ یہ تحریر فرمایا کہ چند امور میں غور کر لیجئے اگر سب میں اطمینان ہو جاوے تو جانے میں کیا مضائقہ ہے۔ (۱) مدرسہ کا حرج نہ ہو (۲) مہتمم کو ناگوار نہ ہو (۳) خود مولانا رائپوری کے قلب پر گرانی و بار نہ ہو کیونکہ بعض اوقات مریض کا دل ملنے کو نہیں چاہتا مگر لحاظ کے مارے اپنی رائے کے خلاف کرتا ہے۔

(۹۲۳) فرمایا کہ آقا اپنے نوکر کو چار روپیہ دیتا ہے اور کتنا کام لیتا ہے حق تعالٰے کی کتنی نعمتیں ہیں پھر مطالبہ کچھ بھی نہیں صرف چند چیزوں سے بچنا اور چند چیزیں کرنا۔

(۹۲۴) فرمایا کہ مولانا یعقوب صاحب رہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے چودہ آدمی گھر کے ان سے پیشتر چند ہفتوں کے اندر اندر مر چکے تھے۔ بڑے صابر تھے نہ روئے نہ کوئی بے صبری کی بات منہ سے نکالی ہاں ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ　　　در کف شیر نر خونخوارۂ

(۹۲۵) ایک دیہاتی سے فرمایا کہ دیکھو کسی پر بوجھ ڈال کر اس کے یہاں کھانا پینا نہ چاہیئے۔ اس بات کو عمر بھر یاد رکھنا۔

(۹۲۶) فرمایا کہ اگر کسی کا ایک عیب معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت مجھ کو دس عیب اپنے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ کانے پردہ کیا ملنے جس کی دونوں پٹ ہوں۔

(۹۲۷) فرمایا کہ ذکر و شغل کے دو ثمرے ہیں ایک تو رضا جو کہ اصل ثمرہ ہے اس کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور ایک ثمرہ دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قلب کو ایک خاص لگاؤ حق تعالٰے

کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے جیساکہ عاشق کے قلب کو معشوق کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے پھر فرمایا بڑی چیز احکام کی پابندی ہے اس کے لئے میری کتابوں کا مطالعہ بالخصوص اصلاح الرسوم تعلیم الدین۔ قصد السبیل اور میرے کل وعظ بس یہ کافی وافی ہے انشاء اللہ۔

(۹۲۸) فرمایا کہ جس طرح جو صحبت بدون زوجین کے شہوت کے ہو اس سے نسل نہیں چلتی۔ عورت مرد دونوں کو شہوت ہونی چاہئے چنانچہ توافق انزالین شرط ہے حمل قرار پانے کے لئے اسی طرح بیدلی سے تعلیم کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے بلاشہوت صحبت کرنا۔

(۹۲۹) کسی شخص نے نظر بازی کی مرض کا علاج دریافت کیا فرمایا کہ بجز ہمت و تحمل مشاق کوئی تدبیر نہیں اور معین اس کی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔

(۹۳۰) ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر باوجود واقعات جاننے کے کوئی شہادت نہ دے محض اس خیال سے کہ کچہری میں وکلاء وغیرہ تنگ کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں فرمایا کہ اپنے آپ کو ضرر سے بچانا جائز ہے۔ عرض کیا گیا کہ چاہے دوسرے کا بھلا ہوتا ہو فرمایا کہ ہمارا جو اپنا بُرا ہوتا ہے دوسرے کے نفع کے لئے اپنے آپ کو مضرت میں ڈالنے کا آدمی مکلف نہیں۔

(۹۳۱) فرمایا کہ خواہ مخواہ کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں جو سمجھنا چاہے اس کو تو سمجھا سکتے ہیں اور جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہئے کہ جاؤ تم یوں ہی سمجھو۔

(۹۳۲) فرمایا ایک بدعتی نے مجھ سے کچھ تحریری سوالات کئے میں نے کہا کہ اگر آپ کو تحقیق منظور ہے تو کتابیں موجود ہیں اور اگر معارضہ منظور ہے تو فن فساد سے ہم ناواقف ہیں

(۹۳۳) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ بڑی بات اصلاح ہے۔ اصلاح کے طریقوں اور اعمال صالحیت سے مناسبت ہو جائے یہ بڑی بات ہے۔

(۹۳۴) دعا کی درخواست پر فرمایا کہ میرا کام دعا ہی کرنا ہے جب میں کام میں لگا دیکھتا ہوں خود بخود دل سے دعا نکلتی ہے۔

(۹۳۵) ایک ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا تو عجیب جوش وخروش تھا ارادہ تھا کہ پہونچتے ہی حضور کے ہاتھ چوموں گا اظہار شوق کروں گا لیکن خانقاہ میں قدم رکھتے ہی وہ کیفیت فرو ہوگئی اور ایک سکون سا ہوگیا یہاں تک کہ قبل ملنے کے میں نے ہاتھ منہ اطمینان کے ساتھ دھوئے پھر حضور سے ملا۔ فرمایا کہ اوفق بالسنۃ یہی دوسری حالت ہے اور یہی کامل ہے کیونکہ بڑی دولت ہے اتباع سنت

وہ پہلی حالت بھی ایک کیفیت محبت کی ہے اور محمود ہے لیکن وہ دوسری اس سے اکمل ہے۔

(۹۳۶) حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جو حضور کی محبت کا جوش و خروش پیشتر تھا وہ اب نہیں رہا فرمایا کہ پہلے طبیعت غالب تھی اب عقلیت غالب ہے موجودہ حالت اکمل ہے

(۹۳۷) فرمایا واللہ مجھے غلطیوں پر تغیر نہیں ہوتا مگر کیا ہے۔ جس پر تغیر ہوتا ہے ایک بے پروائی پر ایک خود رائی پر۔ باقی غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ گناہ تک ہوتے ہیں۔ کیا مجھ سے نہیں ہوتی۔ ہزاروں گناہ۔ سیکڑوں غلطیاں ہیں کوئی بچہ نہیں جو ہر غلطی پر گرفت کروں۔ ہاں جن سے بچ سکتا ہے اور پھر محض بے پروائی کی وجہ سے نہیں بچتا ان پر تغیر ہوتا ہے۔

(۹۳۸) فرمایا کہ تعلیم کنندہ تو محض بہانہ ہے اصل میں مبدء فیاض ہی سے فیوض و برکات نازل ہوتے ہیں۔ شیخ برائے نام واسطہ ہوتا ہے لیکن طالب کو چاہیئے کہ واسطہ کی قدر کرے کیونکہ خدا کی عادت ہے کہ بدون واسطہ کے وہ فیوض و برکات نازل نہیں فرماتے۔

(۹۳۹) فرمایا کہ بزرگوں میں یہ بات دیکھنا چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سے کتنا حصہ ملا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ مناسبت ہے اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ یوں دو چار دن کو تو سب بن سکتے ہیں۔

(۹۴۰) فرمایا کہ نامشروع شہوت سے تو نقصان ہوتا ہی ہے مشروع شہوت کے افراط میں بھی نقصان ہے اس واسطے کہ افراط میں نشاط طبیعت کا جاتا رہتا ہے۔ بزرگوں نے بھی اس کو منع کیا ہے غلو نہیں چاہیئے۔ بالخصوص سالک کے لئے سخت مضر ہے۔ خلاصہ یہ کہ نشاط طبیعت کی بہت قدر کرنی چاہیئے۔

(۹۴۱) ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہ بد اختیار میں نہیں۔ فرمایا اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔ نگاہ ہٹانے میں الجھن ہوتی ہے۔ تکلیف گوارا نہیں کرتے نفس کے ساتھ ہو لیتے ہو۔ تمہارا جو خیال ہوا اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز کا مکلف کیا ہے جو اختیار میں نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر عورت کی چھاتی پر سوار ہو اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو کیونکہ اس وقت بھی شریعت اس کو یہی حکم کرتی ہے کہ اس سے باز آؤ۔

(۹۴۲) فرمایا کہ وہ کیا اہل حق ہے جس کی غیر پر نظر ہو۔ لاحول پڑھئے۔ خاک ڈالنی چاہیئے ایسے خیال پر کہ اپنے مجمع بڑھاتے اور قوت پیدا کرنے کے لئے کسی کو مرید کر لیا جاوے

جناب حق میں تو وہ قوت ہے کہ اگر عالم بھر میں صرف ایک اہل حق ہو اور باقی سب اہل باطل تو وہ سمجھتا ہے کہ ان کی حقیقت ہی کیا ہے میں ان سب پر غالب آسکتا ہوں اور اگر اتنی قوت نہیں تو وہ حق ہی نہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جب منکرین زکوٰۃ سے قتال کا قصد کیا تو سب صحابہ نے اختلاف کیا کہ مصلحت کے خلاف ہے فتنہ برپا ہو جائیگا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اس اختلاف میں شریک تھے حضرت صدیق رضؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جبار فی الجاھلیہ خوار فی الاسلام یعنی حالت کفر میں تو تم ایسے سخت تھے اسلام میں ایسے بودے ہو گئے جاؤ میں کسی کا انتظار نہیں کرتا کسی سے میری درخواست ساتھ دینے کی نہیں مجھے کسی کے ساتھ کی حاجت نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان اللہ معنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں ہی تھا لہذا نص قطعی سے ثابت ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے۔ جب میرے ساتھ خدا ہے تو مجھے کسی کے ساتھ کی پروا نہیں۔ اکیلا کندھے پر تلوار رکھ کر نکلونگا اور تمام عالم کے مقابلہ میں تنہا کافی ہوں خدا میرا ساتھ دے گا۔ یہ سن کر سب دم بخود ہو گئے اور موافقت کرلی۔

(۹۴۳) فرمایا کہ آجکل ایک مرض یہ بھی ہے کہ مرید ہونے کے لئے لوگوں کو اپنے بزرگ کے پاس لاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔ اس سے مجھے تو ایسی چڑھ ہے کہ ذرا بھی معلوم ہو جاوے کہ کسی کا لایا ہوا ہے تو اسے تو مرید کرتا ہی نہیں تا کہ وہ ان ترغیب دینے والے کو گالیاں دے اور پھر انہیں سفارش کا حوصلہ نہ رہے۔ جناب طلب وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسرے یہ بات ہے کہ جو سفارش کے ذریعہ سے بیعت ہونا چاہتا ہے تو اس کا ایہام ہوتا ہے گو یہ نیت نہ ہو لیکن اس کی صورت اس کی ہوتی ہے کہ اس کو نیازمندی سے عار ہے۔

(۹۴۴) فرمایا کہ جو یکسوئی نسبت میں ہوتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی خطرہ ہی نہ آوے بلکہ یہ معنی ہیں کہ غیر حق پر نظر نہ ہو۔ صحابہ اہل سنت تھے لیکن وساوس آتے تھے۔

(۹۴۵) فرمایا کہ جب مجلس جمی ہوئی ہو اور کوئی گفتگو ہو رہی ہو تو سلام کرنا نہیں چاہئے نہ مصافحہ کرنا چاہئے۔ بعضے لوگ بیچ میں السلام علیکم کہہ کر لٹھ سا مار دیتے ہیں اور پھر ایک طرف سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے یہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔

(۹۴۶) ایک صاحب دہلی کے آئے وہ ایک واعظ کے پاس رہے تھے رات دن خدمت

کرنے کے خوگر تھے بعد کو ان کا میلان بدعات کی طرف دیکھ کر یہاں آئے ان کی عادت تو اُسی کی پڑی ہوئی تھی مجھ سے بھی بھوت کی طرح لپٹنا چاہا میں نے انہیں نرمی سے سمجھایا انہوں نے ایک پرچہ لکھ کر دیا کہ مجھے رنج ہوا آپ نے مجھے محروم رکھا میں نے بلا کر کہا کہ اگر آپ کو مجھ سے اعتقاد نہیں تو میری خدمت میں کوئی سعادت نہیں جس کی محرومی کا رنج کیا جاوے اور اگر اعتقاد ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے سعادت سے محروم کرنے والا سمجھتے ہیں جب آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں تو میں تو آپ کا دشمن دین ہوں پھر یہاں آپ کا رہنا فضول ہے تشریف لیجائیے تب ان کی آنکھیں کھلیں۔ پھر میں نے کہا کہ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ مجکو کہا جاوے گا وہی ٹھیک ہوگا۔ پھر فرمایا کہ حضرت میں نے اپنے کسی بزرگ کی خدمت ہاتھ پانوں کی کبھی نہیں کی کہ شاید مجھ سے نہ آوے تو انہیں تکلیف ہو۔ عمر بھر میں ایک دفعہ مولانا گنگوہی کو پنکھا جھلنے بیٹھا تھا اس وقت مولانا اور میں اکیلے تھے کبھی یہ کام کیا نہ تھا تھوڑی دیر میں ٹنڈھے دکھنے لگے۔ اب اور کوئی دوسرا وہاں نہ تھا کہ اس کو دیدوں اور موقوف کر دینا برا معلوم ہوا۔ جی چاہا کہ کوئی آجاوے تو اچھا ہو چنانچہ ایک صاحب آگئے میں نے ان کے حوالہ کر دیا۔ اور جی میں کہا کہ تو بہ ہے جو اب پنکھا جھلوں نہ ہمارے بزرگوں کو کبھی اس کا خیال ہوا اب جیسا برتاؤ بزرگوں کا دیکھا ویسے ہی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۹۴۷) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب جب آتے ہم کھڑے ہو جاتے مولانا کو تکلیف ہوتی بہت دن صبر کیا۔ ایک دن فرمایا کہ بھائی مجھے تکلیف ہوتی ہے کھڑے مت ہوا کرو۔ اس کے بعد سے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ جب مولوی صاحب آتے تھے بے اختیار جی چاہتا تھا کہ کھڑے ہو جاویں کیونکہ محبت بھی تھی ادب بھی عظمت بھی لیکن یہی خیال ہوتا تھا کہ مولانا کو تکلیف ہوگی جوش کو ضبط کئے بیٹھے رہتے۔ پھر فرمایا کہ اس صورت میں میرے نزدیک بیٹھا رہنا زیادہ نافع ہے کیونکہ مخالفت طبیعت کی مجاہدہ ہے۔

(۹۴۸) فقہا و صوفیہ دونوں حکیم کہنے کے قابل ہیں کیونکہ یہ دونوں جماعتیں حقیقت شناس ہیں الفاظ پرست نہیں چنانچہ فقہا کہتے ہیں کہ جو طبعی یا دینی کام میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے چنانچہ کھانا کھانے میں سلام کو مکروہ لکھا ہے۔

(۹۴۹) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب مزاج کے بڑے تیز تھے کبھی حضرت حاجی صاحب کو بھی کبھی مولانا شیخ محمد صاحب کو بھی سنا دیتے تھے سختی اگر نفس کے لئے

نہ ہو۔ دنیا کی طمع اور حرص نہ ہو۔ دل شکنی کا قصد نہ ہو وہ بھی کمال ہے اور یوں کوئی کم فہم نہ سمجھے اس کا کیا علاج۔

(۹۵۰) فرمایا سہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست ۔ بزرگوں کی شانیں مختلف ہیں کیونکہ طبائع تو خلقۃً ہی متفاوت ہوتے ہیں۔ جب وہ بزرگ ہو جاتے ہیں تو وہ امور طبعیہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی۔ نزاکت تحمل۔ عدم تحمل۔ صفائی۔ انتظام۔ بے انتظامی باقی رہتے ہیں اور ان سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں چنانچہ حسب ذیل حکایتیں مختلف شان کے بزرگوں کی بیان فرمائیں۔

(۱) مولانا قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب حج کو چلے تو بمبئی میں مولانا محمد قاسم صاحب تو لوگوں سے ملتے پھرتے اور مولانا گنگوہی انتظام میں مشغول رہتے۔ جب مولانا محمد قاسم صاحب واپس آتے تو مولانا گنگوہی فرماتے کچھ فکر بھی ہے کہ کیا انتظام کرنا چاہیے آپ ملتے جلتے ہی پھرتے ہیں۔ مولانا فرماتے کہ مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے جب آپ بڑے سر پر موجود ہیں (۲) مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے۔ اور مولانا رشید احمد صاحب کی اور شان تھی۔ کوئی بیٹھا ہو جب وقت اشراق کا یا چاشت کا آیا وضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے یہ بھی نہیں کہ کچھ کہکر اُٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں جہاں کھانے کا وقت آیا لکڑی لی اور چلدیئے چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو وہاں یہ شان تھی جیسے بادشاہوں کی شان ایک تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب دیدیا گیا اور اگر نہ پوچھی تو کوئی گھنٹوں بیٹھا رہے انھیں کچھ مطلب نہیں۔ مولانا قاسم صاحب کے پاس جب تک کوئی بیٹھا رہتا بولتے رہتے۔

(۹۵۱) فرمایا کہ ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب مولانا گنگوہی سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں۔ بولے جی ہاں ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انھیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انھیں۔

(۹۵۲) حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ کیا علم نہ ہونے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ علم نہ ہونے سے کچھ تو فرق ہو جاتا ہے۔ آخرت میں تو کچھ فرق نہیں ہوتا۔ لیکن دنیا میں ہو جاتا ہے۔ عاجل اور آجل کا فرق ہو جاتا ہے۔

(۹۵۳) فرمایا کہ جب تک طریق کی حقیقت نہ معلوم ہو جاوے تب تک تو صحبت شیخ ضروری ہے جب اس کی حقیقت معلوم ہو گئی اور طریق سے مناسبت پیدا ہو گئی پھر صحبت ضروری نہیں۔

(۹۵۴) حضرت والا نے ایک طالب کی بے توجہی معلوم کر کے فرمایا کہ جس وقت میں نے تقریر کی ہے آیا آپ کی توجہ تھی یا نہیں کہا کہ شاید میں حدیث النفس کے طور پر حضور کی تقریر کے وقت کچھ سوچ رہا تھا فرمایا کہ جب آپ کو میری تعلیم کی اتنی بھی وقعت نہیں کہ میں تو تقریر کروں اور آپ اپنی حدیث النفس ہی میں مشغول رہیں میں تو تکلیف اٹھاؤں اور آپ رہیں نواب صاحب تو جائیے اپنا کام کیجئے۔ یہ کہکر پاس سے اٹھا دیا۔

(۹۵۵) فرمایا کہ ذکر کے وقت مختلف تصورات سے یکسوئی فوت ہو جاتی ہے بلکہ محض تصور ذات حق رکھنے سے بہت نفع ہوتا ہے۔

(۹۵۶) فرمایا کہ بیعت ضروری نہیں۔ بڑی چیز تعلیم ہے اور ملقن کے ساتھ اعتقاد کیونکہ اگر اعتقاد ہو تو چاہے وہ خود کسی قابل نہ ہو لیکن اس کا (یعنی تعلیم حاصل کرنے والے کا) کام بن جاتا ہے بشرطیکہ صحیح سلسلہ ہو۔ اگر صحیح سلسلہ نہ ہو تو نرے اعتقاد سے کچھ نہیں ہوتا۔ صحیح سلسلہ ہونے کی صورت میں چونکہ سلسلہ دور تک متعدی ہوتا ہے اس کے واسطے سے بزرگوں کا فیض پہونچ جاتا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ صحیح سلسلہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نسب کے صحیح سلسلہ ہونے کا۔

(۹۵۷) ایک ذاکر شاغل سے بعد دریافت حال فرمایا کہ تم کم قوت ہو۔ ضرب اور جہر چھوڑ دو۔ وظیفہ کے طور پر پڑھا کرو اور دو چیزوں کا ہمیشہ خیال رکھو معدہ اور دماغ کا۔ تندرستی کا دارومدار ان ہی دونوں کے حفاظت پر ہے۔

(۹۵۸) فرمایا کہ اوروں میں تو غرض ہی غالب ہوتی ہے اور اولیاء اللہ میں غرض تو ہے لیکن مغلوب حتی کہ تربیت میں ثواب کی بھی نیت ہوتی ہے لیکن اس کا جو اصل محرک ہوا ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے کو نفع ہو۔

(۹۵۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا ذکر آیا فرمایا کہ سہل توجیہ یہ ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بشر کی شکل میں آئے تھے اس لئے پہچانا نہیں انھوں نے روح قبض کرنے کی اجازت چاہی آپ نے سمجھا یہ کوئی قاتل ہے اس لئے دھپ رسید کیا کہ اسے سیلیت دوں۔ آنکھ بھی تو پھوٹ گئی تھی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بشر ہی کے شکل میں آئے تھے ورنہ صورت ملکیہ میں بشر کا ایسا تصرف موثر نہیں ہوتا

(۹۶۰) فرمایا کہ ریاضت و مجاہدہ کی دو قسم ہیں ایک مجاہدہ اختیاریہ دوسرا مجاہدہ اضطراریہ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدہ اضطراریہ میں مبتلا کرکے صبر دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا ہے۔ بس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تقلیل لذات کو اختیار کیا اور ایک یہ کہ خود تو تقلیل لذات نہیں کیا لیکن حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا مثلاً بچہ مرگیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات الخ مجاہدہ اضطراریہ میں بھی اجر ملتا ہے اس سے زیادہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں اولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صلوات من ربھم ورحمہ

(۹۶۱) فرمایا کہ جو بندہ حق تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ گیا ہے اور اس کے حکیم ہونیکا یقین کامل ہوگیا ہے اس نے سب کاموں کو خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ اسی حال کا مبالغہ ہے کہ بعضے بزرگوں نے دعا بھی چھوڑ دی۔ لیکن سنت یہ ہے کہ حال تو وہی ہو اور پھر دعا کرے۔ ہے بڑا مشکل دونوں کو جمع کرنا لیکن کمال یہی ہے۔

(۹۶۲) فرمایا کہ مغلوبیت کے ساتھ عشق واقعی سلف میں تھا ہی نہیں۔ سلف کی حالت استعداد اور رنگ طبیعت کا جو تھا اس کے اعتبار سے نہ ہونا ہی مصلحت تھا اور اس زمانہ میں جو رنگ ہے اس کے اعتبار سے ہونا مصلحت ہے اگر نہ ہوتا تو اصلاح ہونا دشوار تھی۔

(۹۶۳) فرمایا کہ ہر امر میں تکوینی مصلحتیں بھی ضرور ہیں لیکن تکوینی مصلحت کے احتمال پر تشریع کو نہ چھوڑا جائیگا جو مصلحت ہونے والی ہوگی آپ ہو رہے گی کیونکہ ہم تشریع کے تو مکلف ہیں اس کے چھوڑنے پر مواخذہ ہے۔ اور تکوینی مصلحتوں کے ہم مکلف نہیں کیونکہ ہمارے اختیار میں نہیں۔

(۹۶۴) فرمایا کہ ابتدا میں بلکہ توسط تک کی حالت میں تلوین رہتی ہے استقلال تو

مدتوں کے بعد ہوتا ہے۔ کمال رسوخ نسبت کے بعد البتہ ثبات ہوتا ہے حالت کا نہ اس حالت کا انتظار رکھنا چاہئے نہ اس تلوین سے دلگیر ہونا چاہئے۔ اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے۔ قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دے۔ پھر چاہے ایک ہی بالشت روز چلے۔ بُعد روز بروز کم ہی ہوتا جائے گا۔ بلکہ رستہ میں رہ جانا بھی پہونچ ہی جانا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طلب علم میں مرجاتا ہے اس کا حشر علماء و شہداء ہی میں ہوتا ہے یعنی وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے تو طلب بمنزلہ وصول ہی کے ہے کیونکہ بندہ کا کام اتنا ہی تھا۔

(۹۶۵) ایک ذاکر صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کوشش میں مبالغہ کرنا غلطی ہے سرسری توجہ کافی ہے۔ ورنہ کاوش کا انجام اچھا نہیں۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور (یعنی کیفیات وغیرہ) اختیار میں نہیں اور جو امور اختیار میں نہ ہوں ان کے پیچھے پڑنے کا انجام اخیر میں تعطل ہوتا ہے کیونکہ اگر بالفرض کامیابی نہ ہوئی تو شیطان راہ مارتا ہے اغوا کرتا ہے کہ اتنا سر مارتے ہیں پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا پھر کیا فائدہ بیکار محنت کرنے سے ؎ سخت می گردد جہاں بر مردمان سخت کوش اور یہ قلب کا خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے اور قبض بسط سے بھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے۔ اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جاویں چنانچہ حق تعالٰی نے رزق ظاہری کی بابت فرمایا ہے کہ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض یعنی اگر اللہ تعالٰی رزق کو فراخ فرما دیتے اپنے بندوں کے لئے تو وہ شرارت کرتے۔ یہی حال رزق باطنی کا ہے کہ اگر احوال و کیفیات دائم رہیں تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جاویں مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ پس قبض میں بھی صدہا مصلحتیں ہیں اور جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقع میں خالی نہیں ہوتا بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر نظر محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے چنانچہ مشک میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک مار کر ہوا بھرتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے تیرتے ہیں اس وقت ہوا ہی کا بھرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس وقت اگر اس میں کوئی سوئی چبھو دے تو اس کے ڈوبنے کا مقدمہ ہے اور یہ جاننا مربی حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید پڑے گا اور کس وقت پانی بھرنا۔ بہرحال خواہ بسط ہو

خواہ قبض مربی کا ہر حال میں شکر کرنا چاہئے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں۔ کام میں لگا رہے اور حالات سے اطلاع دیتا رہے ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔ اس راہ میں حرماں ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

(۹۶۶) مدرسہ کے مکان کے کرایہ کی بابت ایک صاحب نے جن کے پاس حساب کتاب رہتا ہے ایک خانصاحب کے ذمہ کسی ماہ کا کرایہ نکال کر حضرت سے اطلاع کی حالانکہ کرایہ بیباق تھا حضرت نے خانصاحب کو لکھا کہ فلاں صاحب کہتے ہیں کہ کرایہ باقی ہے۔ خانصاحب نے حضرت کی پچھلی تحریریں بھیجکر لکھا کہ کرایہ بے باق ہے اور اگر میری غلطی ہو تو معاف فرمایا جاوے۔ حضرت نے تحویلدار صاحب سے دریافت کیا تو واقعی ان ہی کی غلطی تھی۔ حضرت کو بہت افسوس ہوا کہ خوامخواہ مجھے شرمندگی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تحویلدار صاحب کی ہدایت ہی نقل کی تھی اپنی طرف سے نہیں لکھا تھا احتیاط اسی میں ہے کہ روایت کو اپنی طرف سے نہ لکھے بلکہ روایت ہی کے طور پر لکھے۔ تحویلدار صاحب کو ہدایت فرمائی کہ بلا تحقیق بات نہ کہنا چاہئے پھر اس کے آثار دور تک پہنچتے ہیں۔ خوامخواہ ان کو بھی پریشانی ہوئی اور مجھے بھی شرمندگی ہوئی۔ کہنے والے کو تحقیق کرنا آسان ہے میں کہاں تک یاد رکھ سکتا ہوں۔ گذشتہ بات چاہے ذرا سی ہو اس کا یاد کرنا مجھے نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں تو اس کو اپنے ذہن میں مکمل کر کے اس سے فارغ ہو چکا۔

(۹۶۷) فرمایا کہ حساب کتاب میں بڑے تیقظ کی ضرورت ہے۔ میں اپنے آپ کو بڑا بیدار مغز سمجھتا تھا لیکن پچیس روپیہ ڈنڈ دینا پڑ ہی گیا (مدرسہ کے حساب میں پچیس روپے کے نوٹ کی بابت شبہہ پڑ گیا حضرت نے محض شبہہ کی بنا پر بغرض احتیاط پچیس روپیہ اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کر کے تحویل ایک دوسرے صاحب کے متعلق اور حساب تیسرے صاحب کے متعلق کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایک ہی شخص کے پاس حساب اور تحویل دونوں کا رہنا مناسب نہیں ہوتا یہ خلاف ہے اصول کے)

(۹۶۸) فرمایا کہ عشق صورۃً بھی عذاب ہے عذاب۔ خصوص عشق امارد یہ بڑا سخت مرض ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب کسی کو مردود کرنا منظور ہوتا ہے تو حق تعالٰے اس کو عشق امارد میں مبتلا کرتے ہیں پس یہ عشق صورۃً گویا علامت ہے مردودیت کی۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ امردوں سے اختلاط نہ کرے اور عورتوں سے نرم باتیں نہ کرے۔ حق تعالٰے کا

بھی ارشاد ہے لا تحضعن بالقول اس سے بھی تائید ظاہر ہے۔ پھر فرمایا کہ عشق مجازی ظاہر میں تو ایک نہایت مصیبت اور کلفت کی چیز ہے برخلاف عشق حقیقی کے کہ اس میں سراسر راحت اور اطمینان ہے اور اسمیں جو کچھ ظاہری کلفت معلوم ہوتی ہے اس میں بھی ایک نور ہوتا ہے پریشانی مطلق نہیں ہوتی۔

(۹۶۹) فرمایا کہ آجکل تو شرافت اور ریاست کا وہ خلاصہ رہ گیا ہے جو میرے سب سے چھوٹے ماموں صاحب نے اس شعر میں دکھلایا ہے ؎

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

(۹۷۰) فرمایا کہ ایک پیر صاحب پر ان کے مرید کا سایہ پڑ گیا تو نہایت ہی خفا ہوئے اور جرمانہ کیا (یعنی اس کو خلاف تعظیم و توقیر سمجھا) بس میرا تو اس باب میں یہ مسلک ہے کہ محبت کے متعلق جو آداب ہیں وہ تو ضروری۔ ان کے تو دقائق کی بھی رعایت چاہئے۔ باقی تعظیم و تکریم کے متعلق جو آداب ہیں وہ سب بیکار۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم محبت کے آداب کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ تکریم و تعظیم کا ان کو اہتمام نہ تھا۔

(۹۷۱) فرمایا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ گربۂ زندہ به از شیر مردہ۔ یعنی زندہ شیخ سے جو فیوض و برکات حاصل ہو سکتے ہیں وہ مردہ شیوخ سے نہیں ہو سکتے۔ ایک موٹی بات ہے کہ اس طریق میں سخت ضرورت تعلیم کی ہوتی ہے اور عادۃً تعلیم مردوں سے نہیں ہو سکتی گو وہ برزخ میں احیاء سے بڑھ کر متصف بالحیوۃ ہوں ہاں تقویت نسبت ہو سکتی ہے لیکن نری تقویت نسبت سے کیا ہوتا ہے۔ کوئی ہزار پہلوانی کا زور رکھتا ہو لیکن داؤ نہ جانتا ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔ داؤ جاننے والا ایک بچہ اس کو چت کر دے گا۔ نری تقویت سے کیا ہوتا ہے صنعت بھی تو چاہئے۔ روایت کا سلسلہ آخر عبث تھوڑا ہی ہے۔ مرغی بے مرغ کے بھی انڈے دیتی ہے لیکن خاکی انڈے سے بچے نہیں نکلتے۔ اسی طرح گو وہ خود کچھ ہو بھی جاوے لیکن ایسے شخص سے دوسرے کو نفع نہیں پہونچ سکتا۔ اول تو خود اسی کے منتفع ہونے میں کلام ہے کیونکہ ایسے شخص کو جو مدعی ہے نسبت اویسیۃ کا۔ اگر کوئی عقبہ پیش آوے تو وہ کسی سے پوچھے گا بھی نہیں کیونکہ لوگوں کے نزدیک اس کی نسبت اویسیہ قطع ہو جاوے گی۔ اس کو سبکی ہونیکا خیال ہوگا پھر فرمایا کہ نسبت اویسیہ ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک کافی نہیں ایسے شخص سے غلطیاں واقع ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جزئی کی تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکے اور اگر

ہو بھی تو احتمال ہے کشف کے غلط ہونے کا محض روحانی طور پر فیض ہونے سے نسبت میں تو قوت ہو جاتی ہے لیکن حقیقت طریق معلوم نہیں ہو سکتی۔

(۹۷۲) عرض کیا گیا کہ فروع الایمان میں لکھا ہے کہ ایک شیخ کا ایک ادب یہ ہے کہ مرید اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑنے دے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہو تو اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پاوے ورنہ پرچھائیں پڑنے اور اس میں حرکت ہونے سے اس کی یکسوئی میں فرق آ کر کام میں خلل پڑیگا۔ غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا کدورت نہ ہونے پاوے۔

(۹۷۳) ایک صاحب نے استفسار کیا کہ محبت کے آداب کیا ہیں۔ فرمایا کہ جب محبت ہو گی خود بخود آداب معلوم ہو جائیں گے۔ جیسے لڑکا جب بالغ ہوتا ہے خود بخود اس کو شہوت ہونے لگتی ہے۔ نابالغ بچہ کو کس طرح سمجھایا جاوے کہ جماع اس طرح ہوتا ہے۔ محبت پیدا کر لے پھر خود بخود آداب قلب میں آنے لگیں گے۔ محبت کے آداب کی کوئی فہرست تھوڑا ہی تیار ہو سکتی ہے۔ اور تکلف کے ساتھ محبت بھی نہ کرے اگر کھینچ تان کر اور آداب کی فہرست معلوم کر کے محبت بھی کی تو اس سے کیا ہوتا ہے جتنی محبت ہو بس اتنا ہی ظاہر کرے تکلف اور تصنع نہ کرے یہ تو خواہ مخواہ شیخ کو دھوکا دینا ہے۔

(۹۷۴) فرمایا کہ میں نے کبھی بزرگوں کے پاؤں نہیں دابے نہ کبھی اس کا جوش اٹھا۔ ایسی حالت میں اگر کبھی دابتا تو تصنع سے ہوتا جب جی میں نہیں تھا نہیں کیا کہ کون بناوٹ کرے بزرگوں سے بہت سے لوگ تو اس کو ذریعہ تقرب سمجھتے ہیں البتہ جب جوش ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور صاحب کیا بزرگوں کو معلوم نہیں ہو جاتا جوش چھپا نہیں رہتا۔ آدمی جس کو شیخ بناتا ہے وہ بہر حال اس کو اپنے سے تو زیادہ ہی عقلمند اور صاحب بصیرت سمجھتا ہے پھر اس کے ساتھ تصنع کیوں کرے میں بزرگوں کے معاملہ میں تو کیا بناوٹ کرتا اپنے عیوب بھی ان سے کبھی نہیں چھپائے۔ صاف کہدیا کہ مجھ میں یہ عیوب ہیں اور یہ مرض ہیں۔ خیر وہ مرض تو گئے نہیں لیکن اس سے علاج تو ہر مرض کا معلوم ہو گیا ورنہ لوگ بلی کے گو کی طرح اپنے عیوب کو چھپاتے ہیں۔ گو معصیت کا اظہار نہیں چاہیے لیکن جب اس کی اصلاح اپنے اختیار سے خارج ہو جاوے تب اظہار بھی ضروری ہے۔ گو تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آخر شیخ کو تعلق ہوتا ہے اس کو سن کر افسوس ہوتا ہے ہاں جب مرض بڑھنے لگے تب اظہار ضروری ہے جیسے

کسی کو سوزاک ہو جاوے، تو اگر معمولی تدابیر سے اچھا نہ ہو تو ضرور ہے کہ باپ سے ظاہر کردے۔

(۹۷۵) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ نیند کا اگر بار بار غلبہ ہو تو سو جانا چاہیئے۔ جب نیند بھر جائے تب پھر اٹھ کر ذکر کو پورا کرے۔ کیونکہ نشاط کے ساتھ ہو تو ذوق و شوق ہوتا ہے ورنہ تو عدد ہی کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

(۹۷۶) ایک ذاکر صاحب کچھ قیام کر کے واپس جا رہے تھے عرض کیا کہ پہلے دیکھا ہے کہ حضور کے فراق میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور گریہ طاری رہا کرتا ہے۔ فرمایا کہ اب انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا کیونکہ ذکر سے بفضلہ تعالیٰ مناسبت پیدا ہو گئی ہے سرمایہ تسلی پاس ہے۔

(۹۷۷) ایک مرید نے کہا کہ لوگ حضرت کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا کہ سیکڑوں لوگ خدا کو برا بھلا کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مجتہدین کو بُرا بھلا کہتے ہیں آپ نے اس کا کچھ انسداد کیا۔ اگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے بُرا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔ کچھ بھی نہیں آپ میں مادہ کبر کا ہے۔ آپ کو اس لئے ناگوار ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر کو بُرا بھلا کہنے میں ہماری ذلت و خواری ہے یہ ہے کید نفس کا۔ پھر فرمایا کہ خیر اگر تکبر بھی نہ سہی لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کو اس کی فکر ہی کیوں ہوئی کہ کوئی بُرا نہ کہے بھلا نہ کہے اس میں کیا بگڑ گیا آپ کا۔ اگر مقصود پر نظر ہوتی تو ایسے فضول قصوں کے پیچھے پڑنے کی آپ کو فرصت ہی کب ہوتی ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے　　　بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(۹۷۸) فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت ابراہیم بن ادہم سے ملنے آئے سلام و مصافحہ کے بعد حضرت ابراہیم بن ادہم پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بڑا تعجب کیا کہ یہ تو بڑے بے فکر ہیں۔ فرمایا کہ بھائی تم بڑے بے فکر ہو لوگ تو برسوں میرے ملنے کی تمنا میں رہتے ہیں لیکن ملنا نصیب نہیں ہوتا تم سے میں خود ملنے آیا لیکن تم نے میری طرف توجہ بھی نہ کی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ جسے خدا سے ملنے سے فرصت ہو وہ آپ سے ملنے کی تمنا کرے۔

(۹۷۹) حضرت خواجہ صاحب قلم دوات اور کاغذات رکھ کر چلے گئے۔ پنکھے کی ہوا سے کاغذات اڑتے تھے اور دوات ایسی جگہ رکھی تھی کہ اٹھتے ٹھوکر لگ کر فرش پر گری

قدر روشنائی گر گئی فرمایا کہ اپنی چیز کو اس طرح رکھ کر جانا چاہئے کہ دوسروں کو حفاظت نہ کرنی پڑے

(۹۸۰) فرمایا کہ اصرار کی عادت سخت تکلیف دہ ہے۔ اس لئے مجھے سفر کا تحمل نہیں ہوتا ویسے سفر تفریح کی چیز ہے لیکن چونکہ اس میں اصرار ہوتا ہے نیز انضباط اوقات بھی نہیں ہوتا اس لئے نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ نیز ہجوم سے بھی طبیعت پریشان ہوتی ہے اور اپنی راحت کے لئے پہرہ بٹھانا اول تو بزرگوں کے وضع کے خلاف ہے دوسرے عداوتیں پیدا ہو جاتیں ہیں۔

(۹۸۱) فرمایا کہ مشہور تو یہ ہے کہ تعاملوا کالاجانب وتعاشروا کالاخوان یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے لیکن چونکہ آجکل مشکل ہے کہ اخوان کے ساتھ معاملہ تو ہو مگر ہوا جانب کا سا اس لئے میں نے ترمیم کی ہے یعنی تعاملوا مع الاجانب وتعاشروا مع الاخوان یعنی معاملہ کرو اجنبیوں کے ساتھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ یعنی اخوان کے ساتھ معاملہ بھی نہ کرو اکثر دیکھا ہے کہ اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خرابی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

(۹۸۲) فرمایا کہ عورتیں تھوڑی چیز بھیجتے میں یا تو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہیں یا میری شان کے خلاف سمجھتی۔ محبت میں شان کیسی۔ یہ تو دین نہیں محض دنیا ہے۔ دنیا داروں میں دیکھا ہے کہ دوستوں سے بھی تکلف وتصنع سے ملتے ہیں۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ شان کا بہت خیال رہتا ہے۔

(۹۸۳) فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد ہی نہ ہوتا تھا کہ اپنے اوپر سے طعن کو ہٹا دیں اگر پڑے پڑنے دیتے تھے ؏

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کند با خلق عالم کار نیست

بات یہ ہے کہ وہ اپنی نظر میں سب سے ذلیل ہوتے ہیں یہ بالکل وجدانی امر ہو جاتا ہے کسی مدح کا اپنے کو مستحق نہیں سمجھتے بلکہ بجائے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہیں باوجود اتنے عیوب کے۔ اور بعضے تو اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اپنے عیوب کھولنے لگتے ہیں تاکہ لوگ معتقد نہ رہیں لیکن مقتدا کو ایسا نہ چاہئے۔ اس میں عوام کا ضرر ہے۔

(۹۸۴) ایک دیہاتی شخص اپنے باپ کی شرکت میں رہتا تھا۔ چاشت کی نماز کی اجازت چاہی فرمایا کہ باپ تمہارے گالیاں دیں گے کہ مفت کی روٹیاں کھاتا ہے۔ کیونکہ وہی وقت کام کا ہوتا ہے۔ بات وہ کرے جس میں کوئی برائی نہ آوے۔ لڑائی دنگے سے کیا تو کس کام کا۔ ہدیہ کے متعلق بھی فرمایا کہ جب تک باپ کے شریک ہو ایسی حرکت مت کرو۔ اگر ہدیہ دینا ہے باپ سے الگ ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ ماں باپ کی نافرمانی نہ ہوگی۔ فرمایا نافرمانی اس کو کہتے ہیں جس میں ان کو تکلیف ہو۔ کیا تمہارے الگ ہو جانے میں ان کو تکلیف ہوگی اس نے کہا میں ان کی روٹیاں پکاتا ہوں ضرور تکلیف ہوگی فرمایا کہ روٹیاں پکا دیا کرو لیکن اپنی آمدنی الگ رکھ سکتے ہو۔ کھانا شرکت میں رکھ سکتے ہو یہ نافرمانی نہیں ہے۔

(۹۸۵) فرمایا کہ آجکل متعارف اخلاق یہ ہیں کہ خواہ دل میں کدورت ہو لیکن ظاہر میں خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آوے لیکن مجھے یہ نہیں آتا کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پہ کچھ۔ اگر کچھ ناگواری ہوتی ہے کہ سن کر دل صاف کر لیتا ہوں اچھا ہے صاف کر لینا چاہئے دل کو تاکہ پھر وہی محبت پیدا ہو جاوے۔ اگر کرتا میلا ہو جاوے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ اوپر اُجلا کرتا اوپر سے پہن لیا اندر وہی سڑا ہوا رہی۔ ایک یہ ہے کہ دھوبی کے یہاں بھیجدیا اس نے پیٹ کوٹ کر پھر صاف کر دیا۔ پھر دیکھ لیجئے کون سی صورت اچھی ہے۔ ہم تو اسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔

(۹۸۶) عسر کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر میں ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے۔ اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ ہاں دعا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سکون دیدیں گے۔ جب اللہ تعالےٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں ہوتی اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔

(۹۸۷) فرمایا کہ الصوفی لامذھب لہ کے معنی یہ ہیں کہ چاروں مذہبوں میں سے جس مذہب میں احتیاط دیکھتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف ان کے جو تارک تقلید ہیں وہ تو اس کو کرتے ہیں جس میں رخصت دیکھتے ہیں۔ رعایت خلافیات کی اچھی ہے بشرطیکہ اپنا مذہب کا مکروہ لازم نہ آوے۔ مثلاً حنفی وضو میں فصد کے ذریعہ سے خون بھی نہ نکلوائے کیونکہ وہ حنفیہ کے نزدیک ناقص وضو ہے اور مس امرءۃ سے بھی احتیاط رکھے۔ اسی طرح

مس ذکر سے (جو کہ شافعیہ کے نزدیک ناقض وضو ہے گو حنفیہ کے نزدیک نہیں) اور جن کے پیچھے مختلف مذاہب کے اشخاص نماز پڑھتے ہوں اس کو تو رعایت ضروری ہے۔ یوں بھی افضل یہی ہے کہ اختلاف بھی احتیاط رکھے۔

(۹۸۸) فرمایا کہ دین میں محنت تو کم ہے اور ثمرہ زیادہ۔ برخلاف اس کے دنیا میں محنت تو زیادہ ہے اور ثمرہ کم۔ اس کی میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ کبوتر کے شکار میں بہت کم مشقت ہے اگر ہوائی بندوق بھی لیکر کوئی چلا جاوے تو دو چار کبوتر تو لے ہی آویگا کم از کم شام کے لئے سالن تو ہو ہی گیا۔ برخلاف اس کے اگر سور کا شکار کیا۔ تو کارتوس کے کارتوس خراب کئے اور ملا کیا سور۔ نہ کھانے کا نہ پکانے کا دین میں کسی حال میں نقصان نہیں۔ یہ سب حق تعالیٰ کی برکت ہے۔

(۹۸۹) ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات میں نے یہ دیکھی کہ اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھا کہ اجمیر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت کر رہا ہے۔ واقعی خواجہ صاحب کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امرا کو بہت ہی عقیدت ہے۔ ان حضرات نے اللہ کی اطاعت کی تھی پھر دیکھئے کیا رنگ ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب نے عرض کیا کہ جب فائدہ ہوتا ہوگا تب ہی تو اس قدر عقیدت ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا ظن ہو ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں۔ اس طرح تو بت پرستوں کو بت پرستی میں بھی فائدہ ہوتا ہے یہ کوئی دلیل تھوڑا ہی ہے۔ دلیل ہے شریعت

(۹۹۰) ایک اہلکار نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ رمضان میں قرآن سنانا بڑی برکت کی چیز ہے تجربہ کی بات ہے کہ سال بھر کا بھولا ہوا اس سے پھر یاد ہو جاتا ہے

(۹۹۱) فرمایا کہ بڑی چیز تو یہ ہے کہ آدمی اپنے ہر فعل کو شریعت پر منطبق کرے کہ کون فعل میرا شریعت کے موافق ہے اور کون خلاف۔ اور حضرت کسی کے ساتھ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں۔ ہاں بدگمانی اور بدزبانی بلا ضرورت کسی کے ساتھ جائز نہیں اگر بدگمانی نہ کی تو کیا نقصان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس کا منشا کئی چیزیں ہیں اور ان سب کا منشا کبر ہے۔ اگر سب سے کمتر اپنے آپ کو سمجھے گا تو جس وقت بدگمانی ہونے لگے گی فوراً عیب اپنا پیش نظر ہو جائے گا اور سوچے گا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ نالائق ہیں پھر کبھی اس کی نوبت

نہ آئے گی۔ لہذا کبر کا علاج کسی کامل شخص کے پاس رہ کر کرانا ضروری ہے۔

(۹۹۲) فرمایا کہ مجاہدہ کا ثمرہ اونچا رہتا ہے اور ناز و نعم کا ثمرہ نیچا رہتا ہے اس کی توضیح میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ درویش تھے یعنی عالم پورے نہ تھے گو بے علم بھی نہ تھے۔ وعظ میں سیدھی سیدھی باتیں فرما رہے تھے۔ اور لوگ تڑپ رہے تھے۔ اس مجلس میں ایک علامہ بھی حاضر تھے ان کے دل میں خیال گذرا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ہم اتنے بڑے عالم لیکن ہمارے وعظ میں اثر نہیں اور یہ کم علم مضامین بھی عالی اور دقیق نہیں لیکن ان کے وعظ میں لوگوں کی یہ حالت ہے۔ ان بزرگ کو ان کا یہ خیال مکشوف ہو گیا۔ فرمایا کہ ایک گلاس میں تیل پانی اور بتی تھی۔ ایسی صورت میں تیل اوپر رہتا ہے اور پانی نیچے۔ کیونکہ پانی وزنی زیادہ ہوتا ہے۔ پانی نے تیل سے شکایت کی اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں نیچے رہتا ہوں اور تو اوپر حالانکہ میں پانی ہوں اور پانی کی یہ صفت ہے کہ وہ صاف شفاف۔ خود طاہر مطہر۔ روشن خوبصورت خوب سیرت ہے۔ غرض ساری صفتیں موجود ہیں اور تو (یعنی تیل) خود بھی میلا اور جس پر گرے اسے بھی میلا کر دے۔ کوئی چیز تجھ سے دھوئی نہیں جا سکتی۔ چاہئے یہ تھا کہ تو نیچے ہوتا اور میں اوپر۔ مگر معاملہ برعکس ہے کہ میں نیچے ہوں اور تو اوپر۔ تیل نے جواب دیا کہ ہاں یہ سب کچھ ہے لیکن تم نے کوئی مجاہدہ نہیں کیا۔ ہمیشہ ناز و نعم ہی میں رہے بچپن سے اب تک۔ بچپن میں فرشتے آسمان سے اتار کر بڑے اکرام سے تم کو لائے۔ پھر جس نے دیکھا عزت کے ساتھ برتنوں میں لیا۔ بڑی رغبت سے نوش کیا تمہاری دھوپ سے حفاظت کی جاتی ہے میل کچیل گرد و غبار سے بچایا جاتا ہے گو اپنے مطلب کو سہی۔ غرض ہمیشہ عزت ہی عزت اور ناز ہی ناز دیکھا اور ہم نے جب سے ہماری ابتدا ہوئی ہے ہمیشہ مصیبتیں ہی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ سب سے اول تخم تھا سرسوں یا تل کا۔ سب سے پہلے تو مصیبت کا یہ سامنا ہوا کہ سیکڑوں من مٹی ہمارے اوپر ڈالی گئی۔ سینہ پر پتھر رکھا۔ پھر جگر شق ہوا۔ یہ دوسری مصیبت پڑی تیسری مصیبت یہ پڑی کہ زمین کو توڑ کر باہر نکلے۔ چوتھی یہ کہ جب باہر نکلے تو آفتاب کی تمازت نے جگر بھون دیا۔ پانچویں مصیبت یہ جھیلنی پڑی کہ جب کچھ بڑے ہو گئے تو درانتی سے کاٹا گیا چھٹی مصیبت یہ کہ زیر و زبر کیا گیا اور بیلوں کے کھروں میں رُوندا گیا۔ آخر میں ساتویں مصیبت تو غضب کی تھی کہ کولھو میں ڈال کر جو کچلا ہے تو جگر پاش پاش کر دیا۔ اس طرح ہماری ہستی ہوئی۔ عمر بھر مجاہدوں میں گذری۔ سو مجاہدہ کا ثمرہ یہ اونچا

رہتا ہے اور نازونعم کا ثمرہ یہ نیچا رہتا ہے۔

(۹۹۳) فرمایا کہ بیعت کے بعد جو نفع ہوتا ہے وہی بعد بیعت کے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ نفع کا دارومدار بیعت پر نہیں۔ عرض کیا گیا کہ پھر بیعت بدعت ہے اگر بدعت ہے تو اس کو قطعاً ترک کردینا چاہیئے۔ فرمایا کہ بیعت بدعت نہیں بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ بلکہ بیعت ایک سنت مستحبہ غیر ضروریہ ہے۔

(۹۹۴) فرمایا کہ خدا کا نام بتلانے کے لئے بجز اسلام کے اور کوئی شرط نہیں۔ کوئی ہندو مجھ سے پوچھے اللہ کا نام تو میں ہرگز نہ بتلاؤں جب تک کہ مسلمان نہ ہوجاوے باقی چاہے جبری ہو۔ چاہے قدری ہو۔ چاہے فلاں خانی ہو۔ چاہے سماع سنتا ہو۔ چاہے غیر مقلد ہو۔ چاہے رافضی بھی ہو۔ کوئی ہو لیکن ہو مسلمان۔ ہم سے ذکر و شغل پوچھو اور کرو ہم بتلادیں گے چاہے نفع نہ ہو لیکن ہم اپنی طرف سے بتلانے کو تیار رہیں۔ ہمارے یہاں اہل سنت والجماعت ہونے کی شرط نہیں لیکن ہم اطلاع کردیں گے کہ بدون تصحیح عقاید کے کچھ نفع نہیں ہونیکا۔ اس لئے اللہ کا نام سب کو بتلادیتا ہوں کہ اس کی برکت سے نفع ہوجاتا ہے یعنی عقاید درست ہوجاتے ہیں۔

(۹۹۵) فرمایا کہ ایک ظریف کا قول ہے کہ مولویوں اور کسبیوں کے ملازم سست ہوتے ہیں کیونکہ جہاں ان کے منہ سے کچھ نکلا بہت سے لوگ کام کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں اس لئے ان کے ملازم بیکار ہوجاتے ہیں ۔۔۔

(۹۹۶) فرمایا کہ زنا کی سزا بہت سخت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل عنداللہ نہایت سخت ہے۔ سارے بدن سے مزے لوٹے تھے اس لئے سارے بدن پر پتھر مار مار کر جان نکالی جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زنا کی شہادت بھی بہت سخت ہے۔ غالباً آج تک زنا کا ثبوت شہادت سے کبھی نہیں ہوا۔ جب ہوا اقرار سے ہوا۔ زنا کے اقرار میں بھی یہ قانون ہے کہ جب چاہے اپنے اقرار سے رجوع کرلے۔ پھر اس پہ حد قائم نہیں کیجاسکتی مگر قتل کے اقرار میں یہ بات نہیں پھر استفسار پر فرمایا کہ زنا کا اقرار کرنا اور جھوٹ بولدینا اقرار کرنے سے افضل ہے لیکن جن صحابہ نے اقرار کیا ان پر حال طاری ہوگیا تھا انہوں نے اپنے وجود سے عالم کو پاک کرنا چاہا اس قدر ندامت دامنگیر ہوئی۔ واقعی اپنے اختیار سے اپنے اوپر ایسی سخت سزا جاری کرالینا نہایت عجیب ہے۔ جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ماعزؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر اس کی توبہ تمام اہل مدینہ پر تقسیم کردی جاوے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ اس قدر خالص توبہ تھی۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ زنا حق العبد نہیں ہے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے بلکہ حق اللہ ہے کیونکہ موٹی بات ہے کہ اگر حق العبد ہوتا تو شوہر کی اجازت سے اس کی بیوی دوسرے کو مباح ہوتی جیسا کہ مال مباح ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی سزائیں زنا کی دی ہے اسمیں آپ (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جاکر زوج سے معاف کراؤ لیکن بعضا جہل بھی انفع ہوتا ہے زنا کو حق العبد سمجھنا ہی مصلحت ہے کیونکہ لوگ یہ سنکر کہ حق اللہ ہے سہل سمجھنے لگتے ہیں۔ حق العبد کو زیادہ سخت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بڑا جہل ہے کیونکہ صاحب حق جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا حق ضائع کرنا سخت ہوگا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ محبت کی وجہ سے حق اللہ کو لوگ سہل سمجھتے ہیں فرمایا کہ محبت نہیں ہے جرارت ہے۔ ما غرك بربك الكريم جس کی وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ نہیں ہے اگر مشاہدہ ہو تو پتہ پھٹ جاوے۔

(۹۹۷) فرمایا کہ میں نے عوارف میں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ کو بڑھاپے میں تغیر ہوا کہیں چیخ اٹھتے کہیں رونے لگے۔ لوگوں نے اس تغیر کا سبب پوچھا تو یوں کہا کہ اب ہم ضعیف ہوگئے اس لئے ضبط نہیں ہوتا۔ خود اہل فن نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے تغیرات ضعف سے ناشی ہوتے ہیں۔

(۹۹۸) فرمایا کہ میری تو خوب اطمینان کی تحقیق ہے کہ عفت جیسی جوانی میں ہوتی ہے بڑھاپے میں نہیں ہوتی۔ عفیف جوان بہ نسبت عفیف بڈھوں کے زیادہ عفیف ہوتے ہیں کیونکہ ان میں قوت ضبط کی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی مقتضا ہے کہ عورتوں کو بوڑھے آدمی سے زیادہ بچانا چاہئے۔ اور اب لوگوں کا معاملہ برعکس ہے بوڑھوں سے بالکل احتیاط نہیں کرائی جاتی۔ حضرت میں نے کئی بوڑھوں سے پوچھا سبنے اقرار کیا شہوت تو ہوتی ہے بوڑھوں میں بھی یعنی میلان قلب لیکن چونکہ وہ کسی کام کے نہیں رہتے اس لئے بزرگ رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ عورتوں کو اسی طرح بزرگوں سے بھی نہیں بچاتے حالانکہ بزرگوں میں زیادہ قوت ہوتی ہے کیونکہ وہ سب باتوں سے رکے رہتے ہیں۔ فاسق فاجر میں تو کچھ نہیں رہتا۔ کیونکہ کچھ فسق وفجور میں نکل جاتا ہے۔ کچھ آنکھوں

کی راہ سے نکل جاتا ہے کچھ خیالات کی راہ سے نکل جاتا ہے اور جو تقی ہوتے ہیں ان کا سب ذخیرہ کوٹھری ہی میں رہتا ہے۔ سب راہیں نکلنے کی بند رہتی ہیں اس لئے بزرگوں سے تو ضرور بچانا چاہئے۔ اب یہ ہوتا ہے کہ میری لڑکی پر ہاتھ پھیر دیجئے۔ میری بیوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے۔ واہیات حرکت ہے۔ بہت ہی احتیاط چاہئے۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کا ادراک بہت صحیح ہو جاتا ہے آواز سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ صورت سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ لب و لہجہ سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ چال ڈھال سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ ان کے استدلالات غضب کے ہیں چنانچہ بخاری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ان شھوۃ المتقی اشد ابن القیم نے اس قول کی وجہ لکھی ہے کہ ان حضرات میں نور ذکر کا پھیلا ہوا رہتا ہے اور نور کا اول خاصہ نشاط ہے اور اس امر کا نشاط پر دارو مدار ہے جب نشاط ہوگا تب ہی میلان ہوگا۔ اس واسطے بزرگ لوگ ہر وقت نشاط میں رہتے ہیں اور اسی واسطے میلان بھی انہیں زیادہ ہوتا ہے۔ عوام میں تو مشہور ہے کہ مولویوں کو بہت مستی ہوتی ہے۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے گو الفاظ غیر مہذب ہیں۔

(۹۹۹) فرمایا کہ مصافحہ کے بعد جو ہاتھ چومنے کی رسم ہے اس کو موقوف کر دینا چاہئے کیونکہ اصل سنت تو مصافحہ ہے۔ ہاتھ چومنا گو جائز سہی لیکن سنت تو نہیں۔ ہاں اس کا مبنیٰ شوق ہے اس لئے اگر شوق ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ وجدانی بات ہے کہ کسی وقت شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا۔ جب نہ ہوا تو اس وقت محض تصنع ہے اور تصنع اکابر طریقت کے نزدیک بھی برا ہے۔ نیز ایک باریک بات بھی ہے کہ بعض طبائع پر توحید کا غلبہ ہوتا ہے انہیں یہ فعل نہایت گراں معلوم ہوتا ہے۔ میرا بھی مذاق ہے کہ میں جو بزرگوں کے ہاتھ چومتا ہوں تو سچ یہ ہے کہ کسی وقت تو شوق ہوتا ہے اور زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ کہیں دیکھنے والے کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ان کو اپنے بزرگوں کے ساتھ اعتقاد نہیں ہے۔ بحمداللہ اعتقاد تو اپنے بزرگوں کے ساتھ مجھکو ہے باقی سچ یہ ہے کہ جوش نہیں ہے۔ یعنی اعتقاد تو ہوتا ہے لیکن جوش کے درجہ میں نہیں ہوتا۔

(۱۰۰۰) فرمایا کہ گنکھجورا چاہے مر کر گل سڑ بھی جاوے اور ریزہ ریزہ ہو جاوے لیکن کنواں ناپاک نہیں ہوتا گو پانی پینا جائز نہیں جب تک اتنا پانی نہ نکالا جاوے کہ

غالب گمان ہوجاوے کہ اب اس کے ریزے نکل گئے ہوں گے۔

(۱۰۰۱) فرمایا کہ آجکل لوگ منکوحہ عورتوں میں حسن وجمال کو دیکھتے ہیں حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آجکل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین وجمیل نہ ہو حسن وجمال کی کمی قدرتی وقایہ ہے۔ عرض کرنے پر فرمایا کہ حسن وجمال خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن اسمیں احتمال فتنہ غالب ہے۔

(۱۰۰۲) فرمایا کہ علماء کی طرف ہدیہ آنا علامت ہے مہدی الیہ کے مردود نہ ہونے کی بڑی بات تو یہ ہے۔ ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے انھوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں۔ ہدیہ آنا اس کی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔

(۱۰۰۳) فرمایا کہ چاہے کیسے ہی معتمد شخص سے روپیہ ملیں گننے کو ضرور جی چاہتا ہے روپیہ تو روپیہ پیسے بھی اگر کوئی دے تو انھیں بھی بغیر گنے رکھنے کو جی گوارا نہیں کرتا۔ پھر فرمایا کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ان سے گننے میں غلطی ہوگئی ہو پھر فرمایا کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ گننے میں یہ نیت کر لیا کریں کہ کہیں دوسرے کا میرے پاس زیادہ نہ آگیا ہو۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ نیت کیا اختیاری ہے ہنسکر فرمایا کہ آپ نے بھی غضب کیا نیت اختیاری نہیں تو کیا غیر اختیاری ہے عرض کیا گیا کہ جب گننے میں نیت تو یہ ہے کہ کہیں کم نہ ہوں پھر یہ نیت کیسے کرے کہ کہیں زیادہ نہ آگئے ہوں۔ فرمایا کہ نیت تو فعل اختیاری ہے۔ اگر نماز کو جی نہ چاہتا ہو تو کیا نیت باندھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ نیت بھی کر سکتا ہے۔

(۱۰۰۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جائے بزرگان بجائے بزرگان۔ اس پر جناب خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور حضرت حاجی صاحب کے حجرے میں کبھی نہیں بیٹھے فرمایا کہ مجھ پر توحید کا غلبہ ہے اس لئے ایسے امور کی طرف مجھے التفات نہیں۔ مجھے عقیدت تو بے حد ہے بزرگوں کے ساتھ لیکن جوش کے درجہ میں نہیں عرض کیا گیا حضور کو عقیدت عقلی ہے طبعی نہیں فرمایا کہ جی نہیں عقیدت طبعی ہے۔ کیونکہ مجھ میں مادہ الفت کا بہت ہے عرض کیا گیا کہ عقیدت طبعی میں تو جوش لازم ہے فرمایا کہ تاثر تو ہے جوش نہیں ہے۔ اسی طرح بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ مجھکو شغف

نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے۔ اصل چیز تو بزرگوں کا اتباع ہے گو برکت کا میں لے خود مشاہدہ بھی کیا ہے لیکن اہتمام جس کو کہتے ہیں وہ قلب میں نہیں۔

(۱۰۰۵) فرمایا کہ جو عالم اپنے علم پر عمل نکرے اور محب دنیا ہو وہ جاہل سے کوئی ہو

(۱۰۰۶) فرمایا کہ سب میں یہ مرض ادھوری بات کہنے کا ہے الاماشاءاللہ یہ بہت ہی تکلیف دہ حرکت ہے۔

(۱۰۰۷) فرمایا کہ اکثر رئیسوں کو حق تعالیٰ حوصلہ عطا فرما دیتے ہیں۔ ع خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے: جناب خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اسی طرح بزرگان کاملین دولت باطنی دینے میں سخی ہوتے ہوں گے۔ مگر ان کو اس میں کیا اختیار ہے وہ تو حق تعالےٰ کے قبضہ میں ہے۔ فرمایا کہ ان کے اختیار کی ضرورت نہیں۔ ان کے قلوب میں یہ برکت ہوئی ہے کہ جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالےٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے۔ تجربہ یہی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد حنبل اور ایک اور شخص نہر میں وضو کر رہے تھے۔ امام صاحب نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف۔ اس شخص نے خیال کیا کہ امام صاحب مقبول بندے ہیں۔ میرا مستعمل پانی ان کے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے۔ اس لئے وہ اٹھ کر دوسری طرف ان کے نیچے جا بیٹھا بعد انتقال کے اس کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں۔ کہا کہ میرے پاس کوئی عمل نہ تھا۔ اسپر مغفرت ہوئی کہ تونے ہمارے مقبول بندہ احمد بن حنبل کا ادب کیا تھا ہمیں یہ پسند آیا۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ اے عائیشہ کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھنا ہر نیک عمل میں خاصیت مغفرت کی ہے۔ اسی طرح ہر گناہ میں خاصیت عذاب کی ہے چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا۔

(۱۰۰۸) فرمایا کہ ظاہری اعمال پر بزرگوں کی زیادہ نظر نہیں ہوتی کیونکہ انکی اصلاح تو ایک منٹ میں ہوسکتی ہے۔ یہ تو محض ارادہ کا بدلنا ہے بے نمازی ایک منٹ میں نمازی ہوسکتا ہے۔ بے ڈاڑھی والا ایک منٹ میں ڈاڑھی چھوڑ سکتا ہے۔ شرابی ایک منٹ میں شراب سے تائب ہوسکتا ہے۔ فاسق فاجر ایک منٹ میں متقی ہوسکتا ہے لیکن بڑی چیز جس پر بزرگوں کی نظر ہوتی ہے اخلاق باطنہ ہیں۔ مثلاً تکبر وغیرہ۔ ان کی اصلاح نہایت دشوار ہوتی ہے۔

(۱۰۰۹) فرمایا کتابوں سے بھی ثابت ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ نفس کو جب تک ذلت نہ دیجاوے یہ سیدھا نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذلت نہیں ہوتی بازار میں کھڑے ہو کر خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر جوتیاں بھی ماریں تب بھی ذلت نہ ہو ذلت تو جناب دوسرے ہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔

(۱۰۱۰) فرمایا کہ سب صاحب سن لیں کہ چشتیہ میں جو جہر ہے وہ محض اسی مصلحت سے ہے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تاکہ خطرات نہ آویں۔ یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا بقاعدہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ بہت چلا چلا کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا اور عبث فعل پسندیدہ نہیں۔ فقہا نے بھی ذکر جہر کے جواز کی بھی شرط لکھی ہے کہ نائمین مصلین کو تشویش نہ ہو میرے وجدان میں تو متوسط جہر سے نمازی کو تشویش نہیں ہوتی۔ زیادہ بلند آواز سے البتہ ہوتی ہے بلکہ مجھے تو اگر خفیف جہر کے ساتھ پسلی آواز سے کوئی ذکر کر رہا ہو تو نیند آجاتی ہے عرض کیا گیا کہ خفیف جہر سے قلب پر بھی زیادہ اثر پہنچتا ہے۔ فرمایا جی ہاں زیادہ پکارنے سے سب زور باہر نکل جاتا ہے اس لئے قلب پر بھی اثر نہیں پڑتا۔

(۱۰۱۱) کشف قبور کے متعلق فرمایا کہ اس میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں کیونکہ جب ناسوت کے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں تو ملکوت کے کشف میں تو بہت غلطیاں ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کو بہ نسبت ناسوت کے ملکوت سے بہت کم مناسبت ہے مثلاً کسی مرد کو معذب دیکھنے سے بدگمانی ہوتی ہے اور منعم دیکھنے سے بفکری پیدا ہوتی ہے غرض کشف قبور ہر طرح مضر ہے۔ علاوہ اس کے ان امور میں خیال کی بھی بہت آمیزش ہوتی ہے تلبیس ابلیس کا بھی ایسی احتمال رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا بھی واقعہ ہوتا ہے کہ کافر کی جانکنی کے وقت شیطان اس کے خیال میں تصرف کر کے جنت کا خیالی نقشہ اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور نہ اس پر ہراس ہوتا ہے نہ خوف نہایت ہشاش بشاش انتقال کرتا ہے۔ یہ محض اوروں کی تلبیس کے لئے ایسا کرتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جنت کے حصول کے لئے اسلام شرط نہیں ہے جو مسلمان نہ ہو وہ بھی جنت میں جا سکتا ہے کس قدر زبردست تلبیس ہے خدا بچاوے۔

(۱۰۱۲) فرمایا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف شانیں تھیں بعض شان مشابہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شان کے اور بعضی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثلاً حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے اندر ایک آزادی کی شان - ناز کی شان - جوش و خروش حمیت غیرت یہ مضمون بہت ہے - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر زہد اور ترک دنیا کا غلبہ تعلقات کی کمی وغیرہ یہ مضمون بہت ہے - اسی مشابہت کی بنا پر ان شانوں کا نام اصطلاح میں قدم موسیٰ (یعنی نسبت موسویہ) اور قدم عیسیٰ (یعنی نسبت عیسویہ) ہوگیا - تو قدم موسیٰ ایک خاص نسبت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے جو مشابہت رکھتی ہے نسبت موسیٰ سے - چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جامع الکمالات ہیں پس اس سے مستفید ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ کمال موسوی ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ در اصل کمال محمدی (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(۱۰۱۳) فرمایا کہ حب جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آوے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ اوہ ہم میں مرض حب جاہ کا ہے چنانچہ ایک حکایت بیان فرمائی کہ ملا محمود فاروقی جونپوری مصنف شمس بازغہ بڑے شخص تھے مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی ان کو لوگوں کی نظر میں بیقدر کرنا چاہتے تھے - چنانچہ شاہجہاں کا زمانہ تھا - شاہی خاندان میں سے کسی شخص کا انتقال ہوا - ملا محمود صاحب سے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا گیا - مولوی عبدالحکیم صاحب نے ان سے چپکے سے کہا کہ مجمع زیادہ ہے قرأت پکار کر پڑھنا کہ سب لوگ سن لیں ملا محمود نہایت ذہین شخص اور معقول آدمی تھے لیکن دینیات نہ جانتے تھے دھوکہ میں آگئے - نماز جنازہ میں قرأت شروع کردی - سب لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص عالم نہیں محض جاہل ہے - پھر ان کی وقعت لوگوں کی نظروں میں بالکل نہ رہی -

(۱۰۱۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک بزرگ ایسے تھے کہ وہ جس بزرگ سے مصافحہ کرتے تھے ان کی ولایت سلب کر لیتے تھے اخیر میں انہیں ایک ایسے بزرگ ملے جنھوں نے ان بزرگ کی ولایت بھی اور جتنے بزرگوں کی ولایت سلب کر چکے تھے وہ سب ولایتیں بھی ایک دم سے سلب کرلیں - اس پر حضرت نے پھر اس کی تحقیق بیان فرمائی کہ دو حالتیں ہیں ایک تو حالت نسبت مع اللہ کی ہے یا جو متعلق ہو نسبت مع اللہ کے مثلاً طاعت وعبادت جو سبب ہے قرب الی اللہ کا وہ تو موہوب ہے یعنی حق تعالیٰ کی عطا ہے جو موجب ہے قرب کی یا مرتب ہے ہر قرب پر - اس پر تو کسی کا اختیار نہیں - اور ایک ہوتی ہیں کیفیات نفسانیہ ان میں طبیعت کی خصوصیت کو اور اسباب طبیعہ طبعیہ کو بھی دخل ہے

مثلاً کیفیت شوقیہ۔ کہ یہ کیفیت مسبب ہے محض اسباب طبیہ سے مثلاً مزاج میں قوت ہونا۔ صحت کا اچھا ہونا۔ ہر طرح کا اطمینان ہونا یعنی معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہو اور اعداء کی طرف سے بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ ان سب اسباب کا خاصہ ہے کہ ایک قسم کی کیفیت شوقیہ نشاطیہ پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہ کیفیات نشاطیہ قوت خیالیہ کے ذریعہ سے مغلوب ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک قسم کی غباوت اور افسردگی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے بعض طبیعتیں ایسی کمزور و کم ہمت ہوتی ہیں کہ اس افسردگی کی وجہ سے براہ کسل عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس طرح ان کو ضرر دین کا بھی ہونے لگتا ہے بواسطہ اس کی کم ہمتی کے اس کو عوام سمجھتے ہیں کہ ولایت سلب کرلی۔ جیسے کسی کے کوئی لٹھ مارے اور وہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز چھوڑ دے تو اس کو کوئی کہے کہ لٹھ مار کر ولایت سلب کرلی۔

(۱۰۱۵) ایک صاحب نے پوچھا کہ شیخ جو القائے نسبت کرتا ہے اس کے کیا معنیٰ فرمایا کہ اس کی توجہ اور شفقت میں یہ برکت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نسبت القا فرما دیتے ہیں جیسے استاد اگر توجہ اور شفقت کے ساتھ پڑھاوے تو شاگرد کے قلب میں اللہ تعالیٰ مضامین القا فرما دیتے ہیں پس القا استاد یا شیخ کا فعل نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس قسم کے اجارہ کو فقہا نے ناجائز کہا ہے کہ مثلاً میرے لڑکے کو حساب کا ماہر کردو ہاں یہ جائز ہے کہ تم بتلا دو ماہر کر دینا کسی کے اختیار میں نہیں اور بتلا دینا اختیار میں ہے۔ پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ مشائخ بیعت کے وقت القائے نسبت کرتے ہیں اس کا یہی مطلب ہے فرمایا کہ بیعت کے وقت اجمالاً القائے نسبت ہو جاتا ہے یعنی مناسبت مجملہ حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اہل اللہ کے ساتھ تعلق ہو گیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو گیا۔ بیعت سے گویا ایک خصوصیت ہو گئی اللہ کے ساتھ۔

(۱۰۱۶) ایک صاحب نے شکایت تحریر فرمائی کہ مجھے ہر روز احتلام ہو جاتا ہے اس کی کوئی تدبیر ارشاد فرمائی جاوے۔ حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں سے منقول ہے کہ سورۂ نوح پڑھ کر سونا نافع ہے۔

(۱۰۱۷) ایک پختہ عمر کے دیہاتی طالب علم نے محض دعا کرانے کے لئے سفر کیا انھوں نے شکایت کی کہ میں کلام مجید بھول بھول جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یا علیم (۱۵۰ بار) بعد نماز فجر پڑھ کر قلب پر دم کر لیا کرلو۔ پھر فرمایا کہ اس کے لئے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ فقط لکھدیتے

یں دعا کر دیتا بس اتنی ہی بات کے لئے اتنا وقت بھی صرف ہوا اور اتنا خرچ بھی پڑا۔ خط سے بھی دعا ہو سکتی تھی۔ پھر فرمایا تم کوئی سورت سنا سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بہت دن ہو گئے یاد کرتے لیکن کوئی سورت میں نہیں سنا سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کس نے حفظ شروع کرایا اگر حافظہ اچھا نہ ہو تو حفظ نہیں کرنا چاہئے اگر اتنے دن میں ایک سورت بھی یاد نہیں کر سکے تو تم معذور ہو چھوڑ دو حفظ کرنا۔ کتابیں پڑھو اردو کی مسئلہ مسائل کی کیا ساری عمر یونہی ختم کر دو گے فرض نہیں ہے حفظ کرنا، ہاں اگر کر لیا ہو تو محفوظ رکھنا فرض ہے اور اگر حفظ نہ ہوا ہو تو حفظ کرنا فرض نہیں جب یاد ہی نہیں ہوتا چھوڑ دو دیکھ کر پڑھ لیا کرو۔ پھر شاید دیکھتے دیکھتے یاد بھی ہو جاوے۔ مسائل کی کتابیں پڑھنا شروع کر دو آخر وہ بھی تو فرض ہیں پھر کیا انہیں بڑھاپے میں پڑھو گے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ مصیبت میں پڑو۔

(۱۰۱۸) فرمایا زیادہ مقرب بننے سے لوگوں کو حسد پیدا ہونے لگتا ہے۔ میرے یہاں کوئی مقرب نہیں یہ میں نہیں کہتا کہ مجھے کسی سے خصوصیت نہیں جس سے ہے ہے لیکن دل میں ہے۔ معاملات میں سب کے ساتھ میں یکساں ہوں۔ کوئی ناز نہ کرے کسی بات کا۔ کوئی مقرب نہ بنے۔ ہر شخص کو براہ راست چاہئے رکھنا معاملہ مجھ سے۔ میرے یہاں سفیروں کے واسطہ کا قصہ نہیں۔ اس میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۱۰۱۹) ایک صاحب نے اس حدیث پر کچھ اشکال کیا۔ لن یشاد الدین احد الا غلبہ حضرت نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امر میں فضیلت اور عزیمت پر عمل کرنا ممکن نہیں جب کوئی اس کی کوشش کرے گا ہمیشہ مغلوب رہیگا۔ خلاصہ یہ کہ زیادہ کاوش اور مبالغہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ گویا پریشانی سے بچایا ہے کیونکہ لوگ احاطہ کی کوشش کرتے اور احاطہ ممکن نہ تھا تو یہ پریشانی ہوتی کہ ہم فضیلت سے رہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ رہ گئے بلا سے رہ گئے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ فضیلت ہی نہیں ہے یعنی جو ممکن الحصول تھا اس میں فضیلت کہاں۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ قرآن و حدیث تو تصوف کے بعد پڑھے تب لطف ہے بلکہ بوستاں بھی بعد تصوف پڑھے۔

(۱۰۲۰) ایک نو وارد صاحب کو حضرت نے چھ تسبیح لا الہ الا اللہ کی بعد تہجد تعلیم فرمائیں اور یہ بھی فرما دیا کہ اگر پچھلی رات اٹھنا دشوار ہو تو بعد عشا قبل وتر تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینا کافی ہے۔ تعداد رکعتوں کی زیادہ تر آٹھ ہونی چاہئے۔ باقی کبھی شوق ہو تو بارہ تک اور کبھی کسل ہو تو چار رکعت تک۔

(۱۰۲۱) ذہن کی درستگی کے لئے فرمایا کہ بعد ہر نماز کے یا علیم اکیس بار پڑھ لیا کریں۔

(۱۰۲۲) فرمایا کہ حق العباد جبکہ صاحب حق کے ورثہ سے معاف کرالے معاف ہو جاوے گا۔ اور اگر بامید کسی چیز کے ملنے کے صاحب حق نے معاف کیا تھا اور یہ امید اس مدیون نے دلائی تھی اور وہ چیز پھر اس کو نہ دے تو معاف نہ ہوگا۔

(۱۰۲۳) ایک بار فرمایا کہ آنکھوں کو نیچے رکھو اور اس گناہ کے کفارہ کے لئے پچاس نفلیں روزانہ پڑھا کرو اور مجھکو برابر حالات سے اطلاع دیتے رہا کرو۔

(۱۰۲۴) ایف اے کے امتحان کی کامیابی کے لئے ایک صاحب نے کوئی وظیفہ یا تعویذ مانگا تھا تحریر فرمایا کہ روزانہ یا علیم (۱۵۰) بار بعد نماز فجر پڑھ لیا کرو۔ اور امتحان کے روز اس کی کثرت رکھو۔

(۱۰۲۵) بواسیر کی شکایت پر تحریر فرمایا کہ بعد نماز فجر (۱۴) بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے پیا کیجئے۔

(۱۰۲۶) تقدیر کے بارے میں بس مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ توفیق نیکیوں کی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور جس طرح توفیق دی ہے اسی طرح بندہ کو اختیار بھی دیا ہے۔ اور ایسا ہی اختیار انسان کو بدی کرنے کا بھی ہے۔ پتھر کی طرح مجبور نہیں ہے۔

(۱۰۲۷) فرمایا کہ اصلی حالت عقاید اختیاریہ کی صحت اور اعمال ضروریہ کی پابندی اور معاصی سے اجتناب اور دنیا سے محبت نہ ہونا ہے جس کو یہ میسر ہے وہ عند اللہ مقبول ہے

(۱۰۲۸) ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات علی التواتر حسب دلخواہ پورے طور پر وقت پر ادا نہیں ہوتے سخت پریشانی اور ندامت ہوتی ہے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ پریشانی اور ندامت بھی نفع میں معمولات سے کم نہیں۔

(۱۰۲۹) فرمایا کہ قساوت یہ ہے کہ گناہ سے نفرت نہ ہو اور طاعت سے رغبت نہ ہو۔

(۱۰۳۰) فرمایا کہ حفظ صحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل سے مقدم ہے مثلاً صبح کو ہوا خوری کے لئے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق کی نماز کے لئے تا طلوع آفتاب بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔

(۱۰۳۱) ایک صاحب نے بالکل پھیکی سیاہی سے خط لکھا مشکل سے پڑھا جاتا تھا پتہ بھی ایسا ہی لکھا تھا۔ حضرت نے واپس بھیجدیا کہ پڑھا نہیں جاتا۔ پتہ کے حصہ کو خط میں

سے پھاڑ کر لفافہ پر چسپاں کر دیا۔ گو نہایت غور سے اگر پڑھا جاتا تو پڑھا جا سکتا تھا لیکن فرمایا کہ ہم کیوں زحمت برداشت کریں جس کو دوسرے سے کام لینا ہو اس کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے دوسرے کو سہولت دے۔

(۱۰۳۲) فرمایا کہ طالب حق کو کسی کی ناراضی کی کیا پروا۔ اپنی طرف سے کسی کو دشمن نہ بنانا چاہئے۔ اس پر بھی اگر کوئی ناراض ہو ہوا کرے۔ حق تعالٰے مددگار ہے اس پر نظر رکھنا چاہئے اور اس کو راضی رکھنا چاہئے۔ بلکہ بعض اوقات تو خلق کی ناراضی سبب ہو جاتا ہے بہت آفات سے بچنے کا۔

(۱۰۳۳) ایک صاحب نے لکھا کہ پولیس میں ایک جگہ خالی ہے مل جاوے تو ساری پریشانیاں دفع ہو کر تنگدستی بھی دور ہو جاوے مگر ایک شاہ صاحب جو یہاں ہیں قبل اس جگہ کے خالی ہونے ہی کے جواب دیدیا تھا کہ تمہاری قسمت میں نہیں ہے اس لئے مجبور ہو کر حضور میں بادب دعا کا ملتجی ہوں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ دل و جان سے دعائے کامیابی کرتا ہوں۔ قسمت کی یقینی خبر بجز نبی کے کسی کو نہیں ہو سکتی۔ اور کشف وغیرہ خود مشکوک ہے۔ اس کی بناء پر کسی مسلمان کو دل شکستہ کرنا دیانت سے بہت بعید ہے۔ آپ کوشش کریں اللہ تعالٰے پر نظر رکھیں اور بعد عشا یَا لَطِیفُ گیارہ سو بار پڑھیں پھر اول آخر درود شریف گیارہ بار پڑھ کر دعا کریں جو بہتر ہوگا وہ ہو رہیگا۔

(۱۰۳۴) ایک صاحب نے لکھا کہ گناہ کبیرہ کے بعد دل پر گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ کئی کئی روز تک گھبراتی ہے۔ اور خوب گڑگڑا کے استغفار کرنے سے دل پر شرمندگی چھا جاتی ہے اس کے لئے کیا کروں۔ فرمایا یہ شرمندگی و خوف فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے اور یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔ مگر کمال توبہ کا یہ ہے کہ زبان سے بھی تضرع کے ساتھ ہو۔ پس اس رکاوٹ کا مقابلہ تکلف و ہمت سے کیا جاوے اور خواہ کتنی ہی تکلیف ہو مگر رکاوٹ پر عمل نہ کیا جاوے

(۱۰۳۵) ایک صاحب نے جن کو نشست و برخاست کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مواخذہ کر کے واپس کر دیا گیا تھا ایک خط لکھا جس میں اپنی نہایت اچھی حالت کا اظہار کیا تھا حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے میری خشونت بیکار نہیں ہوتی۔ ان کو بہت نفع ہوا خشونت علاج ہوتی ہے بہت سے امراض کی۔ کھوٹی چاندی کو جب تک آنچ نہ دی جاوے اس کا میل زائل نہیں ہوتا اگر وہ چاندی کہے کہ ہائے میں جلی۔ مجھے سرد پانی میں ڈالدو اور وہ پانی میں ڈال بھی دی گئی تو

کیا ہوگا وہی ٹھوس کی ٹھوس رہے گی حضرت نے جواب میں لکھا کہ "حالات پڑھ کر مسرت بے اندازہ ہوئی شکر الٰہی بجالایا۔ اور دعائے ترقی کی۔ مناسب ہے کہ گاہ گاہ خط و کتابت رکھئے اور کچھ نہیں ایک دعا ہی مل جاتی ہے۔

(۱۰۳۶) ایک شخص نے کہا کہ یہاں کارخانہ میں صاحب لوگوں کی چوری سے ہم لوگ نماز ادا کرتے ہیں تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تحریر فرمایا کہ ہو جاتی ہے۔ نماز کا وقت شرعاً اجازت سے مستثنیٰ ہے۔ مگر لمبے چوڑے وظیفے پڑھ کر کام میں حرج نہ کریں اور اگر تم کام ٹھیکہ پر کرتے ہو تو کوئی شبہ ہی نہیں۔

(۱۰۳۷) ایک صاحب جو سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے سفر کرنا چاہتے تھے اور رشوت میں بھی مبتلا تھے انہوں نے ذکر و شغل کا شوق ظاہر کیا تھا۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب رشوت بالکل چھوٹ جاوے اس وقت طریقہ ذکر و شغل کا پوچھئے۔ اور آپ کے خط میں سے ٹکٹ نہیں ملا۔ اگر آپ نے بھیجا تھا اور میری غفلت سے کھلنے میں ضائع ہوا تب تو میرے ذمہ تھا میں نے چسپاں کر دیا اور اگر آپ نے نہیں بھیجا تو اگر اب کی بار کوئی خط آوے تو ٹکٹ بھیج دیجئے مگر خاص ٹکٹ بھیجنے کے لئے خط نہ بھیجئے۔

(۱۰۳۸) ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب نے لکھا کہ ایک مدرس کی کمی ہے (جو مستعفی ہو گئے تھے) ہراس ہو رہا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ ہراس ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ کے خیالات صحیح نہیں ہوئے اگر کسی خاص درجہ کے کام کا قصد کر رکھا ہے تو اس کی اصلاح کرنی چاہئے اور وہ اصلاح یہ ہے کہ یہ قصد کر لیا جاوے کہ جتنا سامان ہوگا اتنا کام کریں گے جتنا سامان نہ ہوگا نہ کریں گے۔ اور اگر کسی خاص درجہ کے کام کا قصد نہیں ہے تو پھر ہراس کیا

(۱۰۳۹) فرمایا کہ مصائب کا معاصی سے مسبب ہونا یہ تمام مصائب کے لئے نہیں بلکہ حقیقی مصائب کے لئے ہے۔ کیونکہ ایک صوری مصیبت ہوتی ہے جیسا کہ کسی معشوق کا کسی عاشق کو زور سے آغوش میں دبا لینا جس سے اس کی ہڈی پسلی بھی ٹوٹنے لگے۔ یہ صورتاً مصیبت ہے جس کا اثر محض جسم پر اور روح حیوانی پر ہی ہوتا ہے۔ روح انسانی اس سے محفوظ اور لذت گیر ہوتی ہے اور ایک حقیقی مصیبت ہوتی ہے جیسے ایک دشمن سے دوسرے دشمن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ پس قرآن مجید کی آیت وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم میں حقیقی مصیبت مراد ہے اس لئے لامحالہ اس کے مخاطب بھی وہی ہوں گے جو اس حقیقی

مصیبت میں مبتلا ہیں۔ باقی اہل اللہ مثل انبیاء و اولیائے کاملین اس کے مخاطب نہیں کہ ان کی مصیبت محض صوری ہے حقیقی نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دل سے پریشان نہیں ہوتے گو جسم متالم ہو۔ اور ثمرہ اس کا رفع درجات ہوتا ہے اور یہی حال بچوں کی تکلیف کا ہے۔

(۱۰۴۰) فرمایا کہ اس طریق کی مناسبت تو شیخ کے پاس رہنے سے اور افادات کے سننے سے حاصل ہوتی ہے خصوص کام کرتے رہنے اور اطلاع دیتے رہنے سے۔

(۱۰۴۱) ایک اہلکار نے خط لکھا کہ بہت سے وظیفے پڑھے لیکن ترقی تنخواہ باوجود اچھے کام ہونے کے نہیں ملتی ہمیشہ محروم رہتا ہوں۔ اس یاس و اضطراب میں جناب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آخر میں کیا کروں۔ تحریر فرمایا کہ جس قدر تدبیر امکان میں ہو اس میں تدبیر مع دعا، اور جو اختیار میں نہ ہو اس میں صرف دعا اور اس کے بعد بھی ناکامی ہو تو صبر اور یہ سمجھنا کہ اسی میں بہتری ہوگی۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔

(۱۰۴۲) ایک صاحب نے لکھا کہ میری دلی تمنا تھی کہ زمانہ تعطیل میں دربار بندگان والا میں حاضر ہوں اس حاضری سے محض یہ غرض ہے کہ صحبت با برکت سے توفیق الٰہی زیادہ ہو راسخ الاعتقادی اور دل میں خدا کی محبت بڑھے۔ تحریر فرمایا چونکہ یہ امور خود غایات و ثمرات ہیں جو نہ میرے اختیار میں ہیں نہ آپ کے۔ اس لئے اس بنا، پر تو آنا محتمل ندم ہے البتہ اگر صرف یہ غرض ہو کہ میری باتیں سنئے گا اور جو مجھ سے پوچھا جائے گا میری معلوم اور رائے کے موافق جواب سنئے گا تو آنے کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ امر اطلاع کے قابل ہے کہ یہ ضرور نہ ہوگا کہ میں ان ایام میں بالالتزام وطن میں مقیم رہوں۔ اتنی مدت تک آزادی کو روکنا دشوار ہے۔ اگر میرا دل کہیں جانے کو چاہے گا تو بلا تکلف چلا جاؤں گا۔ ان سب امور کو دیکھ لیجئے اور مصارف خود برداشت فرمانا ہوں گے۔ اگر آیئے تو یہ خط آتے ہی دکھلا دیجئے۔

(۱۰۴۳) ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت والا سے نیز دوسرے اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہوئے ایک مدت ہوگئی مگر اپنی حالت اس مشہور شعر کے بالکل مطابق ہے ؎

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود   باز آید ہنوز خر باشد

اور یہ بھی لکھا کہ زیادہ پریشانی اس کی ہے کہ اگر احسان کا حصول ممکن نہیں تو کاش اس کی تحصیل کا خیال ہی دل سے نکل جاتا۔ بس اولاً تو یہ فرما دیں کہ آیا ہم میں صلاحیت حصول مقصود ہے یا نہیں۔ اور دوم یہ کہ ہمارے مدرسہ میں عنقریب تین ماہ کی تعطیل ہونیوالی ہے

اگر آپ کے نزدیک آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مقصود کے لئے نافع ہو تو قدمبوسی کیلئے تیار رہوں اور اگر خدانخواستہ آپ کی خدمت میں کامیابی کی توقع نہ ہو تو آپ بوجہ اللہ اسکی تعیین فرمادیں کہ کس کے پاس جاؤں۔ جواباً تحریر فرمایا کہ قبل طلب وقبل سعی وقبل عمل وقبل حضور خدمات حضرات اہل اللہ جو آپ کی حالت تھی کیا بالکل اب بھی وہی حالت ہے۔ کچھ بھی تفاوت نہیں ہوا یا کچھ تفاوت ہے۔ غالباً اگر آپ تامل وتذکر وموازنہ حالتیں کے بعد جواب دیں گے تو یہ ہرگز یہ نہ کہیں گے کہ تفاوت نہیں۔ ضرور تفاوت کے قائل ہوں گے گو اس کے ساتھ یہ بھی کہدیں کہ تفاوت تو ہے مگر اس کو اعتداد واستقرار نہیں کبھی حضور ہے کبھی غیبت کبھی قوت ہے کبھی ضعف کبھی کچھ کیفیت ہوتی ہے کبھی نہیں۔ تو یہ تسلیم کیا جاوے گا۔ مگر اس کی وجہ کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کو محرومی وناکامی کہا جاوے۔ کیا اگر مریض کا مرض روزانہ شیئاً فشیئاً کم ہوتا جاوے اور صحت شیئاً فشیئاً بڑھتی جاوے تو کیا علاج کو غیر مفید کہیں گے بلکہ قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر یہ تفاوت مریض کو بھی محسوس نہ ہو صرف طبیب ہی کو اپنے قواعد طبیہ سے معلوم ہوتا ہو اور وہ اس کا حکم کرے تب بھی مریض کو واجب ہوگا کہ تسلیم کرے اور حق تعالیٰ کا اولاً اور اطبا ثانیاً شکرگذار ہو ورنہ سخط حق اور کدورت اطبا کا قوی اندیشہ ہے۔ جو احیاناً مفضی ہوجاتا سلب نعمت کی طرف تحسبونہ هینا وهو عند الله عظیم۔ وہ مریض سخت غلطی کررہا ہے کہ خود اپنے مرض کے متعلق ممتنع البرء ہونے کی تشخیص کررہا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اس کی یہ غلطی ہوگی کہ اسکو خداتعالیٰ نے عزم وسامان معالجہ کا دیا ہو اور وہ اس کی ناقدری کرکے یہ تمنا کرے کہ کاش عزم ہی دل سے نکل جاتا کہ بفکری سے دوسرے فضول یا مضر کاموں میں یکسوئی سے مشغولی ہوتی۔ مولانا اگر طلب اور حق تعالیٰ کے ساتھ زیادت تعلق محبوب ہے تو کیا دوسرا کام بھی اس پر ترجیح رکھتا ہے یا لائین کے کہنے سے صدمہ ہوسکتا ہے۔ اس سے تو شبہہ ہوتا ہے کہ حق کی طلب ہی نہیں بلکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مطلوب مطلقاً تو مطلوب نہیں ہاں اگر وہ وعدہ وصال کرے تو کوشش کریں۔ ورنہ گولی ماریں سبحان اللہ کیسی اچھی طلب ہے۔ مولانا ایک قحبہ عورت بھی اپنے طالب سے اس کو گوارا نہیں کرسکتی۔ چہ جائیکہ حضرت حق جل شانہٗ آب اس پر بطور تفریع کے کہتا ہوں کہ اگر بقول آپ کے آپ کی محرومی کو تسلیم کرلیا جاوے تو اس کی وجہ اب سمجھ لیجیے کہ آپ کی یہ شان طلب ہے اگر یہ ہے تو اللہ کی

امان - اصلاح کیجئے اور عنایتیں دیکھئے۔

آخر خط میں جو یہاں تشریف لانے کی متعلق معلق مشورہ طلب کیا ہے سو حضرت اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ بلکہ آپ خود کر سکتے ہیں کیونکہ شرط نفع مناسبت اور کمال حسن ظن محبت لایشرک فیہ احد ہے سو اس کا اندازہ ظاہر ہے کہ میں نہیں کر سکتا پھر جو امر مبنی ہے اس پر یعنی تعین مطلب اس کا فیصلہ میں کیسے کر سکتا ہوں۔

(۱۰۴۴) ایک صاحب نے عاجزی و لجاجت سے معافی چاہی اس پر تحریر فرمایا کہ کہ میں مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ خود ہزاروں تقصیرات میں ملوث ہوں نہ کہ دوسرا میرا قصوروار رہا اور میں معاف کروں۔ اگر بفرض محال آپ کے خیال میں کوئی بات ایسی ہو تو میں نے معاف کیا۔ مگر مولانا موقع پر معاملہ کی بات تو کہی جاتی ہے خواہ خوشامد سے یا غصہ سے

(۱۰۴۵) فرمایا کہ اہل فن کے نزدیک وصول نفع کے لئے جو یہ شرط ہے کہ شیخ سے سارے تعلقات سے زیادہ قوی تعلق ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استفادہ کے وقت اس کو ظناً انفع سمجھے اور اس ظن کا درجہ اتنا ہونا چاہئے کہ دوسری طرف نگرانی سے اس کو مانع ہو۔ پھر جب ایک معتدبہ زمانہ تک نفع نہ ہو اول اسی شیخ سے اس کی وجہ تحقیق کرے اگر تسلی نہ ہو تو پھر دوسرے سے استفادہ کرے اسی ظن مذکور کے ساتھ باقی مغلوب المحبت ہونا ضرور نہیں۔

(۱۰۴۶) ایک مرید نے لکھا کہ آدمیوں سے الگ تھلگ رہنے کو جی چاہتا ہے تو بات بات پر غصہ آجاتا ہے مگر ضبط کر لیتا ہوں۔ یہ کبر کا شائبہ تو نہیں تحریر فرمایا کہ یہ کبر نہیں ہے۔ توحش عن الخلق ہے جو سبب ہے اُنس مع الحق سے۔ اور کبھی سبب بھی ہو جاتا انس مع الحق کا بیفکر رہیں۔ ہاں برتاؤ میں اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

(۱۰۴۷) ایک مرید نے لکھا کہ بعض وقت (یہ خیال آکر کہ لوگ ریاکار کہیں گے یا اچھا کہیں گے تو نفس خوش ہوگا) نفل وغیرہ پڑھنے سے باز رہتا ہوں۔ کیا یہ ناکارہ ہر طرح سے محروم ہی رہے گا۔ تحریر فرمایا کہ ریا کا خیال تو شیطانی خیال ہے۔ باوجود اس خیال کے بھی کام کرنا چاہئے۔ اور مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ محروم رہوگے یا کیا۔ مجکو اپنا ہی حال معلوم نہیں۔ پھر یہ کہ اپنی کوتاہی جب سبب محرومی کا ہو تو دوسرا کیا علاج کرے معلم کا کام اتنا ہے کہ طالب کام کرے اور اطلاع حالات کی دیکر جو کچھ پوچھنا ہو اس سے پوچھے بدون اس کے کوئی کھیر تو ہے نہیں کہ چٹا دی جاوے گی۔

(۱۰۴۸) ایک صاحب نے لکھا کہ میرے یہاں ایک دیندار نوکر ہے۔ مجھے اس سے بہت اُنس ہے۔ لوگ اس کو ورغلاتے ہیں کہ مزدوری میں زیادہ نفع ہے۔ تعویذ مرحمت فرمایا جاوے کہ وہ میرا مطیع رہے اور مجھ سے علیحدہ نہ ہو۔ تحریر فرمایا کہ افسوس اپنی غرض کے لئے آپ ایک مسلمان کی مصالح اور آزادی میں خلل ڈالتے ہیں۔ اپنی اس خود غرضی کا تعویذ ڈھونڈیئے۔

(۱۰۴۹) فرمایا کہ عقل کا فتویٰ مقدم ہوتا ہے شوق کے فتویٰ پر۔ اس لئے مقدم ہی پر عمل کرنا مناسب ہے۔

(۱۰۵۰) فرمایا کہ رضا اصل مطلوب ہے۔ اگر ذوق شوق نہ ہو نہ سہی۔

(۱۰۵۱) ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ تبدل اوقات جو بضرورت ہوا ہے کہ بوجہ چھوٹی رات ہونے کے آنکھ نہیں کھلتی تھی ذرا بھی مضر نہیں۔ باقی تغیر احوال اس طریق میں امر لازمی ہے اس کی طرف التفات نہ فرماویں۔ دوام و استقامت اس طریق میں اصل ہے جس کا آپ نے عزم فرما رکھا ہے۔ حق تعالےٰ مدد و برکت فرماویں بعد نماز فجر اور بعد مغرب سب برابر ہے۔ اگر ایک جگہ بیٹھنا کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو چلتے پھرتے بھی کافی ہے۔ البتہ اگر ایک وقت میں تو بیٹھنا ممکن ہوا اور دوسرے میں نہ ہو تو اس وقت کو ترجیح ہے جس میں بیٹھنا ممکن ہے

(۱۰۵۲) ایک صاحب نے عرصہ سے خط نہ لکھنے کی وجہ سے شرمندگی ظاہر کی تھی فرمایا کہ شرمندگی کا تدارک یہی ہے کہ حالت سے اطلاع دینا شروع کر دیں۔

(۱۰۵۳) فرمایا کہ شیخ کے قلب کو ہرگز مکدر نہ کرے اگر اس کو چھوڑنا ہی ہو تو بلا اطلاع کے چھوڑ دے۔ ورنہ دنیاوی زندگی اس کی تلخ ہو جاوے گی۔ تا دم نزع اس کو چین نصیب نہ ہوگا جس کو یقین نہ ہو وہ آزما کر دیکھ لے۔ اور ایک طرح دین کا بھی نقصان ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ذوق شوق جاتا رہتا ہے۔ اگر ہمت کرے اور طبیعت پر جبر کرے تو دینی اعمال میں کچھ فرق نہیں آتا لیکن وہ جو ایک قسم کی توفیق و تائید تھی وہ جاتی رہتی ہے۔ اگر ہمت سے کام لے تو ثواب بھی قادر ہو سکتا ہے اور اگر ہمت نہ کی تو دینی اعمال کی بھی توفیق نہ رہے گی۔ اس اعتبار سے شیخ کے تکدر کرنے میں دینی نقصان بواسطہ بھی ہو سکتا ہے گو بلا واسطہ دینی نقصان نہیں ہوتا

(۱۰۵۴) ایک صاحب نے لکھا کہ مناجات مقبول کی روزانہ ایک منزل پڑھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ تحریر فرمایا کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۱۰۵۵) ایک صاحب نے لکھا کہ ایک لڑکے سے محبت ہو گئی ہے ہر دم دل یہی چاہتا ہے

کہ اُسے دیکھا کروں اور حالت ناگفتہ بہ ہے تحریر فرمایا کہ اول علاج اس مرض کا یہ ہے کہ محبوب سے ظاہری جدائی فوراً اختیار کرلی جاوے۔ تتمہ علاج اس اطلاع کے بعد لکھوں گا۔

(۱۰۵۶) فرمایا کہ طالبان حق تعالیٰ کے لئے عملیات کی طرف رجوع کرنا مناسب نہیں البتہ دعا کرنا سب حاجات مشروعہ کے لئے مسنون اور نافع ہے۔

(۱۰۵۷) ایک صاحب نے لکھا کہ ذکر کے وقت و نیز نماز میں نہ حضور قلب ہوتا ہے نہ جمعیت خاطر۔ تحریر فرمایا کہ حضور کے دو درجے ہیں اختیاری اور غیر اختیاری اگر اول مراد ہے تو اس کے انتفاء کو آپ باختیار رفع کرسکتے ہیں اور اگر ثانی مراد ہے تو اس کا وجود خود ہی مطلوب نہیں ہوتا گو محمود ہے۔ مگر مقصود نہیں پھر مفقود ہونے کا کیا غم۔

(۱۰۵۸) فرمایا کہ بس شکستگی ہی تو میری نظر میں ایک دل پسند ادا ہے۔

(۱۰۵۹) ایک صاحب نے لکھا کہ اس غلام کے عیوب سے مطلع فرمایا جاوے تحریر فرمایا کہ کوئی بات معلوم ہوگی کہدوں گا۔ باقی ایسے شخص کو خود حق تعالیٰ اس کے عیوب پر مطلع فرمادیتے ہیں

(۱۰۶۰) ایک صاحب نے پانچ روپیہ کا منی آرڈر حضرت والا کی خدمت میں بھیجا حضرت نے واپس کردیا اور یہ بھی لکھا کہ چاندی کے پایہ کے پلنگ پر سونے کی ممانعت ہے اور نقرہ طلائی بٹن لگانا جائز لکھا ہے اس کا کیا سبب ہے تحریر فرمایا کہ جبتک جان پہچان اور نیز باہم مناسبت اچھی طرح نہ ہو کسی چیز کو لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اور یہ بات حاصل ہوتی ہے کثرت ملاقات یا کثرت خط وکتابت سے اور یہ دونوں امر آپ کے اختیار میں ہیں نہ کہ میرے چونکہ یہ بات ابتک حاصل نہیں ہوئی اور محض نام لکھنے سے مجکو کہاں تک یاد آسکتا ہے اس لئے واپس کردیا۔ واقعی نام دیکھ کر مجھکو تعلق بھی یاد نہیں آیا۔ یہ نتیجہ ہے کم خط وکتابت رکھنے کا۔ اور ایک دلیل مناسبت نہ ہونے کی خود آپ کے خط میں ہے کہ مسائل کا سبب پوچھتے ہیں جس کا آپ کو منصب نہیں۔ بدون اس قدر تعارف و تناسب کے وہ رقم دوبارہ نہ بھیجئے اور وہ رقم جب تک میں وصول نہ کروں میری ملک نہیں ہے شرعاً۔ آپ بے فکر اس کو اپنے مصرف میں لاویں۔

(۱۰۶۱) ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں کچھ اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے۔ تحریر فرمایا کہ مجھ کو جوابوں سے کچھ عذر ہے جس کا معلوم کرانا ضروری نہیں۔ آپ کو اگر محض اعتراض کرنا ہے تو اس کا جواب ضروری بھی نہیں اور اگر تحقیق مقصود ہے تو ایک شخص پر محصور نہیں۔

اگر ایک شخص عذر کرے دوسرے سے تحقیق فرمالیجیے۔

(۱۰۶۲) ایک صاحب نے غلبیت اور میلان الی الامرد میں ابتلا کے متعلق لکھا تو تحریر فرمایا کہ مراقبہ عقوبت نار روزانہ پندرہ منٹ تک کیا جاوے اور صدور کے تقاضا کے وقت ہمت سے بھی کام لیا جاوے۔

(۱۰۶۳) ایک صاحب نے بہت سے اچھے اچھے حالات لکھ کر یہ لکھا کہ سب امور کے ساتھ اس کا بڑا خوف ہے کہ کہیں خدانخواستہ ان باتوں میں کمی واقع نہ ہوجاوے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ یہ خوف بھی مقتضائے ایمان ہے۔ مگر اس کے ساتھ استحصار توکل بھی ضروری ہے مع العزم یعنی یہ نیت رکھے کہ اللہ کی مدد سے ہم اس پر مستقیم رہیں گے اور کمی ہوجاوے گی تو پھر عزم تازہ کرلیں گے اور کمی سے استغفار کریں گے۔

(۱۰۶۴) ایک شخص نے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند یا باپ کے ساتھ بلا شرکت دوسرے مرد کے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں فرمایا کہ ہاں لیکن بالکل ٹھیک پیچھے کھڑی ہو۔ برابر کھڑی نہ ہو

(۱۰۶۵) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حدیث میں تو ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اگر کوئی شخص مجبوراً اپنی جان و مال کی حفاظت کی غرض سے کتا پالے تو آیا اس کا گھر رحمت کے فرشتوں کے نزول سے محروم رہے گا۔ فرمایا کہ اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ فرشتہ رحمت کا تو پھر بھی گھر میں نہ آوے گا لیکن اس مجبوری کی صورت میں گناہ سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم۔

(۱۰۶۶) فرمایا کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں لیکن اس طرح نہیں کہ ان کا تعدیہ ضروری اور لازم ہو کہ تخلف ہی نہ ہو۔ بلکہ مثل دیگر اسباب مظنونہ کے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو تعدیہ ہوا اور منظور نہ ہوا تو نہ ہوا۔

(۱۰۶۷) ایک شیعی نے استفادہ کی درخواست کی اس پر فرمایا کہ اختلاف مذہب کی حالت میں مناسبت نہیں ہوسکتی اور بدون مناسبت دینی نفع نہیں ہوسکتا۔

(۱۰۶۸) فرمایا کہ عقل دنیوی کی قلت نقص نہیں چنانچہ حدیث میں ہے قلیل التوفیق خیر من کثیر العقل والعقل فی امر الدنیا مضرۃ والعقل فی امر الدین مسرۃ یعنی تھوڑی توفیق زیادہ عقل سے بہتر ہے کیونکہ اگر عقل ہوا اور توفیق نہ ہو تو اس عقل سے بھی نفع نہیں ہوسکتا مثلاً خیر و شر کی عقل ہے لیکن بدون توفیق کے نہ خیر کو حاصل

کرسکتا ہے نہ شر سے بچ سکتا ہے بخلاف اس کے کہ توفیق بھی ہو گو عقل کامل نہ ہو مگر ضروری درجہ اس کا نافع ہوتا ہے کہ اس خیر کو حاصل کرے گا اور شر سے بچیگا (صرف) امر دنیوی میں عقل موجب مضرت ہے (کیونکہ اس سے انہماک کی تحصیل الدنیا پیدا ہوگا جیسا کفار یا اشباہ کفار کی حالت دیکھی جاتی ہے) اور امر دین میں عقل موجب مسرت ہے (کیونکہ اس سے دین حاصل کرے گا جو اصل مسرت ہے) ف ۔ یہ اس مضمون کی اصل ہے جو صوفیہ میں مشہور ہے جذبۃ من جذبات الحق خیر من عمل الثقلین ۔ اس جذبہ کا حاصل وہی توفیق ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا دنیا کے نشیب و فراز و تدبیرات دقیقہ سے واقف نہ ہونا علامت نقص عقل نہیں بلکہ کمال عقل مقصود ہے ۔

(۱۰۶۹) فرمایا کہ تعلق بالتکوین ایک خاص منصب ہے جس کو عطا ہوتا ہے اس کا علم ضروری غیر استدلالی دیا جاتا ہے نہ اس میں تدریج ہے نہ تدبیر و تفکر ہے ۔ صاحب تکوین کی شان تو حضرت خضر علیہ السلام یا ملائکہ سی ہوتی ہے کہ وہ بلا تلعثم یہ کہہ سکتا ہے وما فعلتہ عن امری اور صاحب تکوین صاحب تفویض ہوتا ہے ۔ اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ تائید اور تفویض متغائر ہیں تائید فجور کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے چنانچہ ارشاد ہے ان اللہ قد یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر ۔ مگر تفویض فجور کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی ۔

(۱۰۷۰) فرمایا کہ ایسے شخص کو جس کے ذمہ بہت سی قضا نمازیں ہوں یہ مشورہ دینا کہ بجائے نفل تہجد کے قضا نمازیں پڑھ لیا کرو بالکل مناسب ہے مگر مصلحت یہ ہے کہ دو چار رکعت تہجد کا بھی مشورہ دیا جاوے ۔ ورنہ نفس یہ مشورہ دے گا کہ قضا تو دن میں بھی ممکن ہے ۔ نیند خراب کرنے سے کیا فائدہ تو اٹھنے کی عادت کبھی بھی نہ ہوگی ۔

(۱۰۷۱) فرمایا کہ ذاکر کو ضروری سامان طہارت وغیرہ کا سوتے وقت مہیا رکھنا ضروری ہے تاکہ عین وقت پر تنگی نہ ہو اور ناغہ معمولات کا نہ ہو ۔

(۱۰۷۲) فرمایا یوں تو ہر امر میں دو درجے ہیں ایک عمل کا درجہ ہے اور ایک سہولت عمل کا ہر شخص کا خود تو جی یہ ہی چاہتا ہے کہ سہولت کی تدبیر بتلائی جاوے مگر شیخ کی طرف سے انتظار ہوتا ہے کہ اپنی کوشش ختم کرکے دکھلا دو جب عاجز ہو جاؤ گے تب اہل تصرف تو اپنے تصرف سے اور اہل تدبیر اپنی تدبیر سے اس کا ازالہ انشاء اللہ کردیں گے ۔

(۱۰۷۳) فرمایا کہ بعضے لوگ اپنے گھروں میں بے پکارے چلے جاتے ہیں بڑی گندی بات

ہے نہ معلوم گھر کی عورتیں کس حالت میں ہیں یا کوئی محلہ کی غیر محرم عورت گھر میں ہو اذن لیکر جب ملا یا جاوے گھر میں داخل ہونا چاہئے۔

(۱۰۷۴) مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ ہوائے نفسانی حریص ہے یہ تو وقتی مصلحت کو دیکھتی ہے اور وہی مشورہ دیتی ہے جس میں مصلحت وقت ہو برخلاف عقل معاد کے کہ اس کو روزِ جزا کا خیال رہتا ہے اور وہ چشم انجام بیں رکھتی ہے اور اس گل کے لئے خار کی تکلیف برداشت کرتی ہے جو نہ فرسودہ ہوگا نہ خزاں سے گریگا بلکہ ابداً قائم رہے گا۔ خدا کرے کہ اس کی بو کسی نااہل کو نصیب نہ ہو۔ ؎

کیں ہوا پر حرص و حالے بیں بود — عقل را اندیشہ یوم الدین بود
عقل را دو دیدہ در پایان کار — بہر آں گل می کشید آں رنج خار
کہ فرساید نہ ریزد در خزاں — باد ہر خرطوم زشم دور از آں

(۱۰۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا تھا کہ کسی سے اُلجھنا مت اور اگر کوئی اُلجھے تو سب رطب و یابس اس کے سامنے رکھ کر الگ ہو جاؤ۔ واقعی اس قیل و قال اور ردّ و کد میں نفسانیت ضرور آجاتی ہے۔ اور ایک باطل کا رد ہوتا ہے نیک نیتی سے اور حدود کے اندر یہ تو ماموربہ ہے اور ایک ہوتا ہے محض جدال و بدنیتی سے۔ یہ ماموربہ نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ اسی پر مواخذہ ہو۔

(۱۰۷۶) ایک مرید نے لکھا کہ نہ نماز میں جی لگتا ہے نہ ذکر میں۔ نہ کلام مجید پڑھا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہوتا کہ فرصت نہ ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ کام تو جس طرح آن پڑے کرنا ضروری ہے خواہ ناقص ہی ہو۔ تکمیل کا یہی طریقہ ہے۔ اگر بد نویس اس لئے مشق کرنا چھوڑ دے کہ اچھا نہیں لکھا جاتا تو اس کو اچھا لکھنا کبھی نہ آئیگا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عمل ناقص کو بھی چھوڑنا نہ چاہئے جیسے بنیاد کے مضبوط ہونے کا اہتمام تو کرتے ہیں مگر اس کے خوش نما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے اس میں روڑے وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے بڑے محل اور کوٹھیاں تیار ہوتی ہیں۔ اسی طرح عمل ناقص بنیاد ہے عمل کامل کی۔ بنیاد کے کمال اور ناقص پر نظر نہ کی جاوے جو کچھ اور جس طرح ہو سکے کرتا ہے اصول کے موافق ہو چاہے اس میں نقصان ہی ہو جیسے نماز گو ناقص ہو مگر ہو حدود میں تو وہ ہو جاتی ہے بلکہ ایسی عبادت پر اجر زیادہ ہوتا ہے جس میں جی نہ لگے کیونکہ وہ مجاہدہ ہے۔ یہ

طریق بہت ہی نازک ہے محض کتابیں پڑھ لینے سے کام نہیں چلتا فہم کامل اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے اور یہ اس کو عطا ہوتا ہے جس پر حق تعالےٰ اپنا فضل فرمادیں ۔

(۱۰۷۷) قوتِ یقین کے متعلق یہ حکایت بیان فرمائی کہ علاء بن حضرمی ایک صحابی ہیں جس وقت اسلامی لشکر بحرین کو روانہ ہوئے ہیں درمیان میں سمندر حائل تھا کنارے پر پہنچکر سب نے رائے دی کہ کشتیوں کا انتظام کیا جائے انہوں نے فرمایا کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ کہیں ٹھہرنا نہیں میں ٹھہر نہیں سکتا ابھی جاؤں گا اور حق تعالےٰ سے دعا کی کہ اے اللہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں راستہ دیا تھا ہم نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ہم کو بھی سمندر میں راستہ دیدیجئے یہ کہکر سمندر میں گھوڑا ڈالدیا پھر تو سب ساتھ ہوئے اور صاف سمندر سے پار ہوگئے ۔ دیکھنے کی قابل بات ہے کہ اس پر اطمینان کس قدر تھا خطرہ تک اس کے خلاف کا قلب پر نہیں گذرا ۔ کیا ٹھکانا ہے ان کی قوت ایمانیہ کا ۔ کون ان حضرات کی ریس کر سکتا ہے ۔ آجکل باتیں بگھارتے پھرتے ہیں پہلے ان جیسا ایمان تو اپنے اندر پیدا کرلیں ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ہیبت چھاگئی تمام بحرین پر کہ یہ آدمی ہیں یا فرشتے قوت یقین وہ چیز ہے ۔

(۱۰۷۸) فرمایا کہ اہل تجربہ نے اسے بھی منع کیا ہے کہ محض قلب سے ذکر کا خیال رکھا جاوے اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان سے جاری رکھو خواہ قلب بھی حاضر نہ ہو کیونکہ قلب سے ذکر کا خیال رکھنا اس کا دوام مشکل ہے اور دوام ہر یا بھی نہ ہوگا ۔ زبان سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جائیگا اور قلب چونکہ ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اس لئے اس میں ذہول ہونا بعید نہیں پس زبان سے ذکر جاری رکھنا احوط و اسلم ہے ۔

(۱۰۷۹) فرمایا کہ یہ مرض عام ہوگیا ہے چاہتے ہیں کہ سہولت پہلے ہو اس کے بعد کام شروع کریں ۔ شرائع کی خاصیت یہ ہے کہ پہلے کام شروع کریں اس کے بعد سہولت ہوگی لوگوں نے اس کا عکس کر رکھا ہے ۔ بڑی چیز اس طریق میں شیخ سے اعتقاد ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا پھر سہو کا انتظار کیسا ۔

(۱۰۸۰) فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے ۔ اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان اپنے کمالات سب کو فنا کردے اور مصلح کی ہر بات اور ہر تعلیم پر عمل کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ

کرلے۔ اس راہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایسا بن جاوے۔ فرماتے ہیں ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

حتیٰ کہ جوتیاں کھانے تک کو تیار ہو جائے اور جو جوتیاں کھانے کو تیار ہو گیا اس نے گویا جوتیاں کھا ہی لیں اور اس کی اصلاح ہو ہی گئی۔ آمادہ ہونا ہی تو مشکل ہے۔ اس لئے کہ آمادگی وہی معتبر ہے جو خلوص دل سے ہو۔ اور خلوص دل سے وہی آمادہ ہوتا ہے جو اپنی شان نہیں رکھتا اور یہ ہی اصل چیز ہے کام کی کہ اپنے کو مٹا دے فنا کر دے ورنہ محض جوتیاں کھانے سے بھی کیا ہوتا ہے۔

(۱۰۸۱) فرمایا کہ میں اہل طریق کے لئے ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ہر کام سہولت سے ہو جائے حتیٰ کہ بڑے بڑے مقاصد سہولت سے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ موقوف ہے صحبت پر مرید کو شیخ کی خدمت میں ایک مدت خاص تک رہنا ضروری ہے اس مقصود میں خاص خاص سہولت ہو جاتی ہے۔ رہا یہ کہ کس قدر مدت میں کام ہو جاتا ہے اس کی تعیین مشکل ہے۔ یہ مناسبت پر موقوف ہے اگر اہل استعداد ہوتا ہے بہت جلد کام ہو جاتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کل پینتالیس روز رہے۔ اس کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے چلکے جو کچھ دینا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس وقت کا یہ فرمانا حضرت کا کہ ہم دے چلکے جو کچھ دینا تھا سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا کہ پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دیا تھا پھر اس پر مولانا گنگوہی نے مزاحاً فرمایا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے۔ اس پر حضرت مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ مل جاتے پر فرماتے تھے ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہی ہوتے میں لگ گئے۔

(۱۰۸۲) فرمایا کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی چیز ہے بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ میں عدم مناسبت کی بنا پر طالب کو مشورہ دیتا ہوں کہ مجھ سے تم کو نفع نہ پہونچیگا اگر تم چاہو تو کسی دوسرے مصلح کا نام بتلا دوں

(۱۰۸۳) فرمایا کہ اگر پیر کامل بھی پیر ہو اور اس کی طرف میلان نہ ہو تو اس سے نفع نہ ہوگا

(۱۰۸۴) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یاجوج ماجوج کی غذا کیا ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا حضرت

کتابیں بہت دیکھتے تھے۔ اس لئے باتیں زیادہ معلوم تھیں کہ غذا یاجوج ماجوج کے لشکر کی ایک سانپ ہے جو آسمان کی جانب سے روزانہ گرتا ہے وہ اتنا بڑا ہوتا کہ سب کو کافی ہوجاتا ہے

(۱۰۸۵) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ یاجوج ماجوج کی تبلیغ ہوچکی ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رات بھر اس دیوار کو چاٹتے ہیں اور کھودتے ہیں جو ان کے درمیان حائل ہے جب وقت آویگا تو وہ یہ کہیں گے کہ انشاء اللہ کل اس کو ختم کردیں گے انشاء اللہ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کا نام معلوم اور تبلیغ ہوچکی۔ ہے یہ نئی بات معلوم ہوئی پہلے سے معلوم نہ تھی۔

(۱۰۸۶) فرمایا کہ شیشہ میں جو صورت نظر آتی ہے اس کو دوسری تصاویر پر قیاس نہیں کرسکتے اس لئے کہ اس کی تو صورت یہ ہے کہ یہ آپ کی نگاہ کی شعاع جو اس پر پڑتی ہے تو وہ شعاع واپس ہوکر چہرہ پر پڑتی ہے تو یہ چہرہ نظر آتا ہے۔ اس میں کچھ بھی نہیں۔ مرئی یہ خود ہی ہوتا ہے۔ بس وہاں تصویر ہی کہاں ہوتی ہے جو قیاس کو دخل دیا جاوے۔

(۱۰۸۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وعظ سننے کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا کہ اب ہمت نہیں رہی مسلسل بولنے سے طبیعت گھبراتی ہے اور نہ اب ربط عبارت پر قدرت ہے اور بلا ربط مضمون کا لطف ہی کیا ہوگا۔ اس ہی وجہ سے چند روز تک وعظ کی یہ صورت اختیار کی تھی کہ کتاب دیکھ کر بیان کردیا کروں مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب دماغ اس کا بھی متحمل نہیں۔ اس لئے اب تو جو کچھ مجلس میں بیٹھ کر بولتا رہتا ہوں یہی بہت کچھ ہے۔ فرمایا کہ کتاب دیکھ کر وعظ کہنے کا معمول مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سنا ہے کہ وہ کتاب سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح وعظ کہنے سے دماغ پر تعب نہیں ہوتا۔

(۱۰۸۸) فرمایا کہ ایک رسالہ میں ایک ایسا جامع مضمون لکھا دیکھا کہ اگر وہ ذہن میں آجائے تو پھر سارے رسالے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ میں دین ہونا چاہئے انبیاء کا سا۔ اور سیاست یعنی دار و گیر۔ محاسبہ۔ معاقبہ سلاطین کا سا۔ تجویز اطباء کی سی کہ وہ ہر شخص کا جدا علاج تجویز کرتا ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ میں انبیاء کا سا دین کیسے ہوسکتا ہے۔ فرمایا یہ مراد نہیں کہ ان کی برابر ہو مطلب اخلاص میں تشبیہ ہے یعنی اعمال میں غوائل دنیا اور خواہشات نفس کی آمیزش نہ ہو جس میں یہ باتیں ہوں وہ شیخ ہوسکتا ہے۔

(۱۰۸۹) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہاں کے قانون میں داخل ہے کہ

کوئی کسی سے زیادہ نہ ملے ۔ نہ کوئی کسی کے حجرہ میں جائے ۔ اپنے میں لگا رہے مگر اس پر بھی جب یہ حضرات دوسری جگہ جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں رشتہ اخوت کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں آج ہی سنا ہے وہ بھی ثقہ راوی سے ۔ حضرت میں تو ایک چیز کا اہتمام کرتا ہوں یعنی اللہ کے تعلق کا اور اس کا کہ اس کے بعد کا ضعیف سے ضعیف سبب بھی مرتفع کر دیا جاوے اور دین کو قلوب میں راسخ کر دیا جاوے اسی کی کوشش کرتا ہوں پھر اللہ تو واحد ہیں جب سب ان کو مانیں گے تو متحد تو خود ہی ہو جاویں گے

(۱۰۹۰) فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا کہ بعض لوگ مجھکو مشورہ دیتے ہیں کہ بانوں کی دکان کر لو کوئی کہتا ہے کہ دواؤں کی دوکان کر لو تو مجھکو کیا کرنا چاہئے ۔ میں نے لکھ دیا کہ میرا تو نہ کھٹ بنا تھا نہ پلساری ۔ مجھے ان چیزوں میں تجربہ نہیں کسی تجربہ کار سے معلوم کر کے عمل کرو میرے دو کام ہیں ایک دعا کرا لو چاہے وہ دنیا ہی کے لئے سہی وہ بھی عبادت ہے ۔ دوسرے اللہ کا نام پوچھ لو پھر فرمایا کہ اتنا تو یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کو تجربہ نہیں مگر پھر ایسی بات پوچھنے کی کیا وجہ یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ والوں سے اس لئے پوچھ کر کرنا چاہئے کہ ان کے دل میں وہی آوے گی جو ہونے والی ہے حالانکہ یہ غلو ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ اس مشورہ کا منشا عقائد کی خرابی ہے ۔ میں اس جہل سے بھی لوگوں کو بچانا چاہتا ہوں کہ دھوکے میں نہ رہیں ۔ اور بعض حضرات جنکا مجھ سے بے تکلفی کا تعلق ہے ان سے معلوم ہوا کہ عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ جو کہتے ہیں وہ ہی ہو جاتا ہے ۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہی عقیدہ ہمارا بھی ہے ۔ کہ وہی ہو جاتا ہے ۔ فرمایا اعتقاد میں بھی درجات ہیں اور بنا جدا جدا ہیں ۔ عوام کے اعتقاد کی تو نوعیت بہت ہی خراب ہے ۔ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خلاف ہو ہی نہیں سکتا بخلاف اہل علم کے ان کا اعتقاد اس درجہ کا نہیں ہو سکتا ۔

(۱۰۹۱) فرمایا کہ کسی کے پاس نرے رہنے سے کیا ہوتا ہے جب تک انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہ ہو ۔

(۱۰۹۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظاہری محاسبہ نہ تھا مگر برکت اتنی زبردست تھی کہ محاسبہ میں وہ کام نہیں بن سکتا جو حضرت کے یہاں بلا محاسبہ ہی بن جاتا تھا یہ محض حضرت کی برکت تھی ۔

(۱۰۹۳) فرمایا کہ میں نے جو لوگوں کے زعم میں ایک نئی بات جاری کی ہے جو اپنے بزرگوں

میں بھی اس درجہ نہ تھی اور وہ محاسبہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بغیر اس کے کام چلنا دشوار تھا اس کی نظیر یہ ہے کہ حد خمر حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے مقرر کی جو نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ اگر حضرت عمرؓ پر کوئی بھی اعتراض کرے جو مجھ پر کیا جاتا ہے کہ وہ کام کرتا ہے جو بزرگوں نے نہیں کیا تو جو جواب اس کا حضرت عمرؓ کی طرف سے ہوگا وہی اس عمر کی یعنی میری طرف سے بھی خیال کر لیا جاوے وہ جواب یہی ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں تعزیر و محاسبہ کی ضرورت نہ تھی اور اب ہے۔

(۱۰۹۴) فرمایا کہ صاحبو اہل اللہ کی مجالست میں نیت یہ ہونا چاہیے کہ وہاں دین کی باتیں سنیں گے۔ وعظ نصیحت کی باتیں کان میں پڑیں گی اور بزرگوں کی نیت بھی دین کی باتیں سنانے کی ہونا چاہیے۔ ہاں مباح باتوں کی بھی اجازت ہے اس کا مزاج پوچھ لیا۔ گھر کی حالت پوچھ لی۔ یا اس کی طبیعت کے موافق اور کوئی بات کر لی خواہ ظاہر میں فضول ہی ہو مگر اس خیال سے کہ اس کا دل کھلیگا۔ انس ہوگا۔ وحشت دور ہوگی۔ تو اس غرض کے بعد وہ فضول نہ رہیگی اور یہ باتیں اس طرح کرے کہ وہ یہ سمجھ جاوے کہ شیخ کو ایسی باتوں سے ہماری رعایت مقصود ہے ان باتوں کے بعد پھر کام کی باتیں شروع کر دے۔ دین کی باتیں سنادے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس نے اپنا فرض منصبی پورا نہ کیا۔

(۱۰۹۵) فرمایا کہ فقہی کتابیں تصوف ہی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے حلال و حرام کی تمیز ہوگی۔ حرام سے بچیں گے تو اس سے نور پیدا ہوگا۔ علم و عمل کی توفیق ہوگی اور اس سے بھی قرب الٰہی نصیب ہوگا یہی تو تصوف ہے۔

(۱۰۹۶) فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال جس طرح ہو لوٹ لو حالانکہ شریعت نے غدر و سرقہ کو کافر کے ساتھ بھی حرام کیا ہے۔ بلکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ کافر کا حق رکھنے سے تو مسلمان کا حق رکھ لینا اچھا ہے کہ نیکی اگر جاوے تو اپنے بھائی مسلمان ہی کے پاس جاوے دشمن کے پاس کیوں جاوے۔

(۱۰۹۷) فرمایا کہ مشہور ہے کہ حاتم سخی تھا حالانکہ سخاوت یہ ہے کہ محل میں خرچ ہو ورنہ سخاوت ہی نہیں (مثلاً اگر دریا میں کوئی شخص لاکھ روپیہ پھینک دے تو کیا وہ سخی ہو سکتا ہے) اور محل معلوم ہوتا ہے شریعت سے جب اس کو محل ہی معلوم نہ تھا اور شریعت کی اس کو خبر ہی نہ تھی تو وہ سخی کیسے ہوا پس اول تو وہ سخی نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا ہوا جب باغی تھا۔ اور

باقی کا کوئی کمال کمال نہیں۔

(۱۰۹۸) فرمایا کہ آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گنہگار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے کہ گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کرے۔ یہ بہت ہی برا ہے گناہ کو گناہ تو سمجھو۔

(۱۰۹۹) فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ ایک دن بیٹھ کر کچھ دیر تک ذکر کرلو مگر دوام ذکر نور بخش بغیر اصلاح کے نہیں ہوتا اور یکسوئی اور ہر وقت کی توجہ جو کہ شرط نورانیت ہے بغیر اصلاح کے نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی طرف توجہ خدا تعالیٰ کی توجہ سے ہوتی ہے یعنی وہب سے جو کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ورنہ توفیق بھی نہیں ہوتی۔ اس کی حقیقت اہل دل خوب سمجھتے ہیں عوارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب ہے۔ اس میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک دن وہ ذکر کرنا چاہتے تھے مگر زبان نہیں اٹھتی تھی۔ ارادہ بھی تھا شعور بھی تھا مگر زبان نہیں چلتی۔ بڑے پریشان ہوئے۔ گریہ وزاری کے ساتھ التجا کی کہ یا اللہ اگر قصور ہو تو اطلاع فرمایئے تاکہ توبہ استغفار سے تدارک کروں الہام ہوا کہ فلاں وقت گستاخی سے ایک بُرا کلمہ کہا تھا آج اس کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ بہت روئے پیٹے۔ گریہ وزاری کی تب زبان چلی۔

(۱۱۰۰) فرمایا کہ اگر ذکر اللہ کو اپنا اصلی کام سمجھ لو تو جو کام اس میں مخل ہوگا اس سے جی گھبرائیگا اور معاصی سب اس میں سب مخل ہیں اس لئے ان سب سے نفرت ہو جائے گی پھر رفتہ رفتہ فضول مباحات سے بھی نفرت ہونے لگے گی۔

(۱۱۰۱) فرمایا کہ تجربہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے خدا یاد آتا ہے اسی لئے صوفیہ نے اس کا نام مذکرہ رکھا ہے۔ اگر یہ کہو کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے لوگ ہنسیں گے تو جواب یہ ہے لوگ چاہے ہنسیں لیکن تم نہ روؤ گے۔ اب لوگ تم پر ہنسیں گے اور کل قیامت میں تم ان پر ہنسو گے پس ان کو اب ہنسنے دو۔ اگر تم کو کہیں سے ہزار روپے ملتے ہوں مگر ان کے لینے میں لوگ ہنستے ہوں تو انصاف سے کہو کہ وہاں سے روپے لیتے ہو یا ہنسی کے خیال سے چھوڑ دیتے ہو یقیناً لے لیتے ہو اور ان کی ہنسی کی کوئی پروا نہیں کرتے آخر وجہ کیا کہ وہاں تو ہنسی کی پروا ہے اور یہاں نہیں۔ بات یہ ہے کہ اس کو نفع کی چیز سمجھتے ہو اور نفع کی چیز میں ہنسی کی پروا نہیں کی جاتی۔ پھر کیا یاد خدا نافع نہیں ہے اگر نافع ہے تو اس کی کیا وجہ کہ روپیہ کے لینے میں ہنسی مانع نہیں ہے اور ذکر خدا میں مانع ہے اور یہ ہنسی بھی جب ہی تک

ہے کہ پہلے پہلے کام کررہے ہو پھر چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنستا۔ بنظر غائر دیکھئے تو اصل میں یہ ہنسی غفلت پر ہوتی ہے یعنی پہلے جو تم کو غفلت تھی وہی سبب اسوقت ہنسنے کا ہے چنانچہ جو شخص پہلے سے غفلت میں نہ ہو بلکہ ہمیشہ سے ذاکر ہو اس پر کوئی نہیں ہنستا تو خدا کے بندے جس بات پر ہنسی ہوئی تھی تم اب پھر اسی میں رہنا چاہتے ہو۔ تسبیح ہاتھ میں لو چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنسے گا بلکہ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ اب اس کی غفلت جاتی رہی تو اب ہنستا کہاں اب تو اس کے پانوں چومیں گے۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار اسلام پر ہنستے تھے اور قرآن پر ہنستے تھے اتخذ وھا ھزوا ولعبا۔ اس کو کھیل کود بنا رکھا تھا تو کیا ان کے ہنسنے سے صحابہ نے اسلام چھوڑ دیا تھا۔

(۱۱۰۲) فرمایا کہ نیک کام کرتے رہو جیسے بھی ہو سٹم پسٹم کئے جاؤ۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اول اول انتظام سے نہیں ہوتا جی نہیں لگتا۔ تو اس کی پروا مت کرو جیسے ہو کرو جس دن توفیق ہو کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ کل تو کیا نہیں آج کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ جیسے بھی بنے کئے جاؤ مولانا رح فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست این آشفتگی ۔۔۔ کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

اندریں رہ می تراش و می خراش ۔۔۔ تا دم آخر دمے فارغ مباش

یعنی دھن ہونا چاہیئے اگرچہ عمل میں کوتاہی ہو جاوے۔ ناغہ ہو جاوے ہونے دو ممکن نہیں کہ راہ پر نہ آؤ۔

(۱۱۰۳) فرمایا کہ منفعت قابل اعتبار وہ ہے جو ضرر پر غالب ہو اسی طرح ضرر قابل اعتبار وہ ہے جو نفع پر غالب ہو اور دنیا کی منفعت سے آخرت کی منفعت بڑھی ہوئی ہے اور دنیا کی مضرت سے آخرت کی مضرت بڑھی ہوئی ہے۔ بلکہ دنیا کی منفعت و مضرت آخرت کی منفعت اور مضرت کے آگے کوئی چیز نہیں پس اصلی عقل یہ ہے کہ جس کام میں دنیا کی منفعت ہو مگر آخرت کی مضرت ہو ایسی منفعت کو چھوڑ کر آخرت کی مضرت سے بچنے کا اہتمام کرے۔ اسی طرح اگر کسی کام میں دنیا کی تو مضرت ہو اور آخرت کی منفعت ہو تو اس چھوٹی سی مضرت کو بڑی منفعت کے لئے گوارا کرنا چاہیئے۔

(۱۱۰۴) فرمایا کہ خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر۔ ناز و عجب۔ غرور۔ غفلت۔ غریبوں کی تحقیر۔ کمزوروں پر ظلم اس سے

پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالٰے نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا۔ مجھ میں کوئی کمال بھی نہ تھا۔ بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کرکے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال پھرتے ہیں پھر اس کا فضل ہی تو ہے جو اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں ؎

اگر روزی بدانش برفزودے   ز ناداں تنگ روزی تر نبودے

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں۔ لیاقت سے رزق کا ملنا قارون کا عقیدہ ہے۔

(۱۱۰۵) فرمایا کہ بعض سمجھدار ایسے ہوتے ہیں کہ باوجود امارت اور دولت کے نہایت متواضع ہیں۔ ع نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں۔ کے مصداق ہیں مگر غالب حالت اس کے خلاف ہی ہے ان متکبروں کو سمجھنا چاہئے کہ ہم ایسی چیز پر تکبر کرتے ہیں جس کا حصول ہمارے اختیار میں نہیں اور حصول تو کیا اختیار میں ہوتا اس کا ابقا بھی تو اختیار میں نہیں پھر ایسی چیز پر تکبر کرنے سے کیا فائدہ یہ تو تکبر کا علمی علاج ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ غربا کی تعظیم و تواضع کریں۔ خوشی سے نہ ہو سکے تو بہ تکلف ہی کریں۔ ان سے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہو جایا کریں۔ ان کی دلجوئی کریں۔

(۱۱۰۶) فرمایا کہ اگر کوئی نوکر ہماری نافرمانی کرے اور ہمارا بس چلے تو بدون خون پئے نہ رہیں اور اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ اس کے خاندان بھر سے انتقام لیں پھر بھی دل ٹھنڈا نہ ہو تو کیا خدا تعالٰے اپنے نافرمانوں کو برباد نہیں کر سکتے۔ ان کو کون چیز مانع ہے مگر باوجود اس قدرت و عظمت کے ان کی تو یہ شان ہے ؎

گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم۔ یعنی نافرمانی پر سزا دینی کیسی فضیحت بھی تو نہیں کرتے بلکہ وہی دنیا کی عزت ہے وہی سواریاں ہیں وہی آرام و عیش ہے۔ بلکہ نافرمانوں کو مال و دولت اتنا دیتے ہیں کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالٰے ان کو زیادہ چاہتے ہیں اللہ اللہ کیا ٹھکانا ہے حلم کا۔

(۱۱۰۷) فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے دنبل کا آپریشن کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالٰے قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت

سے دل پر پردے پڑجاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہوجاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا۔

(۱۱۰۸) فرمایا کہ ہم لوگ قیامت کو دور سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ بہت ہی قریب ہے چنانچہ ارشاد ہے انھم یرونہ بعیداً ونراہ قریباً اور اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک چیز آپ کے نزدیک دور ہو اور خدا کے نزدیک قریب ہو۔ دیکھئے چیونٹی کے نزدیک ایک فرلانگ اتنی دور ہے جتنا آپ کے نزدیک یہاں سے امریکہ اور آپ کے نزدیک ایک فرلانگ بہت ہی قریب ہے۔ اور اگر اس مثال کے بعد بھی کسی کی سمجھ میں قیامت کا قرب نہ آئے تو وہ یوں سمجھ لے کہ قیامت کبریٰ گو دور سہی مگر قیامت صغریٰ یعنی موت تو قریب ہے کیونکہ زندگی کا ایک لمحہ کے لئے بھی بھروسہ نہیں ؎ شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔ کوئی آج مرا تو بس اسی وقت سے جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہوجاوے گا۔

(۱۱۰۹) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی طاعت فوراً جزا سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح کوئی معصیت فوراً سزا سے خالی نہیں ہوتی۔ مگر صحت ذوق کی ضرورت ہے اہل ذوق کو طاعت سے اس قدر انبساط اور فرح ہوتا ہے جیسا انبساط قریب قریب جنت میں ہوگا اور اس وقت دنیا کی سلطنت کی بھی ان کی نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی چنانچہ ایک عارف کہتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہروئے ۔۔۔ بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روزہا وہوئے

پس از سی سال زیں معنی محقق شد بخاقانی ۔۔۔ کہ یکدم با خدا بودن بہ از تخت سلیمانی

مگر نہیں یہ انبساط و فرح کیسے ہو ہم کو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے جس سے مذاق ہی بگڑ گیا ہے اگر ہم بھی صحیح ذوق پیدا کرلیں تو اس کی لذت محسوس ہو۔ اسی طرح معصیت سے قلب میں اس قدر تنگی اور پریشانی ہوتی ہے کہ سر پر ہزاروں تلواریں پڑیں تب بھی ایسی کلفت نہ ہو مولانا رح اسی کو فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود ۔۔۔ گر ز باغ دل خلالے کم بود

(۱۱۱۰) فرمایا کہ ایک بزرگ کسی کے یہاں تشریف لے گئے دروازہ پر پہنچکر پکارا اندر سے جواب آیا کہ نہیں ہیں پوچھا کہاں ہیں جواب ملا خبر نہیں تو یہ بزرگ صرف اتنی بات پر تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایسا فضول سوال کیوں کیا کہ کہاں ہیں میرے نامۂ اعمال میں ایک فضول بات درج ہوگئی حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ والذین ھم عن اللغو معرضون - اب اندازہ کیجئے کہ جس کو ایک لغو بات سے اس قدر تکلیف ہوگی اس کو گناہ کی کلفت کا کس قدر احساس ہوگا۔

(۱۱۱۱) ایک صاحب نے لکھا کہ نماز میں پورا پورا انشاط حاصل نہیں ہوتا اور ذکر میں سرور و نشاط کی کیفیت ہوتی ہے فرمایا کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شان بساطت کی ہے اور نماز میں بہ نسبت ذکر کے شان ترکیب کی ہے۔ اس لئے ذکر میں اجزاء مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یکسوئی جلد ہوجاتی ہے اور نماز میں توجہ اجزاء مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اس لئے تشتت رہتا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جسکی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ اٰخر الصلوٰۃ - اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو کہ یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کرسکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کرکے شغل میں لگ سکتا ہے - اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتا نہ خود کوئی کام کرسکتے ہیں۔ وھذا الذی کتبتُ درد علی قلبی فی مرض الظہر وجربتہ فیہ وفی سنۃ البعد یتدوللّٰہ الحمد

(۱۱۱۲) فرمایا کہ دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر۔ بلکہ تغیر احوال میں مصالح ہیں جن کا مشاہدہ اہلِ طریق کو خود ہوجاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہوتا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا ومثل ذلک۔

(۱۱۱۳) ایک صاحب نے بدگمانی کا علاج دریافت کیا تو فرمایا کسی کی طرف سے بدگمانی قلب میں آوے تو اول علٰحدہ بیٹھکر یاد کرے کہ اللہ تعالےٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے۔ تو اے نفس حق تعالےٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دِل کو صاف کردے

اور جس پر بدگمانی ہو اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما دن رات میں تین مرتبہ ایسا کرے اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجکو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کردو اور میرے لئے دعا کردو کہ یہ دور ہوجاوے۔

(۱۱۱۴) فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جاوے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے۔ ناقصین کے لئے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔

(۱۱۱۵) فرمایا کہ مجاہدہ مطلقاً مخالفت نفس کا نام نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور نہ ہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ کو (خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو) بعض اوقات مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلواۃ۔ یقیناً دال ہے مرغوبیت صلوٰۃ پر اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں۔ اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہوگا تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہوگا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے۔

(۱۱۱۶) فرمایا کہ مجنوں اسی طرح مجذوب عقل نہ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا دونوں جماعت میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کے صلحاء واتقیاء ومشائخ جو اس کے ساتھ برتاؤ کریں احترام کا یا اغراض کا وہی عوام کو کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اس جماعت سے کوئی امید نفع کی نہیں رکھنا چاہئے۔ حتی الامکان ان لوگوں سے الگ ہی رہنا مناسب ہے کیونکہ ان کو عقل تو ہوتی نہیں اس لئے اس سے اندیشہ ضرر ہی کا غالب ہوتا ہے پھر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ مجذوب کیسے ہوجاتے ہیں فرمایا کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ کوئی وارد ایسا قوی ہوتا ہے جس سے عقل مسلوب ہوجاتی ہے اور یہ سب مجاہدہ ہی کی برکت ہے کہ یہ درجہ نصیب ہوجاتا ہے۔ اور یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اور اس کے انتظام کے ذمہ دار ہیں۔ باقی جو اہل ارشاد ہیں وہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وارثان پیغمبر ہیں۔ ان کی شان کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔

(۱۱۱۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دوزخ میں کفار بھی جائیں گے اور اعمال بد کی وجہ سے مسلمان بھی تو فرق کیا ہوگا مسلم اور کافر کے عذاب میں۔ فرمایا کہنے کی تو بات نہیں مگر آپ نے سوال کیا اس لئے کہنی پڑی۔

(۱) مؤمنین کے بارے میں مسلم کی حدیث ہے اماتھم اللہ اماتۃ اور اس کا یہ مطلب نہیں

کہ جہنم میں مسلمانوں کو عذاب کا احساس نہ ہوگا لیکن ہاں کفار کے برابر نہ ہوگا اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کلورا فارم سنگھا کر اپریشن کیا جاتا ہے۔ پھر اپریشن کی بھی دو قسمیں ایک سخت اور ایک ہلکا بعض دفعہ بہت ہی ہلکا اپریشن ہوتا ہے اس لئے ہلکا کلورا فارم کافی ہوتا ہے یہی صورت مسلمان کے ساتھ دوزخ میں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان صورت جہنم میں جائیں گے حقیقت جہنم میں نہ جائیں گے (۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ کفار جہنم میں تعذیب کے لئے جائیں گے اس لئے ان کو عذاب کا احساس شدید ہوگا اور مسلمان محض تہذیب کے لئے جہنم میں جائیں گے ان کو عذاب کا احساس اس قدر نہ ہوگا۔ جہنم مسلمانوں کے لئے مثل حمام کے ہے وہ اس میں پاک صاف کئے جاویں گے گو تکلیف حمام کے تیز پانی سے بھی ہوتی ہے (۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے وعدہ انقطاع عذاب کا ہے یہ وعدہ عذاب کا زیادہ احساس نہ ہونے دے گا۔ اس کو اس مثال سے سمجھئے جیسے میعادی قیدی کا ایک وقت آرام کا ہوتا ہے اور ایک وقت کام کا۔ دونوں حالتیں قیدی ہی میں ہوتی ہیں تو ایک وقت ہلکا ہوا اور ایک وقت بھاری۔ اس سے بھی آگے توسیع کرتا ہوں ایک وقت قیدہی کی حالت میں سونے کا ہوتا ہے جس میں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا مجھ پر عذاب ہے۔ پھر ایک وقت رہائی کا ہوتا ہے کہ وہ قیدخانہ کی کلفت کو کم کر دیتا ہے۔ یہ سب گھڑت نہیں بلکہ نصوص میں ہے اور وہ بھی مسلم میں جو اصح الکتاب ہے۔

(۱۱۱۸) فرمایا کہ اعمال حسنہ ممتدہ کے ہر جزو پر نیت مستقل اگر نہ ہو تو وہم میں نہ پڑنا چاہئے کیونکہ افعال اختیاریہ میں صرف ابتدا میں ارادہ کرنا پڑتا ہے۔ ہر ہر جزو پر نیت کی حاجت نہیں ہوتی البتہ مضاد کی نیت نہ ہونا شرط ہے جیسے کوئی شخص بازار جانا چاہے تو اول قدم پر تو قصد کرنا پڑے گا پھر چاہے کتاب دیکھتے ہوئے یا باتیں کرتے ہوئے چلے جاؤ ہر قدم قدم پر قصد کی ضرورت نہیں۔

(۱۱۱۹) فرمایا کہ ملکات رذیلہ اپنی ذات میں مذموم نہیں ہوتے مثلاً شہوت ہے وہ بالذات مذموم نہیں چنانچہ مولانا رومی رح فرماتے ہیں۔ ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است   کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

بلکہ جس شخص کی شہوت قوی ہے اس کے مقاومت سے زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اور جس کی

قوت شہوت کمزور ہے اس کی مقاومت سے وہ نور نہیں پیدا ہوتا۔ تو مدار قرب خداوندی افعال اختیاریہ ہوئے۔ جہاں اختیار کا زیادہ استعمال کیا گیا وہاں قرب زیادہ ہوا۔

(۱۲۰) فرمایا خشوع نام ہے حرکت فکریہ کے سکون کا اور اس کے تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ایک محمود شے کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ اس سے دوسری حرکات غیر محمودہ بند ہو جائیں گی اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس توجہ میں زیادہ کنج و کاؤ کرنا موجب ثقل ہے۔ معتدل توجہ کافی ہے ورنہ حدیث من شاق شاق اللہ علیہ کا مصداق ہوگا۔ اب اگر اس درجہ کے ساتھ دوسرے وساوس مستحضر ہو جاویں تو مضر نہیں کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آنکھ سے کسی خاص لفظ کو قصداً دیکھیں تو اس کی ساتھ اس کے ماحول پر بھی نظر ضرور جاتی ہے مگر چونکہ یہ نظر قصداً نہیں اس لئے یہی کہیں گے کہ فلاں لفظ خاص دیکھا اور ماحول کو خود نہیں دیکھا بلکہ خود نظر آ گیا۔

(۱۲۱) فرمایا کہ علماء غیر حنفیہ نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ جہری میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا تو حماقت ہے لیکن سری میں پڑھنا چاہئے کیونکہ سکوت شرعاً عبادت نہیں لیکن ہم کو یہ تسلیم نہیں کیونکہ یہ سکوت ماموربہ ہے اور امتثال ماموربہ عبادت ہے۔ نیز یہ ایسا سکوت نہیں جو عمل نہ ہو بلکہ کف عن الکلام ہے اور کف عمل ہے پس اس کے عبادت ہونے میں کچھ غبار نہیں جیسے کف عن المناہی عبادت ہے۔

(۱۲۲) فرمایا کہ ترک کی دو قسمیں ہیں ترک وجودی و ترک عدمی جس ترک کا انسان مکلف بنایا گیا ہے وہ ترک وجودی ہے جو اپنے اختیار و قصد سے ہو۔ مثلاً کوئی عورت چلی جا رہی ہے جی چاہا کہ لاؤ اسے دیکھیں پھر نگاہ کو روک لیا اجر اسی ترک پر ملتا ہے۔ اور ترک عدمی وہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار کا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ اور چونکہ اختیار و قصد کا مسبوق بالعلم ہونا ضروری ہے اس لئے یہ ترک (عدمی) مسبوق بالعلم بھی نہیں۔ مثلاً اس وقت ہم ہزاروں گناہوں کو نہیں کر رہے ہیں۔ تو اس پر اجر بھی نہیں۔

(۱۲۳) فرمایا کہ جو خدا کے رستہ میں چلنا شروع کرتا ہے تو حق تعالیٰ سب سے پہلے اس کے ملکات کو بدل لیتے ہیں جس سے اعانت ہوتی ہے طاعت کے دوام و استقامت پر اور معاصی سے اجتناب پر کیونکہ افعال تابع ہوتے ہیں ملکات کے جب ملکات درست ہو گئے تو معاصی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور ملکہ وہ داعیہ ہے جو اندر سے

تقاضا کرتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ فعل سہولت سے صادر ہو جاتا ہے) مطلب تبدیل ملکات سے یہ ہے کہ دواعی خیر کے تو قوی ہو جاتے ہیں اور دواعی شر کے ضعیف نیکی کا تو ہر وقت تقاضا ہوتا رہتا ہے اور برائی کا بالکل تقاضا نہیں ہوتا بلکہ ترک طاعت اور ارتکاب معصیت ایسا دشوار ہو جاتا ہے کہ اگر اس کا قصد بھی کرے تو اس قدر جی برا ہو کہ گویا ذبح کر ڈالا اور اس تبدیل کو تبدیل ذات یا فنائے حسی کہتے ہیں یعنی مثلاً غصہ کا گویا وجود ہی نہ رہا بلکہ غصہ کے بجائے حلم پیدا ہو گیا۔ جب ایک زمانہ اس حالت پر گذر جاتا ہے اور جو اس میں حکمت خداوندی تھی کہ بندہ خوگر ہو جاوے طاعت کا یعنی نفرت ہو جاوے معاصی سے اور دلچسپی ہو جاوے طاعت سے جب یہ مقصود حاصل ہو گیا تو بعض اوقات اس میں ایک اور تغیر ہوتا ہے وہ یہ کہ جن ملکات سیئہ کو مغلوب و مضمحل کیا گیا تھا جب ان کی مقاومت بوجہ ملکات حسنہ کے راسخ ہو جانے کے آسان ہو گئی تو اب چاہتے ہیں اپنے بندہ کا اجر بڑھانا اس واسطے اس وقت دوسری حکمت کی یہ ہوتی ہے کہ اول امور طبعیہ جو مغلوب ہو گئے تھے پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ ابھر کے ابھرتے غالب ہو جاتے ہیں بلکہ اپنی اصلی فطرت پر آجاتے ہیں۔ اب غصہ کے وقت لہجہ بھی سخت ہو جاتا ہے الفاظ بھی سخت نکلنے لگتے ہیں۔ پہلے تو کوئی جوتی بھی مار لیتا تھا تب بھی چونکہ مجاہدہ کر رہے تھے غصہ بالکل نہ آتا تھا۔ پہلے نہ غم کی باتوں سے غم ہوتا تھا نہ خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی۔ اب غم بھی ہوتا ہے خوشی بھی ہوتی ہے۔ اور یہاں سالک یہ سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا۔ میری ساری محنت برباد گئی۔ حضرت محنت برباد نہیں گئی بلکہ تبدیل اول کی عمر ختم ہو گئی۔ اب دوسری تبدیل شروع ہوئی تنزل نہیں ہوا بلکہ ترقی ہوئی ہے۔ غم کی بات نہیں بلکہ خوشی کی بات ہے۔ پہلی تبدیل ذات کی تبدیلی تھی اب صفات کی تبدیلی ہے۔ وہاں تو غصہ کے بجائے حلم پیدا ہو گیا تھا اور یہاں غصہ کا وجود تو ہے لیکن اس میں اثر وہ ہے جو حلم میں تھا طبع طبع ہی رہی مگر اس میں وہ اثر ہے جو سخاوت و استغنا میں ہوتا چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب تحقیق ہے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے بلکہ امالہ کر دے۔ بخل رہے بخل ہی مگر اس کا محل بدل دیا جاوے۔ بخل کو کھو کر سخاوت نہ پیدا کی جاوے۔ اسی طرح سمجھو کہ غصہ بھی بڑے کام کی چیز ہے اگر غصہ نہ ہوتا تو اسلام ہی نہ پھیلتا اسلام جو پھیلا تو غصہ ہی کی بدولت کیونکہ مقابلہ میں کافروں کے غصہ ہی میں جان دینا اور جان لینا آسان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بخل نہ ہوتا تو رنڈیوں بھڑووں بدمعاشوں

میں خوب مال لٹا تا یہاں تک کہ مستحقین کی بھی نوبت نہ آتی ۔ اب مستحقین ہی کو چھانٹ چھانٹ کر دیتے ہیں ۔ یہ بخل ہی کی تو برکت ہے ۔ غیر مستحقین کو نہ دینا لیکن یہ بخل جو ہے سخاوت کی ماں ہے سخاوت خود محتاج ہے اس بخل کی ۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم کو پہلے سے خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر میں کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم تو کچھ بھی نہ کرتے مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لئے اتنے مجاہدے اور ریاضت کئے تھے وہ ذرا سی بات ہے حضرت نے تو اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذرا سی بات کو نہیں بتلایا ۔ میں اپنی کم ظرفی سے بتلاتا ہوں کہ وہ ذرا سی چیز ہے کیا جس کو حاصل کرنے کے لئے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں وہ یہی ہے جس کو میں نے تبدیل ثانی کے عنوان سے بیان کیا ہے کیونکہ یہی ہے پیدا کرنے والی تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے محافظ تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے بڑھانے والی تعلق مع اللہ کی ۔ غرض وہ ذرا سی بات جو تصوف کا حاصل ہے یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس کو یہ بات حاصل ہو گئی اس کو پھر ضرورت نہیں نہ شیخ کی نہ سید کی نہ مغل کی نہ پٹھان کی نہیں تو چاروں ذاتوں کی ضرورت ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا   خورند از برائے گلے خارہا

شیخ کا بس یہی کام ہے کہ اسی ذرا سی بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے اور کچھ نہیں کرتا بدون شیخ کے اس کا حصول متعذر رہے ۔ قدم قدم پر گاڑی اٹکیگی ۔ یہ پتہ نہ چلے گا کہ ادھر جاؤں یا ادھر ۔ دونوں چیزیں ایک نظر آئیں گی ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں   درمیان شان برزخ لا یبغیاں

(۱۱۲۴) فرمایا کہ نعمائے آخرت اور جنت کی طرف جو طبیعت نہیں ابھرتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو جس مقصود کے اسباب کو انسان اختیاری نہیں سمجھتا اس کی طرف حرکت نہیں ہوتی اور دوسرے اگر اسباب کو تو اختیاری سمجھتا ہے لیکن اسباب میں اور مقصود میں تعلق نہ معلوم ہو تب بھی حرکت نہیں ہوتی یعنی وہ نہیں سمجھتے کہ اعمال صالحہ اور حصول جنت میں وہی علاقہ ہے جو آگ کے جلانے اور کھانا پکنے میں یا پانی پینے اور پیاس کے بجھنے میں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہرگز ہرگز ذہن اسطرف نہیں جاتا کہ اعمال صالحہ پر جنت ضرور مل جاوے گی ۔

(۱۱۲۵) اللہ تعالےٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ بلا قصد و بلا علم کسی کے ان سے مخلوق کو نفع پہنچ رہا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مقبول بندہ مرتا ہے تجربہ ہے کہ اگر سب قلوب

نہیں تو بہت سے قلوب ایسے ہیں کہ ان کو اپنے اندر فوراً ایک تغیر محسوس ہوتا ہے کہ وہ نورانیت اور برکت جوان بزرگ کی حیات میں تھی کم ہو گئی حالانکہ ان کے پاس کبھی گئے بھی نہیں۔ خط وکتابت بھی نہیں کی دعا بھی نہیں کرائی۔ پھر وجہ کیا تغیر کی۔ معلوم ہوتا ہے ادھر سے کچھ مدد پہنچتی تھی وہ کم ہو گئی۔

(۱۱۲۶) فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ایک شخص عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے پھر اخیر میں وہ ایک ایسا عمل کرتا ہے جو موجب نار ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور باختیار خود ناری ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کسی غیر اختیاری عمل پر اس کو دوزخ میں بھیجدیا جاتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ بات جو موجب نار ہو جاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات ہوتی ہے دوسرے یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی۔ تو پس معلوم ہوا کہ دوزخ بھی جانا اختیار میں ہے اور جنت میں بھی جانا اختیار میں ہے۔

(۱۱۲۷) فرمایا کہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو نہیں کہتے بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مشابہ ہے اس عالم کے بھی یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا کہ وہ آخرت ہے۔ تو وہ سارا عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے۔ یا جیسے دالات کہ بہ نسبت گھر کے تو وہ جیلخانہ ہے مگر بہ نسبت جیلخانہ کے گویا کہ وہ گھر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے اور آخرت کا بھی نمونہ۔

(۱۱۲۸) فرمایا کہ تعویذ سے اچھا ہو جانا کچھ تعویذ دینے والے کی بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اس کے تعویذ میں اثر زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اس کے محض سوچنے ہی سے جاڑا بخار اتر جاتا ہے۔ چاہے وہ کافر ہی ہو۔ کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی موجود ہے اور یہ مشق سے اور بڑھ جاتی ہے۔ بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔

(۱۱۲۹) فرمایا کہ نری عقل سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ فضل بھی نہ ہو۔ خدا کی قسم عقل پر ناز کرنا بے عقلی اور بے راہی ہے اس لئے اگر کسی کو اپنی عقل پر ناز ہو تو اس خیال کو دور کرے نری عقل کچھ کام نہیں آتی۔ بڑے بڑے عقلاء نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ دیکھئے بڑی رفتار گھوڑے کی یہ ہے کہ دامن کوہ تک پہونچا دے اس کے بعد گھوڑا بالکل بیکار ہے۔

وہاں تو ہوائی جہاز کی ضرورت ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ | جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ
ہر کجا پستی است آب آنجا رود | ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
سالہا تو سنگ بودی دل خراش | آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سر سبز سنگ | خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش | ہمچو او با گریہ و آشوب باش
آزمودم عقل دور اندیش را | بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

یعنی وہاں تو شکستگی اور پستی ہی کام دیتی ہے عقل کچھ کام نہیں دیتی۔

(۱۱۳۰) فرمایا کہ جو شخص تارک دنیا ہوگا وہ تارک دسر بھی ضرور ہوگا چنانچہ ایک بادشاہ نے اعتراضاً ایک درویش کے سامنے پہونچتے ہی یہ مصرع پڑھا۔

ع در درویش را درباں نباید۔ اس درویش نے بے دھڑک بادشاہ کو اس مصرعہ کا جواب دیا۔ ع بباید تا سگ دنیا نیاید۔ پھر فرمایا کہ حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جس روز شہید کئے گئے تھے آپ کو کشف ہوگیا تھا چنانچہ آپ صبح ہی سے نہایت شاداں و فرحاں تھے موت کے خیال سے اور بار بار یہ کہتے تھے۔ ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود | قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

یہ لوگ بڑے بے فکر ہوتے ہیں۔ انھیں تو بس ایک ہی فکر ہے جیسے عصائے موسیٰ اتنا بڑا سانپ ہوگیا تھا کہ سارے سانپوں کو نگل گیا تھا ایسے ہی ان کی یہ فکر ایسی ہے کہ ساری فکروں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔

(۱۱۳۱) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں۔ اس سے بعض مبتدعین معتزلہ کو دھوکہ ہوا کہ جنت و نعمائے جنت فی الحال موجود نہیں بلکہ ہم جیسے جیسے عمل کریں گے یہ عمل ہی اس شکل سے ظہور کریں گے حالانکہ جنت کا مع نعمائے حسیہ بالفعل موجود ہونا منصوص ہے مگر باوجود ہونے کے ہیں ان ہی اعمال کے ثمرات۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون شخص کیا کیا عمل کریگا اسی کے مناسب جزا سزا کی صورت پہلے سے بنا کر اس کے وجود واقعی کی خبر دینے کے لئے یہ فرمایا اعدت للکافرین اعدت للمتقین جیسے میزبان کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے مہمان کا مزاج علیل ہے اور وہ پہلے سے اس کے مزاج کے

مناسب کھانا تیار کر کے رکھدیوے پس فی نفسہ قیعان یعنی چٹیل میدان نہیں بلکہ جنتیوں کے حق میں قیعان ہے جیسے ایک شخص نے دس ہزار روپیہ اپنے خادموں کے لئے خزانہ میں جمع کر دیئے اور فی کام دس بیس روپیہ علیٰ قدر مراتب نامزد کر دئیے پھر وہ شخص سب کو خطاب کر کے یوں کہہ سکتا ہے کہ اتنا روپیہ خزانہ میں رکھا گیا ہے اگر تم خدمت کرو گے تو خزانہ میں سب کچھ ہے ورنہ یوں سمجھو کہ بالکل خالی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل خدمتیں کرنے کے تمہارے حق میں گویا خزانہ خالی ہے خدمتیں کرنا شروع کردو گے تب آپ سمجھو گے کہ وہ پُر ہوگا۔ واقع میں تو وہ اب بھی پُر ہے لیکن تمہارے حق میں وہ جبھی پر سمجھا جاوے گا جب تم خدمتیں کرو گے تو معنی حدیث کے یہ ہیں کہ اعمال کے ثمرات تو پہلے سے مہیا کر دئیے گئے ہیں لیکن ابھی وہ کسی کے ملک نہیں بنائے گئے۔ جیسے جیسے بندے عمل کرتے جاتے ہیں وہ ثمرات ان کے نامزد ہوتے جاتے ہیں۔

(۱۱۳۲) فرمایا کہ پل صراط کی حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کی۔ اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قوی سے اخلاق پیدا ہوئے ہیں تین ہیں۔ قوت عقلیہ، قوت شہویہ۔ قوت غضبیہ حاصل یہ کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت کو سمجھے وہ قوت مدرکہ قوت عقلیہ ہے۔ اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے یہ قوت شہویہ کا کام ہے۔ اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے یہ قوت دافعہ قوت غضبیہ ہے۔ پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں افراط و تفریط و اعتدال۔ چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے جیسے یونانیوں نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ تک اتر آئے۔ اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حرام و حلال کی بھی تمیز نہ رہے۔ بیوی اجنبیہ سب برابر ہو جاویں اور ایک درجہ ہے تفریط یعنی ایسا پرہیزگار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جاویں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مار لے۔ دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے یہ تو افراط تفریط تھا۔ ایک تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے۔ تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے افراط۔ تفریط

اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے اس کا نام ہے جزبزہ جو تفریط کا درجہ ہے اس کو سفاہت کہتے ہیں۔ جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے۔ اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ فجور ہے۔ تفریط کا درجہ جمود ہے۔ اعتدال کا درجہ عفت ہے۔ اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط تہور ہے۔ اور گھٹا ہوا درجہ جبن ہے۔ اعتدال کا درجہ شجاعت ہے۔ تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں۔ اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت۔ عفت۔ شجاعت۔ باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ اسی لئے اس امت کا لقب امت وسط یعنی امت عادلہ ہے۔ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چنانچہ شاعر لکھتا ہے۔ ؎

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند　　　　این جملہ شدی ولیکن انساں نشدی

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب یہ سمجھئے کہ اعتدال حقیقی سب سے زیادہ مشکل ہوا کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو کہ اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط اور مشاہدہ ہے اس کا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اور اس کی دشواری تلوار کی تیزی اور بال سے زیادہ باریکی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

(۱۱۳۳) اگر کسی خارق کے بعد قلب میں زیادہ تعلق مع اللہ محسوس ہو تب تو وہ کرامت ہے اور اگر اس میں زیادت محسوس نہ ہو تو ناقابل اعتبار ہے۔ اور کرامت و استدراج میں ایک ظاہر فرق یہ ہے کہ صاحب کرامت متصف بالایمان والعبادۃ وغیرہ ہوگا اور صاحب استدراج افعال منکرہ میں مبتلا ہوگا اور دوسرا فرق اثر کے اعتبار سے ہوگا کہ صاحب کرامت پر انکسار کا غلبہ ہوگا اور صاحب استدراج پر ظہور خارق پر تکبر کا۔

(۱۱۳۴) فرمایا کہ اگر قرآن شریف سنکر نفسانی کیفیت پیدا ہو تو محمود نہ ہوگی مثلاً کسی امرد سے قرآن شریف سنا اس کی آواز یا صورت سے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی تو یہاں اسباب کو نہ دیکھیں گے آثار کو دیکھیں گے اور ظاہر ہے کہ وہ کیفیت یقیناً نفسانی ہوگی۔ ایسی ہی سماع کو سمجھ لیا جاوے۔ اس کے بھی حدود ہیں ہر شخص کو جائز نہیں جیسا کہ آجکل ہر کس وناکس کو اس میں ابتلا ہے شیخ شیرازی اس فرق کو کہتے ہیں کہ ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست　　　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست

مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

زندہ دلاں مردہ تناں را روست　　　مردہ دلاں زندہ تناں را خطا ست

سلطان نظام الدین قدس سرہٗ اس کے لئے چار شرائط بتاتے ہیں (۱) سامع از اہل دل باشد از اہل ہوا و شہوت نباشد (۲) مستمع مرد تمام باشد زن و کودک نباشد (۳) مسموع مضمون ہزل نباشد (۴) آلہ سماع چنگ و رباب درمیاں نباشد۔ فرمایا کہ میں ایک بار اپنے ایک صاحب سماع بزرگ کو تلاش کرتے سلطان جی کے عرس میں قبل از وقت عرس حاضر ہوا۔ میں اس وقت کانپور میں تھا ان سے ملنے دہلی آیا تھا میں سمجھا کہ وہ عرس میں ملیں گے مگر اس وقت تک عرس میں نہ آئے تھے۔ میں قریب نماز ظہر کے لوٹا کہ پھر شہر میں مل لوں گا وہاں چشتی ہی چشتی جمع تھے انھوں نے مجھ کو گھیرا کہ چشتی ہو کر شروع ہونے کے وقت کہاں چلے۔ میں نے کہا کہ اگر میں شریک ہو جاؤں گا تو حضرت سلطان جی خفا ہو جاویں گے اور میں نے اوپر کا ملفوظ سلطان جی کا پڑھ دیا اور کہا کہ مجھ میں یہ شرائط نہیں۔ سب نے کہا کہ تم تو اس کے اہل ہو مگر ہم اہل نہیں۔ ایسی تبلیغ ہم کو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔

(۱۱۳۵) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وسوسہ کیا شے ہے فرمایا کہ جو امر منکر بلا اختیار قلب پر وارد ہو جاوے میں اسی کو وسوسہ سمجھتا ہوں مگر چونکہ بلا اختیار ہے اس لئے مضر نہیں۔

(۱۱۳۶) فرمایا کہ بزرگوں کو جو خطوط لکھے جاویں ان میں اشعار کا لکھنا میں خلاف ادب سمجھتا ہوں ہاں بطور جوش نکل جائے تو دوسری بات ہے۔ قصداً ایسا کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ان کو اشعار سے متاثر کر کے کام نکالنا چاہتے۔ نیز اپنی لیاقت کا اظہار ہے۔ طالب کا کوئی فعل معلم کے ساتھ ادب مانع ہونا چاہئے۔

(۱۱۳۷) فرمایا کہ حقوق الشیخ کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اس کی دل آزاری نہ ہو نہ قول و فعل سے نہ حرکات سکنات سے۔

(۱۱۳۸) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں فرمایا کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کا احتمال مجھکو بھی ہے مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہئے محض ظن ہے اور یقینی طعین تو کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا۔ الحمد للہ حمداً کثیراً طیبًا مبارکاً فیہ علی ھذا الاحتمال۔

(۱۱۳۹) فرمایا کہ قطب التکوین کو اپنی قطبیت کا علم ضروری ہے مگر قطب الارشاد کو

ضرور نہیں ابدال وغیرہ بھی تکوینیات سے متعلق ہیں۔ قطب الارشاد میں تعدد ضروری نہیں ہاں قطب التکوین متعدد ہوتے ہیں مگر قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک ہوتا ہے اس کا نام غوث ہے اہل کشف ان کو پہچانتے ہیں۔ قطب التکوین دائماً اور قطب الارشاد احیاناً متعدد بھی ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ زمانہ تحریک خلافت میں خانقاہ کے پاس ذرا فصل سے گولر کے نیچے میرے مکان کے سامنے ایک نہ ایک مجذوب رہا کرتے تھے میں سمجھتا تھا کہ شاید من جانب اللہ حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ ایسے مجاذیب بدلتے بھی رہتے ہیں جیسے سرکاری حکام گورنمنٹ کے بدلتے رہتے ہیں۔

(۱۱۴۰) فرمایا کہ میرا ذوق ہے کہ انبیاء سے معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ طاعت ہی ہے گو نفتی بھی اور عصیٰ وغویٰ وغیرہ جو صیغے مستعمل ہیں وہ باعتبار شق مقابل کے ہیں کہ وہ شق مقابل صادر سے افضل ہے نہ یہ کہ یہ معصیت ہے اور تعبیر بالمعصیت محض صورۃً ہے

(۱۱۴۱) فرمایا کہ معاصی ماضیہ کے تدارک کے لئے استغفار کرلے اور آیندہ کے لئے نفس پر جرمانہ مقرر کرلے خواہ بدنی ہو یا مالی ہو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں من قال تعالیٰ اُقامر ک فلیتصدق اس کی لم پر نظر فرمائی ہے کہ مقامرۃ کی وجہ حب مال ہے تصدق سے محبت مال کی نکل جائے گی اس لئے جرمانہ مقرر فرمایا۔

(۱۱۴۲) فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے اس لئے رہبر کامل کی ضرورت ہے بعض اوقات ماضی پر افسوس کرنا بھی حجاب مستقبل کا ہو جاتا ہے کہ اس تاسف میں غلو کے ساتھ مشغول ہو کر آیندہ کے لئے معطل ہو جاتا ہے۔

(۱۱۴۳) فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لئے حتی الامکان اُن پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔

(۱۱۴۴) فرمایا کامیابی کا مدار طلب پر ہے حسب طلب جو مناسب ہوگا ملے گا اور جہاں ایک نظر میں کامیابی ہوئی ہے وہاں بھی مجاہدہ ہی کی بدولت ہوئی ہے بہت سے مجاہدات اس نظر سے مقدم رہے ہیں۔

(۱۱۴۵) فرمایا کہ ہر نفس کی جدا سزا ہے جیسے حضرات فقہاء نے شریف کی تعزیر لکھی ہے مثلاً یہ کہ محکمہ قضا میں بلا کر قدرے ملامت کر دیا جاوے مگر نفس غیر شریف کے لئے دوسری تعزیر ہے۔

(۱۱۴۶) ایک مولوی صاحب نے شکایت کی کہ نماز کی حالت میں ایک کیفیت پر استقرار نہیں ہوتا بلکہ بعض ارکان میں خطرات مستولی ہو جاتے ہیں فرمایا کہ یہ تقلبات سفر ہیں اور تثبیت منزل ہے۔ منزل پر رسائی سفر ہی سے ہوتی ہے اور کوئی طریق نہیں، یوں ہی چلنے دیجئے انشاء اللہ تعالیٰ

ایک روز تلبثت بھی عطا ہو جائے گا جس کی کوئی مدت متعین نہیں ہوسکتی جب تک حاصل نہ ہو اسکی طلب و قصد بھی قرب و قبول میں بجائے حصول ہی کے ہے۔

(۱۱۴۷) فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کرلیا جاوے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کرلیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرمارکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کرلیا جاوے اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہجائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔

(۱۱۴۸) اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ بھی پیش آوے خیر محض ہے اور اس میں بعد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے لیکن آگے چلکر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔

(۱۱۴۹) فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہوتی ہے اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ شیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حق تعالیٰ سے بھی زیادہ ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ فعلی یا قولی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہوجاوے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے۔

(۱۱۵۰) احناف و غیر مقلدین جو ایک ہی مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان میں ایک مولوی صاحب بریلوی تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اس پر احناف نے مسائل مختلف فیہا کے متعلق دریافت کیا فرمایا کہ مختلف فیہ مسئلہ میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے اس لئے ایک مثل کے قول پر بھی نماز عصر درست ہو جاوے گی گو احتیاط احناف کے لئے یہی ہے کہ مثلین کے بعد پڑھیں لیکن اس احتیاط سے زائد اہم فتنہ سے بچنا ہے اس لئے بدون اس کے اگر فتنہ نہ مٹے تو اس عارض کی وجہ سے مثلین پر عمل کرنے سے ایک مثل پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا اسی طرح اگر حضرات اہل حدیث بہ اعانت کریں کہ اول وقت کی فضیلت کی تحصیل پر اتفاق کی فضیلت کو ترجیح دے کر مثلین کے بعد عصر پڑھنا گوارا کرلیں تو اس میں زیادہ ثواب ہوگا بلکہ زیادہ

بہتر ہے کیونکہ مثلین کے بعد تو بالاتفاق عصر درست ہے اور مثل کے بعد بعض اقوال پر درست نہیں اور اگر اس صورت مذکورہ کو کوئی فریق نہ مانے تو صورت اسلم یہ ہے کہ اہل حدیث ایک مثل کے بعد اذان دے کر نماز ادا کریں اور پھر احناف اپنی وقت پر اسی اذان کو تسلیم کر کے نماز ادا کریں۔

(۱۱۵۱) فرمایا کہ زبانی بیان کرنا شرط تبلیغ نہیں کوئی چھپا ہوا وعظ یا کوئی کتاب حدیث یا فقہ یا تفسیر کی ہاتھ میں لیکر اس کو دیکھ کر مع ترجمہ پڑھ دیا کریں اجمال یا ابہام ہو امختصر سی تفسیر یا تفصیل کر دی اگر اس پر بھی قدرت نہیں تو ایسا شخص تبلیغ عام کا مکلف ہی نہیں۔

(۱۱۵۲) فرمایا کہ طبیب سے یہ کہنا بھی بے موقع ہے کہ اگر مناسب سمجھیں خمیرہ گاؤزبان تجویز کر دیں اس سے تو حال کہکر مخلی بالطبع کر کے تدبیر پوچھنا چاہیئے۔

(۱۱۵۳) کسی بی بی کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا ان کے عدم سکون پر یہ تحقیق بیان فرمائی کہ سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں اس لیئے وہ مطلوب نہ ہوگا۔

(۱۱۵۴) فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جاوے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا ہم اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بلخی حضرت شاہ شجاع کرمانی کے واقعات معلوم ہیں اور حضرت خلفاء راشدین رضہ پر اپنے کو قیاس نہ کیا جاوے ؎ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

(۱۱۵۵) ایک مولوی صاحب مجاز نے یہ شکایت لکھی تھی کہ اب تک الارم کے بغیر تہجد کیلئے آنکھ نہیں کھلتی افسوس ہے کہ خارجی چیزوں کی ابتک حاجت باقی ہے اس پر جواباً فرمایا کہ کن کن خارجی چیزوں کے احتیاج سے بچو گے کھانے کی احتیاج ہے کھانا پکانے کی احتیاج ہے صدہا چیزوں کی احتیاج ہے جس طرح باطنی کیفیات حق تعالےٰ کی نعمتیں ہیں الارم وغیرہ خارجی چیزیں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی نعمتیں ہیں۔ کام نکلنا چاہیئے چاہے خارجی نعمتوں سے نکلے خواہ باطنی نعمتوں سے پھر فرمایا کہ اس جواب سے ان کی بالکل تسلی ہو گئی اگر اور جگہ پوچھا جاتا تو نہ جانے کیا کیا مجاہدے تجویز کر دیئے جاتے۔

(۱۱۵۶) ایک صاحب نے اپنے کرایہ داروں سے ترغیب نماز کے متعلق تشدد کیا اور کہا کہ

اس مکان میں رہنے کی شرط یہ ہوگی کہ بلا عذر شرعی جماعت مسجد کی پابندی میں فرق نہ آئے ا تخفیف کرایہ کی لالچ دلانی چاہی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آپ کے جگہ میں کم ہمت ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا یعنی اپنے نفس کو تو یہ سمجھاتا کہ ان پر سختی اور ان تدبیروں سے اثر ڈالنا مجھ پر واجب نہیں پھر کیوں تعب میں پڑوں البتہ اتنا ضرور کرتا کہ ترغیب کے ساتھ ان کو جمع کرکے وعظ سناتا اور ان کی رعائتیں بلا کسی شرط اور بلا کسی ضابطے کے کرتا۔ وہ مانوس و منبسط ہوکر خود بخود کام کرنے لگتے اور جو اس پر بھی متاثر نہ ہوتے ان کے حال پر چھوڑ کر صرف دعا پر اکتفا کرتا۔

(۱۱۵۷) ایک مریض کو ایک حکیم صاحب نے زیادہ سونے کی رائے دی اس پر انھوں نے معمولات میں کمی کی شکایت حضرت والا کو لکھی اس پر فرمایا کہ جتنا حکیم صاحب سونے کو بتلاتے ہیں اس سے زیادہ سوؤ صحت کاملہ تک معمول میں تخفیف کردو ثواب پورا ملے گا۔

(۱۱۵۸) فرمایا کہ اسلم طریق یہی ہے کہ اپنے محاسن اور طاعات کو زبان پر کبھی لاوے ہی نہیں بس اس مثل پر عمل چاہئے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ آدمی یہ سوچ لے کہ جس کے واسطے میں نے طاعت کی ہے اس کو تو علم ہے اور وہ کبھی بھولے گا بھی نہیں پھر کسی کو جتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی طاعت کو جتلانا درحقیقت غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے یہ کیا حماقت ہے۔

(۱۱۵۹) فرمایا کہ جس بات میں نفسانیت کا شمول ہوتا ہے اس میں خاصیت یہی ہے کہ دوسرے کو اس سے نفرت ہوتی ہے لیکن چونکہ آدمی کی طبیعت میں اپنے ساتھ حسن ظن رکھا ہوا ہے اس واسطے خود اس کام کو کرتے ہوئے برائی نہیں معلوم ہوتی اسی واسطے محققین نے بھلے برے کی یہ بھی ایک شناخت مقرر کی ہے کہ جس کام کی نسبت یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ اچھا ہے یا برا اور اس میں نفسانیت شامل ہے یا نہیں اس میں اس طرح غور کرو کہ یہ کام اگر دوسرا آدمی کرے تو ہم کو برا معلوم ہوگا یا نہیں اور اس سے اکثر باتوں کا حسن و قبح معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱۱۶۰) فرمایا کہ جھوٹی بات کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس میں رنگینی خوب ہوتی ہے اور سامعین کو نفسانی لطف خوب آتا ہے اور سچی بات میں رنگینی نہیں ہوتی۔

(۱۱۶۱) فرمایا کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ یہ دین اور دنیا میں مضر تو نہیں۔ دیکھئے کتنی جلد اصلاح ہوتی ہے۔

(۱۱۶۲) یاد رکھو کہ لوگوں میں ایک کو دوسرے کے اوپر بلندی اور رفعت صرف اس سے حاصل ہوتی ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کیا جاوے اور کثرت سے صدقہ اور احسان

کیا جاوے اور کسی سے حسد نہ کیا جاوے اور بدی کرنے والوں کا بدلہ بدی سے نہ دیا جاوے چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے جعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیٰتنا یوقنون (یہ ملفوظ حضرت والا کا نہیں۔ مفید ہونے کے سبب درج کیا گیا)

(۱۱۶۳) فرمایا کہ سود لینے والے اگر ابتدائی حالت میں غور کریں تو ایک ذلت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے، یہ ذوقی دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ سود ہندوستان میں کفار سے اگر حلال ہو تب بھی اس کی یہ خاصیت ہے جیسے کوئی لطیف المزاج اوجھڑی کھائے تو گو جائز ہے لیکن تکدر ضرور ہوگا۔ میں اس بارہ میں مستفتی کو لکھدیا کرتا ہوں کہ میری رائے تو عدم جواز ہے باقی دوسرے علماء کا قول جواز پر ہے لہٰذا اختلاف سے فی الجملہ گنجائش ہے۔

(۱۱۶۴) فرمایا کہ اہل علم کو چاہئے خصوصاً اہل مدارس کو کہ زکوٰۃ کا روپیہ جو مدرسہ میں دیا جاتا ہے اس کو فوراً تملیک کرکے مدرسہ میں داخل کرلیا کرے ورنہ بصورت عدم تملیک اگر مزکی مرگیا تو اس مال زکوٰۃ میں میت کے ورثا کا حق متعلق ہوجائے گا۔ نیز حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اگر وہ بقدر نصاب ہوا۔

(۱۱۶۵) فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ مثنوی سے خالی الذہن شخص کا استنباط گمراہی ہے صحیح طریق یہ ہے کہ مسائل دوسری جگہ سے حاصل کرلے پھر اس پر مثنوی کو منطبق کرلے۔ یہ مثنوی دانی کا بڑا کمال ہے۔ اس اصل کو پیش نظر رکھو تو فائدہ کامل ہوگا۔

(۱۱۶۶) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علی التعاقب اپنے امراض کا علاج کرے اس طرح کہ جو اس کے نزدیک اہم ہو اس کو مقدم کرے اسی طرح ایک ایک کو مصلح سے دریافت کرے جب ایک مرض کے علاج میں رسوخ ہوجاوے تو دوسرا شروع کرے اور اول کی مقاومت بھی نہ چھوڑے پھر تیسرا شروع کردے اور پہلے دو کو بھی نہ بھولے آخری بات یہ ہے کہ امراض کا معالجہ شروع کردے اور اتفاقی تقصیر پر استغفار کرتا رہے اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا نفع ہوا اور کتنا باقی رہا ورنہ اسی حساب میں رہے گا اس کو چھوڑ کر کام میں لگے اور یوں سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ روز اول ہی جیسا اہتمام رکھے اور اپنے کو معالجہ اور استغفار ہی میں ختم کردے۔

(۱۱۶۷) فرمایا کہ بعض لوگ انا جلیس من ذکرنی سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف اذکار ہی اصلاح کے لئے کافی ہیں کیونکہ ذکر سے قرب ہوگا اور قرب سے معاصی سے نفرت و

اجتناب ہوگا بس اور تدابیر کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ذکر ہی میں خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہیں پس بدون معالجہ امراض کے ذکر ہی متحقق نہیں۔ دیکھو حصن حصین میں بل کل مطیع اللہ فھو ذاکر۔ بات یہ ہے کہ ذکر کے معنی ہیں یاد۔ تو یاد محض زبان ہی سے نام لینے کو نہیں کہتے بلکہ اصل یاد وہ ہے جو سب طریقہ سے ہو۔ یہ کیا یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعویٰ ہے نہ اس سے بات کرے نہ اس کے خط کا جواب دے نہ اس سے ملے نہ اس کا کہنا مانے۔ یہ ہرگز یاد نہیں۔ تو جو ذکر بدون اصلاح کے ہو وہ ایسی ہی یاد کی طرح ہے۔

(۱۱۶۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں نفع کا مدار مناسبت پر ہے۔ پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ میں جو لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ روز یہاں آکر قیام کرو۔ اور زمانہ قیام میں مکاتیب مخاطبت نہ ہو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ مناسبت پیدا ہو جائے لوگ اس کو بہت ہی سخت شرط بتلاتے ہیں حالانکہ اس کی ہی سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات ریاضات مراقبات مکاشفات سب بیکار ہیں کوئی نفع نہ ہوگا۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا اگر طبعی مناسبت نہ ہو اور عقلی پیدا کرلی جاوے فرمایا کہ کوئی بھی ہو ہونا چاہئے۔ نفع اسی پر موقوف ہے۔

(۱۱۶۹) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لڑکے بہت ہی بدشوق ہیں تعلیم کی طرف ان کو قطعاً التفات اور رغبت نہیں اس سے میرا قلب پریشان رہتا ہے فرمایا کہ قلب کے پریشان اور مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مومن کو پریشان کرنے والی چیز بجز ایک چیز کے اور کوئی چیز نہیں وہ حق تعالیٰ کی عدم رضا ہے۔ اس سے تو مومن کے قلب میں جتنی بھی پریشانی ہو اکو جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی ہے اور جبکہ رضا کا اہتمام ہے اپنی وسعت اور قدرت کے موافق تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان اور مشوش ہو اس لئے کہ صرف تدبیر ہمارے ذمہ ہے۔ مثلاً تعلیم اولاد کے لئے شفیق استاد کا تلاش کر دینا۔ کاغذ قلم دوات کا مہیا کر دینا کتابوں کا خرید دینا۔ مزید براں علم کے منافع و فضائل سنانا۔ اس کے بعد جو نتیجہ ہو اس پر رضا و تفویض ہی سے کام لینا مناسب ہے۔

(۱۱۷۰) فرمایا کہ رشوت کی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے گو مقبول نہ ہو لیکن نہ دینے سے زیادہ مردودیت ہوگی۔

(۱۱۷۱) فرمایا کہ طریق مشورہ لینے کا یہ ہے کہ کئی شقوق لکھیں اور ہر شق کے مفاسد و

مصالح لکھیں اور پھر ترجیح کی درخواست کریں۔

(۱۱۷۲) فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر الرسول صلے اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کرو اسکی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے ماجلس قوم مجلساً لم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم الا کانت علیھم ترۃ یعنی جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور جس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین یہ لفظ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول صلے اللہ علیہ وسلم دونوں کو علما نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارۂ مجلس ہے۔

(۱۱۷۳) فرمایا کہ کثرت کلام اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اپنی بڑائی ذہن میں ہو اور اپنی بڑائی نظر میں اسی وقت آتی ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کثرت کلام کی اسی وقت ہو سکتی ہے جب حق تعالےٰ سے غفلت ہو اور خدا سے غفلت ایک مرض نہیں بلکہ مجموعۃ الامراض ہے تو جس شخص کو دیکھو کہ کثرت کلام میں مبتلا ہے تو سمجھ لو کہ وہ ایک مرض میں مبتلا نہیں بلکہ بہت سے امراض میں مبتلا ہے۔ اور اس میں وہ تمام امراض موجود ہیں جو ترفع اور تکبر کی فرع ہیں۔

(۱۱۷۴) فرمایا کہ صاحبو اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ایسا فعل ہے جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں آدمی اپنے کو کبھی بڑا نہ سمجھے۔ اگر یوں ذہن میں نہ آوے تو چاہئے بہ تکلف اس کی مشق کرے اہل اللہ نے اس کی تدابیر لکھی ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے اس نے گناہ کم کئے ہیں میری عمر زیادہ ہے گناہ بھی میرے زیادہ ہوں گے اور اپنے سے بڑے کو دیکھے تو یوں خیال کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے اس نے نیکیاں مجھ سے زیادہ کی ہونگی لوگ ان باتوں کو توہمات سمجھتے ہیں لیکن یہ توہمات ہی کام دینے والے ہیں۔

(۱۱۷۵) فرمایا کہ شریعت نے بناوٹ اور محض ظاہری محبت سے منع کیا ہے لیکن اس محبت کی تعلیم دی ہے جو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر حالت میں یکساں ہو جس میں للٰہیت کے سوا کچھ نہ ہو ایسی محبت کی بے انتہا فضیلت حدیث میں وارد ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

قیامت کے دن ندا دی جائے گی۔ این المتحابون فی اللہ اظلہم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو آپس میں حب فی اللہ رکھتے تھے آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دونگا جب کہ کوئی سایہ سوا میرے سایہ کے نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ یاد رکھئے اس محبت کے لئے سادہ ہی زندگی مناسب ہے اور جہاں تکلفات آئے بس محبت کی جڑ کٹی۔

(۱۱۷۶) فرمایا کہ محبت دونوں طرف سے جب ہی ہوتی ہے کہ تساوی ہو اور مسلمانوں میں تساوی یا تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ سب امیر ہو جاویں اور یا اس طرح ہو سکتی ہے کہ سب غریب ہو جاویں اور ظاہر ہے کہ سب کا امیر بننا تو اختیاری نہیں ہاں غریب بننا اختیاری ہے بس باہم محبت کی صورت یہی ہے کہ سب غریب بن کر رہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اپنے اپنے اموال کو پھینک کر محتاج بن جائیں بلکہ غریب بننے سے مراد عادات اور معاشرات میں غریب بن جانا ہے اسی کو دوسرے لفظ میں کہا جاتا ہے کہ سادہ زندگی ہی میں محبت ہو سکتی ہے۔ کہاں ہیں آج کل کے فلسفی جو ہمدردی ہمدردی پکارتے پھرتے ہیں اور تنعم اور تکلف میں پھنسے ہوئے ہیں کیا تنعم کے ساتھ ہمدردی و محبت جمع ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ کیونکہ باہم محبت کے لئے مساوات شرط ہے۔

(۱۱۷۷) فرمایا کہ زیور میں یہ نفع بیان کیا جاتا ہے کہ مال محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ نقد روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور زیور بنوانے سے اس کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ میں اس کو کسی درجہ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کوئی مضرت بھی ہے یا نہیں۔ غور سے معلوم ہوا کہ اس میں قومی ملکی ذاتی سب قسم کی مضرتیں ہیں۔ قومی ضرورت تو یہ ہے کہ زیور دکھلاوے اور بڑا بننے کے لئے پہنا جاتا ہے اور اس سے دوسرے کی تحقیر مقصود ہوتی ہے اور جب اس سے کسی کی تحقیر کیگئی تو مساوات نہیں رہی اور قومی ترقی کا اصل الاصول مساوات ہے۔ ملکی ضرر یہ ہے کہ زیور کی محبت حب مال ہے اور جس قوم میں حب مال ہے وہ کوئی کام ملکی ترقی کا نہیں کر سکتی۔ مال اس کے پیر میں ایک بیڑی ہے جو اس کو کہیں نقل و حرکت کرنے نہیں دیتی واقعات بخوبی اس کے شاہد ہیں کہ جس فوج کے دل میں حب مال داخل ہو گئی اس سے کچھ نہ ہو سکا سوا اس کے کہ لوٹ مار اور ظلم کیا جب کبھی دشمن نے ان کو اپنی طرف بلانا چاہا ذرا سا لالچ دلا کر ملا لیا اور ان کے بادشاہ سے ان کو توڑ کر بہت جلد اسے مغلوب کر لیا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں گئے تھے ترقی ملکی کے واسطے اور ذرا سے لالچ میں اپنے ملک کو تباہ و برباد کر دیا غرض ہزاروں تاریخی واقعات اس کی

شہادت دیتے ہیں کہ حب مال ترقی ملکی کو مانع ہے۔ اور ذاتی مضرت سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ہر وقت خطرہ میں ہے کہ کوئی لوٹ نہ لے کوئی چرا نہ لے کہیں کھو یا نہ جاوے۔ دوسرا ضرر یہ ہے کہ زیور پہنکر عورتیں کچھ کام نہیں کر سکتیں اچھی خاصی پاہج بن جاتی ہیں جب وہ ہلنے چلنے کے کام کی بھی نہ رہیں تو صحت کی جو گت ہو گی وہ معلوم ہے غرضیکہ زیور مانع صحت ہے اور صحت ہر کام کا موقوف علیہ ہے تو زیور کی زیادتی ہر مفید کام کی مانع ہوئی۔ تیسری مضرت یہ ہے کہ بعض دفعہ زیور ٹوٹ جاتے ہیں یا کھوئے جاتے ہیں اور بناتے وقت سنار ان میں کھوٹ ملاتے ہیں یہ سب مالی نقصان ہوا۔ علاوہ ان نقصانات دنیویہ کے دینی نقصانات تو اس قدر ہیں کہ کوئی منفعت اس کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتی اضاعت وقت۔ اور اسراف اور حب مال اور ریا اور تمعہ اور کبر اور تفاخر یہ اس کے نتائج ہیں جس کو ہم لوگوں نے بہت ہی معمولی سمجھ رکھا ہے ان کے متعلق جو وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں ان کو کوئی دیکھے تو کبھی زیور کا نام نہ لے مگر طبائع میں ایسا انقلاب ہوا ہے کہ باوجود دینی ودنیوی نقصانات کے عورتوں کو دن رات اس سے فرصت ہی نہیں۔

(۱۱۷۸) فرمایا کہ اگر بیبیاں یہ طریقہ اختیار کرلیں کہ کپڑے میلے پہنے ہوئے ہوں تو بدل لیا کریں ورنہ ہرگز نہ بدلیں بلکہ جہاں جانا ہو ویسے ہی ہو آیا کریں تو بہت فتنوں سے نجات ہو جاوے۔ اس پر عمل کر کے دیکھیئے اس میں کتنے فائدے ہیں اس کو معمولی بات نہ سمجھیں بلکہ یہ منجملہ ضروریات دین کے ہے کیونکہ بناؤ سنگار کر کے جانے کا منشا محض کبر ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں بڑا ہوں۔ اس عادت کو بدلئے کیونکہ بڑا بننے کی عادت بہت بری ہے حدیث میں ہے لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر یعنی جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائیگا۔

(۱۱۷۹) فرمایا کہ فقہا نے لکھا ہے کہ جس شخص کو مانگنا حرام ہے اس کو اس کے مانگنے پر دینا بھی حرام ہے البتہ دینے والے کو اگر معلوم نہ ہو تو معذور ہے۔

(۱۱۸۰) فرمایا کہ کثرت سوال کا منشا عمل نہ کرنا ہے (باریک بات ہے) جس کو کام کرنا ہوتا ہے وہ تو ذرا سا حکم پاکر اس کی تعمیل میں لگ جاتا ہے بلکہ وہ ڈرا کرتا ہے کہ اگر پوچھوں گا تو کوئی دشواری کام میں نہ پیدا ہو جاوے اور پھر مجھ سے نہ ہو سکے اور جس کو کام کرنا نہیں ہوتا

وہ بھی تقریر یں چھانٹا کرتا ہے۔

(۱۱۸۱) فرمایا کہ جس کی نظر اللہ اور ما عند اللہ پر ہے اس کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و ما فیہا بھی کچھ نہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں کیا اور ایک دینار بھی رکھنا کبھی گوارا نہیں کیا۔

(۱۱۸۲) فرمایا کہ صاحبو مال کی قدر کرو مال دنیا کی زندگی کا سہارا ہے اس کو ہوش و عقل کے ساتھ خرچ کرو اور اگر خرچ کر لینے ہی کا جوش ہے تو اللہ کی راہ میں دو اس میں حوصلہ آزمائی کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب دوم

(۱) جلال آباد جو تھانہ بھون سے قریب ہے وہاں کے ایک خانصاحب کے معرفت موذن مسجد اسٹیشن نے خانقاہ و مدرسہ کے جملہ متعلقین کی دعوت کرنا چاہا حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں دعوت کے کچھ قواعد مقرر ہیں ان کو پہلے سن لیجئے۔ ایک تو وہ جو آزاد ہیں مثلاً مولوی احمد حسن صاحب اور مفتی فضل اللہ صاحب وغیرہ ایسے صاحبوں میں سے جن کی دعوت کرنا منظور ہو ان سے فرداً فرداً کہا جاوے ہر شخص کی جدا طبیعت ہے اس کو اختیار ہے قبول کرے یا نہ کرے۔ یا ممکن ہے کسی کو کچھ شبہات ہوں اور مجھے نہیں ہیں۔ لہذا میری وجہ سے کسی پر دباؤ نہ پڑے۔ اور کسی کو تکلیف نہ ہو کیونکہ مجھکو یاد ہے کہ جب میں مدرسہ دیوبند میں پڑھا کرتا تھا تو مجھے کسی جگہ دعوت میں جانا نہایت گراں گزرتا تھا۔ اور کچھ نہ کچھ بہانا بچنے کے لئے بل ہی جاتا تھا جب مہتمم صاحب کو معلوم ہو گیا کہ اس کی ایسی طبیعت ہے تو پھر انھوں نے فرمانا ہی چھوڑ دیا بس مجھے وہی خیال پیش نظر ہو جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو میری وجہ سے مجبوراً دعوت میں جانا پڑے۔ پھر فرمایا کہ ہر ایک کو وقت بھی بتلا دیجئے اور یہ بھی کہدیجئے کہ پیدل چلنا ہوگا خواہ منظور کریں یا نہ کریں۔ میں خود تنہا جاؤں گا میرے ساتھ کوئی نہ چلے اور لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ چار چار پانچ پانچ ہو کر جاویں زیادہ مجمع ایک ساتھ نہ جاوے۔ پھر فرمایا کہ مجھے اپنے ساتھ مجمع کا جانا اچھا نہیں

معلوم ہوتا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو انجن کی طرح آگے آگے چل رہے ہیں اور پیچھے پیچھے لوگ گاڑیوں کی طرح کھچے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ بہت سے مجمع کے ساتھ جانے کے نامناسب ہوتے پر فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور میں سب طالب علم وغیرہ ایک جگہ دعوت میں جا رہے تھے میں نے خود اپنے کانوں سے بعض لوگوں کو کہتے سنا کہ خدا خیر کرے دیکھئے کس کے گھر پر چڑھائی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ بس میں جب ہی سے یہ سنکر طالب علموں کا کسی کے مکان پر دعوت کھانے کے لئے جانا بالکل بند کر دیا۔ تھوڑے تھوڑے لوگوں کا الگ الگ راستہ سے جانا اس لئے بھی مناسب ہے کہ اگر بہت سا مجمع ہوگا تو آپس میں ہنستے بولتے ہوئے جاویں گے اور بعض کو دعوت کے ساتھ تفریح بھی اس صورت میں مقصود ہوگی بخلاف دو دو چار چار کے جانے کے کہ اس میں قبول دعوت سے محض اتباع سنت مقصود ہوگا تفریح مقصود نہ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ دوسری قسم میں طالب علم اور ذاکرین ہیں۔ یہ لوگ کسی جگہ دعوت میں نہیں جاتے ہیں۔ ذاکرین چونکہ زیر تربیت ہیں اس لئے وہ بھی طالبعلموں کے حکم میں ہیں۔ ان لوگوں کی اگر دعوت کی جائے تو ان کے واسطے کھانا یہیں مدرسہ میں بھیجدیا جاوے۔ اور جو اس میں تکلف ہو تو ان لوگوں کی دعوت ہی نہ کی جاوے۔ بس آپ فہرست دونوں قسم کے لوگوں کی الگ الگ بنا لیجئے اور دوسری قسم کے لوگوں کی فہرست حافظ عبد المجید صاحب کو دیدیجئے وہ اپنے طور پر ہر ایک کو مطلع کر دیں گے تاکہ جس کا جہاں کھانا پکتا ہے وہ تیار نہ کرادے۔ نیز حضرت والا نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ میرا معمول صبح آٹھ بجے کھانا کھانے کا ہے (حسن العزیز حصہ دوم)

ف اس ملفوظ سے حضرت والا کا حسن انتظام۔ تواضع۔ حب جاہ سے نفرت۔ ایذاء مسلم سے سخت حذر۔ دین واہل دین کی محبت وعظمت۔ اتباع سنت اور شان تربیت بلا تکلف ظاہر ہو رہا ہے۔

(۲) فرمایا کہ مجھے دس خط لکھنا آسان اور ایک تعویذ لکھنا موت ہے اور بہت سے آدمی تو ان تعویذوں کی بدولت ہلاک ہو جاتے ہیں کیونکہ تعویذوں کے بھروسے پھر مریض کے مرض کا علاج کرتے نہیں اور مریض ختم ہو جاتا ہے (حسن العزیز حصہ دوم)

ف اس ملفوظ سے حضرت والا کا عملیات سے تنفر نیز حکمت وفراست ظاہر ہے۔

(۳) ایک حاجی صاحب کے یہاں ولیمہ تھا انھوں نے کھانا مدرسہ میں بھیجدیا تھا فرداً فرداً دعوت نہ کی تھی حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے ہی ان کے پوچھنے پر ان سے کہدیا تھا کہ کسی کی بھی

دعوت نہ کرو اس میں ایک تو سب سے کہنے کی دقت سے بچ جاؤ گے دوسرے یہ کہ کسی کی شکایت نہ ہوگی جہاں دل چاہے کھانا بھیجدیا۔ اگر بے وقت پہونچیگا دوسرے وقت کھالیں گے (حسن العزیز حصہ دوم)۔ ف اس سے حضرت والا کی حکمت۔ سادگی، سہولت پسندی رسومات کا پابند نہ ہونا ظاہر ہے۔

(۴) ایک ڈپٹی کلکٹر نے خواب میں دیکھا کہ نواب کی مجلس میں ایک بالاخانہ پر موجود ہیں وہاں ایک بزرگ ہیں انھوں نے ڈپٹی صاحب سے کہا کہ میں تم سے اپنی لڑکی کا عقد کرنا چاہتا ہوں چنانچہ نکاح خواں بلائے گئے۔ لڑکی کا نام مثنوی مولانا روم فرمایا اور وہ بزرگ خود مولانا روم رہ تھے۔ حضرت والا نے فرمایا خواب نہایت مبارک مضمون کو محاورہ میں بنت فکر کہتے ہیں پس لڑکی سے مراد یہی مضمون ہے اس معنی کر مثنوی شریف کو مولانا کی لڑکی کہا ہے۔ تعبیر اس کی یہ ہے کہ صاحب خواب کو مثنوی مولانا روم سے مناسبت اور اس سے فیض ہوگا۔ پھر دریافت سے معلوم ہوا کہ واقعی ڈپٹی صاحب کو تصوف سے ذوق ہے ف اس سے حضرت والا کی مناسبت تعبیر سے معلوم ہوئی۔

(۵) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سونے اور چاندی کے بٹن لگانا کیسا ہے اور ان میں زنجیریں ڈالنا کیسا فرمایا ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس میں حرج نہیں ہے فقہا کی یہ عبارت ہے لا باس بازرار الذہب لانہ تابع تو زر میں بٹن کو داخل کرتے ہیں مگر قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نے ناجائز کہا ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ زر کے معنی گھنڈی کے ہیں جس سے مراد وہ گھنڈی ہے جس پر کلابتون لپٹا ہوتا ہے۔ بٹن مراد نہیں۔ اسی واسطے میں دونوں قول نقل کردیتا ہوں۔ اور قاری صاحب کی بات ہے دل کو لگتی ہوئی۔ کیونکہ تبعیت کی شان گھنڈی میں زیادہ ہے بٹن میں نہیں۔ اس لئے احتیاط قاری صاحب کے مسلک میں ہے۔ زنجیروں میں تو تبعیت کی شان ہی نہیں وہ کیسے جائز ہوں گی ہاں ان کو تابع کا تابع کہ سکتے ہیں جس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ ف اس سے حضرت والا کا عمل بالاحتیاط ثابت ہوا جو لازم ہے ورع و تقویٰ کے لئے۔

(۶) ایک صاحب حضرت کی خدمت میں ایک کاغذ لے کر آئے جس میں لکھا تھا کہ میں فلاں گانوں میں عیدگاہ تعمیر کرا رہا ہوں۔ اس کے متعلق چندہ لوگوں سے چاہتا ہوں مطلب یہ کہ آپ تصدیق فرمادیں گے تو آپ کی تصدیق فرمانے پر لوگ چندہ دیں گے

اور چند علماء سے اس کاغذ پر بھی دستخط کرا کر لائے تھے۔ حضرت نے دستخط سے انکار فرما دیا ان سے اس کے متعلق مسئلہ بھی بیان فرما دیا اور چند حکایات بزرگان و فقہائے پیشین کی اس کے متعلق بیان فرمائیں مگر یہ بات ان کے خیال میں نہ آئی دوسرے روز پھر وہ کاغذ لیکر آئے اور ایک ایسے شخص کو ہمراہ لائے جو حضرت والا سے خاص تعلق رکھتے تھے مقصود یہ ہوگا کہ ان کے دباؤ سے دستخط فرما دیں گے اور وہ کاغذ پیش کیا۔ فرمایا کہ میں نے کل اس قدر سمجھایا تھا کچھ خیال میں نہ آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنے کا قصد ہی نہیں۔ مکرر کہتا ہوں کہ جب تک میں اس موقع کو آنکھ سے نہ دیکھوں دستخط کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ تو شہادت ہے اور شہادت بدون خود دیکھے جائز نہیں مسئلہ کے خلاف کیسے دستخط کر دوں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ دوسرے کے دستخطوں پر دستخط کر دئے جا دیں۔ باقی بعض حضرات کا دستخط کر دینا تو انھوں نے موقع کو دیکھ لیا ہوگا۔ اور اگر بلا دیکھے دستخط کر دئے تو وہ جانیں مجکو اس سے کیا۔ دستخطوں پر اصرار کیوں ہے خدا کے لئے کام کرو۔ دوسرے پر جبر کس لئے کرتے ہو۔ پھر ان کے جانے کے بعد فرمایا کہ اس پر لوگ مجکو بد اخلاق کہتے ہیں خلیق کے معنیٰ آجکل یہ ہیں کہ سب کی ہاں میں ہاں ملائے بس وہ خوش اخلاق ہے۔ اب حافظ جی کو یہ شخص اپنے ساتھ لائے ہیں کہ دباؤ پڑے گا۔ جب مرضی معلوم ہوگئی تو دباؤ ڈالنے کے کیا معنیٰ۔ پھر فرمایا کہ خدا جانے جس گاؤں میں عیدگاہ کی بابت اس شخص کا ارادہ ہے اس میں عید اور جمعہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ اکثر دیہات کی ایسی ہی حالت ہے۔ ف اس سے بھی حضرت والا کا عمل بالاحتیاط۔ ورع و تقویٰ۔ دین کی بات میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرنا ظاہر ہے۔

(۷) فرمایا کہ وقت پر کام کرنے سے ذرا اہتمام تو کرنا پڑتا ہے مگر کام کر کے بیفکری ہو جاتی ہے اگر تساہل کیا جاوے تو بعد میں بڑا بار اور دقت پیش آتی ہے۔ میں نے یہ اس لئے کہا کہ اور لوگ بھی پابندی کریں۔

ف۔ اس سے حضرت والا کا حسن انتظام و حکمت ثابت ہے۔

(۸) فرمایا کہ آج کل تو تعلیم یافتوں کا مذاق یہ ہے کہ احکام شرعی کی علت اور حکمت سے بہت سوال کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے کہا کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے

اسی طرح ایک صاحب کو میں نے جواب دیا تھا کہ خدا کے احکام میں تو کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی - آپ یہ بتلایئے کہ آپ کے سوال عن الحکمہ کرنے میں کیا حکمت ہے - اس کو سن کران کی آنکھیں کھل گئیں - لوگ ایسے جواب پر اعتراض کرتے ہیں کہ ڈھیلا سا مارتے ہیں حالانکہ ایسے ہی جواب سے ان کی بدتمیزی بالکل ظاہر ہو جاتی ہے - یہ لوگ اپنے کو عقل کل سمجھتے ہیں - میں کہتا ہوں کہ عقل کل نہیں بلکہ عقل گل ہیں یعنی ان کی عقل بالکل گل ہو گئی - مگر یہ ضرور ہے کہ ان سے گفتگو میں مزہ آتا ہے کیونکہ یہ سمجھ میں آنے سے مان لیتے ہیں معقولیوں کی طرح نہیں کہ اپنی بات پر اڑے رہیں -

مولوی عبدالحق صاحب نے ایک مولوی صاحب کا لقب اڑیل ٹٹو رکھا تھا - جمود و اصرار بھی بری چیز ہے - آجکل اس کو کمال سمجھا جاتا ہے - اگر غور کیا جائے تو اس میں عزت نہیں بلکہ سب ذلیل سمجھتے ہیں کیونکہ غلطی سب کو معلوم ہو ہی جاتی ہے - بلکہ غلطی کا اقرار کر لینے میں عزت ہے - ایسے شخص کی نسبت لوگ بطور مدح کہا کرتے ہیں کہ یہ غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں بخلاف اڑنے والوں کے کہ لوگوں کی نظر میں ذلت ہوتی ہے اور وہ اس غرض سے اڑا کرتے ہیں کہ غلطی کا اقرار کر لینے پر لوگ ان کو حقیر سمجھیں گے -

ف اس ملفوظ سے حضرت والا کی جس طرح شان تربیت واضح ہے اسی طرح حکمت وفقہ ظاہر بھی

(۹) فرمایا کہ عملیات سے جو ہوتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی - قلوب پر اثر نہیں پہنچتا البتہ اثر صاحب حق کا ہوتا ہے اس کی صورت دیکھ کر کشش ہوتی ہے جو بلا کرامت ہو تو اثر زیادہ ہوتا ہے - کیونکہ کرامت میں تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کچھ اور بات نہ ہو - یہ عجیب اثر ہے حق میں اب کشش اتباع سنت میں ہے اور اتباع سنت میں دھوکہ نہیں ہوتا - کیونکہ آدمی اپنے کو کہاں تک بنا وے گا - راز ایک نہ ایک روز کھل جاتا ہے -

ف اس سے حضرت والا کی فراست وحقیقت شناسی ظاہر ہوتی ہے -

(۱۰) فرمایا کہ بزرگوں کے سامنے سے جو کھانا اٹھا کر ان ہی کے سامنے کھاتے ہیں تو اس طریق متعارف کے خلاف ہوں کیونکہ جس کے سامنے سے تبرک سمجھکر کھانا لیا ہے اگر وہ متکبر ہے تو اس کا تکبر بڑھتا ہے اور اگر متواضع ہو تو اس کو اذیت ہوتی ہے بلکہ یوں کیا جائے کہ جب کھانا اٹھ جائے تو مالک سے مانگ لے - سامنے سے لیکر کھانا چاٹنا ٹھیک نہیں

ف - اس سے رسومات سے حذر - شان تربیت - حقیقت شناسی وحکمت ظاہر ہے

(۱۱) فرمایا کہ مجکو جب تک مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہو جاتا جواب نہیں دیتا تردد کی صورت میں جواب دینا جائز نہیں اور اطمینان ہو جانے پر مواخذہ نہیں ۔ اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر مسئلہ کا جواب دیا جاوے ۔ خواہ اس میں تردد ہی ہو ۔ بلکہ اگر خود اطمینان نہ ہو تو اوروں پر حوالہ کر دیا جاوے کہ سائل دوسری جگہ دریافت کر لے ۔ اور اس میں راحت کیسی ہے اور خوامخواہ جواب دینے میں یہ ہے کہ روزانہ کتابیں دیکھو ٹکریں مارو پھر اعتراض پڑے جواب دو ۔ یہ ساری خرابیاں اپنے کو بڑا سمجھنے کی ہیں ۔ یوں خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ جواب بھی نہ دیا گیا ۔

ف ۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا تقویٰ و احتیاط ۔ صفائی معاملہ ۔ عبدیت تذلل ۔ سہولت پسندی ظاہر ہے ۔

(۱۲) فرمایا کہ میں تکلف کو پسند نہیں کرتا ۔ لوگ مجکو حضرت حضرت کہا کرتے تھے مجکو ناگوار ہوتا تھا میں نے منع کر دیا ۔ مولوی صاحب کہدیں ۔ مولانا صاحب کہدیں ۔ سیدی و مولائی وغیرہ الفاظ سے مجکو تکلیف ہوتی ہے ۔ سید و مولا تو کہتے ہیں آقا کو ۔ مجکو تو آقا بنایا اور اپنے کو غلام اور غلام کے معنی ہیں کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو ۔ حالانکہ مرید کہیں غلام تھوڑا ہی ہے ۔ یہ مبالغہ ہے تعظیم میں ۔ اسی طرح مجکو ہاتھ چومنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مخدوم العالم کا لفظ بھی سخت ہے ۔ جھکنا وغیرہ سب تکلفات ہیں ۔

(ف) اس سے تکلف و تصنع سے حذر اور تواضع و عبدیت ظاہر ہے ۔

(۱۳) فرمایا کہ جو لوگ مولویوں کو حقیر سمجھتے ہیں ان کے ساتھ جو مولوی نرمی کرتے ہیں مجکو برا معلوم ہوتا ہے ان کے ساتھ تو معاملہ ہونا چاہئے التکبر مع التکبرین عبادۃ جیسے یہ لوگ علمار کو احمق سمجھتے ہیں ان کو بھی دکھانا چاہئے کہ تم کو بھی کوئی احمق سمجھتا ہے ۔ ان سے تو یوں کہنا چاہئے کہ ہم سے تم میں سوائے تکلف کے کپڑوں کے اور کیا زیادہ ہے سو جن پر کپڑوں کا رعب ہوگا ان پر ہوگا مگر ہم کپڑوں سے کیوں معزز سمجھیں ۔

(ف) اس سے حضرت والا کے استغنا کی شان ثابت ہوتی ہے ۔

(۱۴) فرمایا کہ میانجی صاحبان کا دستور ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں ۔ اس سے آپس میں عداوت ہو جاتی ہے ۔

ف ۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ۔ انجام بینی ثابت ہوتی ہے ۔

(۱۵) ایک شخص حضرت کے لئے آم اور گھی ہدیہ میں لائے چونکہ حضرت معاملہ میں زوجین کے درمیان پورا عدل فرماتے ہیں حضرت والا نے اپنے ملازم سے ترازو منگائی اور یہ فرمایا کہ جو صاحب لائے ہیں وہی نصفا نصف کر دیں تو مناسب ہے۔ پھر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی چیز میرے ایک مکان پر جائے اور وہاں سے تقسیم ہو کیونکہ میں ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بنانا نہیں چاہتا اور اگر یہ صورت کروں کہ دونوں میں سے کبھی کوئی اور کبھی کوئی نمبروار تقسیم کیا کریں تو اس کا یاد رکھنا مشکل ہے اس لئے تقسیم لانے والے کے ذمہ۔ اور یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بناؤں۔ لوگوں نے نکاح ثانی آسان سمجھ لیا ہے۔ مناسب ایک ہی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ذالك ادنیٰ الاتعولوا میں زیادہ پسندیدہ کو مروج کرنا چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ نکاح ثانی نہ کریں چنانچہ میں نے اپنے رسالہ القلوب المنقلبہ میں لکھوا دیا ہے ؎ من نہ کردم شما حذر بکنید۔

ف ۔ اس سے حضرت والا کا عدل بین الزوجین ۔ تقویٰ ۔ احتیاط ثابت ہوا۔

(۱۶) کسی نے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ جو لوگ حرام مال کھاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ فرمایا کہ مجھکو فضول سوال سے سخت گرانی ہوتی ہے ۔ جو بات دوسروں کے متعلق دریافت کی ہے اس کا جواب یہ ہے ؏ تجھ کو کسی کی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

ف ۔ اس سے حضرت والا کا تنفر لایعنی باتوں سے ظاہر ہے ۔

(۱۷) کسی حکیم صاحب نے لکھا کہ میں ایک درزی کا علاج کر رکھا تھا اور اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا تھا وہ ایک عرصہ تک چھتری نہیں لایا۔ اس کے بعد وہ ایک خوبصورت چھتری لایا دیکھ کر بہت خوشی ہے تو یہ اشراف نفس ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ اشراف وہ ہے جس پر یہ آثار مرتب ہوں کہ نہ دیتے پر غصہ آوے اور ناگواری و شکایت پیدا ہو۔ علاج کرنا چھوڑ دے علیٰ ہذا القیاس اور محض اس احتمال کو نہیں کہتے کہ شاید وہ لے آوے۔ اور یہ بھی اہلِ توکل کے لئے ہے اور اہل تاکُّل کے لئے نہیں یعنی جو لوگ پیشہ کرتے ہیں مثلاً طبابت ان کے لئے اشراف کا بھی کوئی حرج نہیں اگرچہ وعدہ نہ پورا کرنے پر غصہ آوے مجھ کو بھی اشراف کی حقیقت معلوم نہ تھی ایک بزرگ کے سوال سے معلوم ہوگئی۔ قصہ یہ ہوا کہ میں ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں مجھ سے ایک عالم درویش نے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کو کبھی بلانے پر رئیسوں کے یہاں جانے کا اتفاق ہوتا ہے اور وہاں سے کچھ ملنے کی بھی امید

ہوتی ہے تو یہ اشراف نفس ہے یا نہیں) پس محض احتمال کو اشراف نہیں کہتے تاوقتیکہ اس پر آثار مذکورہ بالا مرتب نہوں یعنی اگر وہ ندیں تو ناگواری وشکایت پیدا ہو انھیں نے اس جواب کو پسند کیا تو یہ کمال ان بزرگ کا ہے جنھوں نے پوچھا تھا کہ ان کے سوال کی برکت سے یہ جواب میرے ذہن میں آگیا میرا کوئی کمال نہیں۔

ف۔ اس سے حضرت والا کی دقت نظری۔ سلامت فہمی اور خمول پسندی۔ تواضع وانکسار ثابت ہے۔

(۱۸) فرمایا کہ اہل باطل کے مذہب کو جو کچھ ترقی ہوتی ہے وہ سعی اور روپیہ کے زور سے ہوتی ہے اور حق کو خود بخود ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی وغیرہ کے مذہب کو جو کچھ ترقی ہوئی اس کا باعث یہی تھا۔ مرزا نے کتنے دنوں سے دعویٰ کیا مگر قابل غور یہ بات ہے کہ مرزا نے کتنے مسائل دینیہ کی تحقیق کی۔ بس یہی رہا کہ میں مسیح موعود ہوں، میں فلاں ہوں، میں کرشن ہوں مسیح بننے سے عیسائیوں کو نفرت ہوئی، کرشن بننے سے ہندوؤں کو نفرت ہوئی۔ دعویٰ رسالت سے مسلمانوں کو نفرت ہوئی۔ کسی کو بھی ہدایت نہیں ہوئی۔ رہا کمال الدین کا لندن پہنچنا اور وہاں کسی انگریز کا مسلمان ہو جانا سو اس میں کمال الدین کا کوئی کمال نہ تھا وہ انگریز خود پہلے سے مسلمان تھے۔ اس سے زیادہ تو حبیب احمد تھانوی نے کام کیا جو لندن میں تھے۔ ان کے اثر سے کئی انگریز مسلمان ہوئے ان کے خطوط یہاں آئے تھے۔ ایک خط میرے بلانے کے لئے بھی آیا تھا۔ میں اس شرط سے لندن جانے کو تیار تھا کہ سفر کا کوئی نفع مظنون ہو اور اس کا امتحان میں نے تجویز کیا تھا کہ وہ چند شبہات دہریوں کے اردو میں ترجمہ کرکے یہاں بھیجیں اور میں ان کے جواب لکھوں پھر وہ ان جوابوں کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اہل شبہات کے سامنے پیش کریں اگر اس سے کچھ نفع کی امید ہو تو سفر کیا جاوے ورنہ کیا فائدہ مگر وہاں سے اس خط کا جواب ہی نہیں آیا۔

ف۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی۔ اشاعت دین کی مستعدی بدرجہ کمال ظاہر ہے

(۱۹) فرمایا کہ آجکل ادعا اور اظہار بہت ہے حالانکہ جو کام کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے۔ اگر اللہ کے لئے ہے تو اللہ میاں کا علم کافی ہے اور اظہار کی کیا حاجت اور اگر نفس کے لئے ہے تو کوئی نتیجہ نہیں پھر اظہار کس کا اس کا امتحان کہ یہ اللہ کے لئے یہ کام کر رہا ہے یا نفس کے لئے یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص اسی کام کا آجاوے تو

یہ خود چھوڑ کر بیٹھ جاوے اور غنیمت جانے کہ اس نے میرا کام ہلکا کر دیا آجکل تو یہ حالت ہے کہ اگر ایسا ہو تو دونگ ہو جاویں نہ مولویوں میں اخلاص ہے نہ مشائخ میں الا ماشاء اللہ۔

ف ۔ اس سے ادعا و اظہار سے نفرت اور کمال عقل و حکمت ۔ کید نفس کی شناخت ظاہر ہے

(۲۰) فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور بیعت ہونا چاہا مگر اخیر میں انھوں نے دو عیب نکالے ایک یہ کہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں دوسرے یہ کہ لطائف کی تعلیم نہیں کرتے ۔ جو کپڑے کہ میں اس وقت پہن رہا ہوں ان کو بڑھیا کپڑوں میں شمار کیا تھا حالانکہ میرے پاس جو مکلف کپڑے آجاتے ہیں ان کو پہنتا تک نہیں ۔ بس میں نے ان سے کہا کہ آپ تشریف لیجائیے جہاں لنگوٹے بند ہوں وہاں جایئے ۔ اور ایسے شخص کے پاس جایئے جہاں آپ سے پوچھکر تعلیم کیجاوے ۔ اگر میں لیپ پوت کرا ور مختلف تدابیر سے ان کو اپنی طرف متوجہ کرتا مرید کرتا جیسا آجکل شائع ہے تو کیا نتیجہ ہوتا ۔ اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کر دے ہم خدمت کرنے کو تیار رہیں مگر کسی کو لپٹتے نہیں ۔ فہیم کا رہنا اچھا اور بد فہم کا نکل جانا ہی اچھا اور فرمایا کہ حضرت آجکل پیری مریدی محض دوکانداری ورسم پرستی ہو رہی ہے روغن تاز ملکہ کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں اگر صدق بھی ہے تو تحقیق نہیں بعض جگہ اس کی کوشش ہے کہ امرا کو کھینچا جاوے حالانکہ خاک نشینوں کا مرید ہونا علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی اور دنیا دار امرا کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیا دار ہونے کی کیونکہ الجنس میل الی الجنس یعنی جھکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے ۔ کہیں قازا ور مور جا رہے تھے لوگوں کو دیکھکر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے کسی فہیم نے کہا کہ بدون اس کے ساتھ ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے غور کر کے دیکھا تو دونوں لنگڑے تھے اور اگر اہل حق کے یہاں امرا بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں لہذا غربا ہی رہے بڑا ہو کر چھوٹا ہو جاوے یہ ہے کمال ۔ یہ باتیں ہیں سمجھنے کی ۔

ف اس سے حضرت والا کی فراست شان تربیت ۔ استغنا صاف ظاہر ہے ۔ اور رسم پرستی کی مخالفت بھی ۔

(۲۱) ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہاں مدرسہ میں روپیہ وغیرہ دینے سے رسید دی جاتی ہے فرمایا یہاں کوئی رسید نہیں دی جاتی ۔ یہاں تو یہ ہے کہ جس کا جی چاہے دو جس کا دل چاہے مت دو ۔ رسید کا اہتمام تو ہم جب کریں جب خود مانگتے ہوں ہم جب

مانگتے نہیں تو کیوں جھگڑا کریں۔ ہمیں تو برارت عند اللہ چاہیے تقلیل تعلقات میں بڑی راحت ہے ورنہ ایک تعلق سے دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے سے تیسرا پھر سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا۔ دو بھائی تھے ایک بادشاہ دوسرا فقیر۔ فقیر لنگی باندھے پھرا کرتے۔ ایک روز بادشاہ نے بلا کر کہا کہ بھائی مجھ کو تمہارے اس حال سے لوگوں کے روبرو بڑی غیرت آتی ہے۔ تم پاجامہ تو پہنو۔ اچھی طرح رہو وہ بولے مجھ کو انکار نہیں پاجامہ کے ساتھ ایک کرتہ بھی ہو۔ بادشاہ بولے کرتے بہت وہ بولے پھر کرتے کے ساتھ ٹوپی بھی ہونی چاہیے بادشاہ نے کہا ٹوپی بھی بہت وہ کہنے لگے کہ پھر گھوڑا بھی سواری کو ہونا چاہیے اس نے کہا کہ گھوڑے بھی بہت۔ فقیر نے اسی طرح سلسلہ وار بہت سی حوائج کی ضرورت بیان کی۔ بادشاہ نے کہا کہ سب چیزیں موجود ہیں آپ چلئے حتیٰ کہ تخت سلطنت بھی حاضر ہے۔ شاہ صاحب کہنے لگے کہ میں پاجامہ ہی کیوں پہنوں جس کے لئے اتنے جھگڑے کرنا پڑیں۔ اسی طرح یہاں کا قصہ ہے کہ ہم مانگیں کیوں جس کے لئے رسید وغیرہ کے قصے کرنے پڑیں۔ ف اس قصے سے حضرت والا کا کثرت تعلقات سے تنفر ثابت ہے

(۲۲) فرمایا کہ علیگڈھ کالج میں ایک فساد عقیدہ کا مرض ایسا مہلک ہے کہ دیگر امراض کا نہ ہونا کوئی تسلی کی بات نہیں۔ وہاں وعظ بھی میرا ہوا تھا طلبا وغیرہ سنکر بہت خوش ہوئے بات یہ ہے کہ اگر خیر خواہی مدنظر ہوا اور تعصب نہ ہو تو اس کا اثر بھی ہوتا ہے۔ بعض طلبا کہتے تھے کہ ایسے واعظ نہیں ملے یا تو کافر بنانے والے ملے یا ہاں میں ہاں ملانے والے۔ دونوں سے نفع نہیں ہوتا۔ جب میرٹھ میں موتمر الانصار کا جلسہ تھا تو ایک مولوی صاحب نے وعظ میں یہ کہا کہ کالج علیگڈھ ملعونین پیدا کرتا ہے اور مدرسہ دیوبند مرحومین کو۔ یہ الفاظ سنکر لوگ بہت بھڑکے۔ اگلے روز میں کھڑا ہوا اور اس کے متعلق تقریر بیان کی۔ میں نے کہا تعجب ہے کہ فلسفی ہو کر آپ حضرات برا مانتے ہیں۔ ان مولوی صاحب نے گو لفظ سخت کہا مگر دیکھنا یہ ہے کہ نیت ان کی کیا تھی۔ ان شکایت کرنے والوں میں حکام بھی ہیں اور حکام یہ خوب سمجھتے ہیں کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم ہو یہ دیکھتے ہیں کہ اسکی نیت کیا تھی اگر نیت نیت اچھی تھی تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صاحبوں کا مذہب فطرت پرستی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا نے فطرۃً مختلف طبائع بنائے ہیں کوئی سخت ہے کوئی نرم ہے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کا مزاج کیسا تیز تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا کیسا نرم تھا۔ سو اگر ان مولوی صاحب کا مزاج موسیٰ علیہ السلام کا سا ہوا تو اس میں کیا قباحت ہے باقی ہمارا اصلی مذاق یہ ہے کہ ہم آپ کی دل شکنی نہ کریں کیونکہ

ہم کو آپ سے کام لینا ہے۔ آپ کام کی جماعت ہیں اس لئے ہم آپ کے قلب کو شکستہ کرنا نہیں چاہتے۔ سب شگفتہ ہو گئے۔ اور میں نے کہا کہ ان مولوی صاحب کا نفع تو ہم اپنی زبان سے نہ کہیں گے مگر آپ کے انصاف پر چھوڑتے ہیں ذرا دیکھئے آپ کے یہ اعمال ہیں یہ عقائد ہیں۔ آپ سوچئے کہ آپ ایسے شخص کو جس کو اسلام سے اتنا بعد ہو کیا کہیں گے ہم تو اقراری مجرم بنانا چاہتے ہیں۔ ہم فتویٰ نہیں دیتے۔ آپ سے پوچھتے ہیں۔ سب سرنگوں تھے حالانکہ اس سے زیادہ سخت کہدیا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ آپ دین میں شبہات نکالتے ہیں اور علماء سے پیش کرتے ہیں اور بزعم خود اس طرح اپنی اصلاح چاہتے ہیں۔ مگر رفع شبہات اور اصلاح کا یہ طریق نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ کم از کم چالیس دن فراغت کے تجویز کر لیجئے اور جس بزرگ محقق سے آپ کو مناسبت ہو اس مدت میں اس کے پاس رہئے اور جاتے ہی اپنے شبہات کی ایک فہرست اس کو دیدیجئے اور بولئے نہیں۔ جو کہئے زبان سے نہ کہئے چاہے اس فہرست میں روزمرہ بڑھاتے جایئے اور جو وہ کہے بغور سے سنا کیجئے اور رات کو غور کیا کیجئے۔ اسی طرح چالیس روز تک عمل رکھئے۔ چالیس روز کے بعد اگر کوئی شبہ رہے تو کہنا میں زبانی نہیں کہتا مشاہدہ کراتا ہوں۔ المشیر کے اڈیٹر صاحب وہاں بیٹھے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے تعلیم جدید والوں سے جو وہاں بیٹھے تھے کہا کہ جو کچھ مولانا نے فرمایا اس میں آپ لوگوں کو کیا شبہ ہے تو بولے کہ اس میں کیا شبہ کہ بس اس میں تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اس میعاد میں جنید بغدادی تو نہ بناؤں گا مگر انشاء اللہ مسلمان بنا دوں گا۔ غرض متفرق طور پر قیل و قال ٹھیک نہیں ایک دفعہ تو مصلح کو اپنے امراض کی اطلاع دیدو پھر موقع پر وہ خود حل کر دیگا۔ طبیب کو امراض بتلا دو پھر وہ ان امراض میں خود ترتیب دے لیگا کہ سبب کیا ہے۔ فرع کیا ہے۔ یہ طبیب کا کام ہے کہ اصل کا علاج کرے فرع کا علاج خود ہو جاوے گا۔ یہ لوگ با توفی ہوتے ہیں آتا کون ہے۔ البتہ بعض ان میں سے خط و کتابت رکھتے ہیں۔ اصلی مذاق میرا یہ ہے کہ مجکو ان لوگوں سے محبت ہے یہ لوگ برے نہیں کوئی کام لینے والا ہو۔ البتہ پنجاب کے بعضے انگریزی خوانوں کی طرف سے دل دکھانے والے خط آتے ہیں کالج علیگڈھ سے ہمیشہ مہذب خطوط آئے مؤدب لوگ ہیں۔ **ف** اس ملفوظ سے حضرت والا کی حکمت و عقل کامل۔ تجربہ۔ فراست شائستہ عنوانی۔ حق گوئی۔ شان تربیت ثابت ہوئی۔

(۲۳) فرمایا کہ بدعات کی طرف میلان کی وجہ یہ بھی ہے کہ بدعات میں رونق خوب ہے

مال خوب کھانے کو ملتے ہیں۔ اور سنت پر عمل کرتے ہیں سوکھے بیٹھے رہو۔ نفسانی کیفیات بدعات میں ہے اور سنت میں روحانی کیفیت ہے مگر بدعات کی کیفیت سب کو محسوس ہے اور سنت کی کیفیت کی عام کو اطلاع نہیں بلکہ بعض اوقات خود اس کو بھی اس کا ادراک نہیں ہوتا جب تک کہ ادراک لطیف نہ ہو جاوے روحانی کیفیات جیسے حضور مع اللہ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شیرہ چاٹنے والے کو قند دے تو اس کو اس کے مزہ کا ادراک نہ ہوگا ہاں اس کو اتنی مدت تک پلائے کہ شیرہ کا اثر رفع ہو جاوے تو ادراک ہوگا۔

ف اس سے حضرت والا کی فراست و حقیقت پسندی ظاہر ہے۔

(۲۴) حضرت سے ایک بی بی نے سرمہ طلب کیا تھا حضرت نے وعدہ نہیں فرمایا کہ میں دلادوں گا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ کسی لڑکے کو بھیج دینا میں دیدوں گا چنانچہ ایک لڑکے کو بعد ظہر بھیجا اور حضرت نے اسی وقت سرمہ کی پڑیہ بکس میں سے نکالکر اس کو دیدی اور حاضرین سے فرمایا کہ ترتیب اور ضبط سے خوب کام ہوتا ہے اس انتظام کو لوگ تنگی کہتے ہیں اگر میں یہ کہدیتا کہ سرمہ لادوں گا اور کام میں بھول جاتا اور پھر وہ یاد دلاتیں اور پھر وعدہ لانے کا کرتا اور پھر بھول جاتا یہاں تک کہ اس میں ایک عرصہ گذر جاتا کام بھی دیر سے ہوتا۔ اور وعدہ خلافی بھی ہوتی۔ مگر دیکھئے اس ترتیب میں کیسی آسانی سے کام ہوگیا مگر آجکل اس ترتیب اختیار کرنے والے کو لوگ بداخلاق کہتے ہیں اور جو وقت کی صورت ہو وہ اختیار کی جاوے تو ایسا شخص خوش اخلاق کہلاتا ہے۔ ف اس سے حضرت والا کا حسن انتظام اور سلامت روی ثابت ہے۔

(۲۵) ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی اب کیا حال ہے۔ کیا بیماری ہوگئی تھی۔ فرمایا ہولیا جو ہولیا۔ اب اس کا تذکرہ ہی کیا میں تو اپنی بیماری کا تذکرہ بھی نہیں لکھتا۔ لکھنے میں یہ ہوتا ہے کہ پھر آپس میں جواب سوال ہوتے ہیں کہ اب کیا حال ہے۔ کیا مرض ہوگیا تھا۔ بعضے بیماریوں کی اس طرح فہرست گناتے ہیں کہ اس میں ناشکری کی نوبت آجاتی ہے۔ ہاں بعض اوقات سائل کے خیال سے کہ اس نے تو حال پوچھا اگر طبیعت کا حال نہ کہا جاوے تو اس کی دلشکنی ہوگی اس لئے موجودہ مرض کا حال کہدے باقی مضی ما مضی۔ اسی طرح تعزیت میں بوجہ واقعہ گذر جانے کے غلو کو روکا ہے کہ اس کی مدت فقہا نے تین دن فرمائی ہے۔ اس کے بعد نہیں کیونکہ غم نہ رہا۔

ف اس سے حضرت والا کا لایعنی سے احتراز۔ احتیاط و تقویٰ۔ دوسروں کی دلجوئی ظاہر ہے۔

(۲۶) آموں کے موسم میں حضرت نے تمام اہل مدرسہ اور ذاکرین اور بعض اہل قصبہ کی دعوت آموں کی فرمائی اور یہ فرمایا کہ کل صبح سب صاحب مدرسہ میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ وقت معین پر سب جمع ہو گئے اور باغ میں آم کھانے کے لئے گئے۔ حضرت بھی تشریف لے گئے۔ مجمع میں بعض صاحب ایسے تھے جو چھلکا گٹھلی چلانے کی نیت سے گئے تھے چنانچہ انھوں نے اس کا ارادہ کیا حضرت نے تنبیہ فرمائی جس سے وہ رک گئے اور کسی کی جرأت نہ ہوئی اور پھر فرمایا کہ اس مجمع میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو کھیل میں شریک ہونا چاہتے ہیں دوسرے وہ جو نہیں چاہتے، تو جو شریک ہونا نہیں چاہتے ان کو مجبور کرنا ناجائز ہے وہ اگر شریک ہوں گے تو نفس کو مار کر شریک ہوں گے۔ اور جو کھیلنا چاہتے ہیں وہ دل کو مار کر رہیں گے۔ میں نہ نفس کو مارنا چاہتا ہوں نہ دل کو۔ یوں کریں کہ جو لوگ کھیلنا چاہتے ہیں وہ ایک فہرست بنائیں ان کے لئے علیحدہ سامان کر دیا جاوے۔ میں کھیل کو منع نہیں کرتا۔ ناجائز تھوڑا ہی ہے۔ مگر اس کا ایک ضابطہ ہونا چاہئے۔ اور جو شرکت نہیں چاہتے ان کو کیوں مجبور کیا جاوے۔ ف واقعی اہل اللہ اگر کسی غیر منہی عنہا کھیل کود کے موقع پر بھی شامل ہوتے ہیں تو ان سے وہاں بھی دینی فائدہ ہوتا ہے اور ایک انتظام کی صورت معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسی موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ کونسی صورت جلسہ کے ساتھ آم کھانے کے لئے جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر کام ضابطہ سے ہونا چاہئے گو کہ معمولی کام ہو اس سے حضرت والا کا حسن انتظام اور حدود شرعیہ کا لحاظ تام ثابت ہو۔

(۲۷) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ہندو اگر افطاری میں مٹھائی بھیجے تو اس کا کھانا کیسا ہے فرمایا کہ فتویٰ کی رو سے جواز تو ہے مگر مجھ کو غیرت آتی ہے کہ آئندہ یوں کہنے لگیں کہ اگر ہم مدد نہ کرتے تو کیسے بہار ہوتی مسجد میں ایسے موقع پر ان کے شریک کرنے سے دو خرابیاں ہیں ایک تو امتناں (کافر کا احسان) دوسرے مسلمان میں کرم غالب ہے سوچتے سمجھتے ہیں نہیں پھر ان کے تہواروں میں مدد دینے لگتے ہیں۔ ہندوؤں کا طریقہ ہے کہ اول تو احسان کرتے ہیں پھر اپنا کام بناتے ہیں۔ ایک جگہ ہندوؤں نے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور علماء سے کہا کہ مدرسہ عربی بناؤ اور یہ کہا کہ اس قدر روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے قربانی

موقوف کردو۔ بعض علماء نے کہا کہ بہت روپیہ ہے لیلو۔ دیکھئے یہ دین پر اثر ہوا۔ ہمارا مسلک تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر تمام دنیا ملے اور ایک مسئلہ میں خلاف کرنا پڑے تو دنیا بھر کے خزائن کی طرف نظر بھی نہ کریں۔ ف اس سے حضرت والی کی غیرت الدین حذر از امتنان۔ فراست۔ تصلب فی الدین ثابت ہوا۔

(۲۸) فرمایا کہ جو جو چیز اللہ تعالیٰ نے بلا اکتساب مرحمت فرمائی ہے واقعی وہ سب ضروری اور مبنی بر مصالح کثیرہ ہیں۔ ان میں کوئی چیز زائد نہیں جیسے دو ہاتھ دو پاؤں دو آنکھیں وغیرہ وغیرہ چنانچہ ان میں جب کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے۔ غرض جن امور میں اکتساب کو دخل نہیں وہ تو سب ضروری ہیں ہاں جن میں انسان کے اکتساب کو دخل ہے ان میں بہت سے امور غیر ضروری بھی ہیں جن کو ہم نے ان مکتسبات میں فضول بڑھا لیا ہے اور اپنی طرف سے حواشی چڑھائے ہیں پھر وہ حاشیہ اتنا بڑا ہے کہ اصل سے بھی بڑھ گیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حقیقت پہچان کر زوائد سے وحشت ہوتی مگر اب فساد مذاق کی وجہ سے الٹی ہم کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال تمباکو جیسی ہے کہ اس کے کھانے میں حالانکہ بہت سے نقصانات ہیں۔ سر اس سے گھومتا ہے۔ دماغ اس سے خراب ہوتا ہے۔ منہ میں بدبو اس سے پیدا ہوتی ہے جسم میں کاہلی اس سے آجاتی ہے اور عادت ہو جانے پر یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب تک اس کو نہ کھا لیا جاوے انسان کوئی کام نہیں کر سکتا مگر باوجود اتنے نقصانات کے اس کو کھاتے ہیں اور بڑے مزے لیکر کھاتے ہیں۔

ف اس ملفوظ سے حضرت والا کی حقیقت شناسی اور زوائد سے نفرت ثابت ہوئی۔

(۲۹) حافظ عبدالمجید صاحب جن کے سپرد سابق میں مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے بعض کاروبار تھے حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اب میں مدرسہ کا اہتمام اپنے ذمہ نہیں رکھنا چاہتا میرے پڑھنے میں خلل پڑتا ہے فوراً منظور فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے کہ کسی پر کسی کام کا بوجھ نہ ڈالا جاوے اسی لئے فرمائش کر کے کام نہیں دیا جاتا اگر کوئی صاحب اجر سمجھکر لیں فبہا ورنہ کام ہی حذف (مدرسہ موقوف) میں نے کانپور میں ایک موقعہ پر ایسا ہی کیا تھا ہمیشہ یہی مدنظر رہا کہ کوئی ذرہ برابر تکلیف نہ پائے کوئی خود کام کا بیڑا اٹھائے تو خیر۔ یہاں تعمیر کا کام سب کام سے زیادہ بکھیڑے کا ہے سو اس میں بھی یہ سوچ لیا ہے کہ حجرہ میں ایک آدمی رہنے سے اگر حجرے کافی نہوں تو ایک ایک میں دو دو آدمی رہیں اگر

یہ بھی نہ ہوں تو مساجد میں رہیں۔ اس کی بھی پروا نہیں کہ حجرہ ہی ہو تو خانقاہ ہے خواہ مخواہ تو نہیں (۱) حضرت شاہ سلیمان صاحب پاک پٹن کے ہیں بڑے شخص ہیں حتی کہ حضرت حاجی صاحب نے ان سے بیعت کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالے نے حضرت میانجیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ ان کے وقت میں سنا ہے کہ لوگ درختوں کے نیچے بستر کئے ہوئے پڑے رہتے تھے بلکہ بعضے مع بال بچوں کے رہتے تھے۔ جو کی روٹی کھاتے تھے۔ یہ حالت تھی۔ (۲) مولانا گنگوہی کا دیکھئے کیا طرز تھا۔ درس حدیث کے لئے نہ کوئی مکان تھا نہ مدرسہ تھا۔ کچھ مساجد میں رہتے تھے۔ کچھ وہاں ہی کے حجروں میں جن میں سے بعض حجرہ کی چھت ایسی کہ کہیں گر نہ جاوے۔ ساری عمر اسی طرح گذار دی (۳) مولانا گنگوہی رح کے یہاں ایک رئیس نے طلبہ کے لئے روپیہ بھیجا۔ درس ملتوی ہو چکا تھا حضرت نے واپس فرما دیا اور فرمایا کہ جس کام کے لئے بھیجا ہے وہ یہاں ہے نہیں اس لئے واپس ورنہ ممکن تھا کہ اور کسی کام کے لئے اگر مشورہ دیا جاتا تو وہ رئیس ضرور قبول کر لیتے (۴) جب گنگوہ میں جامع مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تو ایک رئیس نے حضرت کو یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ اس کے کام کا تخمینہ کرا کے اطلاع فرماویں آپ نے تحریر فرمایا کہ میرے پاس کوئی انجینر نہیں ہے اگر دل چاہے اپنا آدمی بھیجکر تخمینہ کرا لیجئے صاف جواب دیدیا یہ زندگی تھی ہمارے حضرات کی گو مدارس کی جو آجکل صورت ہے وہ بھی مصلحت پر مبنی ہے پھر سلف صالحین کا یہ طرز نہیں تھا۔ مگر اب ضرورت ہے اس طرز کی لیکن ہمارے حضرات نے اس ضرورت کے زمانہ میں بھی طرز سلف کر دکھایا۔ ہم چونکہ ضعفاء ہیں اس لئے اسباب کے ساتھ تشبث رکھنے کی ضرورت ہے۔

پھر حافظ صاحب سے فرمایا کہ آپ کی سبکدوشی موافق شریعت کے ہے کیونکہ علم مقدم ہے۔ اگرچہ کام تو دونوں فرض کفایہ ہیں (دونوں کام یعنی خدمت مدرسہ اور تحصیل علم دین) مگر ایک فرض کفایہ دوسرے کے مقابلہ میں ترجیح رکھتا ہے۔ پڑھنا مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل و اخلاص نصیب فرماویں آپ کی علحدگی سے گو مجھ کو فکر بڑھے گا مگر پھر بھی یہی کہوں گا کہ اچھا کیا۔ رہا فکر سو اگر انتظام نہ ہوگا تو آخر میں یہی کہونگا جیسے کسی نے کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ اسی طرح مدرسہ کردن چہ ضرور اور مجذوب کے لنگوٹہ کا قصہ بھی مجھے معلوم ہے (اس کا ذکر ملفوظ ۲۱ میں آچکا ہے) (۵) شاہ غلام رسول صاحب ایک درویش تھے کانپور میں ایک زمانہ میں ان کی مسجد کا کوئی قصہ تھا ہندوؤں سے جھگڑا تھا۔ عدالت تک نوبت پہونچی شاہ صاحب کے نام سمن آیا آپ نے کہا کہ میں عدالت نہ جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ کہا کہ میں اپنا گھر نہیں

بناتا ہوں چنانچہ نہیں گئے۔ حاکم کے دل میں آیا کہ ہم خود چلکر تحقیقات کریں گے اس نے آکر وہیں اجلاس کیا شاہ صاحب گھر میں چلے گئے حاکم نے بلایا تو جواب ملا کہ میں کافر کے سامنے نہیں آتا جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کردو۔ حاکم نے فیصلہ میں لکھا کہ جو شخص اتنا بڑا محتاط ہے کہ عدالت میں نہیں آتا اور سامنے نہیں آتا وہ کیا جھوٹ بولے گا۔ (۶) پیلی بھیت میں شاہ جی محمد شیر صاحب تھے لوگ اسٹیشن پر مسجد بنانا چاہتے تھے۔ ہندوؤں نے مندر بنانا چاہا جھگڑا ہوا۔ کلکٹر مسلمان انھوں نے مسجد کو بھی روکدیا۔ شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی کہنے لگے کہ میں کچھ کوشش نہ کروں گا میرا گھر تھوڑا ہی ہے جس کا گھر ہے اس کو منظور ہوگا وہ بنوا لیگا۔ اور کہا ساری زمین مسجد ہے لوگ زمین میں نماز پڑھ لیں گے چنانچہ وہ مسجد پڑی رہی۔ ایک دفعہ وہ کلکٹر صاحب شاہ صاحب کے یہاں پہنچے بعض لوگ پہچانتے بھی نہ تھے ان سے منع کردیا کہ بتلانا مت دہلیز میں ایک تخت ٹوٹا پڑا تھا وہیں بیٹھ گئے شاہ صاحب اس حدیث کا مصداق ہو گئے اتتہ الدنیا وھی راغمتہ کہ ایسے شخص کے پاس دنیا ناک رگڑتی آتی ہے۔ شاہ صاحب نے پوچھا مزاج اچھا ہے۔ کیسے آئے کہا کہ مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ کہو کہنے لگے کہ مسجد کا کیا قصہ تھا۔ شاہ صاحب بولے کہ ہم مسجد بنا رہے تھے ایک صاحب بہادر آگئے ہیں وہ مانع ہیں۔ کہا کہ وہ صاحب بہادر میں ہوں میں معذرت کرنے آیا ہوں آپ تشریف لے چلئے چنانچہ فٹن پر سوار کرکے لے گئے اور ان کے ہاتھ سے بنیاد رکھوادی شاہ صاحب کی یہ حالت کہ کلکٹر کے منع کرنے پر نہ گلہ نہ شکایت۔ (۷) عبدالمطلب کو دیکھئے کہ جب ابرہہ بادشاہ کے سپاہیوں نے ان کے اونٹ بکریاں پکڑلی تھیں اور وہ اس کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھتا تھا کہ خانہ کعبہ کی سفارش کو آئے ہوں گے (کیونکہ وہ بادشاہ خانہ کعبہ کو شہید کرنے کو آیا تھا) انھوں نے اس کا تذکرہ بھی نہ کیا بلکہ اپنے مال کو چھوڑ دینے کو کہا۔ اس نے کہا کہ میں اور کچھ سمجھتا تھا۔ ایسی خفیف بات کو آپ نے کہا۔ اگر آپ کعبہ کی سفارش کرتے میں قبول کرتا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ مجھ کو اپنی چیز کی فکر ہے وہ جس کا گھر ہے وہ جانے اس کا گھر جانے۔ اس نے ان کی اونٹ بکریاں چھوڑ دیں پھر دیکھئے کیا انجام ہوا سب کو معلوم ہے جس کے بارہ میں سورہ الم ترکیف نازل ہوئی۔

یہ مدرسہ بھی اللہ کا کام ہے۔ کسی ایک پر موقوف نہیں۔ دین کا کام ہے۔ اگر دین کا کام کسی ایک پر موقوف ہوتا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتا مگر باوجودیکہ آپ اٹھائے گئے مگر دین باقی ہے۔ اور جب اللہ میاں کو موقوف کرنا ہوگا تو کام سے پہلے ان لوگوں کو

قبض کرنا شروع کردیں گے جن سے کام لیا جاتا ہے آجکل مشینیں ایسی نئی نئی چلی ہیں کہ ایک بچہ وہ کام کرسکتا ہے جس کو ایک ہزار آدمی کرسکیں۔ ایک ضعیف آدمی وہ کرسکتا ہے جو رستم سے بھی نہ ہوسکتا جب انسان کی یہ قدرت ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کیا پوچھنا۔ وہ ضعیف سے ضعیف شخص سے وہ کام لے سکتے ہیں کہ قوی سے قوی بھی عاجز ہو جاوے۔

(۸) ایک زمانہ میں یہاں غلغلہ ہوا تھا کہ مدرسہ باضابطہ ہونا چاہئے مجھ سے چھپاتے تھے اور مقصود انکا یہ تھا کہ قوت پیدا کرکے ظاہر کریں گے۔ مجھ کو اطلاع ہوگئی۔ انکا ایک جگہ عشا کے بعد جلسہ تھا میں جلسہ میں پہنچا اور میں نے کہا کہ ۱۵ منٹ کے لئے میں اجازت کچھ کہنے کی چاہتا ہوں اور میں نے کہا کہ میری تقریر سے آپ کی تقریرات کی اعانت ہی ہوگی گو ظاہراً ان تقریرات کا انقطاع معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں انقطاع نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ سے جن چیزوں کا تعلق ہے ان میں ایک چیز تو مکان ہے مدرسہ کا سو جس کا جی چاہے مدرسہ پر قبضہ کرلے۔ میں اپنے مجمع کو بیٹھک میں لے آؤں گا۔ البتہ اگر اجازت ہوگی نماز مسجد میں پڑھ لیا کروں گا ورنہ دوسری مسجد میں۔ دوسری چیز کتب خانہ ہے سو اس کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو میرے آنے سے پہلے موجود تھا وہ تو ابھی سپرد کردوں گا دوسرا وہ جو میرے سبب سے آیا اور جس کا واقفین نے مجھ کو متولی بنایا ہے سو عاریۃً ابھی سے اس کو بھی سپرد کردوں گا۔ رہا مستقلاً سو برس روز کام کو ہو جاویگا اس وقت بالکل آپ کی طرف تولیت منتقل کردوں گا تیسری چیز روپیہ سو اس میں بھی دو قسم کی چیزیں ہیں کچھ تو جائداد والد صاحب کی موقوفہ ہے۔ دوسرا روپیہ جو آتا جاتا رہتا ہے۔ سو جائداد کی تولیت میاں مظہر کے نام ہے ان سے کہئے۔ باقی آمدنی جو روزمرہ آتی ہے اسکو آنے کے بعد ایک ہفتہ روکے رکھا کروں گا۔ اور جس نے بھیجا ہوگا اس کا پتہ آپ کو بتلا دیا کرونگا جب آپ مرسل سے اجازت حاصل کرلیں گے آپ کے حوالے کرونگا بس کہہ چکا۔ اب آپ تقریر کیجئے۔

کیا مجھ کو مدرسہ سے جاہ حاصل کرنا ہے۔ اگر اس کی طلب ہوتی تو خوب بڑا مدرسہ کرتا۔ مگر بکھیڑے سے دل گھبراتا ہے۔ تہیہ یہ ہے کہ اگر کام نہ ہوگا حذف کردوں گا۔ کیونکہ خانقاہ میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ طلبا۔ ذاکرین۔ اگر یہاں کام نہ ہوگا تو طلباء کے لئے اور مدارس بہت وہاں چلے جائیں گے۔ ان کی فکر ہی نہیں ہے ذاکرین تو ان سے کہوں گا کہ اگر رہنا ہو بے سامان رہو۔ اگر متوکلین ہیں رہیں گے ورنہ چلے جائیں گے۔ اس لئے ان کی بھی کچھ فکر نہیں۔ اس لئے

قلب کو راحت ہے۔ میں اپنی ذات کے لئے بھی اس پر آمادہ ہوں کہ جس روز کسی قسم کی مزاحمت پیش آئی۔ ایک گھر ہے اس کو چھوڑ کر کسی گانوں میں یا کسی شہر میں جا بیٹھوں گا۔ صرف دو بیبیاں ہیں میں اور وہ سب چلے جائیں گے۔ یہ سوچ ہی نہیں کہ کیا ہوگا۔ میری حالت تو یہ ہے۔ ؎

یا ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم　　دستار نداریم غم ہیچ نداریم

یہاں ایک تار بھی نہیں دس تار کیا ہوتے۔ پھر حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ زمانہ تعلق میں ہر طرح کی باتیں پیش آجاتی ہیں اگر میری جانب سے کوئی خشونت ہوئی ہو یا دل آزاری ہوئی ہو یا کوئی بات خلاف طبع ہوئی ہو معاف کر دیجئے اور جو حق میرا فوت ہوا ہو وہ میں دل وجان سے معاف کرتا ہوں۔ پھر فرمایا تحصیل علم کی برابر کوئی چیز نہیں **ف** ان حکایات سے طرز سلف کی تعلیم مقصود ہے جس سے حضرت والا کے حسب ذیل صفات مستفاد ہوئے۔ پسندیدگی طرز سلف۔ عمل بطرز سلف۔ قوت توحید و قوت توکل۔ اخلاص۔ سادگی۔ استقلال۔ تواضع۔ استغناء و سیر چشمی۔ ورع و علو ہمت۔ عفو و حلم۔ مراعات اصحاب۔ حق پسندی۔ بشورہ حسن۔ شان ارشاد و تربیت۔ زہد کا طبیعت ثانیہ ہونا۔ شہرت سے تنفر۔ کمال خشیت از مواخذہ آخرت۔ ترجیح و ترغیب علم۔ امانت و دیانت۔ معاشرت معروف

(۳۰) ایک منشی صاحب خورجوی نے عرض کیا کہ حضرت چمڑے کی تجارت کی حالت بہت ابتر ہے مجھ کو ایک صاحب دہلی میں ملازمت کے لئے بارہ سال سے بلا رہے ہیں اور پینسٹھ روپیہ تنخواہ دیتے ہیں میں اس وجہ سے نہیں گیا کہ ان کے یہاں نوٹ میں بٹہ لینے کا دستور ہے اور معلوی آتی جاتی ہے ان میں سود کا حساب کتاب لکھنا پڑتا ہے اب وہ پھر بلا رہے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے دونوں باتیں ترک کر دی ہیں مگر میرا جی نہیں چاہتا ترک اسباب ہی مرغوب معلوم ہوتا ہے آیندہ جیسے حضور کی رائے ہو۔ فرمایا کہ گھر والے بھی آپ کے آپ کی رائے ترک اسباب سے موافق اور خوش ہیں یا نہیں کہا کہ گھر والے تو خوش نہیں ہیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ گھر والوں کے خوش کرنے کو کر لیجئے اور اگر گھر والے بھی بالفرض خوش ہوں تب بھی دوستوں کو خوش کرنے کو ملازمت کر لیجئے میں تو دہلی کی نوکری سنکر بہت خوش ہوا اور یہ منجانب اللہ ہے آپ کی خواہش تو ہے بھی نہیں **ف** اس سے حضرت والا کی رعایت اپنے اصحاب کے ساتھ کس قدر معلوم ہوئی۔

(۳۱) فرمایا کہ جب مدرسہ کی ابتدا ہوئی تو بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس میں انگریزی

بھی ہونی چاہئے میں نے مصالح مدرسہ کے خلاف ہونے کے سبب سے منع کیا تو بعض لوگوں نے اس پر کہا کہ جب معاش اس پر موقوف ہے تو کیا کریں۔ یہاں ایک شیعی تھے قصبہ کے بخشی وہ بولے کیوں صاحبو اگر کوئی ایسا قانون ہوجاوے کہ نوکری جب ملے گی کہ نصرانی ہو تو کیا آپ کو یہ بھی گوارا ہوگا۔ سب لوگ سنکر چپ ہوگئے۔ ان بخشی جی نے کہا کہ اگر کوئی امر شرعاً ممنوع ہے تو بالکل یہی مثال ہے۔ **ف** کسی دینی مدرسہ میں انگریزی داخل کر کے دین و دنیا کا ملغوبہ بنانا تجربہ سے سخت مضر ثابت ہوا ہے۔ اس سے حضرت والا کا تجربہ و فراست و انجام بینی و دور اندیشی اظہر من الشمس ہے۔

(۳۲) ایک شخص نے دریافت کیا کہ مولویوں کو کیا ہوا جو حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ لوگ تو خود لکھے پڑھے ہیں۔ وہاں کیا چیز ہے جس کے لئے وہاں جاتے ہیں وہ کونسی بات ہے جو کتابوں میں نہیں۔ فرمایا۔ فرمایا کہ میں ایک مثال بتاتا ہوں فرض کرو کہ ایک شخص تو وہ ہے کہ جس کے پاس تمام مٹھائیوں کی فہرست موجود ہے مگر اس نے چکھی ایک بھی نہیں اور ایک شخص وہ ہے کہ نام تو ایک مٹھائی کا بھی اس کو یاد نہیں مگر ہاتھ میں لئے ہوئے کھا رہا ہے بتلاؤ تو مٹھائی کے فوائد حاصل کرنے میں آیا وہ نام یاد رکھنے والا اس حقیقت جاننے والا کا محتاج ہے یا وہ حقیقت جاننے والا اس نام یاد رکھنے والے کا ظاہر ہے کہ پہلا دوسرے کا محتاج ہے نہ کہ برعکس۔ اسی طرح ہم اہل الفاظ ہیں اور حضرت معنیٰ۔ تو صاحب معنیٰ محتاج نہیں ہوتا اہلِ لفظ کا اور صاحب لفظ صاحب معنیٰ کا محتاج ہوتا ہے۔ واقعی خوب حقیقت واضح ہوگئی جس سے علماء اور عرفاء میں فرق سمجھ میں آگیا۔ **ف** اس سے حضرت والا کی وقت نظری معنی رسی، حقیقت شناسی ثابت ہوئی۔

(۳۳) ایک سفارش کی درخواست پر ذیل کا خط لکھا گیا جس سے حضرت والا کا مذاق اس باب میں کس قدر دینی و دنیوی اور ظاہری و باطنی اور صاحب حاجت و نیز مخاطب کی رعایتوں کے تمام پہلو کو محیط ہے۔

یہ جناب پر روشن ہے کہ میری عادت متعارف سفارش کی نہیں خصوص اپنے مخصوص اپنے مخصوص متعلقین کی۔ اور حامل رقعہ ہذا میرے مخصوصین میں سے ہیں چنانچہ خود میرے اور میرے بزرگوں کے تعلقات ان کے بزرگوں سے بھی ہیں اور خود میرے تعلقات ان سے بھی ہیں شرکت وطن بھی شرکت برادری بھی۔ انکے بچپن میں میرے پاس مدت تک مثل اولاد کے تعلیم کی تقریب

سے رہنا گو تغیرات زمانہ سے دوسری تعلیم کی ضرورت نے ان کو مجھ سے جسماً جدا کر دیا اور روحانی تعلق الفت ومحبت اور ارتباطات کا اب بھی باقی ہے۔ بہرحال ان خصوصیتوں کے ہوتے ہوئے اپنی عادت کے موافق انکی سفارش کرتے ہوئے مجکو اور بھی پس وپیش ہونا چاہئے اور ہے اس لئے میں سفارش تو نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر کسی مسلمان کی حاجت اور حالت کی اطلاع کر دی جاوے اور اس کے ساتھ ہی اس مسلمان کی کامیابی کے لئے کوشش کرنے پر زور نہ دیا جاوے تو اصلی مقصود بھی حاصل ہوگیا اور سفارش سے جو آجکل مخاطب کو گرانی اور کلفت ہوتی ہے اس سے بھی محفوظ رہے گی پس یہ عریضہ اس مد میں حاضر ہوتا ہے۔ حامل رقیمہ بھی اپنے بزرگوں اور محسنوں کو جن میں جناب بھی داخل ہیں نہ تھوڑی نہ بہت تکلیف دینا نہیں چاہتے اسی طرح امیدواری وانتظار کی خود بھی زیادہ تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے بمعتدل انتظار سے کوئی کلفت نہیں اس قدر تو برداشت کریں گے اور کرنا چاہیئے۔ بہرحال اس وقت صرف عرض یہ ہے کہ خدمات کے صلاحیت کی تفصیل تو ان کی زبانی اور ان کی اور ان کے لوازم کے متعلق اطمینان اپنے تجربہ وشہادت قلب سے فرما کر اگر امید قریب کامیابی ملازمت کی ہو تو ان کو قیام کی اجازت دی جاوے مصارف قیام کے یہ خود برداشت کریں گے۔ اگر توقع بعید یا موہوم ہو تو اظہار حقیقت واقعہ ومشورہ نیک سے بھی یہ اسی قدر ممنون ہوں گے جس قدر اصطلاحی کامیابی سے۔ غالباً اب اس بارہ میں زیادہ عرض کرنے کی حاجت نہ رہی ہوگی۔ سلام پر ختم کرتا ہوں۔

(۳۴) ایک شخص کی درخواست بیعت پر فرمایا مجھے خدمت سے عذر نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ جو شخص جو کام کرتا ہے وہ اس کے منافع ومضار اور طرق سے واقف ہوتا ہے اس لئے طالب کو بلا چون وچرا اس کا کہنا تسلیم کرنا چاہیئے۔ اگر آپ طالب صادق ہیں تو ابھی بیعت میں جلدی نہ کیجئے۔ اور اضطراب نہ کیجئے جو میں پڑھنے کو بتلاؤں اس کو پڑھئے اور جو اصلاح نفس کی تجویز کروں اس کو عمل میں لایئے اس کے بعد جب مجھے مناسبت محسوس ہوگی بلا آپ کے تقاضے کے بیعت کرلوں گا لیکن تقاضے کا حق آپ کو نہ ہوگا ایک سال تک میری تعلیم پر عمل کیجئے پھر بیعت کی درخواست کیجئے۔ اگر اس عرصہ میں مناسبت ہوگئی بیعت کرلوں گا ورنہ مقصود تعلیم ہے وہ تو ہر حالت میں جاری رکھی جاسکتی ہے۔ بیعت ہو یا نہ ہو۔ تعلیم کے لئے بیعت شرط نہیں ہے۔ اگر آپ اس طرز پر راضی ہوں تو مطلع کیجئے۔ کہ کونسی میری تالیفات آپ نے دیکھی ہیں۔ اور مطالعہ کی ہیں۔ اس کے معلوم ہونے کے بعد ذکر وغیرہ بتلاؤں گا۔ میرا کتابوں میں بجز

تالیف کے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ کتابیں کتب فروشوں سے طلب کیجئے۔ بجواب اس کے تحریر کیا کہ مجھ کو سب شرائط منظور ہیں۔ بجواب اس کے جناب اقدس نے ارقام فرمایا اگر آپ کے اوقات فرصت اور کیفیت قوت معلوم ہو تو پڑھنے کے لئے کچھ تجویز کیا جاوے۔ اصلاح نفس کیلئے سردست میرے وعظوں کو جمع کر کے دیکھنا کافی ہے۔ آپ نے یہاں آنے کی اجازت چاہی ہے میرے یہاں کسی کی ممانعت نہیں البتہ دو امر خط سے طے کرنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ آپکا مقصود صرف ملاقات ہے یا کچھ اور۔ دوسرے جس تاریخ میں آنا ہو اس تاریخ میں میرا مقیم وطن ہونا اول تحقیق کر لیا جاوے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آتے ہی میرا وہ خط جس میں آنے کے متعلق مضمون ہو فوراً دکھلا دیا جاوے۔ اس کے بعد ایک خط میں تحریر کیا کہ میں اسکول میں ملازم ہوں دس بجے سے چار بجے تک عموماً کام مدرسہ کا کرتا ہوں عمر میری ۲۶ یا ۲۷ سال کی ہوگی۔ رخصتیں ختم ہو چکیں اب حاضری سے معذور ہوں۔ پڑھنے کے لئے جو تجویز فرمائیں گے اس پر کاربند ہونے کو اپنی سعادت سمجھونگا۔ اس خط کے جواب میں حضور عالی نے تحریر فرمایا کہ اس خط کے ساتھ میرا پہلا خط رکھنا چاہئے تھا کیونکہ اس کا مضمون میرے ذہن میں نہیں دونوں خطوں کو دیکھ کر مناسب تعلیم ممکن ہے۔ بجواب اس کے تحریر کیا کہ حسب ارشاد عالی نوازش نامہ ارسال ہیں جو کچھ میری اصلاح نفس کے لئے پڑھنے کے واسطے تجویز فرمائیں گے اس کی بجا آوری میں اپنی سعادت سمجھوں گا۔ بجواب اس کے حضرت نے ارقام فرمایا معمولات ذیل تجویز کئے جاتے ہیں۔ (۱) تہجد کی پابندی رکھئے۔ زیادہ اچھا وقت اخیر شب ہے۔ اور اگر اس میں دشواری ہو تو بعد عشا کے پڑھ لیا کریں (۲) بعد تہجد کے اگر آسانی سے طبیعت متحمل ہو چھ سو بار لا الٰہ الا اللہ متوسط ضرب و جہر سے پڑھا کیجئے۔ اور دو ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دیجئے۔ اطلاع کے ساتھ یہ خط بھی رکھ دیجئے صبح کو بعد نماز علاوہ معمولات کے ایک ہزار بار اسم ذات یعنی اللہ اللہ متوسط جہر و ضرب سے پڑھا کیجئے۔ (۳) باقی اوقات میں جب یاد آجاوے استغفار کی کثرت رکھئے اور وقتاً فوقتاً اپنے معمولات وحالات سے اطلاع دیجئے۔ مکرر آنکہ میری تالیفات میں سے آپ نے کیا کیا کتابیں دیکھی ہیں اور آپ کے پاس کیا کیا موجود ہیں۔ ف اس مکاتیب سے حضرت والا کی شان تربیت جو اطلاع حقیقت اور طالبین کی سہولت اور ہر طرح کی مراعات کو شامل ہے اظہر من الشمس ہے

(۳۵) ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ تمہاری بیوی چند شکایتیں لکھ رہی ہیں۔ (۱) تم اس کو

بہت تنگ رکھتے ہو شریعت کے موافق برتاؤ نہیں کرتے (۲) باوجود گنجائش کے لوگوں کا قرض ادا نہیں کرتے (۳) تم نے اس کا مال لے لیا (۴) خرچ کرنے کے موقع پر تم کہدیتے ہو کہ جائز نہیں اور آمدنی کے سب طریقوں کو جائز رکھتے ہو۔ اور کبھی کہدیتے ہو کہ جہاں اور بہت سے گناہ ہیں ایک یہ بھی سہی یہ ہے خلاصہ شکایتوں کا۔ آیا یہ شکایتیں صحیح ہیں یا غلط اگر صحیح ہیں تو ایسا کیوں کرتے ہو اگر غلط ہے تو اس کو نرمی سے کہو کہ میری شکایتیں غلط کیوں لکھیں۔ اس معاملہ میں سختی ہرگز نہ کرنا اور اس کے شبہات کو دور کرو۔ ف اس سے بھی حضرت کی مراعات اپنے دوستوں کے ساتھ معلوم ہوئی نیز حفظ مسلم از معصیت۔

(۳۶) ایک طالب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن سنا کرتے تھے مگر دیکھا نہ تھا آج اس سے زیادہ مشاہدہ ہوا کہ کوہ کندن تو ہوا اور کاہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ تمام خط کو بہت محنت سے بڑھا مشکل سے پرچوں کا ارتباط سمجھ میں آیا اور حاصل اس کا بجز چند حکایات کے کچھ نہ معلوم ہوا۔ خط تو وہ ہے جس میں کوئی بات استفادہ کی ہو یا افادہ کی ہو صرف ایک مضمون البتہ کسی درجہ میں جواب طلب ہو سکتا ہے یعنی خواب کی تعبیر جو پوچھی ہے سو غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ مجکو خواب سے دلچسپی نہیں نہ تعبیر سے مناسبت نہ اپنے جلیسوں کے خوابوں کو قابل تعبیر سمجھتا ہوں۔ (ف) اس سے حضرت والا کی نفرت زوائد و فضولیات سے اور عدم دلچسپی خوابات و تعبیر خوابات سے ثابت ہوئی جو دلیل ہے عدم اعتنا بالرؤیا کی۔

(۳۷) کسی مرید نے دریافت کیا کہ میری بہن کی لڑکی کی شادی ہے اور وہ کہتی ہے کہ تم چلو اور وہاں رسم بھی ہو تو بوجہ رسم کے جانا تو دل کو گوارا نہیں مگر ایک بات دریافت کرتا ہوں کہ کچھ دینا چاہئے یا نہیں اگر دینا مناسب ہو تو پہلے جا کر دے آؤں اور جو لوگ بیاہ شادی میں دعوت کرتے ہیں وہ کھا لیا کروں یا نہ کھاؤں اور ایک میری لڑکی ہے اس کے دینے کا مجھ پر کچھ حق ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ دنیاداروں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اس لئے جہاں تک ہو وہاں جانے کو ٹالدو اور تقریبات کی دعوت کو جو پوچھا ہے اگر اس میں اور کوئی خرابی رسم کی بھی نہو تب بھی یہ تو ضرور ہے کہ جس کا کھاؤ گے اس کو کھلانا بھی پڑے گا اور یہی جڑ ہے تمام رسموں کی اس لئے اس کا بھی ٹال دینا بہتر ہے۔ مگر دلشکنی کسی کی مناسب نہیں۔ لطافت سے کوئی حیلہ کر دینا چاہیئے۔ اور کسی عزیز کے ساتھ احسان کرنا اگر بصورت رسم کے نہ ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کے لئے خود جانے کی کیا ضرورت ہے یہاں سے بھی تو بھیج سکتے ہو۔ اور تم جو لڑکی کا

حق پوچھتے ہو کس قسم کا حق مراد ہے۔ واجب یا غیر واجب۔ اور تمہاری بی بی نے کچھ تمہاری شکایتیں لکھی تھیں میں نے تم سے اس کی معرفت اس کی تحقیق بھی کی تھی معلوم نہیں اس نے تم کو وہ خط دکھلایا نہیں۔ ان شکایتوں کی کیا اصل ہے کیا وہ بالکل جھوٹی ہیں یا کچھ سچی بھی ہیں ف اس ملفوظ کے تمام اجزاء سے شان تربیت اور شفقت علی الصغار اظہر من الشمس ہے۔

(۳۸) ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے۔ کوئی نسبت حسب دلخواہ نہیں آئی جو عقد کیا جاوے اگر کہیں سے داڑھی والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت مفلوک الحال ظاہر ہوتے ہیں اور جس کو دال روٹی سے خوش دیکھا جاتا ہے تو وہاں داڑھی صفا چٹ۔ کئی جگہ محض اس وجہ سے انکار کر دیا گیا۔ دعا کیجئے حق تعالیٰ آبرو رکھیں اور اس معاملہ میں شرمندگی کی نوبت نہ آوے۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میاں اس خیال کو چھوڑ دو آجکل ڈاڑھی بڑی مشکل سے ملے گی۔ جواب تحریر فرمایا۔ واقعی بڑی مشکل ہے میں پختہ رائے تو دیتا نہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری داڑھی والوں میں بھی نہیں پس ایک ڈاڑھی منڈانے کا گناہ کر رہا ہے۔ دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کر رہا ہے تو نری داڑھی لیکر کیا کرینگے اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت عنقا ہے پس اس صورت میں اگر اس میں تھوڑی سی وسعت کی جاوے یعنی صرف دو چیزوں کو دیکھ لیا جاوے ایک یہ کہ اعتقاد اسلامیہ میں شک و شبہ یا تمسخر و استہزاء سے پیش نہ آوے۔ دوسرے طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو نرم خو ہو کہ اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو اور گنجائش مالی بقدر ضرورت ہونا تو ضروری ہی ہے تو ایسے شخص کو گوارا کر لیا جاوے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہو گی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس ڈاڑھی کے معاملہ میں بھی اس کی اصلاح ہو جاوے۔ ف اس سے حضرت والا کی سہولت پسندی۔ رفق و نرم خوئی۔ کمال شفقت جامعیت ذرا تامل سے ثابت ہے۔

(۳۹) ایک مرید نے حضرت والا سے تین سو روپیہ قرض ملنے کے باب میں مشورہ کیا تھا تو آنحضرت نے جواباً فرمایا کیا آپ نے مجھ سے تعلق ان ہی اغراض دنیویہ کے لئے پیدا کیا ہے افسوس۔ یہ تو نہ ہوا کہ کوئی دین کی خدمت مجھ سے لیتے۔ مجھ سے تین سو روپیہ قرض ملنے کے بارہ میں مشورہ کیا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر وہ حکایت ہے اگر صحیح ہو ورنہ خیر حکایت

یہ ہے کہ آپ نے نواب ڈھاکہ سے اپنا تعلق مجھ سے ظاہر کرکے روپیہ مانگا اگر یہ حکایت غلط ہو تو میں راوی سے آپ کے منہ پر کہلوا سکتا ہوں۔ اگر آپ نے اسپر بھی تکذیب کی تو پھر میں یوں سمجھوں گا کہ ایک سچ کہتے ہیں دوسرے کو سہو ہوا۔ باقی نہ سچ بولنے والے کی تعیین کروں گا نہ صاحب سہو کی۔ ف اس سے حضرت والا کا کمال احتیاط وتقویٰ اور مریدوں پر شفقت ورافت ثابت ہوئی۔

(۴۰) کسی صاحب نے لکھا کہ حضور کی خدمت میں رہکر اصلاح نفس اور مرض باطنی کا علاج چاہتا ہوں اور بال بچوں کو بھی ہمراہ لانا چاہوں اس لئے ایک مکان کی ضرورت ہوگی اس پر فرمایا کہ خود آنا۔ یا گھر والوں کو لانا دونوں امر کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی کا قرض نہ کرنا پڑے کسی ضروری کام میں حرج نہ ہو۔ گھر والوں کے حقوق تلف نہ ہوں۔ اگر ان سب شرائط کی طرف سے اطمینان ہو تو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ گھر والوں کو خود بھی آنے کا شوق ہو تب تو ان کو ہمراہ لاویں۔ مکان کا انتظام عین وقت پر انشاءاللہ ہو جاوے گا۔ اور اگر از خود شوق نہ ہو تو لانا مناسب نہیں۔ ف اس سے بھی آنحضرت کی کمال شفقت اور حدود شرعیہ کی رعایت ثابت ہوئی۔

(۴۱) ایک صاحب نومسلم جنھوں نے اپنے آپ کو الہ آباد کا ساکن ظاہر کیا حاضر خدمت حضرت والا ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا کہ ان کے والد نے جو کہ ہنوز کفر پر قائم ہیں تمام جائیداد اپنی اور اپنے دوسرے بیٹوں کو جو کافر ہیں دیدی اور ان کو نہ دی۔ اس پر نومسلم نے بیرسٹر وغیرہ سے رائے لی تو معلوم ہوا کہ ان کو قانوناً مل سکتی ہے پھر انھوں نے علماء سے رجوع کیا چنانچہ حضرت والا کی خدمت میں بھی بغرض استمداد حاضر ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ قانون اسلام کی رو سے اجازت نہیں کہ آپ زبردستی اپنے والد کی جائداد میں سے حصہ لیں آپ کے والد کی چیز ہے انہیں اختیار ہے چاہے جس کو دیں جس کو نہ دیں۔ آپ کو ملنے کی کوشش بالکل نہ کرنا چاہئے جس اللہ کو راضی کرنے کے لئے آپ نے دین حق یعنی اسلام قبول کیا اب آپ پرایا مال لیکر اسے ناراض کرنا چاہتے ہیں تو پھر کیا فائدہ ہوا۔ ہم اس میں کسی قسم کی امداد نہیں کر سکتے۔ اس پر ان نومسلم نے عرض کیا کہ مل تو سکتی تھی حضرت والا نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میری بات آپ کے ذہن میں نہیں آئی ورنہ آپ یہ نہ کہتے کہ مل تو سکتی ہے۔ ایک چور چوری کرے اور اس کو پورا یقین ہو کہ میں چوری کے مال پر قابض

جاؤں گا تو کیا قانوناً اس کے واسطے چوری جائز ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں پس اسی طرح اس کو سمجھ لیجئے۔ بیرسٹروں وکیلوں نے ان نومسلم سے کہدیا تھا کہ کافروں کا مال جس طرح ہو سکے لینا جائز ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر ڈکیتی جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ قانون اسلام میں یہ بالکل ڈکیتی ہے۔ کیا کوئی ڈاکہ ڈالنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ نئی روشنی کے لوگوں کا یہ اسلام ہے۔ ان کو احکام اسلامی سے کچھ مطلب ہی نہیں۔ پھر ان نومسلم سے فرمایا کہ آپ خدا پر بھروسہ کر کے اپنی قوت بازو سے کما کر کھایئے۔ ان کے مال پر نظر نہ کیجئے کیا دنیا میں سب جائداد والے ہی ہیں۔ ہزاروں میں دو تین صاحب جائداد ہوں گے ورنہ سب بیچارے غربا ہی زیادہ ہیں۔ اللہ پاک سب کو کھانے پہننے کو دیتے ہیں۔ پھر ان نومسلم صاحب نے کہا کہ میں آج رات کو یہاں قیام کر سکتا ہوں حضرت والا نے فرمایا کہ میں آپ کے اس بے تکلفی کے سوال سے بہت خوش ہوا۔ آپ قیام تو سرائے میں فرماویں اور خرچ وغیرہ کی اگر کچھ کمی ہو تو وہ مجھ سے لیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں خرچ تو میرے پاس موجود ہے اور یہ کہکر وہ نومسلم حضرت کی خدمت سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ یہ صاحب بے باک تو بہت تھے۔ بے تکلف جرأت کے ساتھ بولتے تھے۔ یہ ان کی بیباکی کچھ شکوک پیدا کرتی ہے اس لئے میں ان کے ساتھ بالکل بے مروتی سے پیش آیا۔

ف اس سے حضرت والا کا استغنا، تجربہ۔ فراست صحیحہ۔ حقائق شناسی ثابت ہوئی۔

(۴۲) فرمایا کہ مجھے اپنا قصہ بچپن کا خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ نکلا ہوا جا رہا تھا۔ دو شخص آپس میں میری بابت کہنے لگے کہ اس نے تو بالکل خاندان کی عزت ڈبو دی۔ نائی کو بھی السلام علیکم۔ قصائی ملے اس کو بھی السلام علیکم۔ سقہ کو بھی السلام علیکم۔ غرضیکہ ہر شخص کو السلام علیکم ہی کرتا ہے خواہ کوئی ہو۔ پھر فرمایا کہ لوگ بس اس کو عزت سمجھتے ہیں کہ فرعون سے بڑھ کر آپ کو سمجھے۔ ف اس سے حضرت والا کی تواضع۔ اتباع سنت اظہر من الشمس ہے۔

(۴۳) ایک مرتبہ قبل نماز عصر حضرت والا کی مجلس میں تنہائی تھی صرف بندہ (یہ جامع) بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ تذکرہ ایصال ثواب کا آیا کہ ایصال ثواب سے موصل کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ اس ایصال کا الگ ثواب مزید ملتا ہے۔ نیز جن جن کو ایصال کیا جاتا ہے سب کو اتنا اتنا ثواب مل جاتا ہے اس کی تائید میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا ؎

در معانی قسمت و افراد نیست   در معانی تجزیہ و اعداد نیست

(اس کے متعلق عجیب و غریب مدلل تحقیق باب دوم نمبر ۲۲۵ میں ہے۔
اس کی حسی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک چراغ سے ہزار چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور ایک استاد ایک وقت میں سو شاگردوں کو تعلیم دے سکتا ہے۔ نہ اس چراغ کی روشنی میں کچھ کمی آتی ہو نہ استاد کے علم میں۔ اس پر بندہ (جامع) نے کہا کہ حضرت میں تو روزانہ ہر وقت کے اذکار و نوافل کا ثواب سب اعزا و اقربا و مسلمین و مسلمات احیا و اموات کو بخشدیتا ہوں ہاں جن سے خصوصیت ہے ان کا نام بھی خاص طور سے لے لیتا ہوں کہ اس سے تسلی زیادہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت والا کا نام بھی لے لیتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ ہاں بھائی حق تعالیٰ نے جس طرح ہمارا رزق حسی دوسروں کے واسطہ سے رکھا ہے اسی طرح رزق باطنی بھی دوسروں کے ہاتھ ہے۔

ف اس آخری جملہ سے حضرت والا کا کمال تواضع و انکسار و افتقار و توحید و شکر و امتنان ثابت ہے۔

(۴۴) فرمایا کہ بعض لوگ مجھے خطوں میں گالیاں لکھ کر بھیجتے ہیں مگر میں کچھ خیال نہیں کرتا ردی میں ڈالدیتا ہوں پھر فرمایا کہ غیر مرید کا تو مجھے کچھ خیال نہیں ہوتا البتہ اگر مرید سے کوئی بیجا بات ہو تو اس سے ضرور سختی کرتا ہوں چنانچہ شیخ نے بھی لکھا ہے۔ ؎ تا زبرآن کن کہ خریدار تست

ف اس سے حضرت والا کا کمال تواضع عفو و حلم و حسن خلق و تربیت مریدین ثابت ہے۔

(۴۵) فرمایا کہ اگر اطاعت حق کرنے والے کو لوگ طعن و ملامت کریں تو کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے یہ ملامت پختگی کا ذریعہ ہے۔ ؎ خوشا رسوائی کوئے ملامت۔ پھر فرمایا کہ ضد ہی کی بدولت جد پیدا ہوتی ہے۔ ف اس سے حضرت والا کی حکمت و شان تحقیق ثابت ہوئی۔

(۴۶) ایک حاجی صاحب کے یہاں ولیمہ تھا انھوں نے کھانا مدرسہ میں بھیجدیا تھا۔ فرداً فرداً دعوت نہ کی تھی حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے ہی ان کے پوچھنے پر ان سے کہدیا تھا کہ کسی کی بھی دعوت نہ کرو اس میں ایک تو سب سے کہنے کی دقت سے بچ جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ کسی کی شکایت نہ ہوگی۔ جہاں دل چاہے کھانا بھیجدینا اگر بے وقت پہونچیگا دوسرے وقت کھالیں گے ف اس سے حضرت والا کی حکمت لطافت فہم۔ سادگی۔ مراعات اصحاب ثابت ہے۔

(۴۷) ایک مولوی صاحب نے مثنوی شریف کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا ؎ چشم بند و گوش بند و لب ببند۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں مولانا رح کی مراد اشغال

نہیں ہیں بلکہ نا مرضیات حق سے پرہیز کرنا ہے۔ یہ اشتغال تو صوفیہ نے بہت اخیر زمانہ میں جوگیوں سے لئے ہیں اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کی حکایت سنکر خندق کھدوائی بوجہ مفید ہونے کے اور اشغال تو بہت ادنٰے درجہ کی چیز ہیں۔ اور آجکل تو بزرگوں نے اکثر ان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ لوگوں پر ضعف غالب ہے اور اشغال سے دماغ و معدہ وغیرہ سب خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس میں ہلاک ہوگئے۔ اور حضرت مولانا رومؒ کے زمانہ میں تو اشغال تھے بھی نہیں۔ یہ تو بہت آخر زمانہ کی ایجاد ہے۔ ف اس سے شان تحقیق اظہر من الشمس ہے۔

(۴۸) فرمایا کہ لباس کا یہ معیار ہے کہ ایسا لباس پہنے کہ جو خود اسکی طرف ملتفت نہو یعنی اپنی اس پر نظر نہ پڑے۔ اگر کوئی نواب دو سو روپیہ کا جوڑا پہن لے تو وہ اس کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کرے گا۔ بخلاف معمولی غریب آدمی کے کہ اگر وہ پانچ روپیہ کا بھی پہن لے گا تو اس کے پھول بوٹوں کو ہی دیکھا کرے گا اس لئے اس کے لئے دو سو کا جائز اور اس کے لئے پانچ کا ناجائز۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح اگر کوئی شخص بہت ہی ادنٰے درجہ کے کپڑے پہنے تو اس کا قلب بھی ضرور اس میں مشغول ہو جائے گا۔ اول تو یہ خیال کرے گا کہ میں بہت ذلیل وخوار ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ میں ایسا نفس مردہ ہوں کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں اپنی عزت کی۔ بس یہ بھی مشغولی ہے۔ ف اس بھی حکمت و شان تحقیق معرفت دقیقہ ثابت ہے۔

(۴۹) فرمایا کہ میں نے اعمال قرآنی کو اس وجہ سے لکھدیا ہے کہ لوگ کافروں جوگیوں وغیرہ کے پھندے میں نہ پھنسیں اور حدیث و قرآن ہی میں مصروف رہیں ورنہ مجھے تعویذ گنڈوں سے زیادہ دلچسپی نہیں اور نہ میں اس فن کا آدمی ہوں۔ ف اس سے حضرت والا کا تنفر عملیات سے معلوم ہوا۔

(۵۰) حضرت نے ایک خط ایک مولوی صاحب کو دکھلا کر فرمایا کہ دیکھئے سفارش کا طریقہ میرا یہ ہے کہ جس کو اہل حاجت ناپسند کرتے ہیں۔ مگر اس سے تجاوز کرنا شریعت سے تجاوز سمجھتا ہوں لوگ درخواست کرتے ہیں کہ زوردار الفاظ لکھدیجئے۔ بھلا دوسرے کو مجبور کرنا کہاں جائز ہے کہ یہ کام ضروری کردو۔ اس پر لوگ کہتے ہیں کہ اس کو بخل ہے ذرا زبان اور قلم ہلانے سے کام چل سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک کو تو نفع پہونچاؤں جو کہ مستحب ہے اور دوسرے کو تکلیف دوں جو حرام ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے سفارش چاہی

اور کچھ اپنی قرابت بھی مجھ سے ظاہر کی جس کا مجھ کو علم نہ تھا میں نے سفارش کا یہ مضمون لکھدیا کہ فلاں صاحب آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہماری تم سے (یعنی حضرت سے) قرابت بھی ہے جس کی صحت و عدم صحت کی مجھکو تحقیق نہیں اور ان کی مجھ سے یہ پہلی ہی ملاقات ہے۔ میں ان کے حالات سے واقف نہیں ہوں۔ آپ دیکھ بھال لیجئے اگر قابل اطمینان ہوں ان کی کار برآری فرمایئے میں ممنون ہوں گا۔ اور آپ کو ثواب ہوگا۔

اس مضمون کو اس سفارش خواہ کے لوگوں نے دیکھ کر ان سے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس سے تمہارا کام ہرگز نہ ہوگا وہ اس کو لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ صاحب یہ تو کچھ بھی نہیں ذرا زوردار الفاظ لکھدیجئے۔ میں نے کہا کہ لاؤ بس میں نے اس پرچہ کو لیکر چاک کر ڈالا۔ پھر انھوں نے بہت کہا کہ اچھا وہی مضمون لکھدیجئے جو پہلے لکھا تھا میں نے کہا کہ اب نہیں لکھوں گا۔ یہ بھی کوئی دل لگی ہے۔ ایک تو میں نے آپ کو لکھدیا تھا آپ کی خاطر سے میرے پاس آپ رہے نہیں۔ آپ کی بابت مجھے تجربہ نہیں۔ میں دوسرے کو آپ کی بابت کس طرح اطمینان دلاؤں۔

پھر فرمایا کہ ایسی سفارش میں جس میں کہ آزادی دی جاوے کہ چاہے کام کریں یا نہ کریں کبھی شرمندگی نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ بعض مجھے مجبور کرتے ہیں کہ یہ مضمون سفارش کا لکھدو۔ میں ان سے کہدیتا ہوں کہ اچھا تم اس کا مسودہ کرلاؤ میں اس کی نقل کردوں گا۔ چنانچہ وہ اپنی حسب منشا لکھ لاتے ہیں اس کی نقل کرکے روانہ کردیتا ہوں مگر پیچھے سے فوراً ایک کارڈ ڈاک میں بھیجدیتا ہوں کہ فلاں فلاں مضمون کا خط تمہارے پاس پہونچیگا وہ میرا مضمون نہیں ہے تم اس کے موافق عمل کو ضروری نہ سمجھنا۔ پھر فرمایا کہ دوسرے کو مجبور کرنا خواہ موقع ہو یا نہ ہو کیا مناسب ہے۔ اور دوسرے کی حالات کی کیا خبر۔ ف اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت بیدار مغزی۔ حکمت۔ احتیاط ثابت ہوئی۔

(۵۱) ایک نو وارد صاحب نے عشاء کے وقت حضرت والا کے اندر تشریف لیجاتے وقت در کا پردہ اٹھایا فرمایا کہ کیا مجھے فرعون بنانا چاہتے ہو۔ میرے ہاتھ نہیں ہیں۔ کیا میں خود اٹھا نہیں سکتا ہوں ہمارے یہاں یہ قاعدہ نہیں ہے۔ ہم اس کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں۔ پھر ان صاحب نے بعد فراغ نماز عشا حضرت والا سے معافی چاہی۔ حضرت نے ان صاحب کو اس فعل کا قبیح ہونا خوب اچھی طرح سمجھا دیا اور آئندہ کے واسطے ہدایت فرمائی۔

ف۔ اس سے حضرت والا کی تواضع اور حسن تربیت معلوم ہوئی۔

(۵۲) ایک حافظ صاحب جو کہ بہت سیدھے ہیں وہ حضرت کے ہمراہ گڈھی گئے تھے۔ واپسی میں سواری میں جگہ نہ تھی لہذا حضرت والا نے ایک اور ہمراہی سے پیسے دلوائے کہ حافظ جی بیچارے بیماری کی وجہ سے کمزور ہیں۔ پیدل آنے میں انہیں تکلیف ہوگی۔ یہ ریل سے چلے آویں گے مگر حافظ صاحب نے پیسے تو بچائے اور پیدل ہی آئے۔ جب وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ حافظ صاحب پیدل آئے۔ فرمایا تم نے برا کیا۔ بیمار اور کمزور آدمی خواہ مخواہ تکلیف اٹھائی پیسوں کے لالچ میں مزاحاً حافظ جی سے فرمایا کہ اچھا آپ نے جب خرچ نہیں کئے تو وہ پیسہ فلاں طالبعلم کو واپس کیجئے ابھی لائیے وہ بیچارے جاکر لائے۔ پھر فرمایا کہ کچھ زیادہ دیجئے۔ کیونکہ اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا۔ انھوں نے کہا زیادہ تو سود ہو جاوے گا فرمایا سود تو شرط سے ہوتا ہے۔ آپ احسان کے بدلے میں احسان کیجئے۔ انھوں نے سات کے عوض آٹھ پیسے دیئے۔ پھر فرمایا حافظ جی سچ بتلانا دل بھی دکھا آپ کا پیسہ دیتے ہوئے یا نہیں۔ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ یہ آپ نے سچ بولا حافظ جی نے کہا ہاں کچھ کچھ دکھتا ہے۔ پھر ان طالبعلم سے کہا کہ جب ان کا دل دکھتا ہے تو تم ہرگز نہ لینا پیسہ۔ ورنہ ہضم نہ ہوں گے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ ان حافظ صاحب کو یہ پیسے پھر واپس کرنے چاہئیں فرمایا کہ نہیں میں نے تو ہنسی میں منگائے تھے پیسے تو ان کی ملک ہیں یہ جو چاہیں سو کریں۔ ف اس سے حضرت والا کی شفقت حسن تربیت۔ تطییب قلب۔ مساکین مزاج۔ رقت و نرم خوئی۔ یہ صفات مستفاد ہوئے۔

(۵۳) ایک صاحب جو گوشت نہیں کھاتے ہیں حاضر خدمت ہوئے اور بیمار بھی تھے فرمایا کہ کہو جی گوشت خوار کیا حال ہے۔ پھر فرمایا کہ گوشت خوار کے یہ معنی ہیں کہ جس کی نظروں میں گوشت خوار ہو (یعنی گوشت اچھا نہ معلوم ہو) ف اس سے بھی حضرت کا مزاح و شفقت و تطییب قلب۔ قلب مسلم معلوم ہوا۔

(۵۴) ایک صاحب جو کہ سرکاری ملازم ہیں چھ ماہ کی رخصت لیکر بغرض قیام تھانہ بھون حاضر ہوئے چند دنوں بعد ان کے والد صاحب کا خط آیا کہ فلاں مولوی صاحب ان کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور ان ہی مولوی صاحب کے ایما سے آیندہ ملازمت بھی شاید ترک

کردیں اور اس خط میں ان مولوی صاحب کی اور بھی بیجا شکایتیں درج تھیں حضرت والا نے ان صاحب سے دریافت فرمایا کہ تمہارا ترک ملازمت کا ارادہ تو نہیں ہے صرف رخصت ہی لی ہے انھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں صرف رخصت لی ہے۔ ترک ملازمت کا تو ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنے والدین کو اطلاع بھی کر آیا تھا مگر انہیں اطمینان نہیں ہوا اور حضور تک نوبت پہونچائی۔ فرمایا کہ بجائے اس کے کہ میں آپ کا حال لکھوں یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ آپ خود اس پر یہ مضمون لکھ دیں اور وہ خط ان کے والد صاحب کا ان کو دیدیا اور یہ فرمادیا کہ اس خط میں جو مضامین دوسروں کے متعلق ہیں ان کا کسی سے ذکر نہ کیا جاوے اور آپ لکھ کر یہ خط مجھے بھی دکھلادیں میں بھی کچھ لکھدوں گا۔ ان صاحب نے وہ خط مضمون مذکورہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو دریافت فرمایا کہ تم نے اس کا ذکر مولوی صاحب سے تو نہیں کیا وہ خاموش ہوئے فرمایا کہ آپ نے مولوی صاحب کو خط دکھلادیا حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ ان مولوی صاحب کے پاس اور بھی خط شکایت کے آچکے ہیں۔ فرمایا کہ آپ کے خط دکھلانے سے اور رنج مولوی صاحب کو زیادہ ہی تو ہوا۔ افسوس ہے جب میں نے منع کر دیا تھا تو پھر آپ نے کیوں دکھلایا۔ نہ معلوم آپ نے کیا تاویل کرلی۔ یہ خط میرے پاس امانت تھا میں نے آپ کے سپرد امانۃً کیا آپ نے خیانت کی کہ دوسروں کو دکھلایا۔ آپ کو بلا اجازت میری یا اپنے والد صاحب کے نہ دکھلانا چاہئے تھا۔ اگر دکھلانا ہی تھا تو مجھ سے اجازت تو لے لیتے اور پھر مجھ سے ذکر بھی نہیں کیا کہ میں نے دکھلایا ہے۔ اگر میں نہ پوچھتا تو آپ ذکر بھی نہ کرتے یہ آپ نے مجھے دھوکا دیا۔ میں یہ سمجھتا کہ آپ نے نہ دکھلایا ہوگا۔ علاوہ اس کے یہ ان حقوق کے بھی خلاف ہے جو کہ میرے آپ پر ہیں۔ آئندہ آپ پر کسی بات کا کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا اعتبار جاتا رہا۔ ہم تو آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ مگر اب آپ کی یہ خوبیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ کے اخلاق کی درستی نہیں ہوئی۔ کیا صرف تہجد پڑھنا اور تسبیح ہلانا ہی ضروری اور کافی ہے۔ کیا یہ امور شریعت کے خلاف نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ کچھ سمجھ میں آیا یا نہیں انھوں نے عرض کیا خوب سمجھ میں آگیا۔ پھر فرمایا خبردار جو آئندہ کبھی کہنے کے خلاف کوئی کام کیا جاوے اپنی اور میری دونوں تحریریں بھی مولوی صاحب کو دکھلادو جبکہ کل خط کو تم نے دکھلا ہی دیا۔ ہمارے پیٹ میں نہ معلوم کس کس کی اور کیسی کیسی بھلی اور بری باتیں پڑی ہیں

مگر کیا مجال کہ جو کبھی انکا اظہار ہو آپ سے ذرا سی بات کا ضبط نہ ہو سکا جھٹ جا کر خط دکھلایا حضرت والا نے ان کے والد کو خط میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ کے تمام خیالات کا مدار شبہات پر ہے مسلمان سے حسن ظن رکھنا چاہیئے جو مضمون آپکے لڑکے نے آپ کی تسلی کے لئے لکھا ہے فلاں مولوی صاحب بھی اس کے خلاف نہیں ہیں۔ پھر ان صاحب نے اسی دن بعد ظہر ایک پرچہ معذرت کا لکھ دیا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اس بات کا سخت صدمہ ہے کہ میں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا اس پر حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ آپ کس وہم میں پڑ گئے واللہ میرا دل آپ کی طرف سے بالکل صاف ہے ف حضرت کی شفقت و محبت جو مریدوں کے حال پر ہے اس کا کچھ اندازہ اس ملفوظ کے آخری جملہ سے ہو سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اصلاح اخلاق کی جانب جو حضرت کی خاص توجہ رہتی ہے اس کا اندازہ بھی اسی ملفوظ سے ہو سکتا ہے۔

(۵۵) ایک مولوی صاحب کے پاس ایک خط آیا جس میں کچھ سخت الفاظ لکھے تھے انھوں نے حضرت والا سے ذکر کیا کہ میں ان کو جنکے نام سے خط آیا ہے لکھوں کہ انہوں نے ایسے الفاظ کیوں لکھے۔ فرمایا کہ اول یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ ان کی تحریر ہے یا نہیں۔ اگر آپ خط پہچانتے ہوں تو معلوم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ خط تو کسی دوسرے سے لکھایا گیا ہے فرمایا کہ خواہ مخواہ کسی پر کیوں شبہ کیا جاوے۔ اگر ان کا خط پہچانا جاتا تو اول ان سے دریافت کیا جاتا کہ آیا انھوں نے یہ خط بھیجا ہے یا نہیں اگر وہ انکار کریں تو بھی ان سے مخاطبت بیجا ہے مخاطبت تو ان سے جب ہی کی جا سکتی ہے کہ جب ان کی تحریر پہچانی جاوے اور وہ اس خط کے بھیجنے کا اقرار کریں پھر بعد کو ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ خط جو مولوی صاحب کے پاس آیا تھا جعلی تھا اور جس طرف ان کا شبہ تھا وہ غلط نکلا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اگر خط بھیجدیا جاتا تو ان سے کس قدر ندامت ہوتی کہ خواہ مخواہ ان پر شبہ کیا گیا جب شریعت کو ذرہ برابر چھوڑا جاوے گا ضرور کلفت ہوگی۔ آجکل علماء نے بھی معاملات میں شریعت کو چھوڑ دیا ہے۔ بس نماز روزہ میں شریعت پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ف اس سے حضرت والا میں شریعت کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۵۶) ایک طالب علم جو کہ سر میں تیل ملنے کا خاص طریقہ جانتے ہیں جس سے کہ تیل سر میں بالکل کھپ جاتا ہے۔ ان سے حضرت والا نے کہلا کر بھیجا کہ اگر فرصت اور تعلیم کا حرج نہ ہو تو آکر سر میں تیل مل جاویں۔ انہوں نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ اس وقت فرصت نہیں ہے یہ بیچارے

بے تکلف ہیں اگر فرصت ہوتی ہے تو بے کہے خود آکر تیل ڈالدیتے ہیں) اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے میں نے کہا تھا کہ ایک روپیہ ماہوار مجھ سے تیل ڈالنے کا لے لیا کرو انھوں نے جواب دیا کہ اس کا ذکر کروگے تو پھر ویسے بھی سر میں تیل ڈالنا چھوڑ دوں گا۔ ف اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت والا بلا اجرت کسی سے کام لینا نہیں چاہتے نیز اپنے متعلقین کو آزادی دے رکھی ہے کہ بلا تکلف اپنے مصالح کی رعایت کریں۔ مباحات میں کسی کا دباؤ نہ قبول کریں۔

(۵۷) فرمایا کہ آجکل ہم لوگوں کی معاشرت نئے طرز کی ہوگئی ہے۔ اگر مہمان سے قیام کی مقدار پوچھی جاوے تو اس کو خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مہمان بطور خود کھانے کا انتظام کرتے ہیں مگر میزبان کو اطلاع نہیں کرتے۔ میزبان بیچارہ سامان کرکے کھانا تیار کرتا ہے وقت پر کہہ دیتے ہیں کہ صاحب ہمارے ساتھ کھانا موجود ہے اس سے میزبان کو کس قدر تکلیف اور اس کا کتنا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب جو کہ میرے یہاں مہمان تھے اپنے ساتھ کھانا لائے تھے مگر انھوں نے اپنے پاس کھانا موجود ہونے کی مجھے اطلاع نہیں کی جب کھانا کھانے کا وقت آیا تو اپنا کھانا کھول کر بیٹھے۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اطلاع کردی ہوتی کہ میرے پاس کھانا موجود ہے تو مضائقہ نہ تھا اب چونکہ آپ نے اطلاع نہیں کی اور مجھے تکلیف دی لہذا اس کھانے کو کہیں اور جاکر کھائیے یہاں نہ کھائیے۔ پھر فرمایا کہ جب میں سفر کو جاتا ہوں اور سہارنپور میں کچھ قیام کرنا ہوتا ہے اور اسی عرصہ میں کھانے کا وقت ہو تو پہنچتے ہی میں اطلاع کردیتا ہوں کہ کھانا ہمارے ساتھ موجود ہے یا یہ کہ فلاں جگہ کھائیں گے۔ اور اگر ہمراہ ہو تو جاتے ہی میزبان کے گھر بھجوادیتا ہوں کہ اس کو رکھ لیا جاوے اور اپنے یہاں کا کھانا بھیجدیا جاوے یا دونوں کو ملا جلاکر استعمال کیا جاوے۔ اس سے انہیں بھی تکلیف نہیں ہوتی ورنہ جلدی میں اگر کھانا تیار کرایا جاوے تو سخت پریشانی ہو اور اس طرح کھانا ہمراہ لیجانے سے میزبان کی اہانت بھی نہیں ہوتی کیونکہ میزبان کا کھانا بھی تو استعمال میں آتا ہے پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ خود تو میزبان کے یہاں کھاتے ہیں اور ساتھ کا کھانا کنوئیں وغیرہ کو ڈال دیتے ہیں افسوس کہ رزق کی ایسی بے قدری کہ آدمی کو نہ کھلایا جاوے خواہ کتے کھاویں۔ اگر وہ کھانا میزبان کے یہاں بھیجدیا جاوے تو کیا حرج ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے تو محلہ میں کہدیا ہے کہ جب کسی کے یہاں ساگ پکا کرے تو میرے لئے بھیجدیا کریں۔ غریب بیچارے اس بات سے بہت ہی خوش ہیں کہ ہماری بہت ہی خاطر کرتے ہیں کہ جو بے تکلف سالن قبول کرلیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ

کڑھائے کی دال بڑے مزے کی ہوتی ہے۔ غریبوں میں شادی وغیرہ میں کڑھائے میں پکتی ہے مجھے جب اطلاع ہوتی ہے تو میں خود منگوا لیتا ہوں۔ ف اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت، حسن تربیت، بے تکلفی، تطییب قلب مساکین ثابت ہوئی۔

(۵۸) ایک زمیندار صاحب نے گانوں سے بارش کے دن حضرت والا کی خدمت میں کھیر مٹی کے گھڑے میں ایک مزدور پر رکھوا کر بھیجی وہ آدمی بیچارہ قریب تھانہ بھون کے آکر کیچڑ کی وجہ سے گر گیا۔ کھیر بھی سب گر گئی وہ بیچارہ کیچڑ ملی ہوئی کھیر لیکر آیا اور پرچہ جو زمیندار صاحب نے دیا تھا پیش کیا حضرت والا نے بہت افسوس فرمایا کہ غریب کے چوٹ بھی لگی اور کھیر بھی رخصت ہوئی۔ ایسے میں تنہا چلنا مشکل ہے نہ کہ بوجھ لیکر چلنا تو سخت ہی دشوار ہے۔ ایسی بارش میں بھیجنا سخت بے رحمی ہے پھر فرمایا کہ زمینداری میں کچھ قساوت ہو ہی جاتی ہے۔ پرچہ میں انہوں نے رسید مانگی تھی حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ بجائے رسید کے نصیحت بھیجتا ہوں کیونکہ کھیر تو گر کر ختم ہو گئی پھر دوسرے دن اسی شخص کو دوبارہ کھیر لیکر بھیجا۔ حضرت والا نے اس مزدور سے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کچھ پیسے دیئے ہیں یا نہیں اس نے جواب دیا نہیں دیئے حضرت والا نے اس مزدور کو اپنے پاس سے پیسے دئے اور ان ملیدا کے صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس بیچارے کے کھانے کا بھی خیال نہیں کیا۔ ف یہ آخر کا جملہ حضرت نے اس لئے تحریر فرمایا کہ عام طور سے رسماً مزدوری اور کھانے کا انتظام مہدی الیہ کے ذمہ سمجھتے ہیں۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا کمال ترحم اور قلع رسوم اور حق بات پہونچانے میں عدم خوف لومۃ لائم ظاہر ہے۔

(۵۹) فرمایا کہ کسی کام کی پیشگی اجرت لینے کے تذکرہ میں فرمایا کہ پیشگی لینے کے بعد کام پورا کرنا مشکل پڑ جاتا ہے اور بیگار کی طرح پورا کیا جاتا ہے اس لئے پیشگی لینا ٹھیک نہیں۔ چڑھا کر لینے میں خوشی زیادہ ہوتی ہے۔ ف اس سے حضرت والا کا تجربہ و حکمت ثابت ہے

(۶۰) فرمایا کہ جس امر میں شرعاً گنجائش ہو اس کے صدور سے دوسرے شخص کو سختی کے ساتھ اجتناب کا حکم کرنا یہ آداب احتساب کے خلاف ہے۔ لطف سے بھی تو یہ کام ہو سکتا ہے مگر اس بات کا خیال کرنا اور اس پر عمل کرنا بڑے متبحر عالم کا کام ہے ف اس سے حضرت والا کی نرم جوئی اور رعایت حدود شرعیہ صاف ظاہر ہے۔

(۶۱) فرمایا کہ میں بچوں کو خط میں دعا بھی لکھ دیتا ہوں ان کی طیب خاطر کے لئے

مگر اول سلام بھی کہہ دیتا ہوں کیونکہ سنت ہے سلام کو نہیں چھوڑتا۔ عبارت کی ترتیب یہ ہوتی ہے السلام علیکم بعد دعا کے واضح ہو کہ ف اس سے حضرت والا کی اتباع سنت کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوا۔

(۶۲) فرمایا کہ اگر دنیا دار تھوڑا سا بھی دین کی طرف متوجہ ہو تو غنیمت ہے اور اگر دیندار تھوڑا سا بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔ ف اس سے حضرت والا کا زہد و شفقت معلوم ہوا۔

(۶۳) فرمایا کہ ایک صاحب یہاں بغرض تعلیم و تلقین آئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ بیوی کا کیا انتظام کر آئے ہو، جواب دیا کہ اپنے میکہ میں موجود ہیں آخر کار کھلتے کھلتے معلوم ہوا کہ آپس میں نا اتفاقی ہے اور بیوی طلاق کی خواستگار ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کو کیوں مقید کر رکھا ہے اس کا فیصلہ کرنا ضروری ہے آپ جائیے اور معاملہ صاف کیجئے تب آیئے یا تو وہ آپ کے پاس رہنا قبول کرے ورنہ اس کو طلاق دیجئے۔ چنانچہ وہ گئے اور طلاق دے کر آئے پھر وہ کہتے تھے کہ جیسی یکسوئی سے میں نے اب کام کیا ہے ویسا پہلے ہرگز نہ ہوتا پھر فرمایا کہ مقصود تو شریعت ہے۔ شریعت نہ ہوئی تو طریقت کیا چیز ہے۔ حقوق العباد زیادہ سخت چیز ہیں حقوق اللہ سے بھی۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بندے تو آلہ ہیں کہ حق تعالیٰ انہیں ایسی ایسی باتیں سوجھا کر کام کرا لیتے ہیں اصل کمال تو (اِلٰہ) کا ہے۔ آلہ کا کیا کمال ہے۔ ف اس سے کمال لحاظ حقوق العباد کا ثابت ہوا۔

(۶۴) ایک مولوی صاحب نے جو کہ مدرسہ امداد العلوم میں مدرس تھے طلباء پر سبق کے یاد نہ کرنے کے جرم میں بلا اجازت و مشورہ حضرت والا کے کچھ جرمانہ کیا۔ جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلباء پر جرمانہ کیا ہے۔ انھوں نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ یہ جائز کہاں ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ مالکوں ہی کو بعنوان انعام دیدیا جائیگا حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کے مال کا حبس کرنا بلا رضامندی کب جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ جرمانہ تو بچوں پر نہ ہوا ان کے ماں باپ پر ہوا کیونکہ مال ان ہی کا ہے۔ آپ کا کام سکھلانے سمجھانے کا ہے نہ یاد کریں بلا سے مت یاد کرو۔ آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا گیا۔ ف کمال اتباع شریعت و حسن تربیت ثابت ہوا۔

(۶۵) حضرت والا دوپہر کو سہ دری میں آرام فرما رہے تھے اور پردے چھوٹے ہوئے تھے۔

ایک صاحب وہاں جا پہنچے اور حضرت والا کے منع فرمانے پر واپس چلے آئے۔ ان کے متعلق بعد نماز ظہر کچھ گفتگو کے بعد فرمایا کہ آدمی کو چاہئے جہاں جاوے اس کے اوقات کی تحقیق کرلے۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو میں اپنے معمولات خود ہی بتلا دیتا۔ مشرق مغرب شمال جنوب کہیں بھی آدمی جاوے سب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاوے۔ کچھ میری ہی تخصیص نہیں ہے میں ذرا آرام کرنے لیٹا تھا کہ بس آموجود ہوئے۔ کون آرام کرنے دیتا ہے۔ رانڈیں بیٹھیں تو جب رنڈوے بیٹھنے دیں۔ ان صاحب نے جب اپنے جانیکا یہ عذر کیا تھا کہ چونکہ پردوں کے اندر سے حضرت والا کے گفتگو فرمانے کی آواز آرہی تھی اس وجہ سے میں چلا گیا تھا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آواز سنکر جانے کی اجازت ہونے پر استدلال کیا جاویگا تو میاں بیوی کی خلوت میں بھی جاگھسیں گے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص ہاتھ میں تسبیح لے لیتا ہے اسکو تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پتھر ہوجاتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ ذی حس ہوجاتا ہے۔

ف اس ملفوظ سے ظرافت کے ساتھ تعلیم استیذان کے مسئلہ کی کی گئی۔

(۶۶) دعا قبول ہونے کے متعلق فرمایا کہ کبھی جو کچھ آدمی مانگتا ہے اس سے بہتر چیز اس کو مل جاتی ہے مثلاً کوئی سورو پیہ اللہ میاں سے مانگے اور دو رکعت آخر شب میں نصیب ہوجاویں اور سورو پیہ نہ ملیں تو دعا قبول ہوگئی کیا دو رکعت سورو پیہ سے بھی کم ہیں۔

ف اس سے حضرت والا کا کمال زہد ثابت ہے۔

(۶۷) فرمایا کہ معدہ کمزور ہونے میں بھی حکمت ہے کہ لذائذ سے پرہیز ہوتا ہے۔ یہ بھی سرکاری انتظام ہے کیونکہ زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہوجاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ ف اس سے حضرت والا کا حکیم ہونا ظاہر ہے۔

(۶۸) ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا فرمایا کہ بھائی نماز کا حق کس سے ادا ہوسکتا ہے تم تو یہ بھی سمجھتے ہو کہ ہم سے حق ادا نہیں ہوتا اور ہم اس جہل میں مبتلا ہیں کہ ہم بہت اچھی نماز پڑھتے ہیں اور حالانکہ خاک بھی نہیں پڑھتے۔ بس بھائی اللہ میاں کو سجدہ کرلیتے ہیں وہ رحیم ہیں قبول فرمالیں گے ان سے امید قبولیت کی البتہ ہے گو ہماری نماز اس قابل نہیں۔ ف اس سے حضرت والا کی کمال عبدیت ظاہر ہے۔

(۶۹) اپنے ضعف کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ دعا کردے تو پھر دوا وغیر

سب ایک طرف ہی رکھی رہے۔ ف اس سے بھی کمال عبدیت ظاہر ہے۔

(۷۰) ایک صاحب نے اپنی بی بی کی نسبت لکھا تھا کہ ان کو ۷ ماہ کا حمل تھا وہ کسی شادی میں گئیں پیر رپٹ گیا گر گئیں بچہ پیش ہو گئی۔ میں ضعیف العمر ہوں اور بچے چھوٹے ہیں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرما دیں۔ اس پر فرمایا کہ عورتیں رسومات نہیں چھوڑتیں اور ان صاحب کو جواب تحریر فرمایا کہ آپ ایسے موقع پر پھر جانے کی اجازت نہ دیں دوسرے یہ کہ خدا کرے آپ کے دل میں ایسی خودغرضی نہ رہے کہ اس کے لئے اس غرض سے شفا کی دعا کراتے ہیں کہ بچے چھوٹے ہیں۔ ف اس سے بھی حضرت والا کی کمال شفقت و شان تربیت ظاہر ہے۔

(۷۱) فرمایا کہ بعض لوگ مردوں کی چیزوں کا استعمال کرنا نحوست سمجھتے ہیں مگر مرنے کی جائداد کسی کو نہیں دیتے اس میں نحوست نہیں آتی۔ کپڑے اگر نئے بھی رکھے ہوں تو انہیں بھی دے ڈالتے ہیں۔ نحوست بھی عقلمند ہے کہ کم قیمت کی چیزوں میں گھستی ہے۔

ف اس سے بھی حضرت والا کا مزاح و خوش طبعی و نیز شان تربیت ظاہر ہے۔

(۷۲) ایک صاحب نے مع اپنی بیوی کے کسی شادی والوں کے مجمع کے ساتھ تھانہ بھون آئے اور وہ خانقاہ میں اور بیوی اس شادی والے گھر میں مقیم ہوئے اور بیان کیا کہ ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اس پر فرمایا کہ شادی والوں کے ساتھ آنا ٹھیک نہیں۔ طالب قدوس کو طالب عروس کے ساتھ جوڑ کھانا کیسا مناسب ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ آنے میں بالکل بے لطفی ہے۔ چنانچہ آپ یہاں موجود ہیں اور بیوی آپ کی وہاں ہیں۔ میرے دل کو آپ کا اور ان کا آنا لگتا نہیں۔ ایسا آنا کچھ رغبت اور شوق کا آنا نہیں ہوتا ان لوگوں کے ساتھ جانے کے پابند۔ یہاں آنے کی جو مصلحتیں ہیں ان سب پر پانی پھر گیا نہ آنا رہا نہ پائی۔ قاعدہ کلیہ ہے آدمی جہاں جاتا ہے اور وہیں قیام کرتا ہے تو وہ مصلحتیں مرتب ہوتی ہیں ورنہ نہیں۔ ان صاحب نے عرض کیا اپنی بیوی کی نسبت کہ اس نے مجھے مجبور کر دیا۔ اس پر فرمایا کہ مجھے یہ حیرت ہے کہ آپ انکے تابع ہیں یا وہ آپ کے تابع۔ آپ اس کے کہنے میں نہ آتے۔ ہر چیز کو اس کے مرتبہ میں رکھنا چاہئے بیوی کے ساتھ بدخلقی نہ کرے مگر یہ بھی نہیں کہ اس کو میاں بنا لیوے۔ بعض لوگ یہاں آتے ہیں اور ادھر ادھر ٹھہر جاتے ہیں مجھے تو ان کے آنے کی قدر نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ حدیث من کثر سواد قوم فھو منھم کے مقتضا پر جو لوگ اس جماعت کے ساتھ آتے ہیں ان کا شمار انہیں میں ہوتا ہے۔ ف اس سے حضرت والا کی اعتدال نظر۔ شان تربیت مزاج معلوم ہوا

(۷۳) فرمایا کہ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا۔ لوگوں کی جان نکلتی تھی۔ حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے ف اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو شفقت بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۷۴) فرمایا کہ بعض انگریزی خواں طلبہ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آکر ہمیں ہدایت کریں۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے گھروں پر جاکر ان کو ہدایت کریں۔ نیز اس میں شبہ ان کی حاجتمندی کا بھی ہوسکتا ہے۔ پس یہی مناسب ہے کہ علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔ سول سرجن پر آپ نے کبھی اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن غیر شفیق ہے۔ بیمار کے پاس کمروں میں آکر علاج نہیں کرتا حالانکہ اس کو آپ کے پاس آنا آسان بھی ہے۔ مگر خود آپ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ امراض جسمانی کو تو مہلک سمجھتے ہیں اور امراض روحانی کو اس قدر مہلک نہیں سمجھتے۔ بعض شبہ نکالتے ہیں کہ صاحب بعض ان میں مدعی ثابت ہوئے تو کس پر اعتماد کریں مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مدعیان طب میں کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ مگر جس طرح ان میں سے اچھا چھانٹ لیتے ہیں اسی طرح کیا علماء میں چھانٹ نہیں سکتے۔ میرے ساتھ چلئے میں دکھلاؤں علماء کو۔ یہ شبہات تو سب ڈھکوسلے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس چیز نے فرعون کو اتباع موسیٰ سے روکا تھا اسی نے ان کو اتباع علماء سے روکا۔ یعنی تکبر۔ اور خاص طور پر اس نئی تعلیم کا اثر ہے کہ ذلیل سے ذلیل آدمی بھی اپنے آپکو والیان ملک سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ پرانے لوگوں میں شان انکساری و شکستگی کی ہے گو گنہگار ہوں۔

ف۔ اس سے حضرت والا کا کمال معرفت علم و نفس معلوم ہوا۔

(۷۵) فرمایا کہ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کام نہیں ہوسکتا اسی طرح فضول خرچ لوگوں میں مادہ فکر کا نہیں ہوتا۔ اگر فکر ہو تو فضول خرچی ہی نہ کرے۔ ف یہ ملفوظ حضرت والا کے فراست و تجربہ پر دال ہے۔

(۷۶) فرمایا کہ یہ عجیب بات تجربہ کی ہے کہ بددین آدمی اگر کسی اور بات کی نقل بھی کرے مثلاً بددین نحو کی کوئی کتاب لکھے۔ گو اس میں کوئی مسئلہ بددینی کا نہیں ہے مگر اس کے دیکھنے سے بھی بددینی کا اثر دل میں پیدا ہوگا۔ ف اس سے بھی حضرت والا کا کمال تجربہ و فراست معلوم ہوئی۔

(۷۷) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے پاس جو معزز عہدہ داروں کے خطوط آتے ہیں ان کا چھپ جانا بیحد مفید ہے کیوں کہ اس سے ایسے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں کو بھی دینی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اس پر فرمایا کہ میاں اشتہار دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کسی کا سودا کھرا ہے تو انگلستان اور جرمن تک سے خریدار آتے ہیں اور جو مرغوب نہیں ہے تو لوگ اگر آ بھی گئے تو کہیں گے کہ بڑا احمق تھا اشتہار دے کر ہمیں مفت پریشان کیا۔ پھر فرمایا کہ پاس والوں کا معتقد ہونا بمقابلہ دور والوں کے معتقد ہونے کے اور زیادہ اچھی دلیل ہے مرغوب ہونے کی۔ مثلاً جھنجھانہ والوں کے خطوط دور والوں کے خطوط سے زیادہ معتبر ہیں۔ اور جو خاص تھانہ بھون کے لوگ مانوس ہوں تو اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اور جو عزیز قریب راغب ہوں تو اور زیادہ اچھی دلیل ہے بمقابلہ دور والوں کے کیونکہ دور والوں کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ میاں دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہی ہیں اور پاس والے چونکہ تمام حالات سے واقف ہوتے ہیں اس لئے بہت مشکل سے معتقد ہوتے ہیں۔ ف اس سے حضرت والا کی لطافت فہم عمق نظر کا پتہ چلتا ہے۔

(۷۸) ایک صاحب نے اپنے قیام کا قصد بذریعہ تحریر ظاہر کیا اور مدت دو ماہ کی اصلاح کے لئے لکھی۔ تحریر فرمایا کہ دو ماہ کی قید اپنی طرف سے لگانا ٹھیک نہیں۔ عمر بھر کا ارادہ کر لے۔ پھر چاہے دو ہفتہ ہی لگیں اور اگر آپ غریب ہیں اور اس لئے نہیں ٹھہر سکتے تو یہاں بھی توکل کا قصہ ہے۔ ذمہ داری آپ کی نہیں ہو سکتی آپ کو یہ سمجھنے کا حق نہ ہوگا کہ میں نے تو یہاں اجازت لیکر قیام کیا تھا تو بس میری ذمہ داری ہوگی۔

(۷۹) فرمایا کہ خدا نے ہم کو عمل کے لئے پیدا کیا ہے سوالات کے لئے نہیں پیدا کیا عمل کا طریقہ جب معلوم ہے پھر سوالات کا کیا غرض ہے۔ جس کی عظمت قلب کے اندر ہوتی ہے اس کی تجویزوں پر سوال نہیں کئے جا سکتے مثلاً مجھ سے اس جلسہ میں کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ اس طرح کی ٹوپی کیوں پہنی کیونکہ میری عظمت ہے افسوس کہ خدا کی اتنی بھی عظمت نہیں جتنی کہ ایک ناپاک مخلوق کی کہ احکام شرعیہ کی حکمت کا سوال کیا جاتا ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ایسے سوالات سے۔ ف اس ملفوظ سے حضرت کا خشیت حق اور لطافت فہم ادب وعظمت الٰہی ظاہر ہے۔

(۸۰) فرمایا کہ تصوف کا لوگوں نے ناس کر دیا۔ رسوم کا نام تصوف رہ گیا۔ عوام تو بدعت

یں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کا یہی تصوف ہے ۔ اور خواص میں جو غیر محقق ہیں وہ اوراد پڑھ لینے مات کو جاگنے اور حرارت ورارت ذوق وشوق ہونے کو بس تصوف سمجھنے لگتے ہیں اور یہ گمان عام ہو گیا تھا کہ حدیثوں میں تصوف نہیں ہے بس صوفیوں ہی کے کلام میں ہے۔ ماموں صاحب تو فرمایا کرتے تھے کہ وہ تصوف نہیں جو حدیث میں نہیں اور وہ حدیث نہیں جس میں تصوف نہ ہو غرض تصوف تو اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی حدیث اس سے خالی نہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں ہے ہی نہیں۔ دہلی میں حقیقۃ الطریقت میرا رسالہ ایک غیر مقلد نے زمانہ تالیف میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر کہا یہ کس شخص کی ہے۔ ایک دوست نے میرا نام بتایا پھر ان غیر مقلد نے کہا کہ ان کو لکھ دینا کہ اس میں اختصار نہ کریں خوب لکھیں۔ اس رسالہ میں ایک مقام پر بیعت طریقت کا حدیث سے اثبات ہے۔ ایک صاحب جن کو عدم تقلید کی طرف میلان تھا کہنے لگے ہم تو بیعت کو بدعت سمجھتے تھے میں نے کہا کہ دیکھ لو جس حدیث سے اثبات ہے وہ میری گھڑی ہوئی تو ہے نہیں۔ دلالت کو دیکھ لو۔ پھر وہ مجھ سے بیعت ہوئے اور غیر مقلدی چھوڑ دی۔ ف اس سے حضرت والا کی خاص صفت کشف حقائق کی اور قوت استنباط معلوم ہوئی۔

(۸۱) فرمایا کہ عید کی نماز کے لئے بہت لوگوں نے چاہا کہ میں پڑھایا کروں مگر میں نے کبھی نہیں پسند کیا کسی بات میں بنا کے وقت مصلحت ہوتی ہے مگر بعد میں نہ وہی مصلحت سبب ضرر بن جاتی ہے مثلاً اگر کسی خاص مصلحت سے امامت قبول کی جاتی تو ممکن ہے ہمارے مرنے کے بعد ہمارے جانشین (اگر نالائق ہوئے) دعوئے استحقاق کا کرنے لگیں مجھے تحزب اور مجمع بنانے سے سخت نفرت ہے چاہتا ہوں کہ ایسی گمنامی کے ساتھ زندگی ہو کہ کام تو سب ہوں مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ اور لوگ تو تعلق کا بہانہ ڈھونڈھتے ہیں اور میں ترک تعلقات کا بہانہ ڈھونڈتا ہوں جی گھبراتا ہے تعلقات سے۔ یہ ایک طبیعت کا رنگ ہے۔ اشتہار وامتیاز کی کلفتوں اور تعب کو دیکھتا ہوں۔ مقتدا بننے میں بار بہت پڑتا ہے۔ بس اس بار کا تحمل نہیں۔

ف اس سے حضرت والا کا حب خمول۔ کتمان حال تحزب سے نفرت نیز عقل وحکمت ظاہر ہے

(۸۲) فرمایا کہ میں خود ترک سلام وکلام کی ابتدا نہیں کرتا مگر جب دوسری طرف سے ہو تو میں تیار رہتا ہوں جہاں رعایت ہوگی ضرور مغلوب ہونا پڑے گا۔ جلب منفعت کیلئے دبنا بد دینی ہے۔ اور دفع مضرت کے لئے دبنا البتہ خلاف دین نہیں۔ شریعت نے اجازت دی ہے۔ ف اس سے حضرت والا کی شان کمال استغنا ثابت ہوئی۔

(۴۳۸) فرمایا کہ جب میں کانپور سے تھانہ بھون آیا تو جامع مسجد میں وعظ کہا کرتا تھا جس میں اکثر رسوم کا رد ہوتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے۔ میں نے ایک وعظ میں کہدیا کہ میری تو صرف مصلحت یہ ہے کہ ثواب تو ملتا ہے لیکن اگر مجھے ثواب ہی مقصود ہوگا اور طرح سے مل سکتا ہے مثلاً نوافل وذکر شغل سے۔ باقی زیادہ مصلحت تمہاری ہی اصلاح کی ہے بسوجب تم ہی اپنا نفع نہیں چاہتے تو مجکو کیا ضرورت پڑی ہے۔ اب تم لوگ خوش ہوجاؤ کہ آج سے وعظ بالکل بند۔ یہ سنکر پھر تو سب لوگ عاجزی کرنے لگے کہ خطا کس کی اور سزا بھگتیں سب میں نے کہا جسے وعظ کہلوانے کا شوق ہوا پنے گھر لے چلو وہاں کہوں گا یہاں جامع مسجد میں وعظ نہ کہوں گا۔ اس پر لوگ خوش ہو گئے۔ پھر تو خوب دل کھول کر وعظ کہا۔ حدیث شریف میں ہے رحم اللہ عمر ما ترك الحق لہ من صدیق یعنی حق گوئی نے عمر کا کوئی دوست نہیں چھوڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی کا یہ اثر ہے جو لوگ اس قدر شاکی ہیں جی چاہتا ہے کہ حق پھیل جاوے۔ حق غالب ہو۔ خواہ کسی کے ذریعہ سے ہو۔ اپنے گھر کا کام تو ہے نہیں۔ کہ ہم سے نہ ہوسکے تو دوسرا نہ کرے۔ ایک عورت روٹی ٹیڑھی میڑھی پکا رہی ہے اگر کوئی کہے کہ تو خراب پکاتی ہے تو وہ پکا دے اچھا ہوا کہ وہ چولھے کی آگ سے بچی۔

ف۔ اس ملفوظ سے حضرت کی حق گوئی۔ اشاعت دین کی محبت۔ طبیعت کی آزادی ظاہر ہے۔

(۴۴۸) فرمایا کہ جس میں رائی برابر بھی کبر ہوتا ہے اس سے مجھے بہت انقباض ہوتا ہے سلف میں ذکر وشغل کا زیادہ اہتمام نہ تھا۔ افعال وعادات واخلاق کا زیادہ اہتمام تھا یہ ذکر وشغل کا غلبہ تو خلف میں ہوا کیونکہ وظیفوں میں حظ اور لذت ہے چنانچہ اگر حظ نہیں آتا تو شکایتیں کرتے ہیں اور مجاہدات میں کلفت ہے چنانچہ ایک قصہ یاد آیا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب کے ایک خلیفہ تھے ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہوگئی۔ ان صاحب کا رئیسانہ مزاج تھا مگر تھے اہل نسبت۔ ان کے سامنے کسی نے ایک جولاہہ کا نام لے دیا۔ وہ نمازی تھا مگر کم وقعت تھا۔ ان صاحب نے ان کو بلایا وہ ڈر گیا اور باتیں دریافت کرتے وقت خوف کی وجہ سے اس کے کلام میں لغزش ہوئی۔ اس کی وجہ سے اس پر کچھ شبہہ ہوا اور ان صاحب نے اس کو مارا۔ وہ مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا۔ مولانا کو بہت ناگوار ہوا۔ بس مولانا نے ان صاحب کو رقعہ لکھا کہ اگر خدا تعالیٰ آپ سے

سوال کریں کہ آپ نے اس غریب کو کس حجت شرعیہ سے مارا تو آپ کے پاس کچھ جواب ہے۔ اس جواب کو آپ تیار کر لیں۔ اس رقعہ کو سن کر ان صاحب کا سر سے پاؤں تک سناٹا نکل گیا پس گنگوہ پیدل پہونچے۔ مولانا اس وقت حجرے میں لیٹے تھے۔ باہر ایک طالب علم بیٹھے تھے ان صاحب نے ان طالب علم سے کہا کہ مولانا کو اطلاع کر دو کہ ایک ناپاک کتا آیا ہے اگر منہ دکھانے کے قابل ہو تو منہ دکھاوے ورنہ کسی کنوئیں میں ڈوب مرے تاکہ یہ عالم پاک ہو۔ طالب علم نے اطلاع کی۔ مولانا نے بلا لیا۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت میں تو تباہ ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کیوں قصہ پھیلایا ہے۔ گناہ ہو گیا تو بہ کر لو یہی علاج ہے۔ (ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بعض دفعہ ایک شیخ دوسرے شیخ کے سامنے مبتدی ہو جاتا ہے ۱۲) پھر وہ صاحب واپس آئے اور مجمع جمع کر کے جولاہہ کو بلایا اور کہا جتنا میں نے مارا تھا اتنا ہی مجھکو مار لے۔ اس نے کہا مجھ سے ایسا نہ ہو گا۔ ان صاحب نے کہا کہ تو جب تک مجھے نہ مار لے گا جب تک تجھے نہ چھوڑوں گا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ صاحب بھلا اس کی مجال ہے کہ جو آپ کے ساتھ ایسا کر سکے اگر آپ اسے اس پر مجبور کریں گے تو یہ اس پر دوسرا ظلم ہو گا۔ تب ان صاحب نے اسے چھوڑا۔ پھر وہ صاحب جب تک زندہ رہے اس کی خدمت کرتے رہے۔ ف اس سے حضرت والا کی شان تربیت معلوم ہوتی ہے کہ مقصود اس سے تعلیم تواضع و اصلاح اخلاق ہے

(۸۵) فرمایا کہ دو کام ہیں ایک چھوٹا دوسرا بڑا۔ چھوٹا کام تو تعلیم اخلاق ہے اور بڑا نسبت باطنی کی تحصیل ہے۔ سو بڑوں نے بڑا کام لیا ہے۔ اور میں چونکہ چھوٹا ہوں اس لئے میں نے چھوٹا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ جیسے کہ میانجی اول بچوں کو قاعدہ بغدادی پڑھاتے ہیں پھر جب وہ پڑھنے لگتے ہیں تو بڑے بڑے مدرسوں میں چلے جاتے ہیں۔ مگر بڑے بڑے عالموں کا کام بغیر میانجی کے نہیں چل سکتا۔ اگر میانجی قاعدہ نہ پڑھاویں تو اس طالبعلم میں بڑے مدرسہ جا کر پڑھنے کی قابلیت نہیں ہو سکتی۔ ف اس سے حضرت والا کا تواضع وافتقار وعبدیت اظہر من الشمس ہے۔

(۸۶) فرمایا کہ بھائی منشی اکبر علی صاحب ماشاء اللہ بہت خوش فہم تھے۔ ان کی ایک لڑکی کی شادی میں میں شریک نہیں ہوا تھا کہ ان کے گھر والوں نے مجمع کا اہتمام کیا تھا۔ انھوں نے پھر مجھ سے کہا بھی کہ ہم مجمع نہ کریں۔ میں نے کہا کہ اس میں تمہاری اہانت ہو گی۔ اور ان لوگوں کی دلشکنی ہے کیونکہ پہلے ان کو مہمان بنایا گیا ہے۔ انھوں نے غایت

خوش فہمی سے میری عدم شرکت منظور کرلی اور کہا کہ تم صاحب منصب ہو تمہارے متعلق دین کا کام ہے میں دین میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا۔ ف۔ اس ملفوظ سے بھی حضرت والا کی آزادی عرفیات و رسوم سے اور فہم کی سلامت ظاہر ہے۔

(۸۷) ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جو دھوتی باندھے ہوئے تھے ان سے حضرت نے دریافت فرمایا کہ کس غرض سے آنا ہوا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں صرف ملنے آیا ہوں حضرت نے فرمایا کہ کچھ کہنا ہے تو کہو۔ انھوں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ پھر بعد ظہر حاضر ہو کر کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس وقت میں نے صاف کہدیا تھا کہ کچھ اور کہنا ہے۔ تین مرتبہ پوچھا ہر دفعہ یہی کہا کہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص جس سے خط و کتابت اور جان پہچان نہ ہو وہ اتنی دور سے محض محبت اور عشق میں بھاگا ہوا یہاں آوے اور اس شخص کے ساتھ ایسا برا برتاؤ کرے۔ ان صاحب نے کہا کہ میں گانوں کا آدمی ہوں فرمایا کہ یہ خوب سیکھا ہے کہ ہم گاؤں کے ہیں۔ کلکٹر کے سامنے کوئی ایسی بے ہودگی نہیں کرتا۔ ملانے ہی مشق کے لئے رہ گئے ہیں۔ دراصل اہل دین کی وقعت نہیں ہے لوگوں کی قلب میں اس وجہ سے یہ بے پروائی کی جاتی ہے۔ کچہری میں جا کر سارے لکھنؤ اور دلی ہی کے بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت نے ایک خادم کے ذریعہ سے دریافت کرایا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے نذر پیش کرنے کو کہا۔ فرمایا کہ یہ طریقہ نذر پیش کرنے کا نہیں ہے۔ پھر انھوں نے کہا مجھے پھر آنے کی اجازت دی جاوے۔ فرمایا کہ تین شرطوں سے اجازت دیتا ہوں۔ (۱) اپنی دینی حالت درست کرو اور یہ جو دھوتی باندھے ہوئے ہو اس کو آگ لگاؤ (۲) جب تک پانچ یا چھ ماہ تک خط میرے پاس نہ بھیج لو تب تک میرے پاس نہ آؤ۔ (۳) نذر دینے کا کبھی ارادہ نہ کرنا اگر اس ارادے سے آوگے تو مجھ کو کلفت ہوگی۔ اس پر وہ صاحب مصافحہ کر کے چلے گئے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ایسا بڑا شوق تھا اور فقط دینا ہی مقصود تھا تو منی آڈر کر کے بھجدیتے۔ ان صاحب نے چلتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ غلام سے خطا ہوئی۔ فرمایا کہ غلام ایسی گستاخی کر ہی نہیں سکتا تم غلام نہیں ہو بلکہ بڑے آزاد آدمی ہو جو آکر ایسی تکلیف دی۔ یہ ایسی مثال ہے کہ رؤسا اول نوکر کے تھپڑ لگاتے ہیں اور پھر کچھ دیدیتے ہیں کہ ذرا اس کا دل ٹھنڈا ہو جاوے۔ اسی طرح اول آپ نے تکلیف دی پھر نذرانہ سے اس کا تدارک کرنا چاہا۔ ان لوگوں کو پیرزادوں نے بگاڑا ہے۔ تھوڑی سی خطا ان کی

بھی ہے کہ حکام دنیوی کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں نہیں کرتے. گو ہم اس قابل نہیں لیکن جب وہ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس پر ان سے شکایت کی جاتی ہے ؎

نگفتہ دارد کسے با تو کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار کس قدر ستاتے تھے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی ناگوار نہیں ہوا اور مسلمانوں کی ذرا ذرا سی بات پر ناگواری ہوتی تھی۔ ایک ذرا سا مسئلہ لقطۂ ایل کا دریافت کیا گیا اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔

ف۔ اس سے بھی حضرت والا کی شان تربیت اور فراست صحیحہ اور اشاعت دین میں خلوص ثابت ہے۔

(۸۸) فرمایا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ کی قبر کچی ہے میں نے اس کا سبب پوچھا لوگوں نے کہا کہ یہ متبع شریعت بہت تھے۔ اس وجہ سے ان کی قبر کچی ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رحمہ کے مزار پر سماع نہیں ہوتا۔ اور قطب صاحب کی قبر پہ عورت نہیں جانے پاتی لیکن سبب اس کا احکام کی وقعت نہیں ورنہ سب جگہ ہوتا بلکہ خاص ان بزرگ کی تعظیم ہے۔ بس یہ حالت اعتقاد کی رہ گئی ہے کہ شریعت کی بات کو براہ راست نہیں مانتے اور جب کسی بزرگ سے اس کا تعلق ہو تب قابل عمل سمجھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وقعت نہیں۔ ف اس سے حضرت والا کی دقت فہم اور معنی رسی ظاہر ہوئی۔

(۸۹) فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گلاوٹھی جاتے ہوئے ہاپوڑ اترا وہاں کے سب انسپکٹر صاحب کو ایک سپاہی نے اطلاع کر دی انھوں نے اپنے مکان پر ٹھہرایا اور شبیر علی کو پانچ روپیہ دینے لگے۔ انھوں نے کہا کہ میں بے اجازت نہیں لے سکتا اس پر انھوں نے کہا ہم سے اجازت دیدیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ ان کے باپ کو دیتے ہیں یا مجھے یا ان کو۔ اگر آپ ان کو دیتے ہیں تو ان کے کام اس لئے نہیں آسکتا کہ ان کا نان ونفقہ ان کے والد کے ذمہ ہے بس اب یہ دینا ان کے والد کو ہوا ان کا نفع پانچ روپیہ کا ہو جاوے گا کہ پانچ روپیہ خرچ کے بچ جاویں گے غرض ان کے کام تو نہ آیا اور اگر ان کے والد کو دینا ہے تو ان کو تو خبر بھی نہیں جو مقصود ہے ہدیہ کا یعنی باہمی تعلقات کا بڑھنا وہ حاصل نہ ہوا۔ اور اگر مجھ کو دینا ہے تو میرے ہوتے ہوئے ان کے ہاتھ میں دینا کیا معنی۔ اب آپ یہ کہئے کہ آپ کا مقصود کس کو دینا ہے تب

انھوں نے بے تکلف کہدیا کہ مجھے تو آپ کو دینا مقصود ہے۔ تو میں نے کہا میرے ہاتھ میں دو چنانچہ انھوں نے مجھے دئے میں نے لے لئے بس بے تکلف بات یہ تھی۔ ف اس سے حضرت والا کی بے تکلفی۔ سادگی نیز شان تربیت معلوم ہوئی۔

(۹۰) ایک صاحب نے حضرت والا کی چھتری جہاں سے لی تھی بجائے اس کے دوسری جگہ رکھدی فرمایا کہ یہ بھی آداب میں سے ہے کہ جو چیز جہاں سے لے وہیں رکھے اور صرف دوسرے ہی کی چیز نہیں بلکہ اپنی بھی جہاں سے لے وہیں رکھے۔ میں نے تو اپنے مکان میں تمام چیزیں مقررہ جگہوں پر رکھی ہیں۔ اس میں پریشانی نہیں۔ فرض کرو دیاسلائی کا بکس ہے اگر مقررہ جگہ پر رکھا ہوگا تو اگر آدھی رات کو بھی ہاتھ پڑیگا تو فوراً مل جاوے گا۔ ف۔ اس سے حضرت والا میں حسن انتظام کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوا اور تعلیم آداب معاشرت کی بھی۔

(۹۱) ایک پنشن دار کا خط آیا تھا ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ پنشن کی حقیقت کیا ہے فرمایا کہ پنشن کی حقیقت احسان ہے کہ یہ اب معذور ہوگیا اب کہاں جائے بس یہ ہبہ ہے ف۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ثابت ہے۔

(۹۲) فرمایا کہ میں نے تشبہ کے متعلق گورکھپور میں ایک مضمون بیان کیا تھا کہ تشبہ عقلی طور پر بھی مذموم ہے اگر کسی جنٹلمین سے کہا جاوے کہ آپ اپنی بیگم صاحبہ کا لباس پہنکر باہر کرسی پر بیٹھ جایئے تو کیا گوارا کریں گے۔ اگر دعویٰ کریں کہ ہم گوارا کریں گے تو ہم ایسے نہ مانیں گے ذرا عملی طور پر کرکے دکھلا دیں اور اگر ایسا نہیں کرسکتے تو منشا اس ناگواری کا تشبہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ ف اس سے حضرت والا کی رعایت مذاق مخاطب معلوم ہوئی۔

(۹۳) فرمایا کہ بہت عرصہ تک میں یہ سمجھتا رہا کہ بخل زیادہ برا ہے اسراف سے لیکن واقعات سے معلوم ہوا کہ مضرتیں اسراف میں زیادہ ہیں۔ بخل میں اتنی مضرتیں نہیں ہیں۔ مگر اہل عرف بخل کو زیادہ برا سمجھتے ہیں بخیل اکثر نمازی اور وظیفی بہت ہوتا ہے کہ کسی طرح لوگ اس کے معتقد ہوں۔ ف اس سے حضرت والا کا تجربہ اور حقیقت شناسی ظاہر ہے

(۹۴) فرمایا کہ آیت مداینہ یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الخ سب سے زیادہ رحمت کی آیت ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں کو ایک پیسہ کا ہمارا نقصان گوارا نہیں پھر وہ ہمارے عذاب کو کس طرح گوارا فرمائیں گے۔ ف اس سے حضرت اقدس کی

وقت فہم ظاہر ہے۔

(۹۵) فرمایا کہ اگر کوئی دین کی حاجت لیکر آئے تب تو سبحان اللہ اور جو دنیا کی حاجت لیکر آتا ہے وہ نظروں سے گرجاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ امیروں کو جس خاص اکرام کی عادت ہوتی ہے اگر ان کا وہ اکرام نہ کیا جاوے تو ان کو رنج ہوتا ہے اس لئے ان کے ساتھ معاملہ غربا سے ذرا ممتاز ہونا مصلحت ہے۔ ف یہ ملفوظ حضرت والا کے عظمت دین عقل وتجربہ وفہم سلیم پر دال ہے۔

(۹۶) فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی میں متانت بہت تھی بعض کو خودداری کا شبہ ہوجاتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آدھی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی۔ اول شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا بس خدا کی قدرت مولانا خود اندر سے تشریف لائے کہ کوئی حاجت ہے میں نے کہا جی ہاں بڑے استنجے کی حاجت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی اندر زنانہ مکان میں چلو اور خود استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔ میں نے کہا یہ تو آب زم زم ہے اب استنجا کاہے سے کروں۔ اللہ اکبر کیا اخلاق ہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا کمال ادب بزرگوں کا معلوم ہوا۔

(۹۷) فرمایا کہ محبت وتعلق مع اللہ۔ خدا کا خوف۔ خدا کا شوق۔ دنیا سے بے رغبتی یہ اصل دین ہے۔ باقی کھانا کمانا دنیا ہے جو کہ غیر مقصود ہے۔ ہاں بعض اوقات معین دین ہے اور بالعرض مقصود بھی ہوجاتی ہے لیکن بالذات مقصود نہیں پس اگر خدا تعالیٰ کسی کو ایسی کرامت دین کہ اسے کھانے کی ضرورت ہی نہ رہے تو ایسا شخص پھر کھانے کمانے کا مکلف نہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ بلا اکتساب ملتا ہے یا پہاڑوں وغیرہ میں بعض بزرگ رہے ہیں انھوں نے وہاں کے پھل وغیرہ کھا کرہی گذر کی ہے تو ایسے شخص کو ضرورت نہیں کمانے کی جس سے معلوم ہوا کہ دنیا محض خادم دین ہے۔ اور خادم ہونے کے درجہ میں۔ مرتبہ تابعیت میں مجازاً اس کو دین کہدیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی سے پوچھے کہ کھانا شہر میں کتنے داموں میں پڑجاتا ہے اور جواب میں معلوم ہو کہ دس روپیہ میں۔ حالانکہ ان ہی دس روپیہ میں دو روپیہ کے کنڈے بھی ہیں بھلا اسے کھانے سے کیا علاقہ مگر طبعاً وہ بھی کھانے کے متعلق ہیں۔ اسی طرح کمانا بال بچوں کے لئے فی نفسہ دین نہیں ہے البتہ معین دین ہے دین خالص تو نام ہے تعلق مع اللہ کا۔ البتہ اگر دین کے موافق بال بچوں کی خدمت کرتا ہے تو ثواب ملتا ہے۔

ف حضرت والا کی حقائق شناسی اور عقل رزین۔ فہم سلیم پر بدرجہ کمال دال ہے۔

(۹۸) فرمایا کہ شیطان کے پاس شہوت و غضب وغیرہ جداگانہ آلات نہیں ہیں وہ انسان ہی کے ان آلات سے کام لیتا ہے۔ اسی واسطے سالکین کو تعلیم کی جاتی ہے کہ اپنے کو کسی وقت فارغ مت سمجھو پھر فرمایا کہ اپنے سے بھاگنا بہت مشکل ہے۔ جس شخص کی ہستی ہی اس کی دشمن ہو اسے چین کہاں اور ہستی کا مٹانا یہ ہے فنا کر دے (اپنے صفات رذیلہ کو اور اپنے وجود کو کالعدم کر دے موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بنا دے۔ جامع)

ف:۔ اس ملفوظ سے بھی حضرت والا کی حقائق شناسی و حکمت و معرفت عدد نفس اظہر من الشمس ہے۔

(۹۹) ایک صاحب جو تھانہ بھون مستقل طور پر مع بی بی کے قیام کرنا چاہتے تھے حاضر خدمت والا ہوئے فرمایا کہ دو شخصوں کا معاملہ ہے (یعنی ان صاحب کا اور ان کی بیوی کا) اس کا مدار ہے تجربہ پر اور تجربہ دونوں کے رہنے سے ہو سکتا ہے سو عارضی طور پر چند روز یہاں رہیں اس وقت اندازہ ہو جاوے گا اور بدون اس تجربہ کے اگر یہ تعلقات قطع کر کے آ دیں اور بی بی ان کی خبر لیں لڑائی بھڑائی ہو تو اس سے کیا فائدہ اول چند سے رہ کر تجربہ کر لینا چاہئے۔ ف:۔ اس سے بھی حضرت والا کا تجربہ و عقل و فہم سلیم ثابت ہے

(۱۰۰) فرمایا کہ حق تعالے باطن اتنا ہے کہ خواہ مرئی ہو مگر ظاہر نہ ہووے اور ظاہر اتنا ہے کہ خواہ مرئی ہو مگر پوشیدہ نہ ہو۔ آنکھوں سے بالکل پوشیدہ اور دل کے سامنے ظاہر

ف یہ ملفوظ بھی حقیقت شناسی پر دال ہے۔

(۱۰۱) فرمایا کہ ایک بار علیگڈھ اور ایک بار بریلی میں مجھے خناق کی بیماری ہو گئی تھی شفاخانہ سے دوا منگائی اگرچہ ڈاکٹر نے اطمینان دلایا تھا مگر پھر بھی اس کے استعمال کے زمانہ میں ایک ایسا گندہ خواب دیکھا کہ عمر بھر بھی نہ دیکھا تھا بس پھر میں نے وہ دوا پھینک دی لوگوں نے کہا کہ استعمال کر لو میں نے کہا واہ جو حقیقی شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ایک دوست نے ایک جڑی ڈاک کے ذریعہ سے بھیجدی اس کا دھواں لینے سے مرض جاتا رہا پھر فرمایا کہ خمر سے کوئی انتفاع جائز نہیں۔ اس کی طرف دل خوش کرنے کے لئے دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ فقہا نے لکھا ہے۔ ف:۔ اس سے حضرت اقدس کی احتیاط و تقویٰ اور توکل اظہر من الشمس ہے۔

(۱۰۲) فرمایا کہ اگر کوئی صاحب ذوق ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ ایسا شخص جو تکلف کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرے محبت رکھنے والا نہیں ہے۔ محبت تو ایسی چیز ہے کہ ان دعووں کو بھی پھونک دیتی ہے۔

ف :- یہ بھی حضرت اقدس کے صاحب ذوق اور حقیقت شناس ہونے کی بین دلیل ہے۔

(۱۰۳) ایک مولوی صاحب کی بھتیجی کا انتقال ہوگیا تھا ان کا خط آیا جس میں کچھ غلو کے ساتھ رنج کا اظہار تھا فرمایا کہ اتنا تعلق بڑھانا بھی نہ چاہیے۔ عذاب ہے زیادہ محبت

ف :- اس سے حضرت والا کا قلت تعلق مع الغیر ظاہر ہے۔

(۱۰۴) فرمایا کہ ایک مقام پر ایک مدرسہ کے جلسہ میں لوگوں نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کے ایک پیر تھے جاہل ان کو بھی بلایا وہ پیر ایک مولوی کو پکڑ کر لائے تھے تاکہ اگر ان پیر صاحب کے کسی مصلحت کے خلاف کچھ بیان کروں تو وہ مولوی صاحب مناظرہ کریں میں نے وعظ میں ظاہراً تو ایسے لوگوں کی کوئی مذمت نہیں کی مگر کلیات ایسے بیان گئے جن میں علماء کی فضیلت اور غیر علماء کی اقتدار نہ کرنے کی تحقیق تھی اس کے بعد میں نے بیان کیا کہ کسی کی مالی خدمت کرنے کے لئے تو زیادہ جانچ کی ضرورت نہیں خاندانی سلسلہ والوں کی بھی خدمت کرنی چاہیئے گو وہ قابل اقتدار کے نہ ہوں کیونکہ بوجہ کسی کمال نہ ہونے کے قابل رحم ہیں۔ ان کی روزی کیوں بند کی جاوے۔ برآوردن کار امیدوار الخ وہ بزرگوں کی اولاد ہیں خدمت تو ان کی کرو مگر باتیں دین کی علماء سے پوچھو۔ ان کو ایک پیسہ بھی نہ دو۔ وہ پیر بعد وعظ کے میرے ہاتھ چومتے تھے حالانکہ میں نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی کہ جب ان سے لوگ پوچھیں گے نہیں تو دیں گے کیوں۔

ف :- اس سے حضرت والا کی فراست و حکمت و معانی رسی ظاہر ہے۔

(۱۰۵) فرمایا کہ واقعی انتظام کے پہلو کی نظر سے دنیا کی طرف توجہ کرنا یہ بھی دنیا ہے دنیا کو ہیچ سمجھنا تو یہی ہے کہ اس کے انتظام کی فکر بھی نہ کرے الا بوجوب شرعی۔ چنانچہ اگر کوئی ہمارے نام سے ٹھیکرے جمع کرے تو ہم اس کا کچھ انتظام نہ کریں گے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص نے چھ ہزار روپے بھیجے۔ حضرت کو پہلے سے اطلاع تھی کہ فلاں شریف شخص کو کچھ پریشانی ہے حضرت نے فوراً ان کو بلا کر یکمشت سب روپے دیدیئے حضرت کا جب انتقال ہوا ہے تو کچھ بھی نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ حضرت اس کا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ قرض نہ ہونے پاوے۔ ف :- حضرت والا کی تحقیر دنیا کی اور نیز شان تربیت ثابت ہوئی۔

(۱۰۶) ایک صاحب انگریزی خواں تشریف لائے انھوں نے بے موقع سوالات کئے اس پر فرمایا کہ انگریزی پڑھنے میں جو بری صحبت رہتی ہے اس سے آزادی اور خود رائی پیدا ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ وہ سائل کتابیں بھی دیکھا کرتے ہیں فرمایا کہ کتابوں کے مطالعہ سے حقیقت دین کی نہیں ہوتی۔ پھر ان سے کہا کہ جس حیثیت سے آپ آئے ہیں اس طریقہ کے مناسب یہ ہے کہ سوالات نکرنے چاہئیں صرف یہاں کی باتیں سننی چاہئے۔ ابھی آپ کا دین ضابطہ کا ہے ابھی آپ کو مناسبت نہیں۔ پھر جب یہ صاحب چلے گئے تو فرمایا کہ اگر وہ ایک ہفتہ رہتے تو کچھ معلوم ہوتا کہ ہاں دین کچھ چیز ہے۔ اب تو لوگ اصلاح ظاہری اعمال کو دین کہتے ہیں۔ اس پر ایک مولوی صاحب حاضر مجلس نے کہا کہ صورت دین کی ہوتی ہے حقیقت دین کو سمجھے ہوئے نہیں ہوتے اس پر فرمایا کہ جی ہاں شیفتگی و فریفتگی دین کے ساتھ بدون صحبت کے نہیں ہوتی بعض عوام الناس کو صورت کی خبر نہیں ہوتی لیکن ان میں یہ جوہر ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ بڑی دولت ہے کہ رگ و ریشہ میں دین گھس جاوے یہ بدون صحبت کے نہیں ہوتا یہ امر فطری ہوتا ہے۔ پھر بطور تصریح فرمایا کہ قدیم الاسلام میں جو جوش ہوتا ہے اکثر نومسلم میں نہیں ہوتا اسی طرح دین کا فہم جیسا قدیم الاسلام میں ہوتا ہے اکثر ایسا نومسلم میں نہیں ہوتا مگر جہاں کوئی قوی الاثر صحبت میسر ہو جاوے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی علم و حکمت و شان تربیت ثابت ہے۔

(۱۰۷) فرمایا کہ میں بچپن سے جانتا تھا کہ زمینداری کے ساتھ دینداری جمع نہیں ہو سکتی میں نے بچپن میں ایک پرچہ پر لکھدیا تھا کہ اگر کبھی زمین کا مالک ہوں گا تو اپنی ملک میں نہ رکھونگا چنانچہ اس پر عمل کیا۔ اگر میں خود زمین رکھتا تو اگر کسی گنجائش کی صورت میں جواز کا فتویٰ دیتا تو لوگ یہی کہتے کہ مطلب کے فتوے میں جب چاہا جائز کہدیا۔

ف:۔ حضرت والا کا تقویٰ اور احتیاط و توکل بدرجہ کمال ظاہر ہے۔

(۱۰۸) ایک صاحب نے اپنے لڑکے کے نکاح کے متعلق حضرت والا سے مشورہ لیا (وہ لڑکا پڑھنے میں مصروف تھا، ان صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ اب موقع اچھا ہے۔ اس پر فرمایا کہ ہمارا تو مذہب ہے کہ اگر جو لاہی مل جاوے تو وہی سہی مرد کو تو ایک عورت چاہئے اس وقت اس کا پڑھنا کیوں برباد کیا۔ جن بزرگوں پر ہم کو ناز ہے اکثر ان کے گھروں میں کنیز کیں تھیں کوئی فارس سے آئی ہوئی تھی کوئی حبش کی تھی چنانچہ جب یہاں مسلمان آئے

توکیا سب عورتیں ان کی ساتھ آئی تھیں ۔ ف :۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی نظر ہمیشہ حقیقت پر رہتی ہے۔

(۱۰۹) خواجہ صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تغنی وہ ہے جو قواعد موسیقی کے موافق قصداً ہو کا لتغنی کو منع نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید اچھی آواز سے پڑھنا گانا نہیں ہے۔

ف :۔ اس سے بھی حقیقت شناسی ظاہر ہے۔

(۱۱۰) دہلی کے جلسہ میں جانے کے لئے ۱۲ یا ۱۵ حضرات تیار تھے فرمایا کہ سب لوگ مولانا (حضرت داعی) ہی کے ذمہ جا پڑیں گے اس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ کھانا یہاں سے تیار کرا کر لے چلیں اور وہاں پہنچکر مولانا سے اجازت لیں۔ ف :۔ اس سے بھی ایذا مسلم سے سخت حذر ثابت ہوا۔

(۱۱۱) فرمایا کہ شریعت پر پورا عمل نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے احکام آسان زیادہ ہیں اس لئے ان پر عمل دشوار ہے۔ ف :۔ اس سے بھی حضرت والا کی دقت فہم و حقیقت شناسی ظاہر ہے

(۱۱۲) فرمایا کہ جب میں کسی سے کام لیتا ہوں تو مجھے اس کا خیال رہتا ہے کہ کام کرنے والے کو آسانی ہو۔ ف :۔ سہولت پسندی ظاہر ہوئی۔

(۱۱۳) ایک شخص کچھ پھوٹیں اور لیمو اور آم ہدیہ لایا حضرت والا نے فرمایا تم غریب آدمی ہو اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ لے آتے ہو بڑا حجاب معلوم ہوتا ہے اس کو اپنے بال بچوں میں خرچ کرتے یا یوں کرو کہ قیمت لے لیا کرو مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ بلا تلاش کے عمدہ چیز مل جایا کرے گی۔

ف :۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت والا کسی کا احسان اپنے سر نہیں لینا چاہتے نیز اس میں رعایت مخاطب بھی کس قدر ملحوظ ہے۔

(۱۱۴) ایک روز آدھی رات کے بعد ایک مریض کو حکیم محمد مصطفےٰ صاحب کی ضرورت ہوئی جو مولوی مظہر صاحب کے مکان میں مقیم تھے۔ آدمی نے آکر پھاٹک کے باہر سے آوازیں دیں لیکن باوجود دیر تک چیخنے چلانے کے اندر سے کچھ جواب نہ ملا حتی کہ حضرت والا جو پھاٹک سے ذرا فصل پر بیرونی مکان میں آرام فرماتے تھے اور مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی جو دیوان خانہ میں سوتے تھے بیدار ہوئے مولوی صاحب نے کیواڑ کھولے حضرت والا کو سخت تعجب ہوا کہ پھاٹک کے متصل طالب علم سوتا ہے وہ کہاں ہے دیکھا تو وہ طالب علم تہجد میں مصروف ہے اور باوجود اتنے غل مچنے کے نہ انھوں نے نماز مختصر کی نہ قطع کی۔ حضرت والا ان پر بہت ناراض ہوئے اور تادیباً مارا بھی اور فرمایا کہ اتنے دن یہاں رہ کر تمہیں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ دین کیا چیز ہے۔ دین کثرت نوافل یا لمبی لمبی رکعتوں کا نام نہیں ہے

دین اور ہی چیز ہے۔ پھر حضرت والا کو اس سے رنج ہوا کہ ایک نماز پڑھنے والے کو مارا گویا نہی عن الصلوٰۃ کی صورت پیدا ہو گئی۔ بعد نماز فجر ان طالب علم کو بلا کر فرمایا میں نے اس وقت بحالت غصہ جو کچھ کہا سنا وہ اگرچہ تمہارے نفع کے لئے تھا مگر بعد میں مجھکو ندامت ہوئی اللہ کے واسطے معاف کر دو۔ یا بدلہ لے لو۔ طالب علم نے حضرت والا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا حضرت نے کیا زیادتی کی میرا قصور تھا۔ میں تو گھر بار اسی کے واسطے چھوڑے پڑا ہوں اگر تادیب و تنبیہ نہ ہوگی تو میرے عیب کیسے نکلیں گے۔ فرمایا بھائی عاقبت کے واسطے نہ رکھو وہاں کے بدلہ کا تحمل نہیں عرض کیا حضرت کچھ خیال نہ فرماویں میں تو اس کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ فرمایا یاد رکھو کہ دین کثرت نوافل کا نام نہیں ہے۔ تم کو یہ چاہئے تھا کہ جب پکارنے والے نے پکارا تھا تو سبحان اللہ زور سے کہدیتے یا قرات زور سے کرنے لگتے تاکہ اس کو معلوم ہو جاتا کہ دروازہ میں کوئی موجود ہے وہ پریشان نہ ہوتا اور پکارے چلا نہ جاتا۔ آس پاس کے لوگ بھی پریشانی سے بچ جاتے۔ محلہ بھر جاگ اٹھا کہ خدا جانے کوئی مر گیا۔ یا کنوئیں میں گر گیا یا چور آگھسے یہ کاہے کا غل ہے۔ عرض کیا میں نے سورۂ والفجر شروع کر دی تھی جب تک وہ ختم ہوئی یہ تمام غل مچ گیا سبحان اللہ یہ اور بڑھ کر ہوئی آپ کی تو قرات ہوئی اور مریض اور تمام محلہ کی پریشانی ہوئی۔ چاہئے یہ تھا کہ بقدر ضرورت قرات کر کے نماز ختم کر دیتے اور فوراً دروازہ کھولدیتے۔ مریض مضطر ہوتا ہے اور اس دیر کرنے میں اس کی ایذا ہے اور حدیث میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ جس فعل سے مسلمان کو ایذا ہو وہ دین نہیں ہے ترک دین ہے بعض موقعوں پر نماز قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے مثلاً تمہارے سامنے کوئی کنوئیں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اس کو بچاؤ ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا آج سے تم دروازہ پر نہ سویا کرو۔ میں کسی طالب علم سے خدمت نہیں لیتا ہوں طالب علم اس واسطے نہیں ہیں ان کو اپنا ہی کام بہت ہے کسی کی خدمت کریں گے یا پڑھیں گے۔ نیز اس وجہ سے کہ خدمت کرانے سے مجھ پر ان کا ایک قسم کا دباؤ اور لحاظ ہو جائے گا پھر اگر تادیب کی ضرورت ہوگی تو میں نہ کر سکوں گا۔ نیز اس خیال سے کہ خدمت کر کے کوئی اپنے کو مقرب نہ خیال کرے اور لوگ اس کو بیچ میں نہ ڈالیں اس پرہیز سے مفاسد بلتی ہوتے ہیں جیسا اکثر مشائخ کے یہاں موجود ہے۔ اور ذاکرین کو تو اس قاعدہ کے ساتھ اور زیادہ خاص کر رکھا ہے۔ اگر کوئی طالبعلم خود کوئی کام میرا کر دے تو میں منع بھی نہیں کرتا ہوں لیکن ذاکرین کو اس سے بھی روکتا ہوں ایک تو ذکر کا ادب اور دوسرے

اس وجہ سے کہ کوئی ان میں سے میرے اوپر کسی بات پر اصرار کی جرأت نہ کرنے لگے نیز کسی کو یہ خیال نہ ہو جاوے کہ میں مقرب ہو گیا اس سے ذکر و شغل میں کمی کرنے لگے۔ ف :۔ اس سے حضرت اقدس کی تواضع خشیت۔ حفظ از ایذار دیگروشان تربیت صاف ظاہر ہے۔

(۱۱۵) فرمایا کہ سمجھ دار اور تحقیق پسند لوگوں سے دلیل بیان کرنا اور تشفی کر دینا مناسب ہے واجب یہ بھی نہیں الا آنکہ معلم تنخواہ اسی کی پاتا ہو۔ حضرت والا کے پاس ایک سوال آیا کہ اوج بن عنق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا عصا کتنے کتنے لمبے تھے جواب لکھا کہ جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے اسی طرح جواب کی بھی ضرورت نہیں کسی سوال لایعنی کے جواب میں فرما دیتے ہیں مجھے فرصت نہیں کسی کو کہدیتے ہیں کسی اور عالم سے پوچھ لو۔ کسی کا جواب نہیں دیتے۔ اور اگر جواب کے لئے ٹکٹ بھیجا ہو تو اس کو واپس کر دیتے ہیں۔ کسی کو لکھ دیتے ہیں کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق منظور نہیں لہذا تضیع وقت سمجھ کر سکوت کیا جاتا ہے کسی سے ایک دفعہ اصل مسئلہ کی تقریر کر کے فرمایا اس سے زیادہ مجھ کو معلوم نہیں آپ کی تشفی مجھ سے نہیں ہو سکتی۔

ف :۔ اس سے حذر از لایعنی جو اسلام کا حسن ہے صاف ظاہر ہے۔

(۱۱۶) ایک روز اخباری قصے کچھ دیر تک حاضرین مجلس میں ذکر ہوتے رہے ایک صاحب نے غیبت میں اعتراض کیا کہ مشائخ کے شان کے خلاف ہے کہ زائد از کار باتیں سنیں۔ مشائخ کے یہاں تو سوائے حقائق و معارف کچھ بھی نہ چاہئے۔ کسی نے یہ اعتراض حضرت والا کے کان تک پہنچا دیا تو فرمایا ہاں یہ اعتراض صحیح ہے۔ میں جو ایسی باتوں میں لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہوں تو اس کی وجہ مدارات مخاطب ہے کوئی میرے پاس آکر بات کرے اور میں منہ موڑوں تو اس کو صدمہ ہوگا۔ بالخصوص مہمان جو دور سے آتے ہیں ان کی دل شکنی بہت زیادہ بری معلوم ہوتی ہے۔ زائد از کار باتوں کی برائی میرے نزدیک دلشکنی سے کم ہے ورنہ میرا دل ان باتوں سے بہت الجھتا ہے مگر کیا کروں اس ضرورت سے صبر کرتا ہوں۔ ف :۔ مدارات مخاطب ظاہر ہے۔

(۱۱۷) فرمایا کہ ریاست بہاولپور علم کی قدرداں ہے۔ اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدار المہام کے اصرار سے جانا پڑا مولوی صاحب اہل علم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ مولوی صاحب نے نواب صاحب سے ملایا۔ ریاست کا دستور ہے کہ جب کوئی نواب

صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے مجھے بھی ڈیڑھ سو روپے خلعت کے اور کچھ روپیہ دعوت کے دیئے گئے اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں دیئے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لئے انتظام کر دیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کرے گا۔ میں نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا۔ کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی میں نے رسید بھی لکھدی۔ بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاتھ جو نائب سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس بھیجا نہایت شرمندہ ہوئے اور لینے کیلئے اصرار کیا مگر میں نے نہ مانا۔ فرمایا پھر جناب نے اسی وقت کیوں نہ واپس کر دیا تھا میں نے کہا اس کو میں نے ریاست کے لئے باعث توہین سمجھا فرمایا یہ تو آپ کی توہین ہوئی اور یہ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی۔ ریاست کی توہین تو نہ ہوئی اور میری توہین کیا ہے توہین تو اس کی ہو جو شاندار آدمی ہو۔ ازالہ شان کا نام توہین ہے۔ جب شان ہی نہیں ازالہ کس چیز کا ہوگا۔ اس وقت واپس نہیں کیا اب واپس لے لیجئے میں اس کو اپنے واسطے جائز نہیں سمجھتا۔ ریاست کا خزانہ بیت المال ہے۔ اس میں مساکین کا حق ہے یا قریب کے علماء کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا کمال استغنا اور ایثار ظاہر ہے۔

(۱۸) فرمایا کہ ایک دفعہ ملکہ وکٹوریہ کو اس کی حیات کے زمانہ میں خواب میں دیکھا کہ ایسی گاڑی پر سوار ہے کہ نہ اس میں گھوڑا ہے نہ آگ نظر آتی ہے یونہی خود بخود چلتی ہے۔ (اس وقت تک موٹر کار جاری نہیں ہوئی تھیں) مجھ سے ملکہ کی ملاقات ہوئی اور اس نے کہا ہم کو اسلام ہی حق معلوم ہوتا ہے۔ صرف ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ مزاح فرماتے تھے یہ بات عقل اور تہذیب سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ نبوت۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو غور سے پڑھئے کہ ہر بات میں حق تعالیٰ نے آپ کو ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ کسی کو بھی نہیں دیا اور منجملہ دیگر کمالات کے مہابت و رعب بھی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہیبت ایسی تھی کہ کوئی آپ کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا اور نبوت کا فائدہ اور غرض ہے تعلیم۔ تو اس صورت میں اس کے پورا ہونے کی کیا صورت ہے جب تک کہ لوگوں کو انس نہ ہو۔ اس انس کو پیدا کرنے کے واسطے آپ قصداً اپنی ہیبت گھٹاتے اور کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے تاکہ لوگ دل کھول کر مافی الضمیر ظاہر

کرسکیں اور جو پوچھنا ہو بلا تامل پوچھ سکیں اس جواب کو ملکہ نے بہت پسند کیا اور کہا اب کوئی مشبہ اسلام کے متعلق باقی نہیں رہا ف :۔ اس سے حضرت والا کا رویا صحیح ثابت ہوا۔

(۱۱۹) ایک طالب علم کو اجرت پر نقل خطوط کا کام دیا ہوا تھا اس نے بہت غلطیاں کیں حضرت والا نے ان پر تشدد فرمایا۔ انھوں نے معذرت کی۔ فرمایا کہ کتاب کا ناس کرانا منظور نہیں کہاں تک یہ غلطیاں بتائی جاویں۔ اور ایک رقعہ ان کو لکھا کہ کئی روز سے غلطیاں بہت زیادہ اور فاش دیکھی جاتی ہیں مجھے احساس ہوا ہے کہ میری خاطر سے یہ کام کیا جاتا ہے دلچسپی سے اور مزدوری سمجھکر نہیں کیا جاتا اگر میرا خیال ٹھیک ہے تو صاف ظاہر کردو۔ کتاب کے خراب کرنے سے کیا فائدہ مجھے جواب صاف مل جانے میں کلفت نہ ہوگی اور کام خراب ہونے سے کلفت ہے انہوں نے جواب میں لکھا درحقیقت یہی بات ہے مجکو اس کام سے دلچسپی نہیں کسی اور کے سپرد فرمایا جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر حضرت والا نے فرمایا لوگ مجھ کو متشدد کہتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ موجود ہیں جو دس دس برس میرے پاس رہے اور کبھی اُف کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ غلطیاں وہ ہیں جن کی وجہ تغافل ہے جو آجکل عام طور سے طبائع میں ہے۔ میں کسی سے بلا اجرت کام نہیں لیتا ہوں۔ حالانکہ رواجاً اور قانوناً ہر طرح مجھے حق ہے کہ کام لوں کیونکہ کوئی مجھ سے بیعت ہے کوئی شاگرد ہے لیکن میں اس کو حرام شرعی سمجھتا ہوں میں اس کو داخل تکبر سمجھتا ہوں۔ جیساکہ رؤسا راہ گیروں سے کام لیا کرتے ہیں کہ ارے فلانے یا زار میں فلانے سے یہ کہتے جانا۔ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگ اس کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ راہگیر نہ ان کی رعیت ہے نہ کوئی شناسا بمرتبہ دوستی مگر ابتدا سے عادت حکومت کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص سے کام لے لینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس حق کی حقیقت جب معلوم ہو کہ ان کے اوپر جو حاکم ہے وہ ان کو پکڑ پکڑ کر کسی ناگوار کام پر بھیجدے۔ ہم بھاولپور گئے گرمی کا موسم تھا پنکھا کھینچنے کے لئے قیدی بلائے گئے مجھے سخت ناگوار ہوا۔ اور چاہا کہ ان کو واپس کردوں لیکن معاً خیال ہوا کہ جیلخانہ سے تو یہاں اچھے رہیں گے خدا جانے وہاں کیا کیا مشقت لی جاتی ہوگی اس واسطے واپس نہ کیا اور جب سب لوگ چلے گئے تو ان سے کہدیا کہ پنکھا بند کردو خالی بیٹھے رہو سو جاؤ کیونکہ بیگار لینا جائز نہیں پھر کھانا آیا تو ان کو بھی دلوا دیا۔ قیدیوں کی یہ حالت تھی کہ اس قدر خوش تھے کہ وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں ایسا کھانا انھوں نے کہاں کھایا ہوگا۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا صفائی معاملہ ترحم و مراعات مع الخلق و فراست و تواضع

اظہر من الشمس ہے۔

(۱۲۰) نقل فرمایا کہ اہل خانہ کا ارادہ قریب ایک سال سے بمقام جھانسی میرے بھائی منشی مظہر کے یہاں جانے کا تھا اور اب اس کا یہ بھی موقع ہوا کہ منشی مظہر کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور ان کے گھر میں تنہا ہیں کوئی بال بچہ ہے ہی نہیں جو اسی سے ذرا دلبستگی رہتی میں نے اس سے کبھی منع نہیں کیا کیونکہ دل شکنی تھی۔ اب بالکل تیار تھیں۔ رات تک بات طے ہو چکی تھی۔ اور تمام انتظامات ہوگئے تھے۔ اس وقت صبح میں نے ایک تقریر کی اس سے وہ تمام رائیں پلٹ گئیں وہ تقریر یہ تھی کہ یہ غور کر لینا چاہئے کہ اس سفر میں (ارادہ ان کا بریلی کانپور۔ جھانسی کا تھا) مصالح زیادہ ہیں یا مضار مصلحت تو صرف یہ ہے کہ مظہر کے گھر میں تنہا ہیں ذرا تقلیل وحشت ہوگی۔ اور مضار یہ ہیں صعوبات سفر۔ مہمان عورتوں کی دلشکنی گو اونی درجہ کی ہو۔ روپیہ کی اضاعت کم از کم سو روپیہ کا خرچ ہے۔ ریل کا کرایہ جگہ جگہ اترنا۔ دینا لینا۔ کانپور میں ایک دوست کی حالت نازک ہے ان کے یہاں جیس نہ سے بھی کچھ پہنچ جاوے بہتر ہے۔ تو منفعت تو ایک ہے اور مضرتیں کئی۔ دیکھ لو ترجیح کس کو ہونی چاہئے۔ انھوں نے کہا اس تقریر سے تو ظاہر ہے کہ سفر نہ کرنا چاہئے۔ مگر آج سے پہلے تو آپ کی بھی رائے تھی۔ میں نے کہا رائے نہیں بلکہ اجازت تھی اجازت اور چیز ہے اور رائے اور چیز۔ اجازت کے معنی ہیں کسی کام سے منع نہ کرنا۔ رائے کے معنی ہیں کسی درجہ میں اس کام کا امر کرنا۔ کہا خیر آپ منع تو نہیں کرتے ہیں کہا نہیں۔ منع تو اب بھی نہیں کرتا مگر عقل کی بات بتاتا ہوں۔ ہر کام میں آدمی کو سوچ لینا چاہئے کہ نفع زیادہ ہے یا نقصان۔ بمجرد ایک فائدہ کے اگر کام کیا جاوے تو کوئی کام بھی فائدہ سے خالی نہیں اچھے اور برے کی تمیز کا کوئی معیار ہی نہ رہیگا۔ آخر میں میں نے کہا میں نتیجہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ جاؤ گی خوشی خوشی اور آؤ گی پچھتاتی ہوئی۔ کہا آپ مجھے کوستے ہیں۔ میں نے کہا اگر یہ کوسنا ہے تو طبیب تو دن رات مریضوں کو کوستے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم گائے کا گوشت کھاؤ گے تو بخار آجاوے گا۔ علاج نہ کروگے تو مر جاؤ گے۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ طبیب اس کو بخار آنا یا اس کا مر جانا چاہتا ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت اہلیہ کے ساتھ۔ عقل کامل۔ احسان سیاسی صاف ظاہر ہے۔

(۱۲۱) فرمایا کہ مجکو نواب صاحب ڈھاکہ نے بلایا اور صرف سفر خرچ کے سو روپے

بھیجے۔ میں نے تیسرے درجہ میں سفر کیا۔ جب وہاں پہنچا تو صرف چالیس روپیہ خرچ ہوئے تھے باقی واپسی کے لئے رکھے۔ نواب صاحب نے واپسی کے لئے خرچ دینا چاہا کیونکہ ان کو یقین نہیں آیا کہ کل اتنا ہی خرچ ہوا ہے۔ میں نے مفصل حساب لکھ کر دکھلا دیا اور وجہ اس کمی کی یہ تھی کہ میں نے تیسرے درجہ میں اکثر حصہ سفر کا قطع کیا۔ نواب صاحب حیرت میں تھے پھر جب وطن واپس آچکا تو پھر بھی چالیس ہی روپے خرچ ہوئے اور بیس بچ گئے۔ میں نے واپسی کو نواب صاحب کی اہانت سمجھا اس لئے بعد میں خرچ کر کے ان کو اطلاع دیدی۔ پھر فرمایا کہ ایک بار مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا کہ اب تم بڑے آدمی سمجھے جاتے ہو معمولی آدمی نہیں رہے۔ کم سے کم سکنڈ کلاس میں سفر کیا کرو۔ میں نے کہا کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے۔ میں ریل میں گنواروں اور بھنگی اور چماروں کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ شان کیا چیز ہے دو دن کے بعد بھنگی، چمار بھی مٹی ہوں گے اور میں بھی۔ ف: اس سے حضرت والا شان کی کس قدر تواضع وانکسار وافتقار وعبدیت اور دوسرے کی عدم اہانت ودلشکنی کا خیال ظاہر ہے۔

(۱۲۲) فرمایا کہ ایک سفر میں میرے ایک ملنے والے جن کے پاس تیسرے درجے کا ٹکٹ تھا تھوڑی دیر کے لئے اونچے درجہ میں جا بیٹھے تو میں نے کہا اتنی دور کا کرایہ جو زائد ہوا ہے حساب کر کے ادا کر دینا۔ برابر میں ایک عالم بھی بیٹھے تھے بولے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب نہیں کیونکہ اسمیں غاصب ہیں اور منافع مغصوب کے عدم ضمان کی تصریح فقہ میں موجود ہے مثلاً کسی کا گھوڑا کوئی چھین لے اور دن بھر چڑھا پھرے تو اس چڑھنے کا کرایہ واجب نہ ہوگا مجھے افسوس ہوا کہ قطع نظر صحیح ہونے نہ ہونے سے یہ فتوی بے محل دیا گیا۔ اس سے بڑی بڑی گنجائشیں نکالی جائیں گی۔ میں نے ان (عالم) سے کہا کہ مجھ کو یاد ہے کہ فقہ میں معد للاجارہ کو مستثنیٰ کیا ہے مثلاً اگر سواری کا گھوڑا چرایا اور سواری لی تو کرایہ دینا نہ ہوگا اور اگر کرایہ کا گھوڑا چرایا اور سواری لی تو کرایہ دینا ہوگا۔ ریل معد للکراء یعنی کرایہ ہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ فی نفسہ گو صحیح ہوں مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف۔ عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں۔ میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے اور فرمایا کہ علماء کو نہ چاہئے کہ اپنے یا اپنے متعلقین کے لئے تو کتابوں میں سے روایتیں چھانٹ کر آسانی نکال لیں اور دوسروں پر جن سے کہ تعلق نہیں ہے دین کو تنگ کریں بلکہ علماء کو مناسب ہے کہ اس کے برعکس عمل کریں یعنی دوسرے کے عیب میں تو حتی الامکان فقہ سے گنجائش نکالیں اور

اپنے نفس پر تنگی کریں خصوصاً ان کاموں میں جن میں دین کا یا دنیا کا کوئی مفسدہ مرتب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اسی وجہ سے بدعات مروّجہ سے مطلقاً اہل علم کو روکا جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کے بگڑنے کا اندیشہ ہے گو فی نفسہ ان کو ضرر نہ ہو۔ اور اسی جنس سے یہ ہے کہ میں خطوط کے بارہ میں بہت احتیاط کرتا ہوں کوئی بات خلاف قواعد ڈاک نہیں کرتا ہوں۔ بہت سوں میں تو حقوق اللہ ہیں اور بہت سوں میں دنیاوی فتنہ کا احتمال ہے مثلاً ٹکٹ ذرا سا مشکوک ہو جاتا ہے تو میں نہیں لگاتا ہوں یا بہت سے لفافے کارڈ ایسے آجاتے ہیں کہ ان پر ڈاک خانہ کی مہر نہیں لگی ہوتی ہے میرا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ان کو چاک کر دیتا ہوں گو میں ان کو اگر دوبارہ استعمال کروں تو کسی ثبوت سے کوئی گرفت نہیں ہو سکتی لیکن اس کی دیانۃً اجازت نہیں ہے۔ علماء کو چاہیئے خود دین و دنیا دونوں کی آفات سے بچیں۔ بعض اوقات گنجائش پر عمل کرنے سے دین کی یا دنیا کی بڑی آفت کھڑی ہو جاتی ہے ۔ ف ۔ اس سے حضرت والا کی احتیاط و تقویٰ و دور اندیشی عاقبت بینی عقل و تجربہ ثابت ہوا۔

(۱۲۳) فرمایا کہ اعظم گڈھ میں میں نے جو تعظیم علماء کی دیکھی وہ کہیں بھی نہیں دیکھی اہل علم کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ہندو بھی۔ میں ایک راستہ سے گذرا درمیان میں سرکاری مدرسہ آیا تو مجھے دیکھ کر لڑکے اور مدرس سب کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ ہندو لڑکے اور مدرسین بھی۔ ان لوگوں کا یہ برتاؤ دیکھ کر گزرتا چلا جاتا اچھا نہ معلوم ہوا۔ میں وہاں رکا اور ان سب سے ملا۔ لوگوں نے مصافحے کئے میں مدرسین سے ایک ایک سے ملا حتیٰ کہ ہندوؤں سے بھی اور مزاج پرسی وغیرہ کی۔ بڑے خوش ہوئے اور ان پر بڑا اثر ہوا۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس قدر متاثر کیوں ہوئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کے علماء کا گذر اکثر رہتا ہے کیونکہ لوگ قدر کرتے ہیں مگر ان بندگانِ خدا کا طرز عمل یہ ہے کہ رستہ میں گذرتے ہیں لوگ ہندو مسلمان ان کو سلام کرتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ کسی کا سلام نہیں لیتے نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ منہ چڑھائے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ علم کی شان ہے اور ہر کس و ناکس سے بات کرنا علم کو ذلیل کرنا ہے حتیٰ کہ سنا کہ ایک غیر مذہب والے نے کسی مولوی کے وعظ میں بیٹھنا چاہا مولوی صاحب نے ڈانٹ بتائی نکالو اس مردود ملعون کو یہ وجہ تھی میرے اس ذرا سے نرم برتاؤ سے اس قدر متاثر ہونے کی کہ آج ان کو بالکل نئی سی بات معلوم ہوئی کہ مولوی ایسے بھی ہوتے ہیں پہلے تو سب بھیڑیئے ہی دیکھے تھے ۔ ف ۔ اس سے حضرت اقدس کی تواضع و رفق و حسن اخلاق صاف

ظاہر ہے۔

(۱۲۴) فرمایا جب اعظم گڈھ جانا ہوا تو وہاں ایک دستور دیکھا کہ لوگ آتے اور بڑے الحاح سے کہتے ذرا دیر کیلئے ہمارے گھر تبرکاً تشریف لے چلئے میں نے کہا بہت اچھا۔ جب ایک شخص کے گھر پہنچا تو اس نے بڑی خاطرداری سے بٹھایا اور پان اور دو روپے پیش کئے۔ میں نے کہا یہ کیا۔ کہا یہ حضور کا حق ہے ہمارے یہاں رواج ہے کہ کسی عالم کو خالی نہیں پھیرتے میں سمجھ گیا کہ تبرک اور تیمن تو برائے نام ہے۔ یہ لب لباب ہے بلانے کا۔ یہ ان گشتی مولوی صاحبان کی ترکیبیں ہیں کہ اپنے مطلب کی رسمیں باندھ رکھی ہیں اور میں نے کہا کیا واہیات ہے یہ بھی تو رسم ہی ہوئی۔ رسوم کچھ شادی بیاہ کی رسموں کا نام نہیں ہے۔ ہر التزام مالایلزم رسم ہے۔ میں ہرگز نہ لوں گا صاحب خانہ نے بہت اصرار کیا کہ میری دل شکنی ہوگی۔ اور یہ تو ہدیہ ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔ میں نے کہا اگر ہدیہ ہے تو اس کا دینا وہاں بھی ممکن تھا جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ یہ صرف رسم اور اپنا کرم دکھلانا ہے کہ ہم عالم کو خالی نہیں جانے دیتے۔ اس میں اور خرابیوں کے علاوہ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی مجھے بلانا چاہے تو کیا کرے تو گویا تبرک بھی امیروں ہی کو مل سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ تبرک ہی نہیں ہے جب میں نے وہ روپے پھیر دیئے تو متعدد آدمی اس مجمع میں سے کھڑے ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہم کو غایت درجہ کا اشتیاق تھا کہ ہم بھی آپ کو اپنے گھر لے چلیں مگر اس شرم کے مارے خاموش رہے کہ ہمارے پاس دینے کو نہیں ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا دیکھئے اپنی ہی نظروں سے ان نامعقول رسموں کی خرابیاں دیکھ لیجئے اور میں سب غرباء کے گھر گیا ان لوگوں کو کس قدر خوشی ہوئی اور اپنا بھی دل خوش ہوا۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی۔ رسم سے تنفر۔ استغنا۔ تطییب قلب مسلم صاف ثابت ہے

(۱۲۵) فرمایا کہ ایک مقام پر ایک شخص ایک رومال میں باندھ کر دو سو روپیہ لائے اور میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے۔ کہا کہ آپ کا نذرانہ اور سفر خرچ میں نے کہا آپ اپنے پاس سے دیتے ہیں یا چندہ سے۔ کہا تمام بستی کے چندہ سے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہر عالم کا ہم اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں۔ ہر شخص سے بقدر استطاعت وصول کرتے ہیں اور پیش کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ ہدیہ نہیں ہے غصب ہے۔ جو مال بلا رضامندی وصول کیا جاوے وہ مال سخت ہے۔ سب نے ملکر اصرار کیا کہ قبول کر لیجئے۔ میں نے کہا ہرگز نہ لوں گا اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔ ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ ہدیہ سے اصل غرض محبت کا بڑھنا بدلیل تہادوا تحابوا یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو کہ ایک

دوسرے کے دوست بن جاؤ گے۔ اور اس ہدیہ میں ایسے لوگوں کی بھی شرکت ہے کہ انھوں نے مجھے دیکھا تک بھی نہیں۔ نہ کبھی میرا نام سنا تو کیا چیز۔ ٹرہے گی جس کی اصل ہم ہی نہیں۔ کہا یہ ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ کسی نے ناخوشی سے نہیں دیا۔ یہاں سب کو علماء سے محبت ہے۔ میں نے کہا اچھا اس کا امتحان یہ ہے کہ اس کو جس جس سے لیا ہے اس کو واپس کیجئے کہ سب نے جتنا جتنا دیا ہے وہ کم زیادہ کا کچھ خیال نہ کریں اپنا اپنا ہدیہ خود لے کر چلیں میں سب سے لے لوں گا اسی طرح ان سے ملاقات بھی ہو جاوے گی پھر ہدیہ موجب محبت ہو جاوے گا۔ اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا وہ رقم لے گئے اور سب کو واپس کی۔ پھر قسم کھانے کو ایک پیسہ بھی تو کوئی لیکر نہ آیا۔ میں نے کہا دیکھ لیجئے یہ چندہ جبر کے ساتھ تھا ورنہ اتنے دینے والوں میں سے کوئی تو اپنا ہدیہ لاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے بھی ہدیہ سمجھ کر نہیں دیا صرف محصل کے دباؤ اور شرما حضوری سے اور ادائے رسم کے لئے دیا تھا۔ ان ہی باتوں کو دیکھ کر میں نے یہ مقرر کر لیا ہے کہ جب کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے تو اس سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری ماہواری آمدنی کیا ہے اگر اس نے کہا کہ بیس روپیہ ہے تو ایک روپیہ لے لیتا ہوں باقی واپس یعنی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں لیتا ہوں۔ ایک شخص کو جب یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اچھا ایک ہی دن کی آمدنی لے لیجئے مجھے زیادہ پر اصرار نہیں آپ کا کہنا کر دوں گا آج یہ لے لیجئے اور کل یا پرسوں تو پھر اتنا ہی لا دوں گا۔ میں نے کہا نہیں دوبارہ دوسرے مہینہ میں لوں گا۔

ف اس سے بھی حضرت والا کی حقیقت شناسی۔ استغناء عقل۔ تجربہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۲۶) فرمایا کہ بھوپال کے ایک تحصیلدار صاحب میرے پاس آئے۔ پچیس روپے پیش کئے۔ میں نے کہا یہ بہت ہیں۔ انھوں نے ہر چند اصرار کیا مگر میں نے دس روپیہ لئے باقی واپس کر دئے جب تحصیلدار صاحب چلے گئے تو ایک دوسرے شخص میرے پاس بیٹھے تھے جو تحصیلدار صاحب کے ہمراہ آئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ جب ہم لوگ گھر سے چلے تو تحصیلدار صاحب نے اول نذرانہ کے لئے دس روپے نکالے مگر پھر کہا کہ یہ بہت تھوڑے ہیں۔ میری شان کے بھی خلاف ہے اور حضرت کی شان کے بھی۔ کم سے کم پچیس تو ہوں چنانچہ وہ پچیس ہی لائے تھے قدرت خدا کہ آپ نے دس ہی لئے فرمایا حضرت والا نے کہ مجھے تو اس کا علم بھی نہ تھا۔ میں شاید پانچ ہی لیتا اور بیس واپس کرتا مگر دس لینے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے ایک روز پہلے ایندھن قرض خریدا تھا جس کی قیمت دس روپیہ تھی صبح کو میں نے

حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ آج دس روپیہ بھیجدیجئے تو یہ قرض ادا ہو جاوے جس وقت یہ پچیس آئے تو میں نے کم ہی لینا چاہا مگر پھر حق تعالیٰ سے ڈر معلوم ہوا کہیں گے ہم بھیجتے ہیں اور یہ لیتا نہیں اس واسطے میں نے دس لے لئے۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھے مال سحت سے بچایا۔

ف اس سے حضرت والا کی شان استغنا، خشیت حق۔ تائید ایزدی ثابت ہے۔

(۱۲۷) فرمایا علی گڈھ جانا ہوا تو کالج والوں نے سائنس کے کمرہ کی بھی سیر کرائی اور بجلی کے تصرفات دکھلائے تو قدرت کے کرشمے نظر آتے تھے کہ حق تعالیٰ نے کیا کیا چیز پیدا کی ہیں اور انسان کو سب پر غالب کیا ہے اس کے بعد میں نے وعظ میں اس کے متعلق بیان کیا کہ اہل سائنس اس برق کو دیکھ کر جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس آسمانی برق کی یہی حقیقت ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس کے تصرفات کا تو انکار نہیں کیونکہ مشاہد ہیں۔ شریعت نے مشاہدات کے انکار کا حکم نہیں کیا لیکن اہل سائنس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ بجلی اور آسمانی بجلی ایک ہی ہیں تو یوں کیوں نہ کہا جاوے کہ یہ بھی دو قسم کی ہوتی ہے ارضی اور سماوی (یا قدرتی اور مصنوعی) ارضی وہ ہے جو صنائع خاصہ سے بن سکتی ہے جو یہ موجود ہے اور سماوی وہ جو شریعت میں ثابت ہے اور جس کی حقیقت سوط الملک ہے اس کو کالج والوں نے بہت پسند کیا اس مجمع میں چند پروفیسر اور ماسٹر بھی تھے ان کو تو بہت ہی حظ ہوا۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی قوت تطبیق و ذہن رسی معلوم ہوئی۔

(۱۲۸) ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں۔ فرمایا ہاں ہم ان کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ ہمیں کہتے ہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنے میں بڑی احتیاط چاہئے اگر کوئی حقیقت میں کافر ہے اور ہم نے نہ کہا تو کیا حرج ہوا۔ اور اگر ہم نے کافر کہا اور حقیقت حال اس کے خلاف ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ہم تو قادیانیوں کو بھی کافر نہ کہتے تھے اور وہ ہمیں کہتے تھے ہاں اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرزا صاحب کے رسالت کے قائل ہیں تب ہم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے اس کے سوا ان کی تمام باتوں کی تاویل کرلیا کرتے تھے گو وہ تاویلیں بعید ہی ہوتی تھیں۔ ہم بریلی والوں کو اہل ہوا کہتے ہیں اور اہل ہوا کافر نہیں حضرت والا کا یہ طرز عمل سلف کے موافق ہے کہ انھوں نے معتزلہ تک کو کافر کہنے میں احتیاط کی ہے۔ اگرچہ ان کے عقائد صریح کفر کے ہیں لیکن سلف نے احتیاطاً یہ اصول رکھا ہے لا نکفر اھل القبلۃ اور ان کو معاملہ

کو حق تعالیٰ کے سپرد رکھا اور ان کے اقوال کے لئے ایک کلی تاویل کرلی کہ متمسک اپنا وہ بھی قرآن و حدیث ہی کو کہتے ہیں گو تمسک میں غلطی کرتے ہیں تو ان کا کفر لزومی ہوا نہ کہ کفر صریح ایک مرتبہ حضرت والا سے ایک مولوی صاحب نے یہی گفتگو کی کہ ہم بریلی والوں کو کافر کیوں نہ کہیں۔ فرمایا کہ کافر کہنے کے واسطے وجہ کی ضرورت نہ کہ کافر نہ کہنے کے لئے۔ تو وجہ آپ بتلائیے کہ کیوں کہیں مولوی صاحب نے بہت سی وجوہات پیش کیں اور حضرت والا نے سب کی تاویل کی گو بعید تاویلیں تھیں۔ بالآخر مولوی صاحب نے کہا کہ اگر کچھ وجہ نہ ہو تو کیا یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہم کو کافر کہتے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے پس اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان جانتے ہیں اور وہ ہم کو کافر کہتے ہیں تو ہم کو یہ بات ماننی چاہئے کہ کفر لوٹ کر ان ہی پر پڑتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ہمیں اپنے اسلام میں شک ہے۔ فرمایا غایت سو غایت تمام دلیلوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفر لزومی ہے کفر صریح تو نہ ہوا پس اگر واقع میں کافر ہوں اور ہم نہ کہیں تو ہم سے کیا قیامت کے دن بازپرس ہوگی اور اگر ہم کافر کہیں تو کتنی رکعت کا ثواب ملے گا۔ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ تضییع وقت ہے۔ اور بھی کام بہت ہیں۔ رہا یہ کہ کافر نہ کہنا بغرض احتیاط ہے مگر سوال نماز کے متعلق ہے اور اس کے لئے شبہ تکفیر مسلم (یعنی یہ شبہ کہ آیا یہ مسلم کافر ہے یا نہیں) کافی علت ہے عدم جواز اقتدا کی تو الیقین لایزول بالشک اس کا جواب ہے۔ ف۔ اس سے حضرت والا کا تقویٰ و احتیاط موافق طرز سلف ثابت ہوا۔

(۱۲۹) حضرت والا اور ایک خاص عزیز کے درمیان امور خانگی میں کچھ ناچاقی پیش آئی تو انھوں نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا جس میں ان امور کا تذکرہ تھا اور کچھ جواب الزامی اور کچھ تحقیقی تھے حضرت والا نے جواب لکھا کہ نہ مجھے مفصل جواب کی فرصت ہے نہ اس کی ضرورت مناظرہ کرنا مقصود نہیں۔ صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو جوابات تم نے لکھے ہیں اگر وہ تمہارے نزدیک شرح صدر کے ساتھ تمہارے اس معاملہ کی صفائی کے لئے کافی ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے تو کسی کی خوشی ناخوشی کی پرواہ نہ کرو کیونکہ اصل دیانت ہے اور ہر معاملہ کی انتہا حق تعالیٰ پر ہوتی ہے جب حق تعالیٰ سے صفائی ہے تو اور کسی کی پرواہ نہیں میں تو کیا چیز ہوں۔ میری خوشی ناخوشی کا اثر تم پر کیا پڑ سکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں اگر کسی کا معاملہ فیما بینہ وبین اللہ صاف ہو اور اس کا شیخ جس سے وہ بیعت ہے وہ بھی ناراض ہو تب بھی پرواہ نہ کرنا چاہئے اور اس کو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ شیخ معبود نہیں ہے بلکہ واسطہ الی المعبود ہے

اور معاملہ عبد کا معبود کے ساتھ ہے۔ اور اگر تمہیں خود ہی ان جوابوں کی صفائی معاملہ مع اللہ کے لئے کافی ہونے کی نسبت شرح صدر نہ ہو بلکہ یہ تحریر صرف مشق اور زبانت ہو اور دل اندر سے تکذیب کرتا ہو تو ذرا اس کا خیال کر لینا کہ جو باتیں تمہارے ذمہ عائد ہوتی ہیں وہ حق اللہ ہیں یا حق العباد اور ان سے سبکدوشی بلا صاحب حق کے عفو ہو بھی سکتی ہے یا نہیں پھر فرمایا واقعی عزیز دن کیساتھ جان کھپادیں مگر بیکار۔ ف۔ اگر لوگ مناقشات خانگی کے وقت اس کی تقلید کریں یعنی ہر شخص معاملہ فیما بینہ وبین اللہ کی صفائی پر نظر رکھے تو مناقشات کی جڑ ہی کٹ جاوے اور عیشتہ نقیہ اور حیاۃ طیبہ نصیب ہو اور اس کی عمدہ تدبیر یہ ہے کہ جیسے نماز روزہ کے مسائل علماء سے پوچھتے ہیں ایسے ہی جب خانگی جھگڑا ہو علماء حقانی سے بصورت استفتاء اس کو دریافت کر لیں جو امر اللہ وامر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اسکو تسلیم کر لیں۔ انشاء اللہ ایسا سیدھا راستہ نکلے گا کہ متنا قضین خوش رہیں گے اور کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو گی اور اس وقت قدر معلوم ہو گی کہ شرعی قانون میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ غرضیکہ اس قصہ سے حضرت والا کا شدت تعلق مع اللہ وصفائی معاملہ معلوم ہوا۔

(۱۳۰) ایک بیدار مغز عہدہ دار حضرت والا کے خادم دو سو روپیہ تنخواہ پاتے تھے اور بوجہ غایت اتقا پوری تنخواہ اپنی والدہ کے ہاتھ میں لا کر دیتے تھے۔ جب یہ خود والدہ کے اتنے مطیع تھے تو گھر میں کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کے سامنے دم مارے۔ سب انہیں گھر کا مالک ذی اختیار سمجھتے تھے حتیٰ کہ وہ اس رقم میں سے کچھ گھر میں خرچ کرتیں اور کچھ پس انداز کر کے اپنے دوسرے بیٹوں کو بہوؤں کو امداد دیتیں ان کی بی بی کو یہ انتظام پسند نہ ہوا اور گھر میں بے لطفی پیدا ہونے لگی۔ حضرت والا کے سامنے یہ سب واقعات ظاہر کئے گئے تو حضرت والا نے کل اختیار بی بی کو دلوا دیا اور خرچ والدہ کا کل ان کے ذمہ اور جیب خرچ دس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا اور بھائی بہنوں۔ بھاوجوں سب کو الگ کر دیا۔

ف:۔ قرآن شریف میں ہے لینفق ذو سعۃ من سعتہ یعنی مقدور والے کو عورت کا نفقہ اپنے مقدور کے موافق دینا چاہیے۔ نیز حدیث میں ہے کہ عورت اس واسطے ہے کہ خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ حفاظت کرنا پہرا دینے کا نام نہیں بلکہ بدنظمی سے بچانے کا نام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گھر کا انتظام بی بی کے ہاتھ میں ہونا چاہیے اور بھاوج تو بالکل ہی غیر ہوتی ہے بھائی کا مال بھائی پر خرچ کرنا والدہ کو جائز نہ تھا اس واسطے اس سے

روکدیا اور والدہ کی خدمت یہ بہت ہے کہ علاوہ خرچ کے دس روپیہ فاضل دئے جاویں۔ واخفض لهما جناح الذل کی کافی تعمیل ہے۔ اس طرح مناقشات کس خوشی سے رفع ہو گئے کہ نہ والدہ کا حق مارا گیا نہ بی بی کا نہ حفظ مراتب ہاتھ سے گیا اس سے حضرت والا کا حفظ مراتب نیز صفائی معاملہ و غایت اعتناء بالاحکام الشرعیہ معلوم ہوا۔

(۱۳۱) مولوی ریاض الحسن الہ آبادی (یہ ایک طالب علم تھے جنھوں نے ڈاک لاتے اور لیجانے کی خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھی) کی غلطی سے ایک خط ڈاک میں بیرنگ پڑ گیا انھوں نے عرض کیا کہ ابھی ڈاک روانہ نہیں ہوئی ہوگی میں پوسٹ ماسٹر سے کہکر وہ خط نکلوا لوں اور ٹکٹ لگا دوں۔ فرمایا اس کا احسان ہوگا۔ عرض کیا یہ کیا احسان ہے ہمارا خط ہے ہمیں واپس لیتے ہیں کسی کی چوری نہیں کرتے۔ فرمایا حسب قواعد ڈاکخانہ ایک روپیہ کا اسٹامپ دینا چاہئے جبکہ وہ تمہارے یا میری خاطر سے بلا اسٹامپ دیدے گا تو گویا ایک روپیہ کا احسان کرے گا اور سرکاری نقصان بھی کرے گا جو اس کو جائز نہیں یاد رکھو کہ اگر تمہاری ایک چیز بالشت بھر سے بھی اٹھا کر دیدے تو اس کو بھی احسان سمجھو ہمیشہ اس کو یاد رکھو۔ حتی الامکان کسی کا احسان نہ لو اور اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا بھی احسان کرے تو اس کو احسان سمجھو۔ آجکل اس سے بہت غفلت ہے۔ میرے والد صاحب کی جب میراث تقسیم ہوئی تو میری پھوپھی صاحبہ دادا صاحب کی میراث میں سے اور نانی صاحبہ نانا صاحب کی جائداد میں سے اپنے حصے ہم سب بھائیوں کو دیتی تھیں مگر میں نے انکار کر دیا اس وجہ سے کہ عورت کا احسان لینا طبیعت کے خلاف ہے۔ میرے گھر میں کا مہر پانچہزار تھا اور انھوں نے معاف کر دیا مگر میں نے کہا یہ تمہارا فعل تھا اور میرا فعل یہ ہے کہ میں ادا کرتا ہوں چنانچہ میں نے اتنی قیمت کا مکان دیا اور کچھ نقد بھی دیا۔ اب مکان مسکونہ خالص ان کی ملک ہے جو چاہیں کر سکتی ہیں (چنانچہ انھوں نے مولوی شبیر علی کو ہبۃً دیدیا) اور پھر مجھ کو بھی احسان گوارا نہیں ہوا کہ ان کے مکان میں رہوں اس لئے پانچسو روپیہ اور زائد دیدیئے جس کو میں نے بطور کرایہ سمجھا ہے گو ان سے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ کرایہ ہے کیونکہ موجب دلشکنی ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی احسان شناسی حسن معاشرت بالاہل اور غایت تقویٰ ثابت ہوا۔

(۱۳۲) حضرت پیرانی صاحبہ اپنے بھائی کے یہاں گئی ہوئی تھیں مکان میں حضرت والا کے خادم نیاز خاں کی بی بی آگئی جب مکان میں اتر گئی تو معلوم ہوا کہ راستہ میں کوئی اس کا زیور گر گیا

تو نیاز خاں اس کے ڈھونڈھنے کے لئے چلے عشا کے قریب کا وقت تھا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب اور حضرت والا بیرونی مکان میں تھے۔ حضرت والا نے نیاز خاں سے فرمایا کہ تم جاتے ہو اتنے بڑے مکان میں بہو اکیلی ڈرے گی لہذا یوں کرو کہ میں دروازہ پر بیٹھا جاتا ہوں بہو سے کہو بیرونی مکان میں آجاوے اور دروازہ اندر سے بند کرلے جب تک تم لوٹ کر آؤ گے میں بیٹھا رہوں گا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے عرض کیا حضرت خدام کس واسطے ہیں حضور والا مدرسہ تشریف لیجاویں بندہ دروازہ پر بیٹھا رہے گا فرمایا نہیں اس میں کیا حرج ہے۔ اگر ایسا ہی اصرار ہے تو آؤ ہم تم دونوں بیٹھیں حکیم صاحب نے چارپائی بچھا دی اور دونوں بیٹھ گئے اور جب تک نیاز خاں لوٹ کر آئے مزہ کی باتیں ہوتی رہیں۔

ف:۔ اس سے حضرت اقدس کی تواضع وعبودیت کالشمس فی النصف النہار ظاہر ہو رہی ہے۔

(۳۴۳) حضرت والا سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ نوکر پر زبان سے یا ہاتھ سے زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے کوئی ایسی تدبیر ارشاد ہو جس سے زیادتی نہ ہو اور سیاست میں بھی فرق نہ آوے۔ فرمایا تدبیر یہ ہے زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ سوچ لیا جاوے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہوں گا یا اتنا ماروں گا پھر اس کا التزام کیا جاوے کہ جتنا سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہونے پاوے (سبحان اللہ کیا چٹکلا ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی حسن تدبیر ظاہر ہے۔

(۳۴۴) حضرت والا نے ظہر کے لئے وضو کیا تو وقت جماعت کا ہو گیا لہذا بلا سنتیں پڑھے ہوئے امامت کی۔ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے بعد نماز دریافت کیا کہ امام نے اگر سنتیں نہ پڑھی ہوں تو امامت کرنے میں کیا حرج تو نہیں۔ فرمایا میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا تو فرمایا کچھ حرج نہیں۔ حضرت والا اوقات کے ایسے پابند ہیں کہ نظیر کا ملنا مشکل ہے تمام دن ورات کے اوقات ایسے تقسیم ہوئے ہیں کہ ایک لحظہ بیکار نہیں رہتا لیکن ساتھ ہی اس کے وقتوں کی پابندی عامیانہ اور جاہلانہ نہیں جیسے بعض جگہ دیکھا کہ صف میں بیٹھے ہیں اور نظر گھڑی پر ہے۔ ادھر گھنٹہ بجنا شروع ہوا اور ادھر تکبیر ہوئی اور اس پر لڑتے مرتے ہیں حضرت والا کے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ تو لہو ولعب ہے۔ عارف کی نظر ہر کام میں حقیقت پر ہوتی ہے اور زوائد کو بقدر ضرورت اختیار کرتا ہے۔ پابندی وقت کوئی مقصود بالذات فعل نہیں۔ انتظام جماعت کے لئے ذریعہ ہے اس کو مقصود قرار دے لینا حقیقت ناشناسی ہے حضرت

والا کی مسجد میں قصبہ کے نمازی ایک دو سے زائد نہیں ہوتے کیونکہ یہ مسجد ایک کونہ پر ہے تمام جماعت طلبا اور خدام مدرسہ اور مہمانوں کی ہوتی ہے۔ یہاں دو چار منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے کسی کا حرج نہیں ہوتا اس واسطے حضرت والا کی عادت ہے کہ جب گھڑی میں وقت ہو گیا تو ادھر ادھر دیکھ لیتے ہیں کہ سب لوگ تیار ہیں یا نہیں اگر تیار ہوں تو دو چار منٹ کا کچھ خیال نہیں فرماتے حتیٰ کہ رمضان میں اذان مغرب ہو جانے کے بعد اطمینان سے مہمانوں کو افطاری سے فارغ ہونے اور کلی کر لینے کا موقع دیتے ہیں حتیٰ کہ کبھی دس منٹ کے قریب بعد ختم اذان لگ جاتے ہیں نہ عوام کی طرح کہ موذن نے اذان ختم کی اور ادھر تکبیر شروع ہو گئی حتیٰ کہ مؤذن کلی کرنے نہیں پاتا۔ امام کے منہ میں بھی لقمہ ہوتا ہے۔ جماعت میں سے کوئی بھی تکبیر اولیٰ میں شریک نہیں ہو سکتا یہ صرف لہو ولعب اور بے علمی ہے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کی پابندی اوقات عاقلانہ ثابت ہے۔

(۱۳۵) مدرسہ کے پچدرہ میں چڑیا کے گھونسلے میں سے دو پیسے گرے وہ حضرت والا کے سامنے پیش کئے گئے ہنسکر فرمایا کہ ایک کی دال منگاؤ اور ایک کے چاول اور کھچڑی پکاؤ اور چڑیا اسے کھائے اور جب چڑا آوے تو کہے دور موئے میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ یہ قصہ تو پرانے زمانے کا ہے کہ چڑا چڑیا دال چاول لائے تھے اب ترقی کا زمانہ ہے حیوانوں کو بھی روپیہ پیسے ہی کی سوجھتی ہے۔ فرمایا کہ یہ لفظ ہے مصرف لفظ میں صرف کر دو یعنی خیرات کر دو۔

ف :۔ اس سے ظرافت صاف ظاہر ہے۔

(۱۳۶) حضرت والا کے پیر میں بال توڑ نکل آیا تھا پچیس روز تک چلنے پھرنے سے معذوری رہی اول اول یہ رہا کہ فجر کے وقت مدرسہ میں تشریف لائے اور عشاء کی نماز کے بعد تشریف لے جاتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ چلنے سے نقصان ہوتا ہے اس واسطے یہ کیا کہ گڈولنے میں بٹھا کر نیاز خاں ملازم یا اور کوئی خادم صبح کو پہنچا دے اور عشا کے بعد اسی طرح مکان پہونچا دیتے مگر جماعت ترک نہ کرتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے پھر ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مضر ہے تو نماز بیٹھ کر اختیار کی مگر نوافل حسب معمول پورے پڑھتے۔ پھر ثابت ہوا کہ گڈولنے کی حرکت بھی مضر ہوتی ہے لہذا مکان پر قیام فرمایا۔ مسجد جانا موقوف کر دیا۔ زیارت کنندگان مکان ہی پر آتے۔ کبھی کوئی کہتا بڑی تکلیف اٹھائی تو فرماتے جیسی تکلیف بالتوڑ میں لوگ بیان کرتے ہیں وہ تو بحمد اللہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوئی۔ ہاں چلنے پھرنے

سے قدرے مجبوری ہے۔ حق تعالیٰ کو خلوت کا مزہ چکھانا تھا وہ حاصل ہوا اور ثابت ہوا کہ خلوت واقعی بہت اچھی چیز ہے گو مفید اور موجب ثواب زیادہ جلوت ہو مگر خلوت لذیذ بہت ہے اس واسطے کہا ہے ؎

قعر چہ بگزید ہر کو عاقل است زانکہ در صورت صفاہائے دل است

ف:۔ اس سے حضرت والا کا شدت تعلق مع اللہ۔ مراعات حدود شرعیہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۳۷) ایک صاحب نے سیکڑوں صورتیں ناجائز آمدنی کی لکھ کر علماء اور درویشوں پر طعن کیا تھا کہ اس زمانہ میں کھانا کھانے پر لوگ مرے ہوئے ہیں نہ کوئی عالم پوچھے نہ کوئی درویش کہ کھانا کیسا ہے کیسا نہیں۔ اور واقعی دیکھ بھال ہی میں مصیبت ہے تو آیا شرع شریف میں تجسس کرنا منع ہے۔ پھر سود خواری اور غلہ کی ناجائز صورتیں بیع کی لکھ کر لکھا کہ وہ سب نان و حلوا کے مثل سب کھائی جاتے ہیں پیرجی اپنے نذرانے لیجاتے ہیں اور مولویوں نے اور بھی لٹیا منجدھار میں ڈبودی حرام بھی کرتے جاتے ہیں اور کھاتے بھی جاتے ہیں۔ یہ بھی لکھا کہ قبل اس کے ایک قطعہ خط آنجناب کی خدمت میں ارسال بغرض استفسار فرمایا تھا آپ نے اس کا جواب یہ لکھدیا کہ تین سوالوں سے زیادہ نہ بھیجو اتنی باتوں کا جواب کیونکر دیا جاوے سو مولوی صاحب سوال تو ایک ہی تھا اس کی صورتیں جدا جدا تھیں تھوڑی سی عبارت میں آپ جواب دے سکتے تھے۔ اب میں وہ سوال مکرر روانہ کرتا ہوں۔ سوچ کر غور کرکے جواب تحریر فرمایئے گا یہ بھی لکھا تھا کہ مضمون ختم نہیں ہوتا ناچار ختم کرکے ملتمس ہوں کہ ان شبہات کو آپ رفع کر دیجئے اگر آپ نہ کریں گے تو اور کس سے یہ شبہات رفع ہو سکتے ہیں۔ اور پتہ کن حضرات سے آپنے لکھوایا تھا پتہ بھی پورا نہ لکھا میں نے یہ (. . . .) پورا پتہ لکھ دیا تھا۔ افسوس پڑھے لکھوں میں یہ لاپرواہی اور بد خلقی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہی اخلاق تعلیم کر گئے تھے۔ اب میں ان کے سو سوال بناؤں اور دو تین مسئلے سے زیادہ نہ بھیجوں تو پچاس آنے (رتّے) ٹکٹ لفافوں میں خرچ کروں جب جواب آئے۔ اب اللہ واسطے ان اپنی گستاخیوں کی معافی چاہتا ہوں میں تو آپ کا معتقد ہوں مخالف نہیں مگر درد کا ریاتیں قلم سے نکل گئیں ؎

ملامت کناں دوستدار تواند ستایش سرایاں نہ یار تواند

جواب:۔ طالب ہو کر جس سے طلب کرنا ہو اس پر اتنا غصہ کرنا علامت عدم طلب کی ہے کیا امیدواروں کو اہلکاروں کے ناز اٹھاتے نہیں دیکھا۔ مریضوں کو اطبار کے ناز اٹھاتے

نہیں دیکھا۔ اگر وہ زیادتی بھی کریں تو جھیلتے ہیں نہ یہ کہ ان کو قواعد تبلاتے اور نصیحت کرنے بیٹھ جائیں۔ اور تبلانا بھی بے قاعدہ مثلاً آپ نے جو بہت سے سوالوں کو ایک سوال قرار دیا دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کا جواب آپکو معلوم ہے اگر معلوم ہے تو پھر پوچھنا بیکار اور اگر معلوم نہیں تو یہ کیسے خبر ہو گئی کہ ان سب کا ایک ہی جواب ہے ممکن ہے کہ ہر ایک کا جواب جدا ہو پھر اگر سب کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا تو اسی طرح سب کا ایک ہی سوال ہو سکتا تھا پھر خوامخواہ اتنا طول دیا۔ پھر طرز سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ جوابوں سے بے خبر نہیں۔ چنانچہ بعض بعض صورتوں کو نہایت طعن آمیز عنوان سے ذکر کیا ہے اور براہ زیادتی سب کو ایک لکڑی ہانکا ہے۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ پوچھنا مقصود ہے صریح سب وشتم مقصود ہے جس میں ایک کا جواب بھی ذمہ نہیں۔ یہ تو سوال نہیں حکومت ہے جبکا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں۔ آپ کو جس طرح اپنی مصلحت پر نظر ہے دوسرے کو بھی اپنی مصلحت پر نظر ہے پھر اگر کسی کثیر المشاغل نے اپنے سہولت کے واسطے کچھ خاص انتظامات تجویز کر لئے تو کون گناہ کیا جو آپ خواہ مخواہ آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ ناتمام پتہ کا آپ بہت آسانی سے انتظام کر سکتے تھے کہ خود لفافہ پر لکھ کر وہ لفافہ خط کے اندر رکھدیتے گویا آپ تو نواب ہوئے اور دوسرا آپ کا نوکر۔ اس پر پھر اعتقاد کا دعویٰ۔ مہربانی کر کے جو بے لقس یا بے حس اور اس خطاب کو منافی اعتقاد نہ سمجھے اس سے اپنے سوالوں کو حل کر لیجئے۔ ہم خوشامد پسندوں کو چھوڑ دیجئے آپ فتویٰ کیا پوچھ رہے ہیں خود فتویٰ دے رہے ہیں بہت صبر کر کے اتنا لکھا گیا ہے معین معلوم ہوگا کس کی زیادتی ہے۔ ف:۔ اس قدر ضبط وتحمل سے حضرت والا کا ابوالحال ہونا صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۸) فرمایا اللہ تعالیٰ کی اس قدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہان دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لئے مناسب شان القاب وآداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی اس کے نام لینے کی نوبت نہ آتی القاب وآداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے۔ لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے لیکن اللہ اکبر کیا رحمت ہے کہ اپنے نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اس کا نام لیکر خطاب کر سکتے ہیں بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا خلاف ادب ہے غریب سے لیکر امیر تک اور عابد و زاہد سے لیکر فاسق وفاجر تک ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے ورنہ اس کی عظمت وجلال کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب بھی اسکے

نام لینے کے قابل نہ ہوتی کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ف :۔ اس ملفوظ سے حق تعالےٰ کی عظمت اور اس کے ساتھ تعلق کس قدر حضرت والا کے قلب میں راسخ معلوم ہوتی ہے ۔

(۱۳۹) بارہا فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ مجھے آخرت کے درجوں کا وسوسہ بھی کبھی نہیں ہوتا بلکہ صرف تمنا یہ ہے کہ جنت میں جگہ مل جاوے چاہے جنتیوں کے جوتیوں ہی میں ہو اور یہ تمنا بطور استحقاق کے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ عذاب کا تحمل نہیں۔ ایک مولوی صاحب کو خط اس طرح لکھا تھا۔ از احقر ا تام اشرف برائے نام بخدمت الخ ۔

ف :۔ اس ملفوظ سے تواضع وافتقار وانکسار کا کس قدر رسوخ حضرت والا کے قلب میں معلوم ہوتا ہے ۔

(۱۴۰) ایک صاحب نے بلا مشورہ واجازت بازار سے مٹھائی منگا کر بطور ہدیہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کی۔ ناپسند فرمایا کہ جب آپ نے یہیں سے منگائی ہے تو مجھ سے بے تکلف دریافت کر لینا چاہئے تھا کیونکہ دیکھئے آپ کا تو روپیہ خرچ ہوا اور میرے یہاں یہ مٹھائی کس کام آوے گی۔ میرے کوئی بچہ نہیں جو کھاوے بس ہم دو میاں بی بی ہیں ہمیں مٹھائی کا شوق نہیں اب سوائے اس کے کہ اوروں کو تقسیم کر دی جاوے اور کیا ہو سکتا ہے احسان اور بوجھ تو میرے اوپر ہوا۔ بھلا ایسا ہدیہ لینے سے کیا جی بھلا ہو لیکن آپ کی دل شکنی کے خیال سے میں اتنا کرتا ہوں کہ نصف لی و نصف لک آدھی میں لے لوں گا اور آدھی آپ رکھئے تا کہ آپ کو بھی معلوم ہو کہ بے دلی سے جو چیز کھائی جاتی ہے وہ کیسی بری معلوم ہوتی ہے۔ اب آپ ہی اس مٹھائی کے دو حصے آدھے آدھے کیجئے (ہنسکر فرمایا) لیکن استادی نہ کیجئے گا ان صاحب نے اپنی طرف کا حصہ کم رکھا حضرت کی طرف کا زیادہ۔ حضرت نے ان کی طرف کا حصہ اٹھا لیا کہ اب آپ اس کے خلاف تو کچھ کہہ نہیں سکتے کہ یہ آدھا نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اس کا آدھا ہونا مسلم ہے۔ وہ صاحب بیچارے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ میں آخر شیخ زادہ ہوں شیخ زادے بڑے فطرتی ہوتے ہیں۔ مجھے بھی فطرتیں بہت آتی ہیں۔ لیکن الحمد للہ انہیں کبھی استعمال نہیں کرتا ہوں ہاں اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے کا نقصان نہیں ہوتا تو اپنے دفع ضرر

کے لئے استعمال بھی کر لیتا ہوں جیسے اس وقت کیا۔

ف :۔ اس سے تکلف کو ناپسند کرنا نیز دلجوئی مزاج ثابت ہوا۔

(۱۴۱) فرمایا کہ موجدان یورپ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے ایسی ایسی ایجادیں کی ہیں حالانکہ ان سب ایجادوں کی جو چیز جڑ ہے وہ کسی کے بھی اختیار میں نہیں یعنی کسی صورت صنعت کا قوت فکریہ میں فائض ہو جانا اگر یہ ان کے اختیار میں تھا تو قوت فکر تو بیس برس پہلے بھی تھی اس وقت کیوں وہ صورت ذہن میں نہیں آگئی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات ذہن سے اتر جاتی ہے تو لاکھ قوت فکر کو عمل میں لائے وہ یاد ہی نہیں آتی۔ کسی بات کا سوجھا دینا یہ حق تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

ف :۔ وقت نظری و حقیقت شناسی اس سے صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۲) فرمایا کہ جب میں کسی ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو لیکن بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے جس سے خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں استغنا اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے۔ دونوں بہت مشابہ ہیں کبھی اس میں دھوکا ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم استغنا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کبر۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا قول فعل حال قال۔ سب ہی پر از خطر ہے مجھے تو اب وہ شعر یاد آیا کرتا ہے جو کبھی بچپن میں پڑھا تھا ؎

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر　　　قلم عفو برگناہم کش

(۱۴۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا آدھی رات کو خیال آیا کہ دینا ہے بس چین نہ پڑا اٹھ کر یہ دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں چونکہ ان کی نیند بھی کم ہے انھوں نے کہا کیا ہے میں نے کہا یہ روپیہ لے لو انھوں نے کہا اللہ ایسی کیا جلدی تھی میں نے کہا کہ میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ جب انکو دیدیا تب نیند آئی۔ اسی طرح رات میں جب کوئی مضمون آتا ہے ذہن میں تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ پر لکھ کر سرہانے رکھ لیتا ہوں جب اطمینان ہوتا ہے۔ اسی جلدی اور تقاضا کی بنا پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے آپ بلا سزا کے بخشدیجے گا۔ ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہو سکے گا کہ کب مغفرت ہوگی۔

(۱۴۴) فرمایا کہ میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے عزیزوں کو میرے تعلق کی وجہ سے

دیا جاوے اس کا بھی تو احسان آخر میرے ہی اوپر ہوتا ہے میں ایسے بار کا تحمل نہیں ہو سکتا

ف :۔ اس سے حضرت والا کی نفرت احسان لینے سے معلوم ہوئی۔

(۱۴۵) فرمایا کہ بیماری میں اگر حق تعالٰے ایک تکلیف دیتے ہیں تو اس کے ساتھ پچاس راحتیں بھی مہیا فرما دیتے ہیں چنانچہ میری اس بیماری میں بہت سے مسلمان دعا کرتے ہیں اور جو دعا نہیں کرتے وہ صحت کی تمنا ہی کرتے ہیں تو اتنے قلوب کا کسی کی طرف متوجہ ہو جانا کتنی بڑی رحمت ہے۔ دوسرے ہر شخص کو ہمدردی ہو جاتی ہے ناز نخرے اٹھانے والے بہت سے ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی خفگی یا ترشی بیماری کی طرف سے ہو جاتی ہے تو کوئی خیال نہیں کرتا کہ بیماری کی وجہ سے مزاج چڑچڑا ہو گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ بیماری میں تیزی نہیں رہتی خستگی اور شکستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ متانت اور وقار بھی آجاتا ہے چھچھوراپن نہیں رہتا غرضیکہ بیماری خوش اخلاق بنا دیتی ہے۔ ؎

درد از یار است و درمان نیز ہم ۔۔۔ دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(۱۴۶) ایک صاحب نے پوچھا کہ طبیعت کیسی ہے۔ فرمایا کہ طبیعت تو اچھی ہے ناک البتہ بری ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ چھوٹی سی پھنسی نے تمام جگہ اپنا اثر پھیلا رکھا ہے۔ فرمایا کہ جناب خدائی لشکر ہے خدائی لشکر کا ایک ادنیٰ پیادہ بھی کچھ کم نہیں وہ بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ ف :۔ حقیقت رسی و توحید صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۷) ایک گمنام خط آیا جس میں کچھ اعتراض واہی تباہی لکھا تھا حضرت نے فرمایا کہ جوابی تو ہے نہیں جس کے جواب لکھنے کی ضرورت ہو اس کو علیحدہ رکھنے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک تو اس نے لایعنی حرکت کی اور ایک میں لایعنی حرکت کروں کہ اس کو سنوں اور خوامخواہ اپنا جی خراب کروں چنانچہ بلا سنے ردی میں رکھوا دیا۔ پھر فرمایا کہ موضع اعظم گڈھ دوران وعظ میں ایک شخص نے ایک پرچہ لاکر مجھ کو دیا اور دیتے ہی چلا گیا میں نے بعد وعظ وہیں پر چراغ میں بلا پڑھے اس کو جلا دیا۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ بلا پڑھے جلا دینے کا آپ کا جی کیسے مانا ہم کو تو بے پڑھے صبر نہ آتا کہا کہ جی عقل کی تو یہی بات ہے کیونکہ اگر جواب کی ضرورت ہوتی تو وہ دینے والا بلا جواب لئے کیسے چلا جاتا پھر مرے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نہ معلوم اس میں گالیاں لکھی تھیں یا نہ جانے کیا بلا لکھی ہو۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کی فراست اور لایعنی سے حذر صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۸) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور دعا سے ضرور یاد رکھا کریں۔ فرمایا کہ آپ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ میں دعا سے غافل ہوں۔ آپ سے تو خیر تعلق ہے۔ اب تو نہیں لیکن ایک زمانہ مدت تک میں نے جانوروں تک کے لئے دعا مانگی ہے۔ کیونکہ ان کے بھی حقوق ہیں۔

(۱۴۹) فرمایا کہ بعضے استاد بچوں کو بہت مارتے ہیں بعضوں کا فہم قدرۃً کم ہوتا ہے لہٰذا ان کو مارنا پیٹنا زیادتی ہے۔ بچوں کو جو زیادہ مارتے ہیں ان سے مؤاخذہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ الحمدللہ غصہ میں میرے ہوش بجا رہتے ہیں اور ضرورت کے وقت رسی سے مارتا ہوں اس میں خطرہ ہڈی وغیرہ ٹوٹنے کا نہیں ہوتا۔ اعتدال سے مارنا پیٹنا چاہئے مجھے بچوں کے پیٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ف:۔ اوپر کے دونوں واقعوں سے حضرت والا کی شفقت و رافت صاف ظاہر ہے۔

(۱۵۰) کسی مسلمان کی ماخوذی کی خبر سنکر نہایت افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ خدا جانے مسلمان کوئی ہو کہیں کا ہو رائی برابر بھی اسے گزند پہونچے تو دل گھل جاتا ہے۔ مسلمان کی تکلیف سے بڑا دل دکھتا ہے پانچوں وقت دل سے دعا مانگتا ہوں۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی کمال شفقت علی المخلوق کے ساتھ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۵۱) ایک صاحب مع اہل و عیال کے ایک سال یہاں رہ کر رخصت ہونے لگے۔ گھر بھر رونے لگا۔ حضرت ہنستے رہے۔ فرمایا دل تو میرا بہت کڑھتا ہے کسی کے رونے سے۔ لیکن ایک تو مجھے رونا نہیں آتا دوسرے میں ہنستا اس لئے کرتا ہوں کہ رونے والوں کی تسلی ہو جاوے

ف:۔ اس سے بھی حضرت والا کی شفقت و حکمت ظاہر ہے۔

(۱۵۲) فرمایا کہ امرا کی طرف اگر خود التفات کیا جاوے خواہ کیسے ہی خلوص سے ہو لیکن ان کو یہی گمان ہوتا ہے کہ ان کی کچھ غرض ہے۔ برخلاف غربا کے کہ ان سے ذرا شیریں کلامی کی جاوے تو پانی پانی ہو جاتے ہیں نثار ہونے لگتے ہیں دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لئے میں امرا سے از خود کبھی تعلق نہیں پیدا کرتا۔ ہاں وہ خود ہی تعلق پیدا کرنا چاہیں تو انکار بھی نہیں کرتا کیونکہ موجب ہمارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ نرا امیر نہیں رہا وہ نعم الامیر علی باب الفقیر۔ دنیا دار سمجھ کر ہرگز اس سے بے التفاتی نہ کرنا چاہئے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی شان استغنا۔ دین کی عزت و عظمت اور حکمت صاف ظاہر ہے

(۱۵۳) فرمایا کہ عافیت بڑی نعمت ہے اس سے دین میں مدد ملتی ہے باقی زیادہ تمول تو بھلا ہی دیتا ہے عذاب ہے ہر وقت ہزاروں فکریں پھر بدون عافیت ہیچ۔ ایک

نواب لکھنؤ کے تھے ان کا معدہ ایسا ضعیف ہوگیا تھا کہ ململ میں قیمہ رکھ کر چوسا کرتے تھے وہ بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔ کنارہ شہر کے مکان تھا ایک لکڑہارے کو دیکھا سر پر سے لکڑیوں کا گٹھا اتارا۔ پسینہ پوچھا۔ گرمی کے دن تھے منہ ہاتھ دھوئے دو روٹ نکالے اور پیاز سے کھائے پھر وہیں پڑ کر سو رہا۔ ان حضرت کو نیند بھی نہیں آتی تھی۔ اس کو دیکھ کر وہ اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے کہ میں دل سے راضی ہوں کہ اگر میری یہ حالت ہوجائے تو اس کے عوض میں اپنی ساری نوابی اور ریاست دینے کے لئے تیار رہوں۔ ان کے پاس سب کچھ تھا ان کے کتے تک سب کچھ کھاتے تھے لیکن ان کو میسر نہ تھا۔ واقعی ایسی دولت جو اپنے کام نہ آوے سوا اس کے کہ حمالی ہے اور کیا ہے ہاں اگر اللہ تعالےٰ بدون انہماک کے دے تو ہر حال میں پھر وہ نعمت ہے اس کا حق ادا کرے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ۔ کمال عقل ظاہر ہے۔

(۱۵۴) ایک صاحب نے عرض کیا حضور کا تو ہر کام عبادت سونا بھی عبادت ہے۔ فرمایا کہ جی عبادت تو کہاں ہاں سونے میں اتنا تو ہے کہ گناہوں سے حفاظت رہتی ہے۔

ف:۔ اس سے انکسار و تواضع ظاہر ہے۔

(۱۵۵) فرمایا کہ ڈھاکہ میں ادہر اُدھر سے اہل علم میرے ملنے کے لئے آئے تھے میں نے ان سے کہدیا کہ آپ اپنے کھانے کا انتظام علحدہ کر لیجئے کیونکہ آپ مدعو نہیں ہیں۔ نواب صاحب کو معلوم ہوگیا انھوں نے یا صراران کو بھی مدعو کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا ہاں اب قبول کر لو۔ اب عزت سے کھاؤ گے پہلے ذلت سے کھاتے۔

ف:۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا اہل دین و اہل علم کی ذلت کو گوارا نہیں فرماتے

(۱۵۶) وعظ المراد کے متعلق فرمایا کہ یہ وعظ شاہی جامع مسجد مرادآباد میں ہوا تھا وہاں ہمیشہ ڈھائی بجے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اسٹیشن پہونچنے کے لئے مجکو ۴ بجے وہاں سے روانہ ہوجانا ضروری تھا کیونکہ ۵ بجے گاڑی چلتی تھی ۳ بجے کہیں نماز ختم ہوتی تب وعظ شروع ہوتا چار بجے تک کیا ہوسکتا تھا وہاں لوگوں نے خاص اس دن کے لئے جمعہ کا وقت بدلدیا اور سب جگہ خوب اعلان کردیا کہ بجائے ڈھائی بجے کے ڈیڑھ بجے نماز ہوگی لیکن مجکو یہ گوارا نہ ہوا کہ نماز کا وقت بدلا جاوے۔ میں نے اس رائے کی مخالفت کی کیونکہ میں نے کہا کہ اگر ایک متنفس کو بھی نماز نہ ملی تو اس کی محرومی کا باعث میں ہوں گا۔ دوسرے ایسی حرکتوں سے مولوی لوگ خواہ مخواہ بدنام

بھی ہوتے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص کو اعلان کی خبر پہونچ جاوے چنانچہ میں نے تجویز کیا کہ نماز تو اپنے مقررہ وقت ہی پر پڑھونگا ڈھائی بجے میں البتہ اپنے وعظ کو مقدم کر دوں ڈیڑھ بجے وعظ شروع کر دیں گے ڈھائی بجے بند کر کے نماز پڑھیں گے نماز سے فارغ ہو کر پھر وعظ کہنا شروع کر دیں گے اس میں کیا حرج ہے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ نماز سے قبل تو گھنٹہ بھر تک تمہید ہی کی تقریر کرتا رہا۔ بعد نماز کے پھر شروع کر کے ٹھیک ۴ بجے ختم کر دیا لیکن سب ضروری مضامین بیان ہو گئے۔ بہت کافی وقت مل گیا تھا۔ گاڑی مسجد کے دروازے پر پہلے سے مع اسباب کھڑی کرا رکھی تھی انتظام تو آخر کرتے ہی سے ہوتا ہے بے کئے تو کچھ ہو نہیں سکتا اور گو انتظام میں تھوڑی بہت کلفت ضرور کرنی پڑتی ہے لیکن انجام میں بڑی سہولت اور راحت ہوتی ہے۔

ف:۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا حسن انتظام و اہتمام حفظ نظام دین و غایت احتیاط صاف ظاہر ہے۔

(۱۵۷) فرمایا کہ میرا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی بزرگ ہو وہاں میں کچھ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہاں ان بزرگ کی خود فرمائش ہو تو اور بات ہے۔

ف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا ادب حضرت کی فطرت میں اور تواضع حضرت کی سرشت میں داخل ہے۔

(۱۵۸) فرمایا کہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب مسجد میں آئے تو اوروں کی جوتیوں کو ادھر اُدھر ہٹا کر جگہ کر کے اپنی جوتیاں اُتار دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ جس نے اپنی جوتیاں جس جگہ اتاری ہیں وہ وہیں ان کو تلاش کرنے آئیگا اور جب نہ پائیگا تو پریشان ہوگا۔ دوسرے کو ایذا دینا کہاں جائز ہے کہ جہاں تک جوتیاں رکھی جا چکی ہیں اس سے علیحدہ اپنی جوتیاں اتارئے دوسروں کی جوتیاں منتشر کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ف:۔ اس سے غایت احتیاط و تقویٰ و حذر از ایذاء مسلم ثابت ہے۔

(۱۵۹) کسی کو ایک صاحب نے قریب مغرب طالب علموں کی دعوت کی اطلاع کرنے کو بھیجا حضرت والا نے فرمایا کہ عین کھانے کے وقت اطلاع کا طریقہ نہیں۔ یہی علامت اسکی ہے کہ ان کو طلبا سے محبت نہیں۔ صرف اس نیت سے طلبا کو کھلاتے ہیں ایسے موقعوں پر کہ کوئی الابلا ہو تو دور ہو جاوے۔ اگر محبت تھی تو جیسے برادری کو صبح کے وقت اطلاع

کی تھی ان کو بھی اسی وقت کی ہوتی۔ انھیں تو صبح اطلاع کی اور ان غریبوں کو شام کو اطلاع کرنے آئے ہیں بس وجہ یہی ہے کہ ان کو فضول بیکار سمجھا گیا۔ سو ہمارے یہاں کے طلبا گو غریب ہیں لیکن ایسے گرے پڑے نہیں۔ یہ کسی کے بھروسے یہاں نہیں پڑے ہوئے۔ خدا کے بھروسہ ہیں۔ عزت سے روکھی روٹی کھانا اس سے اچھا ہے کہ بریانی اور متنجن کھائیں مگر ذلت ہو۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت جنید رح کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کچھ کام ہے ایک درویش کو میرے ساتھ کر دیجئے۔ حضرت نے خانقاہ میں ایک درویش سے کہ ہم لوگ اسی واسطے ہیں کہ مخلوق کی خدمت کریں کیونکہ ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست　　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

بھائی جاؤ مسلمان بھائی کا کام کر آؤ وہ سمجھے کہ اس کا کوئی کام ہوگا تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص لوٹا اور درویش کے سر پر خوان تھا۔ خانقاہ والوں کے لئے کھانا لایا تھا اسی واسطے یہاں سے آدمی لیگیا تھا۔ حضرت جنید رح دیکھ کر مارے غصہ کے سرخ ہو گئے فرمایا کیوں صاحب کیا یہی قدر ہے اللہ اللہ کرنے والوں کی۔ انہیں کے لئے تو کھانا اور انہیں کے سر پر رکھوا کر لائے۔ اسی وقت وہ کھانا واپس کر دیا کہ ایسے کھانے کی ہمیں ضرورت نہیں پس اگر یہ تکبر ہے تو ہمیں حضرت جنید رح نے سکھلایا ہے وہ درویش بھی تھے اور عالم بھی تھے۔ اب اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح طالب علم بڑے مغرور ہو جائیں گے لیکن اس کے لئے میں نے کہ رکھا ہے کہ مزدوری کر لیا کرو چنانچہ مہمانوں کا سامان اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے طالبعلم چلے جاتے ہیں اور چار آنے آٹھ آنے کما لیتے ہیں۔ سر پر اسباب لیجانا اور مزدوری کرنا ذلت نہیں۔ اور اسی طرح لینا (کھانے کا) ذلت ہے۔ تکبر کا تو میں نے یہ علاج کیا اور ذلت کا یہ کہ کسی کے دروازہ پر نہ جاؤ۔ پھر فرمایا کہ کیا کروں جہاں کسی کے کلام سے ذرا طالبعلموں کی اہانت مترشح ہوئی بس فوراً طبیعت متغیر ہو جاتی ہے۔ اجی اگر وہ (داعی) یہ کرتے کہ دعوت کو تو کہتے نہ۔ کھانا بھیجدیتے اور اس طرح کہتے کہ اجی ہم ایک چیز کھانے بیٹھے جی چاہا کہ اپنے محبوب کو بھی کچھ بھیجدیں۔ اس میں کیا حرج ہے۔ مگر ایسی ترکیب و باتیں صحبت سے معلوم ہوتی ہیں۔

ف:۔ اس سے قدر طلبا و شان تربیت وطرز سلف سے موافقت ظاہر ہے۔

(۱۶۰) ایک طالبعلم نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں کتابیں تمام فن کی نہیں آتی فرمایا کہ بس یہ کافی ہے کہ استاد کی تقریر کے وقت نفس مطلب سمجھ میں آجاوے یاد رہے یا نہ رہے۔

کتاب اگر حل ہو جاوے انشاء اللہ بعد ختم کے جب خود مطالعہ کریں گے استعداد ہو جاوے گی بیدل نہ ہوجئے۔ یاد رہے یا نہ رہے کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی کو نفس مطلب بھی سمجھ میں نہ آوے تو ایسی صورت میں ضروری مسائل اردو میں پڑھ لینا کافی ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کا تجربہ، سہولت پسندی عقل سلیم صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۱) فرمایا کہ دو چیزیں باوجود تکرار مطالعہ کے بھی ضبط نہیں رہتیں مطالب مثنوی شریف، معانی قرآن مجید

(۱۶۲) ایک صاحب نے دق کیلئے تعویذ مانگا فرمایا پڑھنے کا زیادہ اثر ہوگا تعویذ کا کیا اثر، پابندی کیساتھ روزانہ بعد فجر ۴۱ بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے دن بھر پیا کرتے رہیں جب پانی کم رہجاوے اور ملالیں۔

ف:۔ شفقت و سہولت پسندی صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۳) فرمایا کہ کسی کا جھوٹا خواہ اپنے بزرگ ہی کا ہو مجھ سے نہیں کھایا پیا جاتا طبیعت کی بات ہے

ف:۔ یہ دلیل نفاست طبع کی ہے اور صاف کہدینا علامت بے تکلفی و عدم تصنع کی ہے۔

(۱۶۴) حضرت کے ایک عزیز ہیں جو واعظ ہیں انھوں نے اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھائی ہے۔ حضرت ان سے بہت ناراض ہیں حضرت نے ان کو منع کر دیا ہے کہ میرے پاس خطامت بھیجا کرو فرمایا کہ انھوں نے اس بات کو گوارا کر لیا لیکن انگریزی پڑھانا نہ چھوڑا یا۔ فرمایا کہ میں نے کہا شرم نہیں آتی وعظ کہتے ہو اور انگریزی اپنے بچوں کو پڑھاتے ہو اگر مولوی نہ ہوتے تو اتنا ناگوار نہ ہوتا اب کیا منہ رہا۔ منبر پر بیٹھ کر دین کی ترغیب دینے کا۔ انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ لڑکے کم عقل ہیں۔ اس لئے علم دین پڑھانے کے قابل نہ تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس صورت میں تو ان کو علم دین پڑھانا اور بھی زیادہ ضروری تھا کیونکہ اگر کم عقل نہ ہوتے تو ان کے بگڑنے کا اتنا اندیشہ نہ تھا عقل ان کو برائیوں سے روکے رہتی اب جبکہ عقل بھی نہیں اور علم دین بھی نہ ہوگا تو کیا چیز ان کے پاس رہی جو شر اور فتنوں سے محفوظ رکھ سکے گی یہی دو چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے آدمی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ اس کا ان سے کچھ جواب نہ بن سکا۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کا کمال فہم و تجربہ و فراست اور اصلی محبت عزیزوں کے ساتھ صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۵) فرمایا کہ میں جب کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملی تو برکت کیلئے صرف ایک ہی سطر لکھ لی اس سے تعلق قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلق ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔ (ف) اس سے کمال ضبط اوقات ظاہر ہے۔

(۱۶۶) ایک ذی علم عشق مجازی میں مبتلا ہوگئے۔ ان کو دھوکہ ہوا کہ یہ نفسانی محبت نہیں حضرت نے قطعاً محبوب سے علیحدگی کرادی۔ ان صاحب کی رائے ہوئی کہ اس افتراق سے بجائے نفع کے نقصان ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ میں اپنی طبیعت سے خوب واقف ہوں اگر مجھے علیٰحدہ نہ رکھا جاوے تو میں اس بلا سے نکلکر دکھلادوں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو زہر عام طبائع کے اعتبار سے مضر ہے لیکن بعض خاص طبائع کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے حضرت کو ان کے اس رائے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اول تو مریض کو حق نہیں کہ طبیب کی تجویز میں دخل دے۔ دوسرے یہ کہ زہر تو کبھی جائز بھی ہے لیکن معصیت تو ہر حال میں معصیت ہے۔ جب میں اس معصیت سمجھتا ہوں پھر اختلاط کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں البتہ خود ان کو اپنی نیت کا حال معلوم ہے اگر وہ اس کو معصیت نہیں سمجھتے تو وہ بطور خود جو تدبیر نافع سمجھیں کریں مگر اس طور پر کہ مجھے علم نہ ہو کیونکہ جب میں معصیت سمجھتا ہوں تو میں اجازت دے کر کیوں گنہگار رہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ ان کا خیال غلط ہے کہ اختلاط سے کمی ہوجاوے گی اس وقت ایک تسلی سی ہوجاتی ہے لیکن پھر افتراق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم نہیں ہوئی بلکہ اور زیادہ بڑھ گئی یہ بھی فرمایا کہ یہ نفسانی ہی محبت ہے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور ان کی گریہ وبکا کی حالت سنکر ہنسکر یہ فرمایا کہ برسات کا موسم ہے۔ ہوا ہے۔ بارش ہے سب ٹھیک ہوجاویں گے۔ میرے دل میں حق تعالیٰ نے ڈال رکھا ہے کہ انہیں جلد اس سے نجات ہوجاوے گی اس لئے مجھے اطمینان ہے انھوں نے اس کو اپنے توہمات سے بڑھا لیا ہے اور کبھی۔ اور بہت بڑا سمجھ رکھا ہے۔ مجھے معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر فرمایا کہ مبتلا پر مجھے غصہ نہیں آتا۔

ف:۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا ملکہ شناخت کیود نفسانیہ کا اور کمال تجربہ اور ظرافت اور مبتلا کو بغایت درجہ تشفی وتسلی دینا معلوم ہوا جس کو بیحد دخل ہے مرض کے ازالہ میں۔

(۱۶۷) ایک طالب جو حضرت کی خدمت میں حاضر تھے ان کے پانچ روپیہ قرض کسی دوسرے طالب علم کے ذمہ تھے جو سہارنپور کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں ان کو روپیہ کی ضرورت ہوئی انھوں نے قرضدار طالب علم کو لکھا ہوگا قرضدار طالب علم نے سہارنپور سے حضرت کو لکھا کہ آپ پانچ روپیہ میری جانب سے دیدیجئے میں آپ کو بھیجدوں گا حضرت نے فرمایا کہ اس قصہ میں کون پڑے۔ یاد رکھنے اور پھر وصول کرنے کا کام اپنے ذمہ کیوں بڑھایا جاوے۔ اس سے یہ سہل ہے کہ خود ان موجودہ طالب علم کو مدرسہ سے بطور امداد کے خرچ دیدیا جاوے پھر یہ اپنا روپیہ ان سے جب چاہیں وصول کرلیں۔

(یہ طالب علم غریب ہیں) پھر فرمایا کہ مجھے قرض لینا دینا دونوں ناپسند ہیں چنانچہ حضرت ملا جامیؒ فرماتے ہیں ؎
مدح شاں قرض مستاں نیم حبہ فان القرض مقراض المحبتہ

ف :۔ اس سے حضرت والا کا کمال تجربہ اور قلب کو ہر وقت ہلکا پھلکا رہنا۔ نگرانی سے فارغ رکھنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۸) فرمایا کہ اب تو کانپور کے گلی کوچوں میں ظلمت برستی ہے شہر کی شکل بھونڈی معلوم ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہ دین ہے نہ علم بالکل ظلمت ہے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا نور معرفت و نورانیت قلب صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۹) فرمایا کہ میں تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ ایسے شخص سے بھی قرض نہیں لیتا جس کی امانت میرے پاس ہو یا مجھے علم ہو کہ اس کے پاس روپیہ آنے والا ہے اور اسے بھی علم ہو کہ اسے علم ہے۔ ہمیشہ ایسے شخص سے لیتا ہوں جو انکار کر سکے اور کسی قسم کا اس پر اثر یا دباؤ نہ ہو ان امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ جو اپنا لحاظ کرے کیا اس کا یہی حق ہے کہ اس سے منتفع ہوا کرے۔ طالب نفع تو ایسے شخص سے ہونا چاہئے جو اگر چاہے تو صاف آزادی سے انکار کر سکے اور جو انکار پر بوجہ عقیدت یا لحاظ یا دباؤ کے قادر نہ ہو اس سے کبھی نہ چاہئے۔

ف :۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا دوسرے کی گرانی قلب کو کس قدر لحاظ فرماتے ہیں۔

(۱۷۰) فرمایا کہ میں تو فتویٰ نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دوں گا کہ گھر کے انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہئے یا خود اپنے ہاتھ میں۔ اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہئے چاہے وہ بھائی یا بہن ہو یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے بیوی کی بڑی دلشکنی ہوتی ہے یا تو خاوند خود اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے۔ ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق وہی ہے بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو کھانا کپڑا دیدیا بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے دیکھئے فقہا نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرما دیا۔ اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کر دیا۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کی مراعاۃ بالاہل کی تعلیم و تاکید اظہر من الشمس ہے۔

(۱۷۱) حضرت خواجہ صاحب جبکہ بوضع تنخواہ طویل رخصت لیکر تھانہ بھون حاضر ہوئے تھے تو ان کی اہلیہ نے حضرت کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزا و مہمانان کے

ارادہ کیا۔ حضرت نے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہئے دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچایئے۔ اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیجدی جاوے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھدیں۔ کوئی خاص تکلف کی ضرورت نہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کرکے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جاوے۔ اور آپ سے یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں وقت آپ کے یہاں سے جو کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا۔ ابھی ہم دو میاں بیوی ہی باقی اور تو سب جی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کردیں اگر کبھی کوئی چیز بھیجی جاوے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھالیں مع اس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کردیں۔ آپ ایک شخص کے اندازہ سے زیادہ نہ بھیجیں۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی کس قدر سادگی طبیعت کی اور مراعاۃ اپنے احباب کی معلوم ہوتی ہے اسی طرح تکلف و تصنع سے عذر صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۲) فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے مال خرچ کرنا تو آسان مگر سفارش میں زبان ہلانا جہاں یہ وہم ہو کہ ہمارا دباؤ ماننے گا موت ہے کیونکہ یہ وہم پیدا ہوجاتا ہے کہ نہ معلوم بیچارے کی کیا مصلحت فوت ہو کیا اثر ہو۔ ایک صاحب سفارش لکھانے آئے میں نے سفارش کی مذمت بھی کی باتیں بھی سنائیں مگر پھر بھی انھوں نے کہا کہ لکھدو۔ میں مغلوب ہوگیا۔ میں نے کہا تم ایک رقعہ میرے نام لکھ لاؤ جس میں سفارش کی درخواست ہو میں اس پر لکھ دوں گا (میں جب سفارش کرتا ہوں تو ایسا ہی کرتا ہوں تاکہ اس بیچارے مخاطب کو معلوم تو ہوجاوے کہ کاتب کی ابتدائی رائے نہیں ہے دوسرے کی درخواست پر لکھا ہے غرض حد تو معلوم ہو کہ آیا سفارش کرنے والا ایسا شخص ہے کہ اس کو خود کوشش ہے یا محض دوسرے کے کہنے کا اثر ہوا) چنانچہ انھوں نے رقعہ لکھدیا میں نے اسپر لکھدیا کہ انھوں نے مجھ سے سفارش کی یہ درخواست کی ہے۔ اگر آپ کی کوئی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو اور آپ کی وضع کے بھی خلاف بھی نہ ہو کسی قسم کا بار بھی نہ ہو تو یہ صاحب آپ کے ممنون ہوں گے اور دعا کیا کریں گے (میں یہ نہیں لکھتا کہ میں ممنون ہوں گا لکھتا ہوں کہ یہ ممنون ہوں گے

پھر میں نے لفافہ پر بھی لکھ دیا کہ یہ صاحب قیام وطعام کا بندوبست خود کریں گے آپ تکلیف یا تکلف نہ کیجئے۔ لفافہ پر اس لئے لکھا کہ یہ صاحب بھی دیکھ لیں۔ ورنہ جناب یہ ہوتا ہے کہ سفارش کا خط لے لیا اور پڑے ہیں مہینوں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ لوگوں کو کچھ سہارا چاہئے یوں ہو رہیں قصے اس قدر بے حیا بے مروت بننا پڑتا ہے کہ کچھ پوچھئے نہیں۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کے سفارش کا طرز صاف ظاہر ہے کہ کسی کے مصلحت کو فوت کرنا یا کسی کے قلب پر ذرا بھی گرانی ڈالنا خصوصاً جو اپنا لحاظ کرتا ہو ذرا بھی نہیں چاہئے نیز کمال عقل و تجربہ پر بھی دال ہے۔

(۱۷۳) فرمایا کہ ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہم کو اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے اگر اس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے۔ کوئی فعل یا قول ہمارا ایسا نہ ہونا چاہئے جس سے دین کی ذلت یا بدنامی ہو۔

ف:۔ اس سے بھی حضرت والا کی دین کی عزت کا خیال اور عقل کا کمال ثابت ہے۔

(۱۷۴) فرمایا کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھے زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا معلوم ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کوئی عذر شرعی سمجھ میں نہ آتا تھا گرچونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے میں انکار کر دیتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ طبعی معذوری ہے سنت میں اس کی اصل نہیں ہے لیکن الحمدللہ میرا یہ شبہہ جاتا رہا جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس علت عدم رد کی خفیف الحمل ہونے کو بتلایا میں نے کہا الحمدللہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی طبیعت کا نہایت سلیم اور اوفق بالسنۃ ہونا اور قوت استنباط صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۵) فرمایا کہ مسلمانوں کو بے فکر کرنے کے لئے اچھی حیثیت بنا کر سفر کرنا عبادت ہے چنانچہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لیجاتا ہوں تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے۔

ف :- اس سے حضرت والا کا زہد و استغنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۶) جناب شیخ معشوق علی صاحب جو ہمارے حضرت کے خلفاء میں سے ہیں حاضر مجلس تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی عملی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بار میں اور خواجہ صاحب حضور کے ساتھ ریل کے سفر میں تھے۔ کھانا کھاتے میں ایک بوٹی گر گئی میں نے اس کو تختہ کے نیچے سرکا دیا حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ کیا بوٹی گر گئی ہے چنانچہ وہ بوٹی حضرت نے اٹھوائی اور فرمایا کہ اس کو دھو لیجئے میں کھالوں گا پھر وہ بوٹی خواجہ صاحب نے دھو کر خود ہی کھالی وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ کبھی دسترخوان پر سے ایک ریزہ بھی زمین پر گر گیا ہے تو اس کو اٹھا کر کھالیا ہے۔ عملی تعلیم کا اتنا اثر ہوتا ہے۔

ف :- اس سے حضرت والا کی عملی تعلیم۔ اتباع سنت۔ نعمت الٰہی کی توقیر و عظمت صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۷) فرمایا کہ خدمت سے کسی کو راحت نہیں ہوتی لیکن خدمت کے لئے تین شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ خلوص ہو یعنی اس وقت کوئی غرض اس خدمت سے نہ ہو محض محبت سے ہو۔ اکثر لوگ خدمت کو ذریعہ بناتے ہیں عرض حاجت کا۔ یہاں تک کیا ہے کہ بعد عشا کے میں تھوڑی دیر کے لئے لیٹ رہتا ہوں طالبعلم بدن دبانے لگتے ہیں۔ چونکہ بدن دبانے سے راحت ہوتی ہے میری آنکھ لگنے لگتی ہے جس وقت میری آنکھ لگنے لگی تو ایک صاحب جو بدن دبانے میں شریک ہو گئے تھے مجھ سے کہا کہ مجھے کچھ پوچھنا ہے۔ ان ہی واقعات سے میں دوسروں پر بھی بدگمانی کرنے لگا۔ اسی واسطے میں تحقیق کر لیتا ہوں کہ کون کون بدن دبا رہا ہے اور سوائے دو چار طالب علموں کے باقی سب کو رخصت کر دیتا ہوں۔ دوسری شرط خدمت کی یہ ہے کہ دل ملا ہوا ہو ایک نووارد آکر بدن دبانے لگے یا پنکھا جھلنے لگے تو لحاظ بھی ہوتا ہے شرم بھی آتی ہے۔ اب آدمی تختۂ مشق کیسے سب کا بن جاوے۔ تیسرے یہ کہ کام بھی آتا ہو مثلاً بعضوں کو بدن دبانا نہیں آتا اور بعضا موقع لحاظ کا ہوتا ہے اب ان سے کیسے منہ پھوڑ کر کہدیا جاوے کہ آپ سے بدن دبانا آتا نہیں آپ چھوڑ دیجئے۔ مجبوراً چپ رہنا پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کی خدمت کر رہا ہوں کہ کچھ بولتا نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں اس کے واسطے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کے واسطے تکلیف اٹھا رہا ہوں طالب علموں سے دل کھلا ہوا ہے اور ان کو طریقہ بھی آتا ہے ان سے

کچھ تکلف بھی نہیں ہے چاہے پاؤں پھیلا دیا چاہے بیٹھ کر کے سو رہا اب دو چار تو ایسے ہوتے ہیں سب ایسے کہاں ہو سکتے ہیں۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کے شرائط خدمت لینے کے معلوم ہوئے جو دال ہے تجربہ اور لحاظ اور مروت پر۔

(۱۷۸) ایک صاحب نے کچھ تیل عطر وغیرہ ہدیہ بذریعہ ڈاک بھیجا۔ بذریعہ خط دریافت کیا کہ صحیح و سالم پہونچ گئے یا نہیں اس پر فرمایا کہ اگر راستہ میں نقصان ہو جاوے تو اطلاع نہیں کرنا چاہئے ایک تو بوتل ٹوٹی پھر دوسرے کا دل کیوں توڑے۔

ف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا دوسرے کی دلشکنی کا کس قدر لحاظ فرماتے ہیں۔

(۱۷۹) ایک دیہاتی آکر بیٹھا حضرت نے پوچھا کہ کیسے آئے کہا کہ ملنے آیا تھا حضرت نے دوبارہ پوچھا کہ کچھ کہنا ہو تو کہہ لو اس نے مقدمہ کے لئے کوئی وظیفہ پوچھا حضرت نے فرمایا کہ پہلے صرف یہ کیوں کہا تھا کہ ملنے آیا تھا یہ تو دھوکہ دینا ہوا۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو بات صاف کہو۔ اگر تمہارے اس کہنے پر کہ ملنے آیا تھا میں خاموش ہو جاتا اور اٹھ کر چلد یتا تو کہتے بڑے روکھے ہیں پوچھا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تنہائی میں کہنا چاہتا تھا فرمایا کہ اول تو یہ بات کوئی تنہائی کی نہ تھی دوسرے یہی کہتے کہ صاحب مجھے تنہائی میں کہنا ہے تاکہ آپکا مطلب تو معلوم ہو جاتا۔ پھر حضرت نے مقدمہ کے لئے فرمایا کہ "یا حفیظ" ہر نماز کے بعد سو سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اول آخر درود شریف اور ویسے بھی ہر وقت یا حفیظ کی کثرت رکھا کرو پھر گھر جانے کے لئے اٹھے تو چلتے میں پوچھا کہ کیا مقدمہ ہے اس نے کہا کہ خود میں نے دائر کیا ہے۔ فرمایا کہ پہلے مانس پہلے ہی کیوں نہ کہا میں سمجھا کوئی فوجداری کا مقدمہ تمہارے اوپر ہے پھر فرمایا کہ اس صورت میں یا حفیظ کے بجائے یا لطیف پڑھنا چاہئے۔

ف:۔ اس ملفوظ سے حضور والا کی شان تربیت۔ ضبط و تحمل اور طبیعت کا تناسب معلوم ہوا۔

(۱۸۰) حضرت خواجہ صاحب کے ایک دوست نے ان کو لکھا کہ فلاں صاحب حضرت والا کے دربار کے آداب سے ناواقف ہیں۔ آپ ان کو مدد دیجئے گا۔ حضرت نے دربار اور آداب کے الفاظ پر کراہت کے ساتھ فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ کہاں کا دربار اور کیسے آداب۔ پھر فرمایا کہ یہاں کا ادب یہی ہے کہ کوئی ادب نہ ہو یعنی بالکل بے تکلفی اور صفائی ہو۔ تکلف اور

زیادہ ادب آداب ہی سے تو یہاں کام نہیں چلتا. بس جو سیدھی سیدھی بات ہے وہ ہونی چاہیئے۔ اس لیے جس خط میں کوئی ابہام ہوتا ہے میں جرح قدح کرتا ہوں کیونکہ جب تک میں خود نہ سمجھوں جواب کیسے دوں اگر کوئی بیعت کی غرض سے آنا چاہتا ہے تو لکھ دیتا ہوں کہ اس غرض سے نہ آویں محض ملاقات ـــــ اور باتیں سننے کے لئے آنا ہو تو آجاویں ابہام کو میں پسند نہیں کرتا تاکہ یہ نہ ہو کہ دل میں تو لائے کچھ اور یہاں پائے کچھ اور ف :۔ اس سے حضرت والا کی سادگی معاملہ کی صفائی تکلف و تصنع سے سخت حذر. فعلاً بھی قولاً بھی اور ناپسندیدگی ابہام اظہر من الشمس ہے۔

(۱۸۱) فرمایا کہ دعوت اور ہدیہ میں حلال و حرام کو زیادہ نہیں دیکھتا کیونکہ میں متقی نہیں بس جو فتویٰ فقہی کی رو سے جائز ہو اسے جائز سمجھتا ہوں لیکن اس کا بہت خیال رکھتا ہوں کہ دین کی عزت میں کمی نہ ہو۔ دھوکہ نہ ہو۔ بوجھ نہ ہو یعنی گنجائش سے زیادہ نہ ہو نہ حالاً نہ قالاً یعنی دیتے وقت غلبہ محبت کی وجہ سے گرانی محسوس نہ ہو پھر نانی یاد آوے کہ افوہ دس دیدئے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کے دین کی عزت کا بہت خیال۔ اور عدم خداع۔ دوسرے کے گرانی قلب کا بے حد لحاظ ثابت ہے۔

(۱۸۲) فرمایا کہ امراء عموماً اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں بجز ان کے جنھوں نے صحبت اہل علم کی اٹھائی ہے۔ اہل علم خود جا جا کر گھستے ہیں مجھے تو بڑی غیرت آتی ہے۔ اپنی پیاز روٹی اچھی اس بریانی سے جس میں ذلت ہو اور امراء جو اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان امراء کو ایسے ہی اہل علم ملے جو قابل ذلت تھے اس لئے میں امراء کو بھی معذور رکھتا ہوں۔ ایک صاحب ذی استعداد اہل علم کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک دنیا دار فاسق فاجر شرابی کے یہاں کسی کی سفارش کے لئے پہونچے وہ ہواخوری کے لئے ٹمٹم پر جا رہا تھا کہا اس وقت فرصت نہیں پھر آیئے گا مولوی صاحب پھر پہونچے۔ پھر فرمایا کہ امراء کی کیا خطا۔

ف :۔ اس سے امراء سے سخت استغنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۳) فرمایا کہ میں تو چندوں کی بابت بھی علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ لوگ بڑی تہمت لگاتے ہیں بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کو مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں ان کے دروازہ پر چندے کے لئے کبھی نہ جائے۔ پھر فرمایا کہ اپنی ذات سے جو خدمت دین کی ہو وہ کردے۔ اگر چندہ نہ آوے نہ سہی۔ اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہو جاویں تو سلف

صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں ان کو ہرگز حاجت بڑے بڑے مکانوں کی نہ تھی۔ عالم اپنے گھر پر درس دیتا تھا لیکن اس حالت میں یہ رائے نہ دوں گا کہ مدرسے موقوف کر دیئے جاویں۔ مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے یہ موقوف نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے اعتدال سے تو نہ گزرے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی نفرت چندہ مانگنے سے۔ طرز سلف صالحین کی پسندیدگی اا ہر امر میں اعتدال کا پورا پورا لحاظ ثابت ہے۔

(۱۰۴) ایک صاحب نے کہا کہ عورتیں بہشتی زیور کو اس لئے اور بھی پسند کرتی ہیں کہ اس کی عبارت بہت آسان ہے فرمایا کہ جی ہاں اگر عبارت مشکل ہوتی تو وہ بہشتی زیور کیا ہوتا بہشتی عمامہ ہو جاتا یعنی دریچ۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی ظرافت اور حاضر جوابی صاف ظاہر ہے۔

(۱۰۵) ایک ذاکر صاحب کی مزید درخواست ذکر پر حضرت نے فرمایا کہ زیادہ ذکر کا تحمل ہو سکے گا۔ انھوں نے کہا اگر مصلحت ہو تو زیادہ بتلایا جاوے۔ اس پر حضرت نے ناخوش ہو کر اٹھا دیا کہ مجھ پر یہ بھی احتمال ہے کہ میں خلاف مصلحت بھی تعلیم کرتا ہوں۔ کھو دیا رسموں نے یہ بھی کہنا رسم ہے کہ اگر مصلحت ہو یہ نہ سمجھے کہ اس سے دوسرے معنی کیا لازم آگئے۔ جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو مسجد میں جا کر حضرت کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میری مجلس میں نہیں ہو تو میری طرف منہ کر کے کیوں بیٹھے ہو پھر فرمایا کہ کھو دیا رسوم نے۔

ف:۔ اس سے کس قدر تنفر رسوم سے اور شان تربیت ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۰۶) فرمایا کہ مجھے غدا جانتا ہے ذراسی بات بھی فضول ہو تو اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے وہ عقلاً منکر ہو لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جن کو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں۔

ف:۔ اس سے فضولیات سے سخت حذر صاف ظاہر ہے۔

(۱۰۷) فرمایا بحمداللہ یہاں رہ کر یہ تو ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ طریق اور غیر طریق میں تمیز ہو جاتی ہے۔ پھر چلنا اس کا فعل ہے لیکن خود چلنا تو جبھی ہو سکتا ہے جب رستہ معلوم ہو۔ آجکل یہ حالت ہے کہ کتابیں بھی ختم۔ مدرس بھی ہو گئے مگر آجتک یہ خبر نہیں کہ رستہ کیا ہے۔ لوگ زواید

میں بتلا ہیں مقاصد کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

ف :۔ اس سے تحدث بالنعمۃ ۔مقصود پر نظر۔ صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۸) ایک مدرس سے فرمایا کہ جتنی خدمت اختیار میں ہو وہ کرتا رہے۔ اگر بالکل روپیہ نہ رہے اور سب مدرسین مدرسہ کو چھوڑ چھوڑ چلے جاویں تو خود اکیلا ہی اپنے گھر پر طالبعلموں کو لیکر بیٹھ جاوے کیونکہ اس سے زیادہ پر اس کو اب قدرت نہیں رہی۔ کام کے کسی خاص درجہ کو مقصود کیوں سمجھے۔ کام سے مقصود تو رضا ہے اور وہ غیر اختیاری امور پر موقوف نہیں پھر فرمایا کہ یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں ان کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں ان کا ہرگز قصد نہ کرے۔ اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کی دین و دنیا دونوں درست ہو جائے۔ پریشانی تو ایسے شخص کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی۔ خدا سے اپنا دل لگائے رکھے جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا کی طرف لگ سکتا ہے ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا جمعیت بڑی دولت ہے مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جاوے اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں۔ بلکہ مفید ہے۔

ف :۔ اس ملفوظ سے حضرت کا کمال تجربہ و عقل اور شان تربیت و علم طریقت صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۹) ایک ہندو ہیڈ ماسٹر نے حضرت مولانا کی بڑی تعریف کی لیکن کہا کہ پرانے فیشن کے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تو فخر ہے کہ ہم پرانے فیشن کے ہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت کا پرانے فیشن کو موجب فخر سمجھنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۰) فرمایا کہ رائے پور کے سفر میں بہٹ کے قریب سے پیدل گیا گو شاہ زاہد حسین صاحب نہایت محبت سے پیش آتے ہیں اور نہایت خوشی سے سواری کا انتظام کر دیتے لیکن مجھے شرم آئی۔ حافظ فصیح الدین صاحب بہٹ میں اتر پڑے کیونکہ وہ پیدل نہ چل سکتے تھے۔ ان کے ساتھ میں نے شیخ رشید احمد صاحب کو بھیجا کہ بلا اطلاع کئے دروازہ تک پہنچا کر چلے آؤ کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں تنہا جانے میں ان کی سبکی بھی ہے اور خوف بھی ہے کہ کہیں کتا وغیرہ نہ پریشان کرے میں امرا کی خوشامد تو نہیں کرتا لیکن اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ان کے شان کے خلاف نہ ہو۔ حافظ صاحب سے میں نے کہہ دیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد آپ میری اطلاع کرنا کہ میں دور پہنچ جاؤں۔ گاڑی شیخ صاحب کے انتظار میں وہیں کھڑی رہی لیکن میں اتر کر پیدل چلنے لگا

تاکہ بہت سے جتنا بڑھ جاؤں اچھا ہے غرض اس کا بڑا اہتمام کیا کہ شاہ صاحب کو اطلاع نہ ہونے پاوے گو وہ بہت مخلص اور بڑے رئیس ہیں ان کے نزدیک ایک چھکڑا کر دینا کچھ بھی نہیں تھا لیکن مجھے خود اس کا سبب بننا ہرگز گوارا نہ ہوا۔ شرم آئی کہ ان سے ملنا تو گویا خود سواری مانگنا ہے۔ ہاں لوٹتے وقت ملنے کا خود ارادہ تھا۔ پھر اگلے روز وہ خود رائے پور آ گئے۔ اور واپسی میں انھوں نے خود اپنی ٹمٹم پر بٹھلایا اس میں میں نے ذرا عذر نہیں کیا۔ کیونکہ خود مانگنا تو تذلل تھا اور کہنے پر نہ جانا تکبر ہے۔ اور یہ دونوں برے۔

ف:۔ اس میں حضرت والا کی نفرت سوال سے نیز تملق امرا سے بدرجہ غایت ثابت ہوئی

(۱۹۱) فرمایا کہ الحمد للہ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت ہے یہاں تک کہ اس پر بھی غیرت ہوئی کہ شاہ صاحب کو (جن کا قصہ اوپر کے ملفوظ میں ہے) میری غیرت کا بھی حال معلوم ہو۔ اور اس غیرت کو بھی میں نے ان سے چھپایا تاکہ ان کی دلشکنی نہ ہو بلکہ ان سے کچھ اور عذر کر دیا تھا۔ پھر فرمایا کہ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سیکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں کہ جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے اس کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے۔ جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔

(۱۹۲) حضرت والا بلا جوابی ٹکٹ یا لفافہ کے جواب نہیں دیتے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ وہ جواب کا منتظر ہوگا بیرنگ بھیج دیا کیجئے۔ فرمایا کہ میں پہلے ایسا ہی کیا کرتا تھا لیکن بعضوں نے واپس کر دیا تھا پھر محصول مجکو اپنے پاس سے دینا پڑا جب یہ احتمال ہے تو میں کیوں نقصان برداشت کروں۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اپنا نام نہ لکھا کیجئے۔ فرمایا کہ اس صورت میں اگر اس نے واپس کیا تو سرکار کا نقصان ہے سرکار کا نقصان کرنا کہاں جائز ہے۔

ف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو ہے لاضرر ولاضرار فی الاسلام اس کے حضرت والا بالکل مصداق ہیں۔

(۱۹۳) فرمایا کہ حسن پور میں علیگڈھ کالج کے ایک طالب علم مجھ سے ملے پوچھا کہ میں نے سنا ہے

کہ آپ کو علیگڈھ کالج کے لڑکوں سے بہت نفرت ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی ذات سے تو نفرت نہیں ان کے افعال سے نفرت ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ مثلاً مجھ میں کون سے افعال ہیں۔ میں نے کہا کہ مجمع میں جتلانا خلاف تہذیب ہے۔ آیئے کوٹھری میں آپ کو بتلاؤں گا۔ وہ بھی ایک جلسہ میں نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ تھانہ بھون آیئے وہاں دو تین مہینہ میں تو باہم مناسبت ہوگی اور دل ملے گا۔ اس کے بعد میں آپ کے افعال سے مطلع کروں گا۔ اس وقت چونکہ دل ملا ہوا ہوگا آپ سمجھیں گے خیر خواہی سے کہہ رہے ہیں اس کا اثر بھی ہوگا۔ اس تقریر کا ان پر اثر ہوا وعظ میں بیٹھے رہے۔ ان پر دھوپ بھی آگئی۔ لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا لیکن وہیں بیٹھے رہے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ انھوں نے تو مجھ کو متعصبین میں داخل کیا۔ میں نے انکار بھی کیا اور اقرار بھی کیا میں نے کہا کہ ذات سے تو نفرت نہیں افعال سے ہے پھر فرمایا کہ اصلاح کے طریقے سے اصلاح کرنا نافع ہوتا ہے ورنہ محض دل دکھانا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا کمال عقل۔ خوش فہمی۔ رعایت مقتضا دین صاف ظاہر ہے

(۱۹۴) اس کا ذکر تھا کہ لڑکیوں کے لئے اچھے لڑکے بہت کم ملتے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے تو اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں تو صرف لڑکی ہونا دیکھا جاتا ہے اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کے لئے لڑکیاں بہت اور لڑکوں میں سیکڑوں باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ خوبصورت بھی ہو۔ وجاہت بھی رکھتا ہو۔ کھاتا پیتا بھی ہو غیرت بھی ہو۔ عہدہ بھی ہو۔ میں نے کہا کہ اگر اتنی شرطیں جتنی کہ تم لڑکوں میں لگاتی ہو لڑکیوں میں بھی دیکھی جاویں تو انشاء اللہ ایک لڑکی بھی شادی کے قابل نہ نکلے۔ اکثر بے سلیقہ اور نالائق ہوتی ہیں غرض لڑکوں میں بھی غالب نالائق ہی ہیں اور لڑکیوں میں بھی۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا کمال تجربہ حقیقت رسی صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۵) ایک نفیس قالین سہ دری میں بچھانے کے لئے حضرت خواجہ صاحب نے پیش کیا تو ان کی خوشی کے لئے بچھا لیا خطوط تحریر فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ دیکھئے جب قلم کو دوات میں ڈالکر اٹھاتا ہوں خیال ہوتا ہے کہ کہیں سیاہی گر کر دھبہ نہ پڑ جاوے الجھن ہونے لگی یکسوئی جاتی رہی مضامین کی آمد میں فرق آگیا اگر معمولی گدا ہوتا تو دھبہ پڑنے کا خیال بھی نہ ہوتا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اس کو معمولی ہی سمجھیں۔ دھبہ پڑنے کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ فرمایا کہ طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی کیونکہ ہر چیز کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا چاہتا ہوں پھر دوسرے دن

وہ اٹھادیا اور فرمایا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز پر بیٹھنے سے مجلس خواہ مخواہ بارعب ہوجاتی ہے۔ پاس بیٹھنے والوں پر رعب پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کسی کے قلب پر میری ذرا ہیبت نہ ہو۔ لوگ مجھ سے بالکل بے تکلف رہیں تاکہ جو کچھ جس کے جی میں آوے پوچھ سکے۔

ف:۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کے یہ صفات صاف ظاہر ہیں۔ ہر چیز کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا جو عین اتباع سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کلموا الناس علیٰ عقولھم یعنی لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنے کا حکم ہے تو چیزوں کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرنا تو مزید کمال ہوا۔ دوسرے اپنے مجلس والوں کے ساتھ بے تکلف رہنے کو چاہنا جو دوسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے۔ تیسرے اپنے احباب کی دلجوئی۔ جو تیسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے۔

(۱۹۶) حضرت والا ہمیشہ جائزہ لیکر زائد از ضرورت چیزوں کو فروخت کر دیتے ہیں اکثر مدرسہ سہارنپور میں فروخت کے لئے بھیجتے ہیں اور چوتھائی قیمت مدرسہ میں دیدیتے ہیں فرمایا کرتے ہیں کہ چاہے سابقہ کبھی نہ پڑے لیکن مجھے اس علم ہونے سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں اتنی چیزیں ہیں سبحان اللہ زہد عن الدنیا اسے کہتے ہیں۔ اور فروخت کردہ چیزوں کے متعلق کبھی یہ تفتیش نہیں فرماتے کہ کونسی چیز کتنے کو بکی۔ فرماتے ہیں کہ اگر اعتبار نہیں ہے تو وہاں بھیجنا ہی نہ چاہیے اور اگر اعتبار ہے تو پھر شبہہ نہ کرنا چاہیے۔ جتنے میں چاہیں بیچیں۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں مدرسین کے کام کی جانچ نہیں کرتا کیونکہ میں غیر معتبر مدرسین کو رکھتا ہی نہیں۔ پھر جب معتبر سمجھ کر رکھ لیا پھر روز روز کی جانچ کیسی اس میں ان کی بڑی ذلت ہے۔ یہ گوارا نہیں۔

ف:۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کے یہ صفات زہد عن الدنیا۔ کمال عقل و تجربہ۔ اہل دین کی ذلت کو گوارا نہ کرنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۷) حضرت والا اگر کسی طبیب سے علاج کراتے ہیں تو بالکل اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتے ہیں بلا اس سے دریافت کئے نہ کوئی چیز کھاتے ہیں نہ کچھ ردوبدل کرتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات کو پوچھ کر کرتے ہیں۔ غرض پورا پورا اتباع نہایت سختی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہاں اگر مناسب سمجھا گیا تو طبیب ہی کو بدل دیتے ہیں۔ مگر جس طبیب کا علاج ہوتا ہے اس کے علاج کے دوران میں اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا طبیب بھی اگر کوئی مشورہ دیتا ہے تو اسی طبیب سے اس مشورہ کو پیش کر کے اس کی رائے کے مطابق عمل فرماتے ہیں۔ غرض جو بات

ہے نہایت درجہ اصول اور قاعدہ کے موافق۔

(۱۹۸) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے حضرت کی چیزیں خریدنے کی خواہش کی فرمایا کہ اس شرط پر کہ بالکل آزادی کے ساتھ معاملہ کریں۔ میری خاطر سے نہ خریدیں۔ اور قیمت تیسرے شخص سے تشخیص کرائی جاوے یا بازار سے اندازہ قیمتوں کا کرا منگایا جاوے۔ اور مجکو قیمتوں کی اطلاع کی ضرورت نہیں جو مجموعی قیمت طے پاوے وہ دیدی جاوے بشرطیکہ اس پر آپ بھی نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ لینے پر تیار رہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صفائی معاملات تو حضرت پر ختم ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ حسن معاشرت۔ علم معرفت۔ زہد و تقوی۔ شفقت و ایثار وغیرہ من الاوصاف کثیرہ سبھی باتوں میں ہمارے حضرت بفضلہ تعالیٰ یگانہ روزگار ہیں جیسا کہ ملفوظات بالا سے اظہر من الشمس ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ؏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری ؏

اللہ تعالیٰ نے حضور کے وجود باوجود کو بایں فیوض و برکات مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے اور ہم لوگوں کو اخذ فیوض کی توفیق دیں آمین ثم آمین۔

(۱۹۹) فرمایا کہ میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سرا سر عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کی بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے۔ اس کو دھوکہ ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رہا ہے اس لئے مجھے کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔

ف:۔ لفظ لفظ سے عبدیت کا غلبہ ظاہر ہے۔

(۲۰۰) فرمایا کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری وجہ سے اپنے کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجیو۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لئے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہئے۔ بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ چاہے مجھے کہہ سن بھی لے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں معاف بھی نہ کر دیا کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہو

تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اس کی نیکیاں جو ملیں گی۔ فرمایا کہ ایسی قانونی نیکیاں لیکر میرا کیا بھلا ہو سکتا ہے اور اگر یہ فعل میرا مقبول ہو گیا تو اس کی بدولت انشاء اللہ مجھے نیکے (یعنی نیکی کا مذکر) ملیں گے۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی حساب کتاب کرنے سے کہیں کام چل سکتا ہے۔ کیا اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک شخص کو بلا استحقاق کے نیکیاں دیدے۔ کیا اس کے یہاں نیکیوں کی کمی ہے۔ یہی خیال کیوں نہ رکھے۔ پھر فرمایا کہ میں تو اس لئے سب کے حقوق معاف کر دیتا ہوں کہ اگر یہ فعل مقبول ہو گیا تو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اوروں سے ان حقوق کو جو میرے ذمہ ہیں خود ہی معاف کرا لیں گے

ف:۔ اس سے عفو و حلم شفقت۔ خوف و خشیت از حق سب بدرجہ اتم ظاہر ہے۔

(۲۰۱) فرمایا کہ مشہور ہے کہ یک من علم را دہ من عقل می باید۔ اس پر ایک حکایت بیان کی کہ ایک مشہور مولوی صاحب سے ایک صاحب نے جو بہت موٹے تھے اور جن کا پیٹ آگے کو بہت بڑھا ہوا تھا یہ پوچھا کہ میں موئے زیر ناف کس طرح لیا کروں کیونکہ پیٹ بڑھ جانے سے وہ موقع نظر نہیں آیا اور بدون دیکھے اندیشہ استرہ لگ جانے کا۔ اس پر مولوی صاحب نے بتلایا کہ بیوی سے بال اتروا لیا کرو پھر انہوں نے مجھ سے یہی سوال کیا لیکن ان مولوی صاحب کا جواب مجھ کو نہیں بتلایا تھا میں نے کہا کہ چونہ ہڑتال لگا کر نورہ کر لیا کرو بال خود بخود جھڑ جائیں گے اس جواب کو سنکر وہ بہت خوش ہوئے پھر انہوں نے کہا کہ اُن مولوی صاحب نے تو یہ بتلایا تھا کہ بیوی سے بال اتروا لیا کرو۔ میں سخت پریشان تھا کہ بیوی سے یہ کام کیسے لوں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ بڑی مصیبت سے نجات دی۔ پھر فرمایا کہ واقعی بالکل سچ ہے کہ یک من علم را دہ من عقل باید۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی سلامتی فہم۔ جامعیت۔ حکمت۔ رعایت متضادین صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ کیا کہوں ایسی طبیعت ہے کہ ذرا سی بے جوڑ بات سے بھی نہایت الجھن ہوتی ہے مسجد کے ٹاٹ پر ایک دن سیاہی گر گئی۔ فوراً اس دھبہ کو دھلوایا فرمایا کہ دھبوں کو میں دیکھ نہیں سکتا اس قدر خلجان ہوتا ہے۔ چاہے کپڑا میلا ہو ہوا ایک سا اگر کبھی کپڑوں پر کوئی دھبہ پڑ جاتا ہے تو یا تو فوراً اس کو دھلواتا ہوں ورنہ کپڑے بدلتا ہوں۔ ہر چیز میں موزونیت کو طبیعت ڈھونڈتی ہے ذرا کوئی بے جوڑ بات ہوئی اور مجھے پریشانی ہوئی۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی طبیعت کا موزونیت جو ہونا ثابت ہے۔

(۲۰۳) فرمایا کہ مجھ میں الفت کا بے حد مادہ ہے لیکن الحمد للہ میں اس سے مغلوب نہیں ہوتا چنانچہ ایک نو عمر طالب علم سے مجھے بہت محبت تھی لیکن بوجہ بعض بے عنوانیوں کے مجھے اس کے نکال دینے

میں ذرا تامل نہیں ہوا۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بس نرم بات کہنا غضب ہے میرا دل فوراً پانی پانی ہوجاتا ہے چنانچہ جب اس طالب علم نے ایک تحریر شتا قانہ طرز پر لکھی تو میں نے اس کو آنے کی اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنے اطوار کو ٹھیک رکھیں۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی صفات الفت وغلبہ عقلیت و نرم خوئی بدرجہ اتم ثابت ہے

(۲۰۴) فرمایا کہ ہمارے یہاں تو بس اپنی نیند سوؤ۔ اپنی بھوک کھاؤ چین کی زندگی بسر کرو۔ ہاں حدود کے اندر رہو۔ یہاں بحمدللہ نہ کسی کی لگائی نہ کسی کی بجھائی۔ آزادی بڑی ہے۔ ذاکرین شاغلین کی بابت اس کی بھی نگرانی نہیں کرتا کہ کون شخص جماعت میں شریک ہے کون نہیں۔ ہاں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا جاوے جس سے دوسروں کو تکلیف یا ایذا پہونچے۔ یا دوسروں کے ضلال کا اس میں اندیشہ ہو یا صریح خلاف شریعت ہو۔ باقی اگر ایک آدھ وقت کی جماعت فوت بھی ہوگئی تو کونسا ایسا بڑا جرم ہوگیا۔ بعض ذاکرین کو میں دیکھتا ہوں کہ آجکل رمضان میں صبح کو سو جاتے ہیں۔ بعد سورج نکلنے کے نماز پڑھتے ہیں کوئی تنبیہ نہیں کرتا نہ یہ دیکھتا ہوں کہ کون کام کر رہا ہے کون نہیں۔ کون تہجد کو اٹھتا ہے کون نہیں۔ کیونکہ ان باتوں کا تعلق حق تعالےٰ کے ساتھ ہے۔ باقی جن باتوں کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ان کی بابت مجھے خاص طور سے اہتمام ہے کہ مخلوق کو دوسرے سے کیوں ایذا پہونچے۔ ؎

میاش در پے آزار ہرچہ خواہی کن ❁ کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

ف:۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا کس قدر اہتمام حق العبد کے متعلق ہونا ثابت ہے۔

(۲۰۵) فرمایا کہ حالات باطنی تو بہت ہیں مگر ان میں کامل وہ ہے جو سنت کے ساتھ زیادہ موافق ہو۔ بس معیار یہ ہے۔

ف:۔ یہ ملفوظ بھی اتباع سنت کے تعلیم کے اہتمام پر دال ہے۔

(۲۰۶) حضرت کا معمول ہے کہ اگر کوئی وظیفہ یا عمل کسی حاجت کے لئے کوئی پڑھوانا چاہتا ہے تو اس کی مناسب اجرت پڑھنے والے طالبعلموں کو پڑھانے والے سے دلواتے ہیں۔ ایک صاحب نے اولاد کے محفوظ رہنے کے لئے اجوائن اور سیاہ مرچ پڑھوانی چاہی اس کے لئے اکتالیس سورۂ والشمس پڑھی جاتی ہے۔ ایک بار تو حضرت خود پڑھ دیتے ہیں اور چالیس مرتبہ کسی غریب طالب علم سے پڑھوا دیتے ہیں اور سہ دلواتے ہیں چنانچہ پیشتر تحقیق کیا کہ کون صاحب زیادہ غریب ہیں۔ ایک صاحب کو حضرت نے تجویز فرمایا جو عیالدار ہیں یعنی بہت سے متعلقین ان کے ذمہ ہیں لیکن

ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ عیالدار بھی ہیں مزاح میں فرمایا کہ ایال دار تو ہیں لیکن دم دار نہیں ہیں (یعنی بیوی نہیں ہے) چار آنہ پیسہ ان کو دے کر فرمایا کہ یہ بلا کراہت جائز ہیں۔ کیونکہ یہ رقیہ ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے پھر فرمایا کہ گو عرفاً یہ اتنی اجرت کا کام نہیں لیکن جو نفع اس سے متوقع ہے اس کے مقابلہ میں ہر آنہ کیا چیز ہے یعنی چار آنہ وہ اس امید پر دیتا ہے کہ بچہ کھلانے کو مل جاوے گا۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا صفائی معاملہ کہ کسی پر کسی کا بار بلا اجرت نہ رکھنا۔ مزاح نظر برحقیقت۔ دلجوئی فقرا صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۷) فرمایا کہ مجھے فضول عبارت سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ غیر ضروری مضامین کی آمیزش سے سخت کلفت ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھے یہ تو معلوم ہوتا نہیں کہ یہ فضول ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فضول عبارت کیوں لکھیگا۔ اس لئے سب کا جوڑ لگاتا ہوں۔ اس وجہ سے اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اپنے نزدیک تو توضیح کی غرض سے ایسا کہا جاتا ہے فرمایا کہ غیر ضروری توضیح سے تو اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

ف :۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو حق تعالےٰ نے ایسی فطرۃً موزونیت طبع عطا فرمائی ہے کہ افراط تفریط سے بالکل مبرا ہے۔

(۲۰۸) بھوپال سے ایک خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ جناب قاضی صاحب بوجہ علالت ایک سال کی رخصت لینا چاہتے ہیں ما محہ مشاہرہ میں سے صہ ماہوار خود لیں گے اور ما قدسہ تم کو ملیں گے۔ چونکہ یہ امر عظیم ہے بدون بڑوں کے مشورہ کے کرنا مناسب نہیں۔ اس وجہ سے عرض ہے کہ اس عہدہ کے فرائض اور منافع و مضار کو غور فرما کر رائے تحریر فرمایئے مگر رائے محض عقلی نہیں چاہتا بلکہ آپ کے قلب مبارک میں جو آئے وہ تحریر فرمایئے۔

تحریر فرمایا کہ جس امر میں مشورہ لیا ہے اول تو امر عظیم میں مشورہ دینا عقلا ہی کا کام ہے اب اپنے مجمع میں مولانا رائے پوری ہیں جنکے قلب کو بابرکت کہا جا سکتا ہے وہاں رجوع فرمانا مناسب ہے۔ باقی اپنے قلب کی کیفیت اس مضمون کے پڑھنے کے وقت جو ہوئی وہ بھی عرض کئے دیتا ہوں حسب الحکم۔ وہ یہ کہ قلب اس سے ابا کرتا ہے خواہ یہ ابا روجدانی ہو یا اس لئے ہو کہ قضا امر خطیر ہے اور اس کے اختیار کرنے پر کوئی مجبوری و اضطرار ہے نہیں نہ تو کسی کے اکراہ سے اور نہ اس سے کہ دوسرے وجوہ معاش بند ہیں۔ نیز چند روز کے لئے اور بھی بدنامی ہے لوگ کہیں گے کہ روپیہ کے

طبع میں ایک نوکری یا ایک کام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے۔ نیز یہ معاملہ تجزیہ تنخواہ کا بھی اشرح صدر کے ساتھ سمجھ میں نہیں آیا گو تاویلیں ذہن میں آتی ہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا انکسار اور اپنے احباب کی رعایت سے مشورہ حسن بلا تکلف دینا صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۹) فرمایا کہ میرے جو ملازم تنخواہ دار ہیں ان کو بھی جب تنخواہ دیتا ہوں یا کبھی کوئی انکی مالی قدمت کرتا ہوں تو روپیہ پیسہ کبھی ان کی طرف پھینکتا نہیں بلکہ سامنے رکھ دیتا ہوں یا ہاتھ میں دیتا ہوں۔ جیسے ہدیہ دیتے ہیں۔ پھینکنے میں ان کی اہانت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک تحقیر کی صورت ہے اور ملازم کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ نوکری ایک قسم کی تجارت ہے تجارت میں کبھی اعیان کا مبادلہ اعیان سے ہوتا ہے کبھی اعیان کا مبادلہ منافع سے ہوتا ہے اور منافع میں منافع بدنیہ ارفع ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نوکر نے اپنی جان پیش کی جو اس مال سے کہیں افضل واعلیٰ ہے۔ منافع بدنیہ کو پیش کرنا یہ زیادہ ایثار ہے۔ پس تجارات میں اجارات زیادہ افضل ہیں تو اس کے تحقیر کی کیا وجہ۔ میں کبھی ان معمولات کو بحمد اللہ بیٹھ کر سوچتا نہیں سب امور طبعیہ ہیں۔ خود بخود ذہن میں آتے ہیں۔ جتلانا مقصود نہیں۔ احسان کرنا مقصود نہیں۔ اپنے دوستوں سے صرف اس لئے ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ باتیں کانوں میں پڑ جائیں تاکہ حقوق العباد کا خیال کریں اور عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور کوئی غرض سنانے سے نہیں۔

ف :۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کی سلامت طبع۔ حقیقت شناسی اخلاص۔ شان تربیت تاکید حقوق العباد صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۰) فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہاں پر کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہنچا سکتا خود میرے اصول اور قواعد ایسے ہیں کہ اس کے خلاف کی کوئی ہمت نہیں کر سکتا اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دی جاتی تو یہاں پر بھی سلسلہ جاری ہو جاتا۔ چنانچہ حاجی عبدالرحیم صاحب جو بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی میں نے فوراً آدمی بھیجکر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں حاجی جی نے کہا کہ غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں سے کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعوے کیا ہے لہذا ثبوت دو۔ ثبوت تمہارے ذمہ ہے۔ ثبوت ندارد۔ کہنے لگیں کہ لو یہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت کر دیتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا نصیحت کرتا ہوں۔ یہ سلسلہ روایات

اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جہاں یہ سلسلہ ہو وہاں ہر وقت ہر شخص کو یہ شبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم میری طرف سے کسی نے کیا کہہ دیا ہوگا اور کہنے سے کیا کیا خیالات پیدا ہو گئے ہوں گے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا تنفر سلسلہ روایات سے اور شان تربیت اور تصلب فی الدین پابندی ضوابط صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۱) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو روایات سنتے ہی نہ تھے شروع ہی میں رد کر دیتے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب معمول تھا کہ سب سن لیتے تھے دوسرے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پر بڑا اثر ہو رہا ہے۔ اور جب بیان کرنے والا خاموش ہو جاتا تو حضرت بے تکلف فرما دیتے کہ سب غلط ہے وہ شخص ایسا نہیں اور اس کہنے کا یہ مطلب تھا کہ چاہے واقع میں صحیح ہو مگر چونکہ شرعی شہادت نہیں اس لئے اس کے ساتھ کذب کا سا معاملہ کیا جاوے یہی محل ہے اس آیت کا فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون۔ عند اللہ سے یہاں مراد ہے فی دین اللہ۔ فی قانون اللہ یعنی شریعت کے قانون کی رو سے تم جھوٹے ہو۔ تمہارا کہنا سب غلط ہے پس اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہ رہا کہ محتمل الصدق کو جزماً کیسے کاذب فرما دیتے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی صاف مستنبط ہے کہ حسن ظن کے لئے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

ف :۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کی قوت استنباط تطبیق متضادین صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ بڑوں کو حوصلہ ہوتا ہے وہ درپے آزار نہیں ہوا کرتے اور نہ ضرر پہنچاتے ہیں۔ چھوٹے ہی نقصان پہنچایا کرتے ہیں اس لئے ویسرائے سے اتنے ڈرنے کی ضرورت نہیں جتنی کانسٹیبل سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کا تجربہ ظاہر ہے۔

(۲۱۳) فرمایا کہ جو تعظیم دفع ظلم کے لئے کی جاتی ہے وہ درحقیقت ذلت ہی کہلاتی ہے حقیقی تعظیم تو یہ ہے کہ دل میں وقعت وعظمت ہو گو بظاہر تعظیم نہ ہو۔ محض ظاہری تعظیم کی حقیقت اس مثال سے سمجھ میں آجائے گی۔ مثلاً خدانہ کرے یہاں پر اس مجلس میں سانپ نکل آئے تو سب تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاویں گے مگر اس کے ساتھ ہی جوتہ کی تلاش ہوگی پس اس سے زیادہ وقعت نہیں ظاہری تعظیم کی۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی معنی رسی اور قوت تمثیل صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۴) ایک صاحب نے استفتا پیش کرکے عرض کیا کہ اگلے جمعہ کو اس کا جواب لے لیا جائیگا اس لئے کہ جلدی جواب ہو نہیں سکتا فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔ مگر اگلے جمعہ تک یہ کاغذ امانت کس کے پاس رہے گا۔ کیونکہ کام کی کثرت کی وجہ سے مجھ پر اس کا بار ہوتا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کی سہولت کیلئے ایسا عرض کیا گیا فرمایا یہ بھی صحیح ہے مگر جس وقت لکھ کر تیار ہو جاوے آخر کس کو دوں تاکہ امانت کا بار نہ رہے۔ عرض کیا کہ حافظ صاحب کو دیدیں فرمایا کہ آپ یہی بات ان سے کہلوا دیں کیا خبر ان کو قبول بھی ہے یا نہیں اگر آکر وہ مجھے کہدیں میں ان کو دیدوں گا حافظ صاحب نے آکر عرض کیا کہ حضرت جواب تحریر فرما کر مجکو دیدیا جاوے فرمایا دیکھئے میں اس قدر احتیاط کرتا ہوں کہ براہ راست ان سے کہنا نہیں چاہا شاید میرے اثر سے عذر نہ کرتے۔ انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو اب حافظ صاحب نے ان کے کہنے سے بار اٹھایا اگر میں خود ان کے سپرد کرتا تو اس وقت میری طرف سے سمجھا جاتا۔ اس صورت میں ان کا جی چاہتا یا نہ چاہتا قبول کرتے مجکو اتنا بھی کسی پر بار ڈالنا گوارا نہیں حاصل انتظام کا یہ ہے کہ نہ اپنی طرف سے کسی دوسرے پر بار ہو نہ دوسرے کا اپنے اوپر بلا ضرورت بار ہو۔ اس قدر تو میں رعایتیں کرتا ہوں اور پھر بھی سخت مشہور کیا جاتا ہوں۔

ف :۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کا عمل بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را بکسے کارے نباشد

اسی طرح قوت انتظامیہ بھی صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۵) فرمایا کہ مجکو ڈاک کا بڑا اہتمام ہے کہ روز کے روز فارغ ہو جاؤں اس میں طرفین کو راحت ہوتی ہے ادھر تو میں فارغ مجھے راحت۔ ادھر خط کا جواب پہنچ جائے اس کو راحت۔ انتظار کی تکلیف نہ ہو۔ دور دراز سے خطوط آتے ہیں جن میں نئی نئی ضروریات ہوتی ہیں اس لئے روزانہ ڈاک نمٹا دیتا ہوں۔ اپنی طرف سے اس کا انتظام رکھتا ہوں کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو اور انتظار کی تکلیف تو مشہور ہی ہے۔

(۲۱۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت قصبہ میں ایک عالم مدرس کی ضرورت ہے اگر حضرت مولوی صاحب سے فرما دیں اور وہ قبول فرمالیں تو اہل قصبہ کو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوگا۔ فرمایا کہ فرمانا تو بڑی چیز ہے میں تو ایسے معاملات میں رائے بھی کسی کو نہیں دیتا بلکہ خود صاحب معاملہ کے مشورہ لینے پر بھی کہدیتا ہوں کہ مجکو آپ کے مصالح اور حالات کا کماحقہ علم

نہیں۔ میں مشورہ سے معذور ہوں آپ خود اپنے مصالح پر نظر کر کے جو اپنے لئے بہتر مناسب خیال کریں عمل کریں ہاں دعا سے مجکو انکار نہیں۔ عافیت اسی میں ہے کہ کسی کے معاملات میں دخل نہ دے۔ ہر شخص کو آزادی رہے۔ البتہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔ مولوی صاحب یہاں پر موجود ہیں ان سے خود تمام معاملات طے کر لئے جاویں۔ میری طرف سے بالکل آزادی ہے میرا معمول ہے کہ اگر دونوں طرف جائز بات ہو تو کسی جانب پر مجبور نہیں کرتا بلکہ دونوں طرف آزادی دیتا ہوں حتی کہ اگر کسی ایک شق میں میری بھی کوئی مصلحت ہو تب بھی اپنے مصالح پر ان کے مصالح کو ترجیح دیتا ہوں اور نہایت صفائی کے ساتھ اپنی اس تخییر کو ظاہر کر دیتا ہوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے میری کوئی بات الجھی ہوئی نہیں ہوتی۔ ہر بات نہایت صاف ہوتی ہے اگر مخاطب ذرا بھی فہیم ہو تو فوراً سمجھ میں آجاتی ہے۔

ف:۔ اس سے حضرت والا کی صفائی معاملات دوسرے کے معاملہ میں دخل نہ دینا۔ کسی پر بار نہ ڈالنا۔ کسی کی آزادی میں نیز اپنی آزادی میں خلل نہ ڈالنا صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۷) فرمایا کہ اگر کوئی اپنے معاملہ میں مباح شق کو اختیار کرے میں اس کے ساتھ موافقت کر لیتا ہوں اس میں آدمی بہت ہلکا رہتا ہے۔ بحمد للہ کسی شق کو ترجیح دیکر کسی پر حکومت نہیں کرتا کوئی بات بھی میری ایسی نہیں ہوتی جس سے دوسرے کو شبہ بھی ہو کہ یہ حکومت کی راہ سے کہہ رہا ہے اور اس کا خیال میں اس وجہ سے رکھتا ہوں کہ نہ معلوم دوسرے کا جی چاہے کرنے کو یا نہ چاہے تو نہ کسی بات کے کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ کسی بات سے منع کرتا ہوں۔ مولوی صاحب کے جانے سے اول وہلہ میں خیال ہوا کہ جو کام ان کے سپرد تھا اس کام کو کون کرے گا میں نے قوت سے اس خیال کی مقاومت کی اور یہ سمجھ لیا کہ مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم۔ ھو العزیز میں بتلا دیا کہ وہ بڑے قادر ہیں جو کام بند ہو اس کو جاری کر سکتے ہیں اور جاری کو بند کر سکتے ہیں اور اگر اس بند ہونے سے یہ وسوسہ ہو کہ اس سے تو دین کا نقصان ہوگا تو الحکیم میں فرما دیا کہ ہم حکیم بھی ہیں اگر بند ہی کر دیں تو اس میں حکمت ہوگی۔

ف:۔ اس سے حد شریعت تک دوسرے کو آزادی دینا۔ اپنا دباؤ نہ ڈالنا۔ مقاومت نفس توکل و تفویض سب صفات ظاہر ہیں۔

(۲۱۸) مولانا نے فرمایا کہ ایک لکچرار آریہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ

پوچھ سکتا ہوں میں نے کہا ضرور پوچھئے معلوم ہوگا عرض کردوں گا نہ معلوم ہوگا لاعلمی ظاہر کردوں گا اس نے سوال کیا کہ مثلاً دو شخص ہیں انہوں نے ایک نیک کام کیا ایک نیت ہے ایک ہی کام ہے اس کام کا ایک ہی نفع ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک فاعل مسلم اور ایک غیر مسلم تو کیا ان دونوں کو اجر و ثواب برابر ہوگا یا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مقصود اس کا یہ ہے کہ جواب تو یہی ملیگا کہ مسلم کو اجر و ثواب ہوگا اور غیر مسلم کو نہ ہوگا اس جواب پر اس کو گفتگو کی گنجائش تھی کہ یہ حکم میں تو بڑا تعصب ہے حالانکہ اس کا جواب ظاہر تھا کہ اذا فات الشرط فات المشروط مگر میں نے اس کو اتنی بھی گنجائش نہیں دی دوسرے طرز پر جواب دیا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے شائستہ اور مہذب اور دانشمند ہو کر ایسی بات پوچھتے ہیں جس کا جواب آپ کو معلوم ہے کہنے لگا کہ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا جواب مجھے معلوم ہے میں نے کہا کہ اس کے مقدمات آپ کے ذہن میں پہلے سے ہیں اور مقدمات کے لئے مطلوب لازم ہے۔ جب مقدمات کا علم ہے تو نتیجہ کا بھی علم ہے کہنے لگا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کے مقدمات میرے ذہن میں پہلے سے ہیں میں نے کہا میں ابھی بتاتا ہوں۔ سنئے آپ کو معلوم ہے کہ مذاہب مختلفہ سب تو حق ہو نہیں سکتے ضرور ایک ہی حق ہوگا اور باقی سب باطل۔ یہ معلوم ہے آپ کو۔ کہا جی معلوم ہے۔ میں نے کہا ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب یہ تبلائیے کہ صاحب حق مثل مطیع سلطنت کے ہے اور صاحب باطل مثل باغی سلطنت کے یہ آپ کو معلوم ہے۔ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا ایک مقدمہ یہ ہوا۔ آگے سنئے۔ ایک شخص مطیع سلطنت ہے اور ایک باغی سلطنت اور وہ باغی سلطنت ایک بڑا ڈاکٹر ہے جو بہت بڑا ماہر فن ہے۔ انگریزی کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے۔ بیدار مغز ہے۔ دنیا میں اس کا ثانی نہیں مگر باوجود ان سب کمالات کے اس میں ایک بات ایسی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کے یہ سب کمالات گرد ہیں اور وہ باغی ہونا ہے کہ سلطنت سے بغاوت کرتا ہے۔ اس پر گورنمنٹ اسکو پھانسی کا حکم دیتی ہے اس وقت اگر کوئی کہے کہ ہائے بڑا ظلم ہے محض بغاوت کے الزام میں پھانسی کا حکم دیدیا حالانکہ یہ شخص ایسا تھا ویسا تھا تو کیا عقلاء کے نزدیک یہ اعتراض صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں میں نے کہا بس اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھئے۔ دیکھئے یہ آپ کے ذہن میں پہلے سے تھا یا نہیں کہنے لگا ہاں۔ پس ایسی حالت میں سوال کرنا استفادہ یا افادہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حاصل اس سوال کا یہ نکلتا ہے کہ میں اپنی زبان سے آپ کو کافر کہوں۔ اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی منشا میرا یہی تھا کہ ایسی زبان سے کافر سننا چاہتا تھا۔ ایسی زبان سے کافر سننا میرے لئے

لذت کا باعث ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ کی خوبی ہے۔ مگر میرے لئے نہایت بدنما بات ہے۔ میری اسلامی تہذیب مانع ہے کہ میں بلاضرورت آپ کو کافر کہوں۔

بلاضرورت کی قید اس لئے لگائی کہ کافر تو ہم کہتے ہیں مگر بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھا کریں یہ بھی نہیں وہ شخص بیحد متاثر ہوا۔ ف :۔ اس سے حضرت والا کی عقل سلیم۔ رسائی ذہن۔ بلاضرورت کافر کو کافر نہ کہنا۔ مخالف و معاند سے بھی عنوان شائستہ کو استعمال کرنا صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۹) ذیل کے احادیث سے جو امور حضرت والا نے مستنبط کئے ہیں اس سے حضرت والا کی قوت استنباط ظاہر ہے۔

(۱) الحدیث۔ من اخون الخیانۃ تجارۃ الوالی فی رعیتہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ صاحب حکومت اپنی رعیت میں تجارت کرے حفنی نے اس کو عام کہا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے معاملہ کرتے ہوئے لوگوں کو دبنا پڑے گا۔ اور اس سے تنگی ہوگی۔ نیز اس میں ایک خود غرضی کی بھی صورت ہے کہ اگر ایسی تجارت کے متعلق کوئی قانون مقرر کیا جاوے خواہ اس میں رعایا کی کیسی ہی مصلحت مضمر ہو مگر عام طور سے یہی شبہ ہوگا کہ اپنے نفع کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اسی علت کے اشتراک سے صاحب افادہ کو بھی ایسی چیزوں کی تجارت مناسب نہیں جن کا تعلق استفادہ سے ہے مثلاً یہ شخص بعض خاص کتب کے مطالعہ کی ان کو رائے دیتا ہے اگر یہ ان کتب کی تجارت کرے گا تو یہ شبہ ضرور ہوگا کہ اپنی کتابیں فروخت کرنے کیلئے یہ رائے دی گئی ہے اور اس شبہ کا مانع وصول برکات ہونا ظاہر ہے تو شیخ کو ایسے امر مانع کا سبب بننا مناسب نہیں بلکہ اگر کوئی دوسری تجارت کرے تو اپنے زیر اثر لوگوں سے معاملہ نہ کرے۔

(۲) الحدیث من فقہ الرجل ان یصلح معیشتہ ولیس من حب الدنیا طلب مایصلحک آدمی کی خوش فہمی کی بات ہے کہ اپنے معاش کا مناسب انتظام کرے اور جو چیز تمہارے مصلحت کی ہو اس کو طلب کرنا حب دنیا میں داخل نہیں۔ فرمایا اس حدیث سے ان لوگوں کا جہل ظاہر ہوگیا جو اہل اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ درویش ہو کر تجارت کیوں کرتے ہیں یا جائداد کیوں خریدتے ہیں، ملازمت کیوں کرتے ہیں۔

(۳) الحدیث من اتی فراشہ وھو ینوی ان یقوم یصلی من اللیل فغلبتہ عینہ حتی یصبح کتب لہ ما نوای وکان نومہ صدقۃ علیہ من ربہ۔ یعنی جو شخص سونے کے لئے اپنے بستر پر آنے کے وقت یہ نیت رکھے کہ بیدار ہو کر رات کی نماز پڑھوں گا پھر صبح تک اس کی

آنکھ لگ گئی تو اس کے لئے اس کی نیت کئے ہوئے عمل کا (یعنی صلوٰۃ اللیل کا) اجر لکھا جاویگا اور اس کا وہ سونا اس کے رب کی طرف سے انعام ہوگا فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی معذوری کے ناغہ پر زیادہ قلق نہ کیجئے کیونکہ اصل مقصود یعنی ثواب سے محرومی نہیں ہوئی اور یہی مذاق ہے محققین کا اور عام سالکین حد سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں جو ظاہراً علامت ہے حب دین کی جو نافع ہے لیکن یہ پریشانی مفرط اپنے اثر کے اعتبار سے مضر ہوتی ہے کہ قلب میں ضعف ہو کر تعطل اعمال کی طرف مفضی ہو جاتی ہے۔

(۴) الحدیث - من اتته هدية وعنده قوم جلوس فهم شركاءه فيها یعنی جس شخص کے پاس ہدیہ آوے اور اس کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو وہ سب اس ہدیہ میں اس کے شریک ہیں فرمایا کہ قواعد شرعیہ حدیث کو اطلاق ظاہری پر محمول کرنے سے مانع ہیں کیونکہ تملک تابع ہے تملیک کے اور تملیک تابع ہے نیت کے اور اپنی مملوک چیز بلا سابقہ وجوب کے کسی کو دینا تبرع ہے اور تبرع میں لزوم نہیں ہوتا پس حدیث یا تو محمول ہے مکارم اخلاق پر جیسا بعض اہل طریق کا معمول ہے جو اہل وعیال نہیں رکھتے کیونکہ صاحب عیال پر مقدم حق عیال کا ہے پھر فاضل سے دوسروں کو نفع پہونچانا چاہئے۔ اور مفید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قرائن سے معلوم ہو جاوے کہ مہدی کا مقصود سب کو دینا ہے مگر ادب کے سبب صدر مجلس کے روبرو پیش کر دے کہ وہ اپنے انتظام سے سب کو تقسیم کر دے جیسے اکثر اہل تمدن کی عادت عالیہ ہے باقی اگر قراین سے خاص شخص کو مالک بنانا مقصود معلوم ہو تو اس میں طلباء کو شریک کرنا واجب نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملوک نے ہدایا بھیجے کہیں منقول نہیں کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جلساء کو شریک فرمایا ہو۔

(۵) الحدیث - من اتقى الله عاش قويا وسار امنا في بلاده یعنی جو شخص اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے وہ قوی رہ کر زندہ رہتا ہے اور خدائے تعالےٰ کے ملک میں بے فکری سے چلتا پھرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے دشمن کے ملک میں بے فکر پھرتا ہے۔ فرمایا کہ جس کا دل چاہے مشاہدہ کر لے کہ اہل اللہ پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی جس سے وہ پریشان ہو جائیں اور ان کی ہیبت سب پر ہوتی ہے الا العارض نادر۔

(۶) الحدیث - من تطبب ولم يعلم منه طب فهو ضامن یعنی جو شخص کسی کا علاج کرے اور اس کی طب کا (ماہرین کو) علم نہ ہو تو اس پر ضمان لازم ہے (اگر کوئی غلطی ہو جائے تو

آخرت میں معصیت کے سبب) فرمایا کہ اشتراک علت سے یہی حکم ہے اوس شخص کا جو طب روحانی نہ جانتا ہوا ور پھر منصب مشیخت کا مدعی بن کر طالبین کی رہزنی کرنے لگے بلکہ یہ زیادہ قابل شناعت ہے کیونکہ طبیب جاہل صرف جان یا ابدان میں تصرف کرتا ہے اور یہ پیر جاہل ایمان وادیان میں تصرف کرتا ہے فاین ھذا من ذالك۔

(۷) فرمایا کہ حدیث میں ہے من امر بمعروف فلیکن امرہ بمعروف یعنی جو شخص کسی کو کسی اچھی بات کی نصیحت کرے سو اس کی نصیحت اچھے طریق سے (یعنی نرمی و خیر خواہی کیساتھ) ہونا چاہیے۔

(۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے من نیتتل فلیس منا یعنی جو شخص نکاح نہ کرے (باوجود تقاضائے نفس و قدرت کے) وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے (کیونکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا ہے کہ وہ نفس نکاح کو وصول الی اللہ سے مانع سمجھ کر اس کے ترک کو عبادت سمجھتے ہیں) پھر فرمایا کہ یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو اسی بنا پر بے نکاح رہتے ہیں باقی اگر کسی کو عذر بدنی یا مالی یا دینی ہو وہ مستثنیٰ ہے۔ بدنی و مالی تو ظاہر ہے دینی یہ کہ نکاح کے بعد ضعف ہمت کے سبب دین کی حفاظت نہ کر سکے گا۔

(۲۲۰) فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجکو امور تکوینیہ کے مصالح سے مناسبت ہی نہیں۔ قلب کی یہ کیفیت ہے کہ جب تک اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رہتا ہے طبیعت خوش رہتی ہے اور جہاں دنیوی قصے شروع ہوئے مجھے وحشت شروع ہوئی۔ اس کی وجہ بھی آج ہی قلب میں آئی وہ وجہ یہ ہے کہ میں ایک مجذوب کی دعا سے پیدا ہوا ہوں یہ سبب ہے اس حالت کا اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ مجھ کو بکھیڑوں سے الجھن ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ ہر بات صاف ہو خود بھی اس کا اہتمام رکھتا ہوں اور دوسروں سے بھی یہی چاہتا ہوں مگر لوگوں کو اس کی عادت ہی نہیں۔ ہر بات کے الجھانے ہی میں مزہ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے لوگوں سے لڑائی کی اور بدنامی کی کہ سخت ہے۔ یہ سختی ہے کہ بات صاف کہو۔ معاملہ صاف رکھو تاکہ نہ تمکو تکلیف ہو اور نہ دوسرے کو۔ یہ حاصل ہے میری تعلیم کا۔

(ف) اس ملفوظ سے اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا سے نفرت۔ معاملہ کی صفائی صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۱) فرمایا کہ میں سفارش نہیں کیا کرتا ہاں واقعات لکھا کرتا ہوں تاکہ نہ تو جبر کا اثر ہو اور نہ ذلت کا اثر ہو الحمد للہ شریعت کی عقل کی غیرت کی حیاء کی مخاطب کی سب کی رعایت رکھتا ہوں۔

چنانچہ مدرسہ نانوتہ کا مستقل چندہ جو ریاست بھوپال سے آتا تھا جب اس کے بند ہو جانے کی خبر پر کارکنان مدرسہ کی درخواست پر جو سفارش لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

بعد الحمد للہ والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ سے کارکنان مدرسہ ہذا نے توثیق کیلئے تصدیق کی درخواست کی چونکہ مدت طویلہ سے میرا سفر متروک ہے اس لئے بجائے مشاہدہ کے روایات ثقات کی بنا پر جس کو میرا قلب بھی قبول کرتا ہے مضمون ہذا کی تصدیق کرتا ہوں اور بجائے عادت متعارفہ سفارش کے تعلیم دینی کی اعانت کے فضائل کی تذکیر کرتا ہوں اور بعد تصدیق وتذکیر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالے اس درخواست میں کامیابی عطا فرما وے۔

(۲۲۲) ایک رسالہ آیا اس میں مجتہدانہ رنگ سے قریب قریب تعدد جمعہ کا عدم جواز ثابت کیا گیا تھا اس پر تقریظ کی درخواست تھی حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

مولانا المحترم دامت فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رسالہ بالاستیعاب دیکھنے کی تو فرصت نہیں ملی نہ آئندہ توقع تھی معمولات یومیہ ہی میں صعوبت ہونے لگی ہے کہیں کہیں سے دیکھا چونکہ رسالہ مجتہدانہ رنگ میں لکھا گیا ہے جس میں مجھ جیسا مقلدین کا بھی مقلد شخص حرف زنی نہیں کرسکتا اس لئے رائے قائم کرنے سے معذور رہا بجائے رائے قائم کرنے کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالے صواب کو قبول فرما وے۔ اور خطا کو عفو فرما وے میں بھی دعا کا محتاج اور طالب ہوں والسلام اشرف علی عنہ ۱۵ رجب ۱۳۵۱ھ

ف:۔ اس تقریظ سے حضرت والا کا انکسار وتواضع وعبدیت اور لایعنی مباحثہ سے سخت حذر اظہر من الشمس ہے۔

(۲۲۳) ایک شخص نے دریافت کیا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے ہم حنفیوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں جواباً تحریر فرمایا کہ وہ خلافیات میں مقتدیوں کے مذہب کی رعایت کرتا ہے یا نہیں اور تقلید کو جائز سمجھتا ہے یا نہیں اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا ہے یا نہیں اور مقلدین کو مشرک یا بدعتی کہتا ہے یا نہیں۔ ف:۔ اس سے حضرت والا کا اظہار حق بہ پیرایہ حکمت صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۴) پارچہ بافوں کی ایک انجمن سے ایک خط آیا جس میں حضرت والا کے ایک وعظ کی بعض مثالوں پر یہ شکایت کی گئی ہے کہ اس میں پارچہ بافوں کی (جو اب اپنے کو انصاری کہنے لگے ہیں) دل آزاری کی گئی ہے وہ جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

السلام علیکم۔ اول تین وجہ سے جواب نہیں دیا گیا تھا ایک وجہ یہ کہ میں اس سے زیادہ

اہم خدمات دینیہ میں فاقد الفراصت تھا دوسری وجہ یہ کہ وہ سوال خلاف اصول تھا حقیقت کے اعتبار سے بھی کیونکہ میرا فعل میری رائے میں خلاف شریعت نہیں اور صحیح طریق کے اعتبار سے بھی اس لئے کہ صحیح طریق یہ ہے کہ جواب کے لئے ٹکٹ بھی رکھا جاوے۔ تیسری وجہ یہ کہ نہایت وضوح کے سبب یہ توقع تھی کہ خود ہی جواب ذہن میں آجائے گا لیکن بار بار کے سوال سے وہ توقع نہ رہی گو خلاف اصول ہونے کے سبب اب بھی جواب میرے ذمہ نہیں لیکن تفہیم کی مصلحت سے تبرعاً جواب لکھتا ہوں وہ یہ کہ میرا یہ فعل اگر خلاف شریعت سمجھا جاتا ہے تو مستند علما راہل فتویٰ سے استفتاء کر کے حکم حاصل کر لیا جاوے میں اس حکم کو دل و جان سے قبول کرنے کیلئے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں اور احتیاط یہ ہے کہ ان علماء کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دیا جاوے کہ جواب لکھتے وقت احیاء العلوم و درمختار مع ردالمحتار کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔ نیز اس استفتاء کے ساتھ دوسرا استفتاء کر لینا بھی مناسب ہے کہ بدون دلیل شرعی کے کسی نسبت کا دعویٰ کرنا تحقیق سے یا تاویل سے کیسا ہے اور اس دلیل اور تاویل کو بھی ظاہر کر دیا جاوے اور اگر میرا فعل محض خلاف طبیعت ہی ہے تو میری قوم یعنی قارئین کی بزعم خود تنقیص کر کے دل ٹھنڈا کر لیا جاوے۔ آگے نیتوں کا حقیقی فیصلہ انما الاعمال بالنیات پر وقت پر ہو رہے گا اور اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو احکام شرع و عقوبت آخرت کو پیش نظر رکھ کر اختیار رہے والسلام۔

۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ یوم جمعہ۔

ف:۔ جواب کا حکمت و تحقیق و جدال حسن و عذرا ز لایعنی و خشیت حق و عبدیت پر مشتمل ہونا ظاہر ہے

(۲۲۵) ایک صاحب نے لکھا کہ اخبار الجمعیۃ میں ایک مضمون سید سلیمان صاحب ندوی کا میری نظر سے گذرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجدیوں کے درست تنظلم سے بعض مزارات و موالد کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے اول تو پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی۔ دوسرے مزارات و موالد مذکور اصلی نہیں بلکہ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کی تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے۔ چوتھے ان قبوں میں مساجد کے ساتھ مماثلت ہے۔ اگر یہ توجیہ درست ہے تو کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا اور اگر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے

جواباً تحریر فرمایا کہ سید القبور یعنی قبر سید اہل القبور صلے اللہ علیہ وسلم ما اختلف القبول و الدلیل کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے۔ حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع

وفات ہی میں ماموریہ ہے چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاص بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران و سقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور بنار علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ وہ ہے جہاں بنار للقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ اب رہا اس کا بقار یا ابقار سو چونکہ بعد دفن کے خلفار راشدین میں سے کسی نے اس بنار کے بقار پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقار کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشن دان کھولا گیا تھا جس سے اس بنار کے بقار کا مشروع ہونا بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقار ایسی اشیار کا بدون اہتمام بقار کے عادۃً ممکن نہیں اس لئے اہتمام بقار کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقار ہے اس لئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مطہر کو اعدار دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً مفوت احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلیٰ بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علمار اسرار نے شہادت جلیہ کے انتفار کو مبنی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معظم کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا افضار الی التجاوز عن الحدود الشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرہ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جاوے جس کا فوٹو حضرت شیخ دہلوی نے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

در نماز م خم ابروے تو چوں یاد آمد حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

اور یہ دونوں امر جو کہ حافظ للمصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقار بنار کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ رہ نہیں سکتے اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بنار میں حیلولہ کی بھی مصلحت ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ایک مثلی کی طرح قبر ایک مثل قبری کا حکم بھی کیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔ اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب سوائے اس کے اور کوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرے میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یاد نہیں کہ سورج ہے یا چاند) اور بروقت وفات کے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (اولہ بلبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی نہ بالقصد حضرت شیخین کے لئے۔ ف ۔۔ اس سے حضرت والا کا علم و حکمت۔ قوت استنباط۔ رعایت متضاد دین۔ حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اظہر من الشمس ہے۔

(۲۲۶) کسی صاحب نے عیدگاہ میں بوقت نماز وخطبہ عیدین استعمال آلہ مکبر الصوت کے متعلق استفتا کیا تھا تو جواباً تحریر فرمایا جو مختصراً مرقوم ہے اگر اس آلہ کی آواز صدائے بازگشت ہے جیسا کہ مظنون ہے تو چونکہ یہ آلات اور بلیوں پر کے ابنوب (ہارنس) نہ خود مکلف ہیں اور نہ داخل نماز جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین و تعلیم کیجاتی ہے اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نمازیں ادا کریں گے ان سب کی نماز فاسد ہوجاویگی جیسا کہ حسب قاعدہ فقہی ظاہر ہے۔ اور اگر اس آلہ سے عین صوت بلند ہوجاتی ہے تو شرعاً خطبہ میں حضور ضروری ہے نہ کہ سماع صوت اور اسماع کی کوشش وہیں تک شرعاً مندوب ہے جو تکلف و تعمق کے حد تک نہ پہونچے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوموسیٰ کے تنزہ عن البول کے لئے شیشی کے استعمال کرنے پر نکیر کی گئی ہے۔ اور اس آلہ کے استعمال میں یقینی تکلف ہے اس لئے یہ غلو ممنوع میں داخل ہے اگر یہ کہا جاوے کہ تکبیرات نماز کا اسماع تو ضروری ہے تو اس میں یہ مفسدہ محتمل ہے کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات (مثل گراموفون وغیرہ) کے استعمال کرنے کی اور افضاء الی المفسدہ بھی حسب تصریح فقہا مفسدہ میں داخل ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ مثلاً مجلس رقص و سرود کہ اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کو استعمال کیا جاوے۔ اگر اس کا وقوع نہ ہوا تو قریب وقوع تو عادۃً یقینی ہے۔ چنانچہ اس تشبہ کی بناء پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعۃ والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔ غرضیکہ دوسرے شق پر بھی اس آلہ کا استعمال مسجد میں ممنوع ہے اور اگر دونوں احتمال علی السواء ہوں یعنی اس کے صدائے بازگشت ہوتے میں اور عین صوت کے بلند ہونے میں گمان برابر درجہ کا ہو تو عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک ہوگیا اور الیقین لایزول بالشک اس لئے عدم بلوغ کا

حکم کرکے اس صورت کو مثل صدیٰ کے سمجھیں گے اور صدیٰ کا حکم وہی ہوگا جو شق اول پر لکھا گیا۔ (النور) ف :۔ اس فتوے سے حضرت والا کی سلامت فہم۔ نور فراست۔ علم وحکمت۔ دور بینی استحضار قواعد صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۷) احقر نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ عمل نیک کا ثواب اگر دوسروں کی روح کو بخشدیا جاوے تو کیا بخشنے والے کو بھی ثواب اس عمل نیک کا رہ جاوے گا اور جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انھیں وہ اجر متجزی ہوکر مساوی درجہ میں پہونچیگا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے۔ یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملیگا جیسا کہ اس کے فضل کا مقتضا ہے۔ جواباً تحریر فرمایا۔ فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصدق احدکم صدقۃً تطوعاً فیجعلہا عن ابویہ فیکون لہما اجرھا ولا ینقص عن اجرہ شیئاً یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخشدینے سے عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے من سنّ سنۃ حسنۃ اجرھا واجر من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجرہ شیئاً اوکما قال وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہا نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متلقی بالقبول کیا ہے۔ کما فی رد المختار عن زکاۃ التاتارخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شیٔ اھ اور راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الآخر سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا چنانچہ تعدیہ علوم وفیوض میں مشاہدہ ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی وذکر العارف المرقومی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی ؎

درمعانی قسمت واعداد نیست　　درمعانی تجزیہ وافراد نیست

اور دوسرا امر کہ اجر متجزی ہوکر پہنچتا ہے یا بلا تجزی اس میں پہلے بھی کلام ہوا ہے کما فی رد المختار ویوضحہ لو اھدی الی اربعۃ یحصل لکل منہم ربعہ فلن الواھدی الربع الواحد وابقی الباقی لنفسہ اھ ملخصاً قلت لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرء لاھل المقبرۃ الفاتحہ ھل یقسم الثواب بینہم او یصل لکل منہم مثل ثواب

ذالک کا ملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل ج ۱ ص ۹۲۲
مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اس لئے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جواب میں جو اوپر حدیث طبرانی کی مذکور ہے اس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جا سکتا ہے کیونکہ اجرہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جزء الصدقہ اور لیہما سے متبادر اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا۔ اور دوسرے احتمالات غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اس لئے بھی ایسے احتمال مضر نہیں۔ نیز اوپر کے جواب جیسے معلوم ہوا کہ تعدیہ ثواب من محل الی محل موجب نقص احد المحلین نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ آیا تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک لمحل مع محل کا ہے نیز موجب نقص فی احد المحلین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

ف ۱:۔ اس سے حضرت والا کا علم و قوت استنباط و رجا رمن اللہ اظہر من الشمس ہے۔

(۲۲۸) فرمایا کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں میں جو لوگ اہل قبور یا تعزیہ کی نسبت تاثیر غیبی کے معتقد ہیں وہ مشرک ہیں اور جو محض ظاہری تعظیم کے طور پر ان کو سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اور ان کی تاثیر کے معتقد نہیں وہ شرک عملی کی وجہ سے فاسق ہیں کافر نہیں۔ اعتقاد تاثیر و عدم تاثیر کا معیار فرق یہ ہے کہ بعض کا تو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرما دی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہونچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ ان کا اجرا اسوقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو رد کرنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے (اور مشرکین عرب کا اپنے آلہہ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا) اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوق کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ یہ اپنے متوسلین کے لئے سفارش کرتے ہیں پھر اس سفارش کے بعد بھی انکو نفع و ضرر کا اختیار نہیں دیا جاتا بلکہ حق تعالیٰ ہی نفع و ضرر پہنچاتے ہیں لیکن اس سفارش کے قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کے تحصیل کے لئے اس کی ساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ

مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقاد تا ثیر نہیں ہے لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اس کو مشرک کہدیا جاوے من ھٰھنا لم یکفر مشائخنا و اکابرنا عابدی القبور والساجدین لہا وانما لھو لحملھم حالتھم علی الصورۃ الثانیۃ دون الاولیٰ وقرینۃ دعویٰ ھٰؤلاء الاسلام والتوحید والتبری من الشرک بخلاف مشرکی العرب والھند فانھم یتوحشون عن التوحید ومن نفی القدرۃ المستقلۃ عن اٰلھتھم وقالوا أجعل الاٰلھۃ الٰھًا واحدا اھ واللہ اعلم (ماخوذ من النور ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ)

ف :۔ اس فتویٰ سے حضرت والا کا تبحر علم و حقائق رسی شفقت علی المخلوق صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۹) احقر نے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں فیس منی آرڈر کی اس رقم زکوٰۃ میں سے لی جاسکتی ہے؟ محصلین زکوٰۃ کی اجرت تو زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے اس لئے اس پر قیاس کیا فیس منی آرڈر کا کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا کہ اول تو ہم میں قیاس واجتہاد کی صلاحیت نہیں ثانیا یہ قیاس بھی ظاہر الفساد ہے کیونکہ عامل کی اجرت کو تحصیل زکوٰۃ میں دخل ہے وہ ملحق بالزکوٰۃ ہوسکتی ہے اور منی آرڈر کی فیس کو تحصیل زکوٰۃ میں دخل نہیں بلکہ ترسیل زکوٰۃ میں دخل ہے جس کی حقیقت بعد حصول کے جدا کرنا ہے۔ ثالثاً وہ تصرف ہے امام کا اور یہ تصرف ہے غیر امام کا فاین ھذا من ذالک رابعًا وہاں عامل مسلم ہے یہاں عملہ ڈاک بعض اوقات غیر مسلم بھی ہوتے ہیں۔ خامسًا خود مقیس علیہ خلاف قیاس ہے پس حکم مورد نص پر مقتصر رہے گا اوس پر قیاس مجتہد کو بھی جائز نہیں۔

ف :۔ اس سے بھی حضرت والا کا تبحر فقہ و نور فہم حقیقت شناسی صاف ظاہر ہے۔

(۲۳۰) فرمایا کہ (۱) قتال عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا قتل باوجود ان کے بقاء علی الکفر کے جائز نہیں اگر سیف اکراہ علی الاسلام کے لئے ہوتی تو ان کو ان کی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا (۲) جزیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جزاء کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی الکفر کے جزیہ کیسے مشروع ہوتا۔ (۳) پھر جزیہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر نہیں اپاہج اور نابینا پر نہیں رہبان پر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مثل سیف کے جزیہ بھی جزاء کفر نہیں ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزیہ کہ سیف سے اخف ہے جزاء کفر نہیں

توسیف جو کہ اشد ہے کیسے جزاءِ کفر ہوگی (۴) اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصلحت ہو تو کفار سے صلح بلا شرط مال بھی جائز ہے (۵) اگر حالات وقتیہ مقتضی ہوں تو خود مال دے کر بھی صلح جائز ہے۔ ان اخیر کی دو دفعات سے معلوم ہوا کہ جزیہ جس طرح جزاءِ کفر نہیں جیسا دفعہ نمبر ۳ سے معلوم ہوا اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا بہ بذل مال جائز ہوتی پس سیف یا جزیہ نہ جزاءِ کفر ہیں نہ مقصود بالذات۔

حسب تصریح حکمائے امت (کما فی الہدایہ وغیرہ) سیف کی غرض اعزاز دین و دفع فساد ہے اور جزیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح ان کی حفاظت کرتے ہیں اور اس حفاظت میں اپنی جان و مال صرف کرتے ہیں تو اس کا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کے وقت ہماری نصرت بالنفس بھی کرتے مگر ہم نے قانوناً اس سے بھی سبکدوش کر دیا اس لئے کم از کم ان کو کچھ مختصر ٹکس ہی ادا کرنا چاہئے۔ تاکہ یہ نصرت بالمال اس نصرت بالنفس کا من وجہ بدل ہو جاوے۔ یہ اغراض ہیں سیف اور جزیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعداء دین سے احتمال فساد کا نہیں رہتا سیف مرتفع ہو جاتی ہے جس کے تحقیق کی ایک صورت قبول جزیہ ہے، ایک صورت صلح ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بالنفس پر جو کہ عقلاً ان پر واجب تھی قادر نہیں ان سے نصرت بالمال بھی معاف کر دی گئی۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عود نہ کرنے کی حالت میں سو اس کی حقیقت اکراہ علی قبول الاسلام نہیں ہے بلکہ اکراہ علی ابقاء الاسلام بعد قبولہ ہے۔ اس کی بنا بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل مسئلہ سیف کی بنا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ کفر قبل الاسلام کا شر اور ضرر اخف ہے اس لئے اس کا تدارک جزیہ یا صلح سے جائز رکھا گیا اور کفر بعد الاسلام یعنی ارتداد کا شر اور ضرر اغلظ ہے کہ ایسا شخص طبعاً بھی زیادہ مخالف و محارب ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کی حالت دیکھ کر حق میں تذبذب و تردد بھی ہو جاتا ہے نیز اس میں علت کا ہتک حرمت بھی ہے اس لئے اس کا تدارک سیف تجویز کیا گیا اور مرتدہ چونکہ عادۃً محارب نہیں ہوتی صرف تذبذب و ہتک کا ضرر اس کے حبس دائم سے دفع کر دیا گیا کہ عقوبت میں فطرۃً خاصہ زجر کا ہے۔ بہرحال قانون اسلام کا (مع رفع تمامی شبہات) اعتراض اشاعت اسلام بالسیف کے لئے دافع ہونا ظاہر ہو گیا جو کہ حقیقت شناسان اہل انصاف کی شفا کے لئے کافی ہے (النور ماہ صفر ۱۳۴۶ھ)

ف:۔ اس سے حضرت والا کا تبحر علم۔ استحضار قوانین اسلام ظاہر ہے۔

(۲۳۱) فرمایا کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت موکدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ صبی کی نفل شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہو جاتی ہے پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی اس پر غالب بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا (جیسا کہ تراویح میں نابالغ کی امامت سے ہوتا ہے) خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں۔ اور بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹ ہو جانے کا عذر مسموع نہیں کیونکہ احکام کی بنا، دلائل پر ہے مصالح پر نہیں دوسرے یہ کہ بجائے تراویح کے نوافل میں الگ پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے چنانچہ اس کا کافی ہونا مشاہد ہے علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت وصلوٰۃ سے ناواقف اور متساہل بھی ہوتے ہیں پس اس کی تجویز میں بالغین کی نماز ول کا فساد بہت غالب ہے۔ اور فرمایا کہ بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتی پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے

(۲۳۲) فرمایا کہ قد قامت الصلوٰۃ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا منجملہ آداب کے ہے جس کا ترک موجب اسارت یا عتاب نہیں تو اس کے تارک پر نکیر کرنے والا عامل بالادب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے دوسرے یہ کہ گو منجملہ آداب کے ہے مگر باوجود اس کے تاخیر کو ایک عارض سے اعدل واصح فقہا نے کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض موذن کی اعانت ہے شروع مع الامام پر ایسے ہی ایک عارض سے (کہ وہ عامۃ ناس کے اعتبار سے مثل لازم کے ہو گیا ہے) اس میں بھی گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت موکد ہے اس لئے کہ عامۂ ناس کے عدم اہتمام وقلت مبالاۃ کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویۂ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے (النور ماہ رمضان ۱۳۵۰ھ) ف:۔ اس سے بھی حضرت والا کا علم وتفقہ ورعایت متضادین حقیقت شناسی صاف ظاہر ہے۔

(۲۳۳) ایک صاحب نے لکھا کہ ایک واعظ صاحب نے یہاں بیان کیا کہ انبیاء علیہم السلام کا بول وبراز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بول وبراز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے

ان روایات کے متعلق جناب کی کیا تحقیق ہے۔ جواباً تحریر فرمایا کہ خواہ مخواہ انھوں نے ایسی باتیں بیان کرکے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے اور وعظ میں بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام ہنسیں ایسی روایات بسند ضعیف آئی ہیں اس لئے ان کی نہ تصدیق واجب ہے نہ تکذیب لہذا ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً ہاں ایسے مضامین کی کھپت فضائل میں ہوسکتی ہے اور ایسے وعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہیں کیا گیا کہ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

ف:۔ اس جواب سے حضرت والا کا کمال حزم و احتیاط اظہر من الشمس ہے۔

(۲۳۴) فرمایا کہ اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر کے تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض ہو تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا۔ حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جاوے گا یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتدا کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کفر انہ جاری کریں گے اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کے مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا امنا بالله وما انزل الينا الآیہ رواہ البخاری دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کی ہیں (النور ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)

ف:۔ اس جواب سے بھی حضرت والا کا کمال حزم و احتیاط و اقتداء طرز سلف ثابت ہے

(۲۳۵) ایک صاحب نے دریافت کیا ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہوسکتی ہے۔ کافر اور مسلمان ہونے کا آخر معیار کیا ہے۔ فرمایا کہ اصول ذیل اس امتیاز کے لئے کارآمد ہوں گے جو بدلائل ثابت ہیں۔

(۱) حلول کا قائل ہونا کفر ہے جیسا کہ بعض لوگ سر آغا خاں کے اندر خدائی حلول کے

قائل ہیں لقولہ تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم

(۲) جو رسوم و عادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتے ہوں کہ بمنزلہ ان کے شعار کے ہوگئے ہوں۔ اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں وہ بھی کفر ہیں۔ اسی اصل پر فقہا نے شد زنار کو کفر فرمایا ہے۔ اسی طرح تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے یا بجائے بسم اللہ کے لفظ اوم لکھنا کہ یہ بھی انکا شعار ہے لقولہ تعالےٰ ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب۔

(۳) اگر وہ رسوم عادات کفار شعار مذہبی نہ سمجھے جاتے ہوں تو تشبہ بالکفار ہونے کے سبب معصیت و حرام ہیں جیسے دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا یا ان سے دعا مانگنا جیسا کہ آغا خانیوں کا طرز ہے لقولہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

(۴) عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل کفر کی نہ ہو ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جاوے گا اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجوہ متعددہ پر ترجیح اسی وقت ہے جبکہ وہ وجوہ کفر محتمل ہوں متیقن نہ ہوں لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلے صلوتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالك المسلم رواہ البخاری ولقولہ تعالیٰ ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالك سبیلا اولئك ھم الکافرون حقا۔

(۵) موجبات کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اسلام و صلوٰۃ و قیام و استقبال بیت الحرام ترتب احکام اسلام (مثلاً اس پر نماز جنازہ کا پڑھنا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا) کے لئے کافی نہیں جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو جاوے القولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ المنافق ثلث رواہ الشیخان۔ زاد مسلم وان صام وصلی وزعم انہ مسلم۔

(۶) باوجود ثابت کفر کے اسلام ظاہر کرنے والوں کے ساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔ من حذیفۃ قال انما النفاق کان علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاما الیوم فانما ھو الکفر او الایمان وفی اللمعات فی شرح الحدیث ای حکمہ بعدم التعرض ھذا

والستر علیہم کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المصالح کانت مقتصرۃ علی ذالک الزمان اما الیوم فلم یبق تلک المصالح فنحن ان علمنا انہ کافر کافر سراً قتلناہ حتی یومن ۱۲ بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین میں تغیر ہوگیا تھا چنانچہ آیت ولا تصل علی احد منہم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ مصرح ہے۔

(۷) جو کافر اصول اسلامیہ کا بھی مقر ہو اس کے حکم بالاسلام کے لئے محض تلفظ بکلمتی الشہادۃ کافی نہیں جب تک اپنی کفریات سے بیزاری کا اعلان نہ کرے فی رد المحتار احکام المرتد تحت قول الدر المختار لان التلفظ بہا صار علامۃ علی الاسلام مانصہ افاد بقولہ صار الی ان ماکان فی زمن الامام محمد تغیر لانہم فی زمنہ ماکانوا یمتنعون عن النطق بہا فلم تکن علامۃ الاسلام فلذا شرطوا معہا التبری لہا فی زمن قاری الہدایہ فقد صارت علامۃ الاسلام لانہ لا یاتی بہا الا المسلم۔

(۸) کافر کا مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ فی الدر المختار احکام غسل المیت ومحل دفنہم کدفن ذمیۃ حبلی من مسلم الخ

(۹) جس شخص کا کفر ثابت ہو جاوے اس کے اقوال وافعال محتملہ للکفر والاسلام میں تاویل کرنے سے اس کا کفر مانع ہوگا مثلاً دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا ان سے دعا مانگنا ان کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا تو اس میں تاویل کرکے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا مگر جب اس کا صدور کافر سے ہے تو تاویل کی ضرورت نہیں فی مختصر المعانی بحث الاسناد مانصہ وقولنا فی التعریف بتاویل یخرج نحو مامر من قول الجاہل انبت الربیع البقل الخ وفیہ بحث وجوب القرینۃ واسناد المجازی مانصہ عطف علی استحالتہ وکصدور عن الموحد فی مثل اشاب الصغیر پس کسی مصلحت دنیوی کے سبب کافر کو مسلمان کہنا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ جب کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاویگا تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح خفیف ہو جاویگا اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہوسکیں گے تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاویں گے کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کرسکے گی چنانچہ ارشاد ہے قل فیہما اثم کبیر

(۲۳۶) کسی صاحب نے سوال کیا کہ گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہ عام کے لئے ایک شفاخانہ بنانا چاہتی ہے اس آراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں ان کو گورنمنٹ اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دینا مشکل ہے۔ البتہ شفاخانہ کے مریضوں کو اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اس کے تحفظ کے لئے احاطہ اس کا بھی بنا دینے کو کہتی ہے سوال یہ ہے کہ اس صورت کو اگر مسلمان منظور کر لیں جائز ہے یا نہیں۔ جواباً تحریر فرمایا کہ احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرے عارضی صورت مسؤلہ میں حکم اصلی یہ تھا کہ مساجد ہر طرح آزاد ہیں ان میں سے کسی وقت کسی کو نماز پڑھنے سے ممانعت کی جاوے نہ آنے جانے سے کہ لا لمصلحۃ المساجد اور یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان کسی شورش کے (یعنی بدون وقوع فی الخطر یا لحوق ضرر بالمسلمین کے) اس پر قادر ہوں اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کی جاتی ہے اس پر رضامند ہو جاویں اور یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہ ہوں نظیر اس کی مسجد الحرام ہے جب تک اس پر مشرکین مکہ مسلط رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز بھی بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے مکہ میں تشریف لائے اور مشرکین نے آنے نہیں دیا پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کیلئے تشریف لاویں اور عمرہ کر کے چلے جاویں۔ آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اس وقت ہوا جب آپ کا تسلط نہ تھا۔ عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرمایا اس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا گیا پس یہ تو تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں اور گورنمنٹ کا مساجد مذکورہ کی مرمت کا وعدہ کر لینا اس کی بھی اسی مسجد حرام میں ایک نظیر ہے کہ مشرکین نے اس کی تعمیر کی اور آپ نے قدرت کے وقت بھی اس تعمیر کو باقی رکھا البتہ اس وعدہ میں اتنی ترمیم کی درخواست مناسب ہے کہ جس مسجد کو صرف احاطہ سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں اس کو بھی مسجد ہی کی صورت میں بنا دیں گو چبوترہ ہی بنا دیں اور اگر کوئی قوی مجبوری ہو تو احاطہ پر قناعت کریں لیکن ایک پتھر کندہ کر کے نصب کر دیں۔ ف:۔ اس جواب سے حضرت والا کی عقل سلیم۔ حکمت۔ شفقت علی المخلوق۔ رعایت مقتضا دیانت ظاہر ہے۔

(۲۳۷) کسی صاحب نے استفسار کیا کہ مولوی انوار اللہ خاں صاحب مرحوم ساکن حیدرآباد دکن نے عید میلاد کے متعلق یہ استدلال کیا ہے کہ جس لونڈی نے ابولہب جیسے معاند رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ولادت باسعادت کا مژدہ سنایا تھا اسے ابولہب نے فرط مسرت سے اپنی انگلی کے اشارے سے آزاد کر دیا

تھا اس کے صلہ میں یوم ولادت یعنی ہر دوشنبہ کو اس پر عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے۔ جب ایسے سرکش و باغی کو اس ابتہاج و مسرت کا یہ صلہ ملا تو ہم گنہگاران امت کو بھی اس دن کی خوشی منانے میں ضرور اجر عظیم ملیگا۔ آیا یہ روایت درست ہے اگر ہے تو ہمارے یہاں اس کا کیا جواب ہے۔ فرمایا کہ جواب ظاہر ہے اول تو وہ دفعی و مفاجاتی خوشی تھی اس پر قصدی و اکتسابی و اہتمامی خوشی کا قیاس کیسا ہم کو تو اس خوشی کا موقع ہی نہیں مل سکتا ہاں قطع نظر اس قیاس کے ہماری یہ خوشی بھی جائز ہوتی اگر دلائل شرعیہ منکرات کو منع نہ کرتے اور ظاہر ہے کہ مباح وغیر مباح کا مجموعہ غیر مباح ہوتا ہے۔ ف:۔ اس سے بھی حضرت والا کا فہم سلیم و حکمت و دقت نظر ثابت ہے۔

(۲۳۸) فرمایا کہ کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و ممیز نہ ہو مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا جائیگا بلکہ تبعاً للدار الاسلامی یا تبعاً لاحد الابوین المسلم مسلمان کہا جائے گا۔ اگر نہ احد الابوین مسلم ہے نہ خود بچہ ممیز ہے تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً للدار الاسلام ہو سکتا ہے۔ پس اگر ہندوستان دارالاسلام نہیں تو اس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائیگا اور اگر دارالاسلام ہے تو اس کو مسلمان کہا جائیگا اور ہندوستان کے دارالاسلام ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کی نفع کی رعایت کیلئے ترجیح دی جاوے گی اور اس کو مسلمان سمجھا جاوے گا اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جاوے گی۔

ف:۔ اس جواب سے حضرت والا کا استحضار قواعد فقیہہ صاف ظاہر ہے۔

(۲۳۹) ایک صاحب نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی زید نے نکاح کا دعویٰ کیا تو عدالت نے قانون کے مطابق نکاح ثابت نہ کیا۔ زید کا دعویٰ خارج کردیا گیا لیکن بے شمار لوگ ہندہ کے گاؤں کے زید کے نکاح کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا عدالت کے نفوذ حکم سے اب ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا زید ہی کے نکاح میں رہی۔ فرمایا کہ اول تو حاکم عدالت کا مسلمان ہونا شرط ہے دوسرے حاکم مسلم کی قضا بھی صرف عقد و فسخ میں نافذ ہوتی ہے اور عدم ثبوت عقد نہ عقد ہے نہ فسخ لہذا یہ قضا مؤثر نہیں اس کے مقتضا پر دیانۃً عمل جائز نہیں۔

ف:۔ یہ جواب بھی حضرت والا کی حقیقت رسی و استحضار قواعد فقہیہ پر دال ہے۔

(۲۴۰) ایک صاحب نے استفسار کیا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی غیر منظم حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی مقتضی ہے کہ امارت الاسلام کی کوئی صورت نکالی جاوے تو کیا ہم کو کل ہندوستان کے لئے یا کسی خاص علاقہ کے لئے اپنا امیر مقرر کرنیکا حق ۱ حاصل ہے یا نہیں ۲ اگر حق حاصل ہے تو کیا شرائط ہیں ۳ اور آپ کی رائے عالی میں اسکے حصول کے لئے کیا ذرائع اور صورتیں

بہم پہونچائی جاسکتی ہیں۔ جواب نمبروار حسب ذیل فرمایا ۱ حاصل نہ بشرط قدرت اور مشاہد ہے کہ حالت موجودہ میں امارت ارادیہ پر قدرت ہے اور امارت قہریہ پر نہیں۔ ۲ تدین اور عقل ۳ یہ حکم شرعی کا سوال نہیں کہ جس کا جواب اہل علم سے لیا جاوے۔ تدبیر کا سوال ہے اس کا جواب اہل تجربہ سے لینا چاہئے۔ ف اس سے بھی حضرت والا کی دوراندیشی۔ اظہار حقیقت۔ سلامت فہم صاف ظاہر ہے۔

(۴۱۲) فرمایا کہ میرے نزدیک وقت عشا دریافت کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشا تک ہوتا ہے سو اگر پہلا فصل معلوم ہوسکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور زوال اور عصر کا وقت دریافت کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال دریافت ہوسکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک ربع کم کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔ ف:۔ اس سے حضرت والا کی سہولت پسندی مسلمانوں کے لئے ظاہر ہے جس سے حضرت والا کا حکیم الامۃ ہونا اظہر من الشمس ہے۔

(۴۱۳) ایک مقام پر ایک گستاخ کافر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخانہ حالات شائع کئے تھے مسلمانوں کے مواخذہ پر اس نے علما کے ایک باقاعدہ جمیعت سے معافی چاہی اور آئندہ احتیاط رکھنے کا اور فی الحال اپنی اس غلطی و درخواست معافی کا اخباروں میں اعلان کردینے کا وعدہ کیا اس میں اکثر مسلمانوں کی رائے اس کو منظور کرلینے کی ہوگئی اور بعض نے اختلاف کیا اور حکومت موجودہ میں استغاثہ دائر کرنے کی رائے دی اور استغاثہ کے ناکام ہونے کے احتمال پر بھی استغاثہ ہی کو ترجیح دی اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ حق اللہ ہے اس کی معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے اسکے متعلق سوال آیا تھا جس کا جواب حسب ذیل لکھا گیا۔

معافی کی جو حقیقت صاحب شبہ نے سمجھی ہے اس معنی کر یعنی بعد معافی کے ناگواری نہ رہنا۔ یہ معافی مذکور فی السوال صرف صورۃً معافی ہے اسی لئے بعض حضرات کو شبہ ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں مگر یہ واقع میں معافی نہیں بلکہ صلح ہے اور صلح سے کوئی امر مانع نہیں اور صلح جیسے بلا شرط ہوسکتی ہے اسی طرح شرط پر بھی ہوسکتی ہے جیسے یہاں یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے البتہ صلح

میں شرعاً یہ قید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مصلحت ہو اور یہاں مصلحت ہونا ظاہر ہے کہ فی الحال اسلام کا اعزاز اور کفر کا اذلال ہے اور فی المآل ایک منکر قبیح کفری کا انسداد ہے خود معاہد میں بھی اور امید ہے کہ دوسرے متجرئین میں بھی کہ اس منکر کا نتیجہ دیکھ کر بعضے عبرت پکڑیں گے اور بعضے مسلمانوں کی رواداری سے متاثر ہوں گے اور یہ توقعات حکومت سے استغاثہ میں مظنون بھی نہیں بلکہ مشکوک ہیں چنانچہ قضائے موجودہ اس کی شاہد ہے پھر اگر خدانخواستہ استغاثہ میں کامیابی نہ ہوئی تو اس پر جو مفاسد یقیناً مرتب ہوں گے ان کے انسداد پر مسلمانوں کو کوئی کافی قدرت نہیں ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کی جرت بڑھ جاوے گی بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر کامیابی بھی ہوگئی تو ظاہر ہے کہ سزائے موت کا تو احتمال بھی نہیں صرف قید یا جرمانہ ہو سکتا ہے سو بہت سے مفسد ایسے ہیں کہ قید و جرمانہ کی پروا بھی نہیں کرتے ان کو ایک نظیر ہاتھ آجاوے گی اور گو اس صلح کے بعد بھی ایسے واقعات محتمل ہیں مگر مفاسد کی قلت و ضعف و مشکوکیت اور کثرت و شدت و مظنونیت کا تفاوت ضرور قابل نظر و قابل عمل ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے عامہ مسلمین کو نہیں سو شبہ میں جو دلیل بیان کی گئی ہے کہ یہ حق اللہ ہے اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ سلطان کو بھی یہ حق نہیں کیونکہ سلطان حقوق اللہ کو معاف نہیں کر سکتا باقی اگر اس دلیل سے قطع نظر کر کے اور اس معافی کو صلح قرار دے کر یا معافی کی تفسیر عدم انتقام فی الدنیا قرار دیکر یہ حکم کیا جاوے تو اول تو اس حکم کے لئے ایسی دلیل کی حاجت ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہو سلطان اور عامہ مسلمین میں مشترک نہ ہو دوسرے خود شریعت نے بہت سے احکام ضرورت کے وقت عامہ مسلمین کو قائم مقام سلطان کے ٹھہرایا ہے جیسے نصب امام و خطیب جمعہ و نصب متولی وقف اور یہاں اس معاملہ کا احکام مذکورہ سے زیادہ مہتم بالشان ہونا اور ضرورت بھی ہونا ظاہر ہے۔ لفقدان السلطان المسلم واللہ اعلم۔

ف :۔ اس جواب سے بھی حضرت والا کی دوراندیشی بسلمانوں کی خیرخواہی معاملہ رسی اور قواعد فقہیہ کا پورا استحضار صاف ظاہر ہے۔

تتمہ باب اوّل

(۲۴۳) فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب ملکر چھوڑیں تو رسمیں چھوٹ سکتی ہیں یہ بھی ایک شیطانی دعویٰ ہے تم تنہا ہی سب رسمیں ایک دم چھوڑ دو. برادری کا انتظار مت کرو کیونکہ اس طرح تو قیامت تک بھی رسمیں نہیں چھوٹینگی کیونکہ برادری میں مختلف مزاج اور مختلف خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ سب کا اجتماع ایک بات پر نہیں ہو سکتا خصوصًا امر خیر پر۔ شرک کی بات پر تو اجتماع ہو جاتا ہے جیسا کہ آجکل موجود ہے کہ ہر عاقل و غیر عاقل ادنیٰ و اعلیٰ ان رسموں میں متفق ہیں جنکے بری ہونے کے خود بھی قائل ہیں

(۲۴۴) فرمایا کہ جو شخص مال کو درجہ ضرورت میں رکھتا ہے وہ محب مال نہیں ہے محب مال جب کہلاتا ہے کہ اکتساب مال میں حرام و حلال کی تمیز نہ کرے یا خرچ کرنے میں وجوب و مروت کے مواقع میں تنگی کرے۔ مال بشرائط مذکورہ بری چیز نہیں ہے لیکن ان شرائط کا پایا جانا ذرا کم ہے فی صدی ایک دو آدمی بھی ان کے پابند مشکل سے نکلتے ہیں اس واسطے سداً للباب اہل اللہ نے مال سے اجتناب رکھا ہے اور اس کے خلاف پر تحریض کی ہے ورنہ مال میں عیب ہی عیب نہیں بلکہ کچھ فوائد بھی ہیں مثلاً حب مال بقدر کفایت پاس ہوتا ہے اور قلب کو اطمینان رہتا ہے دنیا کے کام بھی ٹھیک ہو سکتے ہیں اور دین کے کام بھی۔ فراغ عجیب چیز ہے جب یہ فراغ قلب جاتا رہتا ہے تو آدمی سے کچھ کام نہیں ہو سکتا جس کو پورا توکل حاصل نہ ہو اس کے لئے مال ہی فراغ کا ذریعہ ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ ہرگز مال ضائع نہ کرنا چاہئے۔ یعنی بے موقع خرچ نہ کریں۔ آجکل قوی القلب لوگ کم ہیں اور یہ حالت ہے کہ ذرا سی تنگی پیش آئے تو بھٹکتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ نعوذ باللہ بعضے مرتد ہو جاتے ہیں۔ مال کا نہ رکھنا اور فقر و زہد اختیار کرنا تو استحباب کا درجہ ہے اس کے لئے ایمان کھونا کیسی سخت بات ہے اس واسطے آجکل عام مجمع میں زہد کی تعلیم دینا ٹھیک نہیں۔ ہاں اس تعلیم کی ضرورت ہے کہ مال حرام ذرائع سے نہ کمائے یہ درجہ زہد کا ہر حالت میں ضروری ہے۔

(۲۴۵) فرمایا کہ کثرت قیل و قال کی جڑ تمرفع ہے۔ اور کثرت سوال (یعنی مانگنا)

کی جڑ بے حیائی ہے۔ اور کثرت سوال (یعنی زیادہ پوچھنا یعنی علماء کو لایعنی سوالات سے دق کرنا) اس کی اصل عمل کا ارادہ نہ ہونا ہے مطلب یہ کہ زیادہ چون وچرا وہی کرتا ہے جس کو کام کرنا نہیں ہوتا۔ اور اضاعت مال یعنی اسراف کی اصل قلت شکر۔ تو یہ چار چیزیں تو عمل ظاہری کے مرتبہ میں ہوئیں یعنی کثرت قیل وقال کثرت سوال بہر دو معنی و اضاعت مال۔ مجموعی علاج ان ظاہری اعمال کا یہ ہے کہ ہمت کرکے ان سب کو ترک کرے۔ اور باطنی چار چیزیں جو ان چار ظاہری اعمال کی اصل تھیں یعنی ترفع بیحیائی عمل کا ارادہ نہ ہونا اور قلت شکر ان کا مجموعی علاج ایک ذکر اللہ ہے۔ ذکر سے میری مراد زبانی ذکر نہیں بلکہ قلبی ہے جو مرکز ہے ذکر لسانی کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کی اتنی کثرت کی جاوے کہ وہ قلب میں رچ جاوے جب ذکر قلب میں رچ جاتا ہے تو معاصی دور ہٹ جاتے ہیں۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ ہر کام کا انجام سوچا کرو قلب کی اصلاح اس سے بہت ہوتی ہے۔ اگر اس کا پورا التزام کرلیا جاوے تو نہ قیل وقال رہے کیونکہ خیال ہوگا کہ اس کا نتیجہ کیا ہے کم سے کم لایعنی تو ضرور ہے اور نہ کثرت سوال رہے گی یہ بہر دو معنی کیونکہ مانگنے کا انجام خیال میں آئے گا کہ ذلت ہے جو طبعاً وشرعاً دونوں طرح مذموم ہے اور بیجا سوالات کا انجام یہ خیال میں آئے گا کہ اہل اللہ کو تکلیف دینا اور عمل کا قصد نہ کرنا بیہودہ بات ہے یا کم سے کم فعل لایعنی تو ضرور ہے اور انجام سوچنے سے اضاعت مال بھی نہ ہوگی کیونکہ اس میں دنیا و دین دونوں کی خرابیاں پیش نظر ہوجاویں گی۔ خلاصہ یہ کہ فکر کی ضرورت ہے اور اس کے لئے عمل وذکر دائم لازم ہے۔

(۲۴۶) فرمایا کہ بس اپنے سب دوستوں کے لئے چاہتا ہوں کہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھنے لگیں۔

(۲۴۷) فرمایا کہ تمکین کے معنی رسوخ نسبت باطنہ کے ہیں جبکہ اخلاق حمیدہ اور ذکر اللہ حال سے مقام بن جائیں۔

(۲۴۸) فرمایا کہ قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف باختیار توجہ کرنا ذکر قلبی ہے دل کی حرکت کو ذکر قلبی نہیں کہتے اور قلب کا یہ اختیاری ذکر عادۃً دائم نہیں ہوتا اور جو بے اختیاری ہو گو دائم ہو وہ حال ہے عمل نہیں اور اس سے ترقی لازم نہیں وفی ہذا قیل

دربزم عیش یکدوقدح نوش کن برو یعنی طمع مدار وصال دوام را

(۲۴۹) فرمایا کہ کمال اعمال کو کمال ایمان میں دخل ہے اور کمال ایمان کو کمال اعمال میں دخل ہے پھر اس کمال اعمال سے کمال ایمان ہوتا ہے پھر اس کمال ایمان سے کمال اعمال ہوتا ہے اسی طرح سلسلہ چلا جاتا ہے۔

(۲۵۰) فرمایا کہ کثرت ذکر اور دوام طاعت سے جو تعلق خاص ہوجاتا ہے اس کا نام نسبت ہے اور یہ نسبت خاص دوام معاصی سے زائل ہوجاتی ہے ہاں اگر توبہ کریگا پھر عود کر آئے گی۔

(۲۵۱) فرمایا کہ وسوسہ کے دو درجے ہیں ایک حدوث وسوسہ دوسرا بقائے وسوسہ پس وسوسہ جو ذہول وعدم تنبہ سے ہو وہ حدوث وسوسہ ہے جو غیر اختیاری ہے اور اس پر کسی سے مواخذہ نہیں نہ اس امت سے نہ امم سابقہ سے اور بقائے وسوسہ جو عدم تنبہ سے ہو سو یہ درجہ تنبہ نہ ہونے تک امم سابقہ سے معاف نہ تھا کیونکہ اگر ہر وقت تیقظ وتنبہ رہے تو نسیان وخطا کا ہونا ممکن نہیں اور ہر وقت تیقظ تو مشکل ہے لیکن ہے اختیاری اور ہماری اس امت سے وہ درجہ وسوسہ کا (یعنی بقائے وسوسہ جو عدم تنبہ سے ہو) معاف ہے۔ باقی تنبہ ہوجانے کے بعد پھر وسوسہ وغیرہ کا ابقاء ۔ استمداد یہ کسی سے بھی معاف نہیں۔ اسی لئے حق تعالےٰ نے اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے ربّنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطأنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ الفاظ فرمائے رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔

(۲۵۲) ایک طالب اصلاح ان گناہوں کے بارہ میں جو خیال کے متعلق ہیں سخت خلجان میں رہتے تھے یہانتک کہ اپنے کو قریب قریب مردود ہی سمجھ لیا تھا اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے زندگی تلخ کر رکھی تھی اور اپنی اصلاح سے قریب قریب مایوس ہوچکے تھے حضرت والا نے ایسا سہل جامع اور کلی علاج تحریر فرمایا جس کو ہمیشہ کے لئے بہ آسانی دستورالعمل بنایا جاسکتا ہے اور خیالی گناہوں سے مثلاً کبر۔ عجب۔ سوءظن۔ خیالات شہوانی۔ حسد۔ کینہ وبغض وغیرہ وغیرہ سے نہایت سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو بچایا جاسکتا ہے بلکہ امید قوی ہے کہ جس کو ذرا بھی طریق باطن سے مناسبت ہوگی وہ اس کلیہ سے انشاءاللہ اپنے جملہ امراض باطنی کا بسہولت علاج کرسکتا ہے۔

وھو ھذا۔ سہل علاج یہ ہے کہ جب تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا ئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے پس اشتباہ رفع ہو گیا۔ اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے اور جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے پھر اسی تدبیر پر استقلال سے کام لیا جاوے۔ یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہے نہیں پس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہونا چاہئے۔

خیر الاختیار
فی
خبر الاخیار

یعنی ملفوظ شریف حضرت مرشدی و مولائی سیدی و سندی حجۃ اللہ فی الارض حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

۴ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ یوم یکشنبہ

مجلس بعد نماز

(۲۵۳) فرمایا ایک صاحب نے خط میں یہ شکایت لکھی ہے کہ جو جمعیت قلب حضرت والا کی خدمت با برکت سے لیکر آیا تھا۔ وہ یہاں آکر رفتہ رفتہ رخصت ہو گئی۔ فرمایا میں نے جواب میں لکھا ہے کہ اگر یہ کیفیت رخصت ہو گئی تو ضرر کیا ہوا۔ کیونکہ کیفیت مقصود ہی نہیں۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضرر تو ہوا ہی فرمایا کیا ضرر ہوا۔ عرض کیا گیا کہ ایک چیز نصیب ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ فرمایا اس کی کیا دلیل کہ وہ چیز اس کے لئے نافع ہی تھی ممکن ہے کہ وہ مضر ہوتی۔ حق تعالےٰ ہی مفید اور مضر کو خوب جانتے ہیں اور اس کو بھی کہ بندہ کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے۔ لوگ تو کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور لذت کے طالب ہیں۔ سب تو فحش بات مگر میں تو اس لذت کی طلب پر یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر مزے ہی کی خواہش ہے تو میاں مزہ تو مذی میں ہے۔

بیوی کو بغل میں لیکر بیٹھ جاؤ چوموچاٹو۔ مذی نکلے گی بہت مزہ آئیگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مزہ سے اعمال میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے۔ کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ تو فرماتے ہیں لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں ہی نہ پڑنا چاہئے۔ کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی۔ فلاں کیفیت جاتی رہی قلب کا برباد کرنا ہے۔ آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس میں بھی عنوان کو اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کید کہ لذت اور سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بحق سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

دوسرے جمعیت قلب کا ذمہ دار شیخ کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری چیز کی کون ذمہ داری لے۔ اچھا یہاں تو شیخ کو ذمہ دار سمجھ لیا اگر ناسور ہو جائے اور کسی طرح اچھا ہونے کی امید نہ ہو ہر وقت رستا رہے تب بھی جمعیت برباد ہوگی اور قلب ہر وقت مشوش رہیگا اس کا کیا علاج کروگے وہ تو نہ پیر کے بس کی نہ مرید کے بس کی دیکھنا یہ ہے کہ ہم مکلف کس بات کے ہیں اور مامور کس چیز کے ہیں۔ بڑی چیز تو حقیقت سے باخبر ہونا ہے۔ اس کے بعد بہت سے فضول اور عبث امور سے نجات ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ تو غایت شفقت کی وجہ سے فرماتے ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی اللہ تعالےٰ تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کی قدر۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت ان آثار کے مناشی تو مطلوب ہیں۔ فرمایا۔ مناشی تو مطلوب نہیں نواشی مطلوب ہیں۔ منشا تو سب کا قوت شہویہ ہے جو فعل مباح کے ساتھ بھی متعلق ہو جاتی ہے۔ کسی فقیہ یا کسی محقق صوفی کے کلام میں دکھاؤ کہ یہ چیزیں مطلوب ہیں البتہ اس سے جو آثار ناشی ہوتے ہیں جیسے سہولت فی العبادۃ وہ کسی درجہ میں مطلوب ہو سکتے ہیں مگر بالذات نہیں۔ ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی۔ اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی ہے جمعیت جبھی ہو سکتی ہے کہ قلب کو

اس کی تحصیل سے خالی سوچ اور فکر ہی میں نہ پڑے۔ ورنہ ہر وقت یہ فکر کہ جمعیت میسر ہو۔ خود ایسی چیز ہے کہ اگر کچھ جمعیت نصیب بھی ہوئی تو یہی فکر کر کے یہ اپنے ہاتھ سے خود اس کو برباد کر رہا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کے مصداق ہے ؎

یکے بر سر شاخ و بن مے برید خداوند بستاں نگہ کرد و دید

جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب کو مشوش کر رہے ہیں۔ اور مشوش رہنے کی وجہ یہی ہے کہ غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جمعیت نہ ہونے کے سبب نماز میں بھی لوگوں کو وساوس آتے ہیں اور اکثر ان کی شکایت کیا کرتے ہیں اور دفع کی تدبیر پوچھا کرتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس طرف خیال ہی مت کرو التفات ہی مت کرو بلکہ ایسے موقع پر مفید صورت یہی ہے کہ اپنے کام میں لگے رہیں۔ ان وساوس کی طرف التفات ہی نہ کریں نہ جلباً نہ سلباً کیونکہ یہ التفات ایسا ہے جیسے بجلی کے تار کو ہاتھ لگانا کہ چاہے دفع کے واسطے ہو چاہے اپنی طرف کھینچنے کے واسطے ہو۔ ہر صورت میں وہ پکڑ لیتا ہے۔ اور میں کہتا ہوں وساوس کی فکر کیوں ہے قلب تو مثل ایک سڑک کے ہے۔ اگر سڑک پر بھنگی چمار بھی چل رہے ہیں۔ اور آپ بھی اس پر سے گذر رہے ہیں تو آپ کا حرج ہی کیا ہے۔ اگر سڑک کے خالی ہونے کے انتظار میں آپ کھڑے رہیں تو کبھی بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے البتہ نظام دکن کے لئے تو سڑک خالی بھی ہو سکتی ہے مگر ہر شخص تو نظام نہیں۔ افسوس اب تو ہر شخص نظام بننا چاہتا ہے کہ جیسے ان کے لئے سڑک رو کدی جاتی ہے ایسے ہی ہمارے لئے بھی سب گذرنے والوں سے سڑک خالی کر دی جائے۔ ارے بھائی پہلے نظام کے درجہ کے تو ہو جاؤ پھر یہ تمنا کرنا جو نظام کے درجے کے ہو جاتے ہیں ان کے لئے سڑک بھی صاف کر دی جاتی ہے۔ لوگ وساوس کو حضور قلب میں مخل سمجھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ خود حضور قلب ہی مقصود نہیں صرف احضار قلب مقصود ہے حضور ہو یا نہ ہو جب ہم اس کے شرعاً مکلف ہی نہیں پھر شرع پر زیادت چہ معنی۔ ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم بھی ہے جیسے عقائد و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی زیادت بھی بدعت ہے یہ ظاہری وہ باطنی غیر اختیاری امور کا مطلوب

نہ ہونا اور اختیاری کا مطلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں
ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض۔ للرجال نصیب مما اکتسبوا و
للنساء نصیب مما اکتسبن۔ واسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ کان بکل شیئ
علیما۔ ترجمہ (اور تم ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر
فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے
اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالٰے سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو۔ بلاشبہ
اللہ تعالٰے ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) تفسیروں میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ
مجاہدین کے اجر جہاد کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر حضرت ام سلمہؓ نے
عرض کیا کہ کاش ہم بھی مرد ہوتیں تو جہاد کرتیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ما فضل
اللہ بہ چونکہ بمقابلہ اکتساب واقع ہوا ہے اس لئے اس سے مراد امور غیر اختیاریہ ہیں
آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہوبہ یعنی غیر اختیاریہ مکتسبہ یعنی اختیاریہ۔
حق تعالٰے نے۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ میں غیر اختیاری کی تمنا سے نہی فرمادی ہے
اور للرجال نصیب مما اکتسبوا لخ میں اختیاری کے اکتساب کی ترغیب دی ہے
پھر واسئلوا اللہ من فضلہ میں اس کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیاریہ کو
دل ہی چاہے تو بجائے درپے ہونے اور ہوس کرنے کے اس کی دعا کرلیا کرو اس لئے
ارشاد فرماتے ہیں واسألوا اللہ من فضلہ یعنی ثمرات وفضائل کے لئے دعا کرنیکا
اذن فرمایا ہے بشرطیکہ اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے
عورت کا مرد بن جانا پھر دعا کرکے بھی حصول کا منتظر نہ رہنا چاہئے اس سے بھی پریشانی
ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان اللہ کان بکل شیئ علیما پس اس میں تعلیم ہے کہ
حق تعالٰے ہی کو مصلحت اور حکمت معلوم ہے۔ وہ ہر ایک کی استعداد کے موافق
فضائل وثمرات خود عطا فرماتے ہیں کبھی دعا سے کبھی بدون دعا کے تم ایسی غیر اختیاری
چیزوں کی ہوس مت کرو اور نہ ان کی افراط کے ساتھ تمنا کرو۔ اور آجکل اکثر لوگوں نے
ایسی ہی چیزوں کی تمنا کو اختیار کر رکھا ہے جن کے حصول کے درپے ہونے سے منع کیا ہے
یہی سبب ہے زیادہ تر لوگوں کی ناکامی کا۔ اور پریشانی کا۔ ایک مولوی صاحب نے دریافت
کیا کہ حضرت بلا قصد اگر پچھلے گناہ یاد آجائیں تو اُس وقت کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ توبہ خالص

وکامل کر چکنے کے بعد دو امر کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ خود اُن گناہوں کا قصداً استحضار نہ کرے جو ماضی میں گذر چکے ہیں اور جن سے توبہ کر چکا ہے اور دوسرے آیندہ کے نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑے۔ ماضی کا غم اور مستقبل کی فکر یہ دونوں حجاب ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎ ماضی و مستقبلت پردۂ خدا است۔

خلاصہ یہ ہے کہ قصداً گناہوں کا استحضار نہ کرنا چاہئے اس سے بندے اور خدا کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے۔ البتہ جو گناہ بلا قصد یاد آجاوے اس پر مکرر استغفار کر کے پھر اپنے کام میں لگ جاوے زیادہ کاوش نہ کرے۔ البتہ اگر کسی کو استحضار سے ہی کیفیت حجاب کی نہ ہوتی ہو اس کے لئے مضر نہیں مگر پھر بھی ایسا مبالغہ اور غلو نہ کرے جیسے مولانا رائپوری رح کے پہلے پیر شاہ عبدالرحیم صاحب ایک قصہ فرماتے تھے کہ رمی جمار کے موقعہ پر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک لمبا سے جوتہ لئے شیطان کو مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو نے فلاں دن مجھ سے زنا کرایا تھا فلاں دن چوری کرائی تھی فلاں فلاں دن گناہ کرائے تھے۔ شاہ صاحب نے ٹوکا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے تو بہت خفا ہوا اور کہا کہ جو اس کا ساتھی ہے وہ بھی آجاوے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ بھائی میرا کیا بگڑتا ہے بلکہ میری طرف سے بھی دو جوتے لگا دے۔ مجھے بھی بہت پریشان کیا ہے۔ بعضے جاہل ترک تو وہاں بجائے کنکریوں کے بندوق سے گولیاں مارا کرتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوں گے کہ کنکریوں سے شیطان پر کیا اثر ہوگا اس خبیث پر تو گولیاں برسانی چاہئیں۔ ایسی فضولیات اور خرافات میں پڑنا حقیقت میں اپنے وقت کو برباد کرنا ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا نے تو بلا ضرورت شیطان پر لعنت کرنے کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ پھر ان ہی مولوی صاحب نے حدیث کی اس دعاء کا مطلب دریافت کیا۔ اللھم اجعل وساوس قلبی خشیتك وذكرك وجعل همتی وھوای فیما تحب وترضی۔ فرمایا اس کے تین معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بجائے وساوس کے خشیت و ذکر قلب میں پیدا ہو جائے اور جعل ایسا ہوگا جیسا اس حدیث میں ہے من جعل الھموم ھمًّا واحدًا یعنی پہلی چیز زائل ہو جاوے اور دوسری پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ وساوس ذریعہ خشیت و ذکر کا بن جائیں جیسا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وساوس کو مرآۃ جمال خداوندی بنالے اس طرح سے کہ جب وساوس بند نہ ہوں مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر

قلب کو بھی کیسا بنایا ہے کہ اس کے خیالات کی انتہا رہی نہیں پس اس صنعت کے مراقبہ میں لگ جاوے۔ تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود وساوس ہی کو خشیت و ذکر کر دیں جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی ۔۔۔ گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

ایں چنیں میناگریہا کار تست ۔۔۔ ایں چنیں اکسیرہا ز اسرار تست

اسی دوران گفتگو میں کسی موقع پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عارف تو اپنے کو رائی کے برابر سمجھتا ہے۔ فرمایا جی ہاں جو رائی (یعنی مبصر) ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو رائی سمجھتا ہے۔ پھر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض مرتبہ کسی حسین کا خیال بلا قصد آتا ہے۔ اس کا کیا علاج ہے۔ فرمایا کہ باختیار خود نہ لائیے۔ اور اگر وہ خود آتا ہے تو آنے دیجئے ذرہ برابر بھی ضرر نہیں مگر قصد سے اس کا ابقاء نہ کرے بلکہ اس کشمکش ہی میں تو اجر بڑھتا ہے۔ اور اگر دفع ہی کرنا چاہے تو ایک مراقبہ مفید ہو گا کہ کسی ایسے بنئے کا جو اندھا چوندھا بدشکل ہو جس کی ناک پچکی ہوئی ہو نٹ بڑے بڑے توند بڑی سی نکلی ہوئی اور ناک سے رینٹ اور منہ سے رال بہہ رہی ہو تصور کرے انشاء اللہ تعالیٰ وہ خیال جاتا رہے گا اور اگر نہ بھی گیا تو کمی ضرور ہو جائے گی کیونکہ یہ عقلی مسئلہ ہے کہ النفس لاتتوجہ الی شیئین فی آن واحد۔ نفس کو ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی۔ بیجئے ہم نے کافر سے بھی دین کا کام لے لیا۔ پس تو جب وسوسہ آئے ہمت سے اپنے قلب کو بہ تکلف دوسری طرف متوجہ کر دے اور بالکل نکل جانا تو مطلوب ہی نہیں اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے تو خدا مدد کرتا ہے رفتہ رفتہ بالکل بھی نکل جاتا ہے اور اگر نہ بھی نکلے تو کلفت برداشت کرے اگر خدا نخواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جائے تو وہاں کیا کرو گے عمر بھر تکلیف کو طوعاً و کرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا یہاں بھی یہی کرو اور اگر اس پر راضی نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کرو حضرت سرمد نے خوب فیصلہ فرمایا ہے۔ کہتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد ۔۔۔ یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن بہ رضائے دوست می بایدداد ۔۔۔ یا قطع نظر زیار می باید کرد

میں کسی کو سعی و کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا ہاں غلو سے

منع کرتا ہوں نہ تو غلو ہو نہ غلو بلکہ علو ہوا اور اگر کسی کو ہوس ہوتی ہو کہ عارفین کو عبادت میں کیا کچھ لطف اور مزے آتے ہوں گے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے تو خوب سمجھ لیجئے کہ جہاں ان کے لئے لذت اور مزہ ہے وہاں ایک شئے اور بھی تو ہوتی ہے جو سارے مزوں کو ملیامیٹ کردیتی ہے وہ ہیبت اور خشیت ہے کہ جس سے سارا مزہ گرد ہو جاتا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ حالت ہوتی تھی۔ لہ ازیز کازیز المرجل یعنی نماز میں جس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے آپ کے سینہ مبارک کی بوجہ غلبہ خوف وخشیت کے ایسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہو اور اس میں ابال آرہا ہو کھدبد کھدبد آواز آرہی ہو۔ نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم قہقہہ نہیں فرمایا کرتے تھے اور دائم الفکر رہا کرتے تھے۔ تو جناب آپ کو کیا خبر کہ جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ بڑے مزے میں ہوں گے ان پر کیا کیا گذرتی رہتی ہے۔ اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست

حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو ہیبت وخشیت ہی کا القاء کرنا ہے اور مزہ اس واسطے دیدیتے ہیں کہ ہیبت وخشیت کا تحمل ہو سکے اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر تو ہستی طالب حق مرد راہ درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

اردو کا بھی ایک شعر اسی کو ظاہر کرتا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس پر مجھے اپنے بچپن کی ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ مجھ کو خارش کا عارضہ ہوگیا تھا۔ والد صاحب اس زمانہ میں میرٹھ میں ملازم تھے۔ اول یہاں وطن میں علاج کیا کوئی نفع نہ ہوا۔ خون میں اس قدر حدت پیدا ہوگئی تھی کہ بعض اطباء نے احتراق کا اندیشہ بتلا دیا تھا چنانچہ میں علاج کے لئے والد صاحب کے پاس میرٹھ چلا گیا۔ والد صاحب پر بوجہ شفقت کے بیحد اثر ہوا ایک جراح کو دکھلایا اس نے ایک نہایت تلخ دوا دی جو دہی میں کھائی جاتی تھی۔ والد صاحب یہ کرتے کہ کچھ دہی پہلے

ہاتھ پر رکھتے پھر اس پر دوا رکھتے اور پھر اس پر دہی رکھ کر مجھ کو کھلاتے اس کے کھانے سے تمام حلق کڑوا ہو جاتا اور بہت دیر تک اس کی تلخی کا اثر رہتا۔ اب ظاہر ہے کہ مقصود دہی کھلانا نہ تھا بلکہ اس تلخ دوا کا کھلانا تھا۔ اور دہی کے ساتھ اس لئے کھلاتے تھے کہ تلخی کی ناگواری کسی قدر کم ہو جائے اور وہ دوا کھائی جا سکے ورنہ اس میں اس قدر تلخی تھی کہ بلا دہی کے میں کھا ہی نہیں سکتا۔ لیکن باوجود اس کے بھی اس دوا ہی کی تلخی غالب رہتی تھی۔ اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ لذت مقصود نہیں۔ مقصود خوف وخشیت ہی ہے لیکن لذت اس لئے دیدی جاتی ہے کہ خشیت کی سہار ہو سکے۔ پھر بھی غلبہ خشیت ہی کا رہتا ہے اور کیوں نہ ہو بندہ پیدا ہی اس واسطے ہوا ہے کہ وہ اس کشمکش میں رہے ورنہ عالم ارواح ہی سے آنے کی کیا ضرورت تھی اسی امتحان ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں اور یہی تو حکمت روح کو جسد کے ساتھ متعلق کرنے میں ہے۔ جب تک جسد کے ساتھ روح کا تعلق ہے یہی کشاکش رہے گی اس سے چھٹکارا کی تمنا ہی کرنا فضول ہے انسان اس کشمکش ہی کے لئے تو پیدا کیا گیا ہے ورنہ عبادت کے لئے فرشتے کیا کچھ کم تھے شاہ نیازؔ اسی کو کہتے ہیں ؎

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

مجذوبؔ کا قول ہے ؎

کہاں تھا کون تھا اور اب کہاں ہوں کیا ہوں میں
اس آب و گل کے جو دلدل میں آ پھنسا ہوں میں

؎ تجھے کہاں گردش تقدیر کہاں لائی ہو — بادہ پیمائی تھی یا بادیہ پیمائی ہے

یہ بندہ ہے گر خدا بنکر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ہو۔ بس حقیقت یہ ہے کہ لذت مقصود ہی نہیں مقصود نصب و وصب ہے۔ اسی واسطے حضرت انبیاء علیہم السلام بھی اس سے خالی نہ رہے۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تاکہ ثواب مضاعف ہو۔ اگر یہ کوئی چیز مقصود نہ تھی تو انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیوں بری نہ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

زاں بلاہا کانبیاء برداشتند — سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل دیکھئے اشد بلاءً فرمایا اکثر راحۃً نہیں فرمایا اور وساوس کی طرف سے تو ہم کو بالکل مطمئن فرما دیا گیا ہے۔ حضرات صحابہ سے بڑھ کر تو ہم نہیں ہو سکتے اُن حضرات کو بھی ایسے ایسے وسوسے آتے تھے کہ جن کے بارہ میں انھوں نے اس عنوان سے حضور میں عرض کیا کہ اُن کو ظاہر کرنے سے جل کر کوئلہ ہو جانا سہل ہے تو دیکھئے اُن حضرات کو بھی کیسے کیسے خوفناک وسوسے آتے تھے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ذالك صریح الایمان ظاہر ہے کفر کے وسوسہ سے بڑا وسوسہ سے بڑا وسوسہ تو کوئی نہیں ہو سکتا اس کا بھی یہی حکم ہے اور جب اس قسم کے وساوس کا قلب پر ہجوم ہو تو وہی نسخہ استعمال کرے کہ اپنے خیالات کو کسی دوسری طرف متوجہ کر دے خواہ کسی دنیا ہی کی چیز کی طرف مثلاً گاجر کا حلوا شلجم کا اچار اور اس کے اوزان اور ترتیب میں قلب کو مشغول کر دے۔ اس طرح قلب کو متوجہ کرنے میں چند روز تو تعب ہوگا مگر پھر انشاء اللہ تعالیٰ بڑی سہولت سے وساوس کی مدافعت پر قدرت ہو جائے گی آخر میں بطور تحدث بالنعمۃ کے فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو ہر انجمن میں سید ہا راستہ نظر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق کے سمجھنے میں اب کوئی پیچیدگی نہیں رہتی۔

بنیان المشید ترجمۂ اردو برہان المؤید

از عارف کامل ولی بے مثل مالک گنجینۂ علوم لدنی شیخ احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہٗ یہ وہی شیخ احمد کبیر قدس سرہ ہیں جن کی پیدائش سے چالیس روز قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ماموں کو بشارت دی تھی کہ تمہاری بہن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام احمد رکھنا اولیاء کرام میں وہ ایسا ہی سردار ہوگا جس طرح کہ میں انبیاء کا سردار ہوں۔ چنانچہ آپ کو وہ مرتبہ عطا ہوا تھا جو کسی دوسرے ولی اللہ کو میسر نہ ہوا ہوگا، مثلاً جب آپ ۵۵۵ھ میں زیارت بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو سرکار دو عالم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوئے گنبد حضرا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچکر آپنے با آواز بلند کہا السلام علیک یا جدی فوراً روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے ندا آئی وعلیکم السلام یا ولدی۔ اس ندائے مبارک کو سنکر آپ پر وجد طاری ہوگیا، آپکے علاوہ جتنے آدمی وہاں موجود تھے سبنے آواز کو سنا تھوڑی دیر کے بعد آپ نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ تھا کہ جدائی و دوری کی حالت میں تو اپنی روح کو روضۂ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتا تھا کہ میری طرف سے آپکے آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرلے اور جبکہ دولت دیدار مجھے اصالتاً حاصل ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا مبارک ہاتھ دیجئے کہ میں اسے بوسہ ذکر عزت حاصل کروں اسی وقت روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے دست مبارک چمکتا ہوا نکلا اور آپنے اسے بوسہ دیا اس وقت روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً ۹ ہزار عاشقان جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشتاقان روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجمع تھا جنھوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے ان میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ عدوی اور حضرت شیخ عبد الرزاق حسینی واسطی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی تھے اس واقعہ کو اس کثرت سے علماء نے بیان کیا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔

حضرت مولانا مولوی ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہم العالی نے اس کا ترجمہ کرکے حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب اس ترجمہ کا معائنہ فرما رہے تھے تو ایک روز اپنی مجلس خاص میں فرمایا کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی کتاب کے ترجمہ سے مجھے ایسی خوشی ہوئی ہو جیسی اس کتاب کے ترجمہ سے ہوئی ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ سالکین روزانہ بطور ورد کے اس کا مطالعہ کیا کریں یہ کتاب نایاب ہوچکی تھی اب دوبارہ طبع ہوئی ہے اس کے ساتھ رسالہ روح تصوف و عطر تصوف بھی شامل ہیں جس میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رح کے ارشاد کے موافق البرہان المؤید کے خاص قیمتی مضامین کو خلاصہ کرکے الگ کردیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ حضرت حکیم الامۃ رح کے رسالہ مبادی التصوف بھی شامل کردیا جائے جس کا مطالعہ مبتدیان سلوک کے لئے بہت مفید اور نافع ہے اس طرح یہ مجموعہ سب ہی کے لئے کافی شافی ہوگا گویا معرفت و حقیقت کا نایاب خزانہ ہے۔ امید ہے کہ برادران اسلام عموماً اور برادران سلسلہ امدادیہ اشرفیہ خصوصاً اس کی قدر فرمائیں گے۔